مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ

الحمد للّٰہ

کہ

36

کتاب مستطاب ہدایت مآب

مسمّٰی بہ مختصر

تاریخ ائمہ علیہم السلام

جس میں بفضلہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کے مختصر اور آئمہ طاہرینؑ کے ضروری حالات زندگی اور علمی و عملی نیز دینی و دنیوی کارنامے کمال تحقیق سے جمع کئے گئے ہیں

مصنّفہ

حجۃ الاسلام آیۃ اللہ العظمیٰ آقائے سیّد علی حیدر صاحب قبلہ طاب ثراہٗ

المتوفی ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ

ناشر

کتب خانہ شاہ نجف لاہور

قیمت ۱-25 روپے

نامی پریس۔ لاہور

یہ CD اپنے بچوں کے پڑھنے کے لئے بنائی

طالب دعا

سید نذر عباس

27-5-2003

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ جمیع الانبیاء والمرسلین لاسیما علیٰ اشرف الاولین والآخرین افضل الانبیاء والمرسلین سیدنا ومولانا ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاہرین المعصومین من یومنا ھذا الیٰ یوم الدین۔

خدا کے فضل وکرم سے اردو زبان میں اسلامی علوم وفنون کی کتابیں کثرت سے شائع ہوچکیں اور برابر ان میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے مگر ایک نہایت ضروری کتاب کی کمی افسوسناک اور نقصان رساں ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے بار بار ارشاد فرمایا: انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی احدھما اعظم من الآخر کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی فانظروا کیف تخلفونی فیھما فانھما لن یفترقا حتیٰ یردا علی الحوض مسلمانو! میں (اب دنیا سے جاتا ہوں) مگر تم لوگوں کے درمیان اپنا دو قائم مقام چھوڑے جاتا ہوں جب تک تم دونوں کی پیروی کرتے رہوگے میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہوگے وہ دونوں بڑے عظیم الشان اور ان کا ایک دوسرے سے بڑھا ہوا ہے۔ وہ قرآن مجید اور میری عترت میرے اہلبیت ہیں۔ اب تم لوگ دیکھو میرے بعد ان سے کیا برتاؤ کرتے ہو۔ یہ بھی جان لو کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہنچ جائیں (منتخب کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۹۳ وتفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ وغیرہ) اس سبب سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ پہلے قرآن مجید اور اہلبیت کو جانے اور ان کی معرفت حاصل کرے۔ اس کے بعد دونوں کی پیروی میں کوشاں ہو۔ قرآن مجید تو مسلمانوں کے گھر میں موجود ہے اور اس کی معرفت اسی میں غور وخوض اور فکر وتامل کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے وہ خود کہتا ہے افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا۔ قرآن مجید میں لوگ غور وفکر کیوں نہیں کرتے اگر وہ ایسا کریں تو انہیں یقین حاصل ہوجائے کہ یہ کتاب الٰہی اور معجزہ حضرت رسول خدا صلعم ہے کیوں کہ اگر یہ خدا کے ہاں سے نہیں آتی تو لوگوں کو اس میں بہت کثرت سے اختلافات ملتے (پ ۵ ع ۸) لیکن حضرات اہلبیتؑ وعترت رسولؐ کی معرفت حاصل ہونے کا کوئی آسان ذریعہ اردو زبان میں اب تک نہیں ہوا۔ بے شک ان حضرات کی مفصل سوانح عمری لکھی گئی مگر کوئی ایسی مختصر لیکن جامع کتاب نہیں مرتب ہوئی جو قرآن مجید کی طرح ایک ہی جلد میں ہو جس کے مطالعہ سے برابر کل حضرات مقتدایان دین پیشوایان مذہب کے ضروری حالات پیش نظر ہوتے رہیں اور جس کے پڑھنے سے ان کے

علمی وعملی کارناموں سے ہمیں سبق حاصل کرنے کا موقع ملتا رہے جس میں عبارت آرائی انشا پردازی پر زور نہ دیا گیا ہو بلکہ خالص واقعات کو سیدھے سادے طور پر جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور جو اس قابل ہو کہ مومنین و مومنات خود نیز ان کے وہ لڑکے جو کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں بلکہ کمسن بچے اور لڑکیاں تک اس کو آسانی سے پڑھ کر اپنے بزرگان دین کے سوانح حیات معلوم کرسکیں اور اس کو برابر اپنے پاس رکھ کر ہر وقت ان حضرات کی سیرت کا مرقع ملاحظہ کرتے رہیں۔ جس میں زیادہ تر فضائل ومصائب کے تذکرے نہ ہوں بلکہ ان کی تہذیب۔ مکارم اخلاق، تزکیہ نفس۔ اشاعت علوم ترویج دین، خدمت خلق ارشاد ناس ہدایت بنی آدم حمایت اسلام ومسلمین کفالت ایتام ومساکین وغیرہ اوصاف جن کی پیروی کی کوشش ہم لوگ آسانی سے کرسکتے ہیں، واضح طور پر بیان کئے گئے ہوں اور جس سے معلوم ہوسکے کہ خدا نے ان حضرات کو دنیا میں کن اغراض ومقاصد کے لیے بھیجا اور ان حضرات نے ان کو کس خوبی اور صبر واستقلال سے انجام دیا۔

اس قسم کی کتاب کی شدید ضرورت مُدّت دراز سے محسوس ہو رہی تھی۔ چنانچہ خدائے کریم نے محض اپنے فضل وکرم اور انعام واحسان سے بندہ احقر کو ضخیم کتاب مجالس خاتون۔ تصویر عزا وسوانح عمری خلیفہ اول کی جمع وترتیب سے فارغ کیا مناسب معلوم ہوا کہ اسی قادر علی الاطلاق وحی قیوم سے اس کی توفیق وتقویت وتائید وحمایت کا سوال کرکے اب اس بہت ضروری اور نہایت اہم دینی خدمت کے انجام دینے کی ہمت بھی کرے اور السعی منی والاتمام من اللہ کو پیش نظر رکھ کر اس کی تکمیل پر آمادہ ہوجائے۔ اور چوں کہ یہ کتاب اس کے محبوب بندوں کا مرقع مفاخر ہوگی اس وجہ سے اس کی بھی قوی امید ہے کہ وہ اپنی مدد ونصرت ہمارے شامل حال رکھے وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وھو حسبی ونعم الوکیل و نعم المولیٰ ونعم النصیر اور چوں کہ حضرات ائمہ طاہرین کے بزرگ حضرات انبیاء کرام تھے اس سبب سے اس کتاب میں انش پہلے ان حضرات کے مختصر حالات لکھے جائیں گے۔ اسی وجہ سے اس کتاب کے دو مقدمے اور چودہ باب قرار دیئے گئے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(پہلا مقدمہ) حضرات انبیاء کرام کے مختصر حالات (دوسرا مقدمہ) حضرت رسولؐ خدا کے مختصر حالات اس میں انشاء اللہ حضرت کے مشہور بزرگوں اور عزیزوں مثلاً جناب قصی جناب عبد مناف جناب ہاشم جناب عبد المطلب جناب اسد (جناب امیرؑ کے نانا) جناب عباس بن عبد المطلب، جناب حمزہؑ، جناب عبد اللہ، جناب ابوطالب، جناب عقیل، جناب جعفر، جناب قاسم وجناب ابراہیم وغیرہ اور مشہور صحابہ مثلاً جناب ابوذر، جناب سلمان، جناب مقداد، جناب عمار، جناب جابر وغیرہ اور ازواج مثلاً جناب خدیجہ، جناب عائشہ، جناب حفصہ، جناب زینب، جناب ام سلمہ وغیرہا کے حالات بھی ہوں گے

پہلا باب: حالات حضرت امیرالمومنین علیہ السلام اس میں آپ کی ازواج مثلاً جناب سیدہ و جناب ام البنین اور ان کی اولاد مثلاً جناب محمد حنیفہ و جناب عباس علمبردار اور اصحاب مثلاً جناب قنبر، مالک اشتر، جناب حجر بن عدی جناب رشید، جناب طرماح وغیرہ کے حالات بھی ہوں گے۔ ص ۱۵۱
دوسرا باب: حالات حضرت امام حسنؑ اس میں انش آپ کی اولاد خصوصاً جناب حسن مثنیٰ جناب قاسم کے حالات بھی ہوں گے۔ ص ۲۴۴
تیسرا باب: حالات حضرات امام حسینؑ۔ اس میں حضرتؑ کے فرزندان جناب علی اکبرؑ و جناب علی اصغر و شہداء کربلا کے مختصر حالات بھی ہوں گے۔ ص ۲۶۱
چوتھا باب: حالات جناب امام زین العابدین علیہ السلام اس میں انش جناب زید، جناب یحییٰ بن زید و جناب عیسیٰ بن زید اور جناب مختارؒ کے کارنامے بھی ہوں گے۔ ص ۲۸۲
پانچواں باب: حالات حضرت امام محمد باقر علیہ السلام۔ ص ۳۰۱
چھٹا باب: حالات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس میں انش آپ کے صاحبزادے جناب اسمٰعیل اور خلفاء فاطمین نیز بوہرے و آغاخانی حضرات اور آپ کے مشہور اصحاب جناب زرارہ جناب ابوبصیر جناب مومن الطاق و جناب ہشام بن الحکم وغیرہ کے حالات بھی ہوں گے۔ ص ۳۲۱
ساتواں باب: حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے حالات ص ۳۴۵
آٹھواں باب: حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حالات ص ۳۵۵
نواں باب: حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حالات ص ۳۶۸
دسواں باب: حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے حالات ص ۳۷۱
گیارہواں باب: حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے حالات ص ۳۷۶
بارہواں باب: حضرت حجۃ العصر کے حالات ص ۳۷۹
تیرھواں باب: حضرات ائمہ اثنا عشر کے مجموعی فضائل اور ان کے ائمہ حق ہونے کے دلائل و براہین ص ۳۸۲
چودھواں باب: فرقہ اثنا عشریہ کے ناجی اور برحق ہونے ادلہ قاطعہ کی تفصیل۔ ص ۳۸۴

انش اس امر کی خاص کوشش کی جائے گی کہ ہر بزرگ کے ضروری حالات مختصر عبارتوں میں درج کیے جائیں تاکہ ۴۰۰ صفحوں میں پوری کتاب تمام ہوجائے اور کوئی ضروری مضمون رہ بھی نہ جائے مفصل حالات لکھنے کا ارادہ نہیں کہ اس سے یہ کتاب اپنے اصل مقصود سے خارج ہوجائے گی اور تفصیلی حالات کی سوانح عمری بھی تقریباً کل حضرات کی شائع ہوچکی ہے جن حضرات کو زیادہ حالات مطلوب ہوں گے وہ ان کی طرف رجوع کریں گے۔

ACCESSION NO
1518

پہلا مقدمہ

حضرات انبیاء کرام کے مختصر حالات

حضرت آدمؑ کل انبیاء و مرسلین کے بزرگ اور ہر انسان کے جد اعلیٰ حضرت ہی ہیں آپ کی تشریف آوری کے متعلق مورخین نے بہت کچھ اختلافات ذکر کرنے کے بعد اپنی اپنی تحقیق بھی مختلف لکھی ہے علامہ ابوالفدا نے لکھا ہے فیکون بین الهجرة وبين هبوط آدم ستة الاف سنة ومائتان وست عشرة سنة وهذا القدر هو المختار وعليه نبني كتابنا۔ حضرت آدمؑ کے زمین پر تشریف لانے سے حضرت سید المرسلین صلعم کی ہجرت تک حساب کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ۶۲۱۶ برس گزرے ہیں اور یہی حساب ہمارے خیال میں صحیح ہے اور اسی پر ہم اپنی کتاب (تاریخ ابوالفداء) کی بنیاد قائم کرتے ہیں (ابوالفداء جلد ا صفحہ ۶) مگر حضرت آدمؑ کی وفات حضرت نوحؑ کے طوفان سے ۷۲۴ سال قبل بتائی جاتی ہے اور طوفان نوحؑ کا سال بعض محققین فرنگ نے ۲۳۴۸ اور بعض نے ۳۰۰۰ سال قبل از حضرت مسیح لکھا ہے اس حساب سے حضرت آدمؑ دنیا میں آج سے ۶۰۲۶ یا ۶۶۷۸ سال پہلے تشریف لائے تھے مگر ان اقوال سے کسی پر بھی نفس کو اطمینان نہیں ہوتا ہے۔

شجرہ نسب مومنین کی تحقیق کے مطابق حضرت آدمؑ سے حضرت رسول خدا صلعم تک کا شجرہ یہ معلوم ہوتا ہے

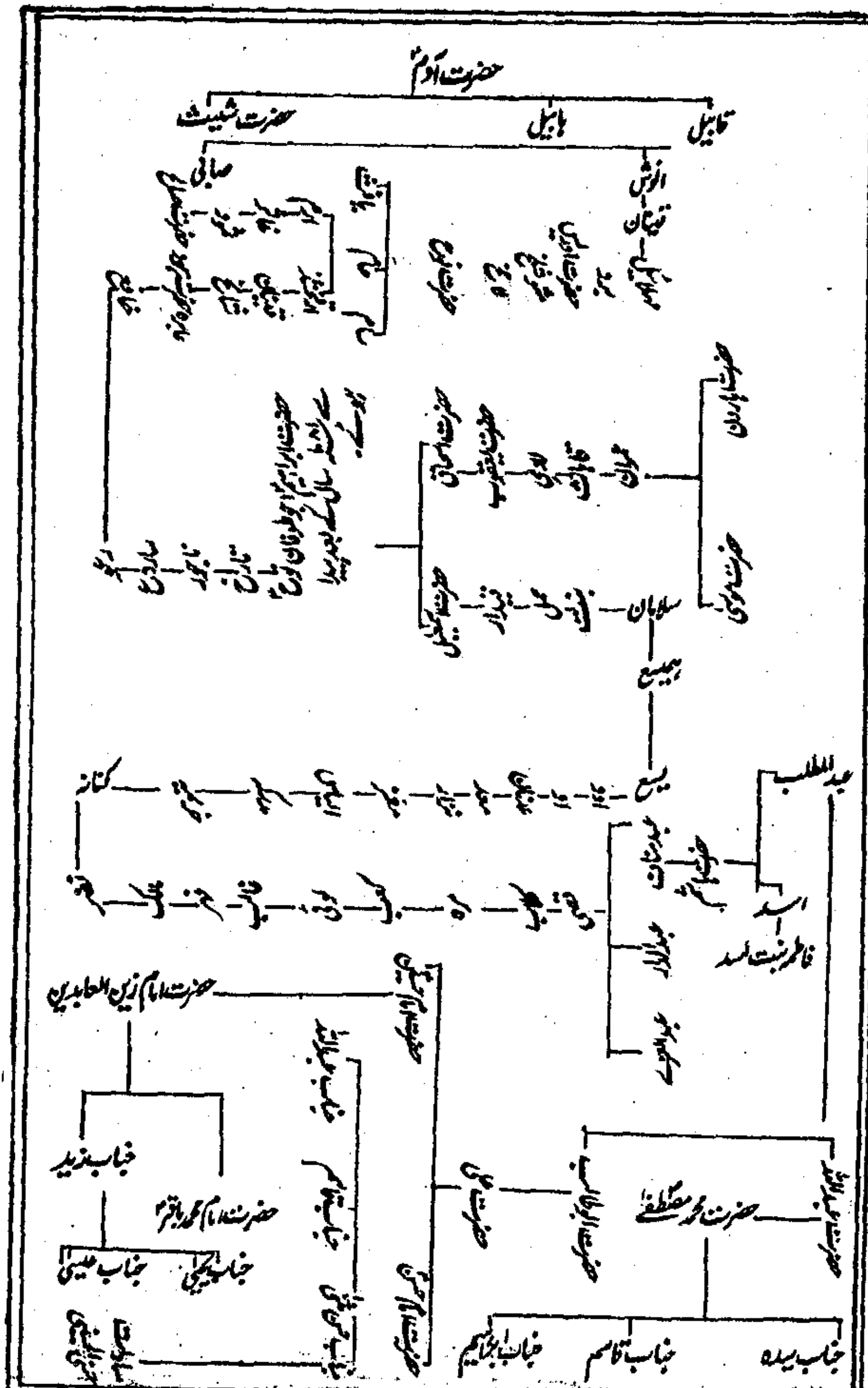

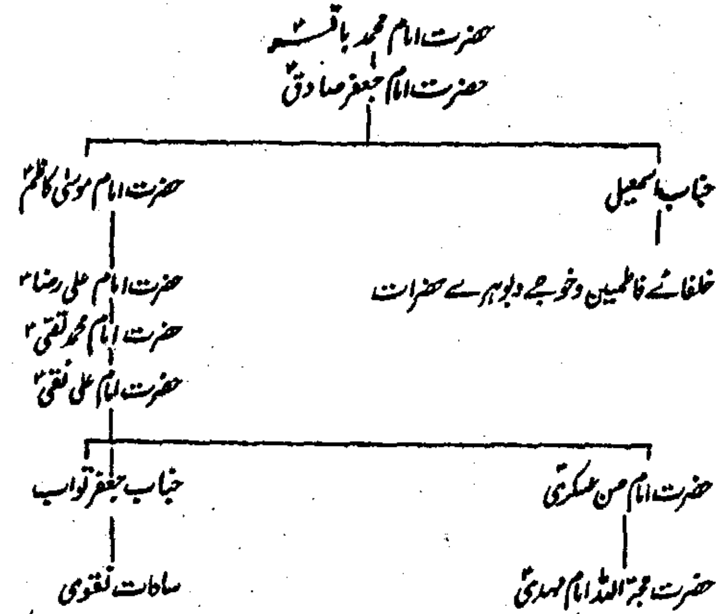

تنبیہ اس امر کا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جس طرح حضرت آدم سے اس وقت تک کی مدت میں کہ کس قدر زمانہ ہوا شدید اختلاف ہے اسی طرح جناب ممدوح سے قریش کے بزرگ (فہر) تک (جو تیسری صدی عیسوی میں ہوا ہے) سلسلہ نسب میں شدید اختلاف ہے اس وجہ سے مذکورہ بالا سلسلہ نسب کو یقینی اور اعتراض سے خالی نہیں سمجھنا چاہیئے۔

خلقت حضرت آدم جب خدا نے آپ کو پیدا کرنا چاہا تو ایک فرشتہ عزرائیل نامی کو یہ حکم دیا کہ زمین سے ایک مٹھی مٹی لائے عزرائیل سخت و نرم اور سیاہ و سفید و سرخ و زرد غرض ہر قسم کی زمین سے ایک ایک مٹھی لے گئے ان سے خدا نے حضرت آدم کا پتلا بنا کر اس میں روح پھونک دی۔ اس طرح مختلف قسم کی مٹیوں کے مجموعہ سے حضرت آدم پیدا ہوئے۔ اس سبب سے آپ کی اولاد میں۔ سرخ۔ سیاہ۔ زرد اور گورے آدمی پیدا ہوتے ہیں۔

جب خدا آپ کو پیدا کر چکا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ سب آپ کو تعظیمی سجدہ کریں۔ سب نے اس حکم کی تعمیل کی مگر ابلیس (شیطان) نے تکبر کرکے انکار کر دیا اس سبب سے وہ بہشت سے نکال دیا گیا اور حضرت آدمؑ کو جگہ دی گئی۔ پھر خدا نے اس مٹی سے جو حضرت آدمؑ کا پتلا بنانے سے بچ گئی تھی۔ حضرت حوا کو پیدا کیا جن سے حضرت آدم کی شادی ہوئی اور یہ دونوں میاں بیوی آرام سے بہشت میں رہنے لگے خدا نے ایک درخت کے بارے میں دونوں حضرات کو حکم دیا تھا کہ اس کے پاس بھی نہ جانا مگر شیطان نے (جو بہشت میں کچھ دیر کے لیے پہنچ گیا تھا) ان حضرات کو آمادہ کیا کہ اس درخت کا پھل کھالیں اور ان حضرات سے یہ امر جو گناہ تو نہیں تھا لیکن جس کا ترک کرنا اولیٰ تھا سرزد ہو گیا۔ اس پر خدا کی طرف سے

حضرت آدمؑ کو وحی ہوئی کہ تم نے وہ کام کیا جس کا کرنا تمہارے لیے مناسب نہیں تھا۔ اب تم دونوں بہشت سے اتر کر زمین پر چلے جاؤ۔ چنانچہ دونوں زمین پر آگئے۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ حضرات زمین پر کس جگہ اترے۔ غرض زمین پر آپ کی اولاد اور نسل بڑھنے لگی حضرت آدمؑ و حواؑ زمین پر آئے تو آپ کے دو بیٹے تھے ایک قابیل جو خدا پرست نہیں تھا دوسرا ہابیل جو بہت نیک ایماندار اور خدا پرست تھا۔ ہابیل و قابیل نے قربانی کی مگر ہابیل کی قربانی قابیل کی قربانی سے اچھی تھی۔ اس سبب سے وہ خدا کے دربار میں قبول کر لی گئی اور قابیل کی قربانی اس شرف سے محروم رہی۔ اس پر قابیل کو ہابیل پر حسد ہوا اور اس نے ان کو قتل کر دیا۔ جس کا حضرت آدمؑ کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور آپ نے ان پر نوحہ پڑھنا شروع کیا۔ مؤرخ ابن اثیر و طبری وغیرہ نے لکھا ہے:

قال علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ لما قتل ابن آدم اخاہ بکاہ آدم فقال

حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ حضرت آدمؑ ہابیل پر روتے تھے اور یہ نوحہ پڑھتے تھے ؎

تغیرت البلاد ومن علیہا ۔۔۔ فلون الارض مُغْبَرٌّ قبیح

تغیر کل ذی طعم ولون ۔۔۔ وقل بشاشۃ الوجہ الملیح

شہروں میں اور جو لوگ اس زمین پر آباد ہیں ان سب میں تغیر پیدا ہو گیا جس کی وجہ سے عالم کا رنگ غبار آلود اور بُرا ہے۔ ہر مزے اور رنگ والی چیز متغیر ہو گئی اور اچھے چہروں والوں کی بشاشت (تازہ روئی) بھی کم ہو گئی۔

اس کے جواب میں حضرت آدم سے کہا گیا ؎

اباھابیل قد قتلا جمیعاً ۔۔۔ وصار الحی کالمیت الذبیح

وجاء بشرۃ قد کان منہا ۔۔۔ علی خوف فجاء بہا یصیح

اے ہابیل کے باپ سب قتل کر دیئے گئے اور زندہ مثل ذبح شدہ مُردے کے ہو گیا۔ اور اس قابیل نے ہابیل پر ایسا حسد کیا جس سے خود ہی خوف میں مبتلا ہو گیا۔ غرض وہ اس کا ارتکاب کر کے چیخنے لگا (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۷۰ و تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۱۷ وغیرہ) ؂۱

حضرت آدمؑ کا لقب خلیفۃ اللہ و صفوۃ اللہ اور کنیت ابو البشر تھی۔ آپ کو خدا نے جب پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں سے فرمایا انی جاعل فی الارض خلیفۃ میں زمین پر ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں (پ ۱ ع ۴) جس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم کی خلقت کے پہلے ہی خدا نے اسکو بھی طے کر دیا تھا کہ زمین میں خلیفہ وہی بنائے گا اور یہ خاص اسی کا فعل ہے۔ کسی اور کو خدا نے اس کا اختیار دیا ہی نہیں یہاں تک کہ معصومین بھی ایسا نہیں کر سکتے

؂۱ اس سے معلوم ہوا کہ جو عزیز یا محبوب ظلم سے قتل کر دیا جائے اس پر رونا اور نوحہ کرنا شروع سے چلا آرہا ہے اور یہ فطرت کا ایسا لازمی امر ہے جس پر تمام نوع انسان کے بزرگ حضرت آدم صفی اللہ نے بھی عمل کیا اسی طرح حضرت امام حسینؑ کی خبر شہادت پر بھی حضرت رسول خدا صلعم نے گریہ کیا اور واقعہ شہادت کے بعد دنیا کے اکثر مسلمان بھی غیر مسلم قومیں بھی حضرت پر رونے کیلئے اپنے دل سے مجبور ہو جاتی ہیں اور کسی طرح اس گریہ کو روک نہیں سکتیں

اگر خدا کے سوائے کوئی شخص یا کوئی جماعت اپنے انتخاب یا اجماع یا شورے یا استخلاف وغیرہ سے کسی کو خلیفہ بنا سکتی تو خدا فرشتوں سے جو معصومین کا طبقہ ہے فرما دیتا کہ تم لوگ اپنی رائے یا اپنی پسند سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کو خلیفہ بنا دو۔ یا فرشتے خود ہی مل کر کسی کو اپنے انتخاب سے خلیفہ بنا لیتے اور جب فرشتوں نے کہا اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء ونحن نسبح بحمدک ونقدس لک کیا تو زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزی کرے گا حالانکہ (ہم لوگ اس سے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ) ہم تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں (پ ۱ ع ۴) تب بھی خدا نے ان فرشتوں تک کو خلیفہ مقرر کر لینے کا اختیار نہیں دیا اور خود ہی حضرت آدمؑ کو خلیفہ مقرر کر دیا ؂۱ جب حضرت آدم کی عمر ۱۳۰ سال کی ہو گئی تو آپ کے فرزند حضرت شیث پیدا ہوئے حضرت آدمؑ نے ۹۳۰ سال کی عمر میں دنیا سے انتقال فرمایا اور آپ کے ایک سال بعد حضرت حوا نے بھی انتقال کیا۔ جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت آیا تو باوجودیکہ آپ کی اولاد (پوتے پر پوتے وغیرہ) کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ مگر آپ نے ان لوگوں کو بغیر اپنے خلیفہ کے نہیں چھوڑا۔ اور نہ اس کا موقع دیا کہ وہ لوگ اپنا سردار خود ہی مقرر کر لیں بلکہ لما حضرت آدم الوفاۃ دعا ابنہ شیثا فعہد الیہ وکتب وصیتہ۔ جب حضرت آدم کی وفات کا وقت پہنچا تو اپنے فرزند حضرت شیثؑ کو اپنے پاس بلایا اور ان کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا اور اس مضمون کا وصیت نامہ بھی لکھ دیا (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۸۰) ان آدم علیہ السلام مرض قبل موتہ احد عشر یوماً واوصی الی ابنہ شیث علیہ السلام و کتب وصیتہ ثم دفع کتاب وصیتہ الی شیث وامرہ ان یخفیہ من قابیل وولدہ لان قابیل قد کان قتل ھابیل حسداً منہ۔ حضرت آدمؑ اپنی وفات سے گیارہ روز پہلے مرض موت میں مبتلا ہوئے اور اپنے بیٹے حضرت شیثؑ کو اپنا وصی کر کے اس مضمون کا وصیت نامہ ؂۲ لکھا اور اسے ممدوح کے حوالہ کر کے انہیں حکم دیا کہ اس کو قابیل اور اس کی اولاد سے چھپائیں ؂۳ کیونکہ اس نے حسد سے ہابیل کو قتل کر دیا تھا (تاریخ طبری)

؂۱ اسی طرح بعد میں بھی خدا ہی لوگوں کو خلیفہ مقرر کرتا رہا۔ ۱۲

؂۲۔ حضرت رسول خدا صلعم نے بھی اس طرح اپنی وفات سے پہلے کاغذ اور قلم دوات طلب کی کہ اپنے وصی کیلئے وصیت نامہ لکھ دیں جو مسلمانوں کو گمراہی سے بچائے مگر افسوس حضرت عمر نے کہہ دیا حسبنا کتاب اللہ ان الرجل لیہجر ہمیں کتاب خدا کافی ہے یہ شخص ہذیان بک رہا ہے (صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۰۰ و تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ وغیرہ)

؂۳ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ تقیہ پر خود بھی عمل کرتے تھے اور اپنے بیٹے حضرت شیثؑ نبی کو بھی اس پر عمل کرنے کی تاکید کی کیونکہ وصیت نامہ کا چھپانا حق کا چھپانا تھا اور تقیہ بھی کسی دشمن کے خوف سے امر حق ہی کے چھپانے کو کہتے ہیں لہٰذا اس پر کسی طرح اعتراض کرنا انبیاء و مرسلین بلکہ خود خدا پر اعتراض کرنا ہے اسلیئے کہ وہ حضرات حکم خدا کے مطابق ہی ایسے ہی احکام دیتے تھے اور یہی حکم آج تک قرآن مجید میں موجود ہے فرماتا ہے اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ سوائے اسکے جو مجبور کر دیا جائے مگر اس کا دل ایمان کی طرف سے مطمئن ہو (پ ۱۴ ع ۱۰) دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً مگر یہ کہ تم لوگ تقیہ کر کے اپنے دشمنوں سے بچے رہو (پ ۳ ع ۱۱) اور بھی بکثرت آیات ہیں۔

جلد اصفحہ ۹۷ و تاریخ کامل جلد اصفحہ ۱۸ وغیرہ)

حضرت شیثؑ

جب حضرت آدمؑ ۲۳۰ سال کے ہوئے تو آپ کے فرزند جناب شیثؑ پیدا ہوئے حضرت آدمؑ کی کل نسل آپ ہی سے پھیلی۔ آپ کے زمانہ میں حضرت آدمؑ کی اولاد دو گروہ میں ہو گئی۔ ایک قابیل کی پیرو جو بت پرست ہوئی۔ دوسری حضرت شیثؑ کی پیرو جو خدا پرست رہی۔ حضرت شیثؑ کی عمر اکثر مورخین کے قول کے مطابق ۹۱۲ سال کی ہوئی۔ جب آپ کی وفات کا وقت پہنچا تو آپ نے بھی اوصیٰ الی ابنہ انوش ومات اپنے فرزند انوش کو اپنا وصی مقرر کیا اس کے بعد انتقال فرما گئے [1] ولد انوش قینان ونفرا کثیرا والیہ الوصیۃ فولد قینان مہلائیل ونفرا معہ والیہ الوصیۃ وولد مہلائیل یرد وھو الیارد ونفرا معہ والیہ الوصیۃ فولد یرد خنوخ وھو ادریس النبیؑ۔ انوش کے ہاں قینان اور بہت سے لڑکے پیدا ہوئے مگر انوش نے اپنا وصی قینان کو مقرر کیا۔ پھر قینان کے ہاں مہلائیل اور بہت سی اولاد ہوئی مگر ان کے وصی مہلائیل ہوئے۔ پھر مہلائیل کے ہاں یرد یا یارد اور کئی بیٹے پیدا ہوئے اور مہلائیل نے اپنا وصی یرد یا یارد کو مقرر کیا۔ پھر یرد یا یارد کے ہاں خنوخ پیدا ہوئے۔ یہی حضرت ادریس پیغمبر تھے۔ (تاریخ طبری جلد اصفحہ ۸۲) فکان وصی ابیہ وخلیفتہ فی ما کان والد مہلائیل اوصیٰ الی مہلائیل واستخلفہ علیہ بعد وفاتہ یہی حضرت ادریس اپنے باپ (یرد یا یارد) کے وصی اور خلیفہ ان کل امور میں ہوئے جن کے متعلق مہلائیل کے والد نے مہلائیل کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا تھا (تاریخ طبری جلد اصفحہ ۸۵ و تاریخ کامل جلد اصفحہ ۲۰ وغیرہ) [2] آپ کے ایک بیٹے صابی تھے جن کی طرف صابی منسوب ہے۔

حضرت ادریسؑ

اکثر مورخین کی تحقیق کے مطابق حضرت آدمؑ کی ساتویں پشت میں ہوئے ہیں آپ کا نام خنوخ بھی تھا۔ قلم سے لکھنا۔ کپڑا سینا۔ علم نجوم میں غور و فکر کرنا آپ ہی نے ایجاد کیا۔ کوفہ کے قریب رہتے تھے۔ جب آپ کے زمانہ والوں نے آپ کی اطاعت نہیں کی تو سات سال کے قحط کا عذاب خدا نے ان لوگوں پر نازل کیا۔ پھر ان کے توبہ کرنے پر پانی برسا۔ ۳۶۵ سال دنیا میں رہے۔ محققین فرنگ کے بیان کے مطابق حضرت آدمؑ کی پیدائش سے ۶۲۲ سال کے بعد پیدا ہوئے۔ آپ پر ۳۰ صحیفے نازل ہوئے۔ آپ بھی جب دنیا سے اٹھنے لگے تو اپنے صاحبزادے متوشلخ کو فاستخلف متوشلخ علی امر اللہ واوصاہ۔ دین خدا کے متعلق خود ہی اپنا خلیفہ اور جانشین بنا گئے (تاریخ طبری جلد اصفحہ ۸۶ وغیرہ) فلما حضرت متوشلخ الوفاۃ استخلف

[1] باوجودیکہ آپ کے زمانہ میں قابیل کے پیرو بت پرستی کرتے تھے مگر آپ نے ان لوگوں کو زبردستی خدا پرست بنانے کیلئے ان سے جہاد نہیں کیا۔ ان کو قتل نہیں کیا۔ انپر کوئی ظلم روا نہیں رکھا نہ ان کو گرفتار کر کے قیدی بنایا نہ کوئی سزا دی کسیطرح سے خود مقابلہ

[2] ان حضرات کے بارے میں بھی نہیں معلوم ہوتا کہ خدا کے منکرین یا بت پرستوں سے اس سبب سے لڑائی جھگڑا ہوکر دو خدا کو کیوں نہیں مانتے اور بت پرستی کیوں کرتے ہیں بلکہ شروع سے کل ہادیان دین کا یہی عملی قول تھا کہ لکم دینکم ولی دین۔ تمہارے لئے تمہارا اور ہمارے لیے ہمارا مذہب رہے۔ ۱۲

الملک علی امرہ واوصاہ بمثل ما کان اباہ اوصیٰ بہ جب متوشلخ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے بھی اپنے آباؤ اجداد کے قاعدے کے مطابق اپنے فرزند ملک کو خلیفہ مقرر کردیا اور ان کل باتوں کی وصیت کردی جو آپ کے بزرگوں نے آپ سے کی تھیں (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۸۷) ان ملک کا نام لامخ بھی تھا ملک عمر ۸ سال کی ہوئی اور ان کی وفات طوفان نوح سے ۹۳۰ سال پہلے بیان کی جاتی ہے۔

حضرت نوحؑ

انہیں ملک یا لامخ کے صاحبزادے حضرت نوحؑ ہوئے جن کی ولادت ملک کے ۸۲ سال کے ہونے پر ہوئی آپ حضرت آدمؑ کی دسویں پشت میں تھے جب ۴۸۰ سال کے ہوئے تو خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا جس کے بعد ۱۲۰ سال تک لوگوں کو خدا کی طرف بلاتے رہے پھر خدا نے نافرمانوں پر عذاب نازل کرنے اور اس سے آپ کو اور دوسرے مطیع بندوں کو بچانے کے لیے کشتی بنانے کا حکم آپ کو دیا۔ جب وہ تیار ہو چکی تو نہایت شدید طوفان آیا۔ ۴۰ شب و روز سخت بارش ہوئی تمام انسان اور حیوان سوائے ان کے جنہیں نوحؑ نے حکم خدا سے اپنی کشتی میں بٹھا لیا تھا ڈوب گئے۔ طوفان کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ طوفان کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ شہر کوفہ میں یا ملک شام کے شہر عین الوردہ میں ایک تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا۔ ۱۰ رجب سے طوفان شروع ہوا اور ۱۰ محرم کو ختم ہوا۔ اس کا پانی پہاڑوں پر ۴۰ گز اونچا چڑھ گیا تھا۔ اس طوفان سے اولاد حضرت آدمؑ سے صرف حضرت نوحؑ۔ آپ کے تین بیٹے سام۔ حام۔ یافث ان کی بی بیوں اور ان ۸۰ آدمیوں نے جنہیں حضرت نوحؑ نے اپنے ساتھ اپنی کشتی میں بٹھا لیا تھا نجات پائی باقی سب بنی آدم غرق ہو گئے۔ ۱۰ محرم کو یہ کشتی گھومتی پھرتی ہوئی کوہ جودی (شاید ارارات) پر جا کر ٹھہری۔ اس کے بعد طوفان ختم ہو گیا۔ اس وقت دنیا میں جس قدر آدمی ہیں یہ سب حضرت نوحؑ کے انہیں تینوں بیٹوں میں سے (جو کشتی میں سوار ہو کر ڈوبنے سے بچ گئے) کسی کی نسل سے ہیں لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت آدم اور نوحؑ کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال کی مدت گزری تھی۔ آپ نے ۹۵۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کی قبر کوفہ میں اور بعض روایات کے مطابق شام کے شہر کرک میں ہے۔ بعض مورخین یورپ نے حضرت نوحؑ کی پیدائش ۲۹۴۸ سال قبل مسیح لکھی ہے (مگر کسی قول پر یقین نہیں ہوتا) [1] مورخین نے تصریح کی ہے مابین نوح الی آدم من الآباء کانوا علی الاسلام۔ حضرت آدمؑ سے حضرت نوحؑ تک جس قدر بزرگ ہوئے وہ سب اسلام پر تھے (طبری جلد اصفحہ ۹۶) جب حضرت نوحؑ کشتی سے دوبارہ زمین پر آئے تو آپ نے زمین کے تین حصے کر کے اپنے تینوں بیٹوں میں تقسیم کر دیے (۱) سام کو زمین کا وسطی حصہ دیا جس میں ملک شام دریائے نیل فرات و دجلہ و سیحان و جیحان و فیشون وغیرہ کے اطراف و جوانب تھے (۲) حام کو دریائے نیل کے مغرب کا کل حصہ یا اس (۳) یافث کو فیشون اور اس کے اطراف کا حصہ دیا اسطرح ملک عرب والیان روم کے باشندے سام کی اولاد ہوئے نیل

[1] حضرت ادریسؑ کے زمانہ میں سرکشان بنی آدم پر قحط کا اور حضرت نوحؑ کے زمانہ میں طوفان کا عذاب خدا ہی نے نازل کیا مگر خود ان حضرات نے اپنے مخالفین کو زبردستی مطیع بنانے کیلئے ان سے جہاد کیا نہ ان ملکوں کو فتح کرنے کیلئے ان کیطرف فوجیں بھیجیں نہ ان لوگوں کو گرفتار کر کے قید کیا نہ ان کو کوئی سزا دی بلکہ اپنا فرض صرف تبلیغ احکام خدا سمجھتے رہے۔ ۱۲

کے مغربی حصوں حبش وغیرہ کے باشندے حام کی اور ترک یورپ وغیرہ کے باشندے یافث کی اولاد میں (طبری جلد ا صفحہ ۹۵، ۱۰۲، وغیرہ) سلہ سام کی اولاد مختلف ملکوں میں پھیلتی گئی یہاں تکسا کہ ان کی ۱۸ زبانیں ہوگئیں۔ حام کی اولاد بھی مختلف اطراف میں پھیل گئی اور ان کی بھی ۱۸ زبانیں ہوگئیں مگر یافث کی اولاد اتنی پھیلی کہ ان کی زبانیں ۳۶ تک پہنچ گئیں (طبری جلد ا صفحہ ۱۰۵)

حضرت ہودؑ ملک یمن اور حضر موت میں علاقہ احقاف کی طرف ایک قوم عاد آباد تھی۔ خدا نے ان لوگوں کی ہدایت کے لیے حضرت ہود یا عابر بن شالخ کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ آپ سام کے بیٹے ارفخشد کے پوتے تھے۔ لوگوں نے آپ کی باتیں نہ مانیں تو آپ کو بہت اذیت ہوئی اور خدا نے ان لوگوں کے لیے رات آٹھ روز تک ایسی آندھی بھیجی کہ سوائے حضرت ہود اور آپ کے ایماندار ساتھیوں کے جو وہاں سے علیحدہ ہو کر ایک خطیرہ میں گوشہ نشین ہوگئے تھے سب ہلاک ہوگئے۔ جناب ہود نے وہیں انتقال کیا اور حضر موت یا مکہ معظمہ کے مقام حجر میں دفن کئے گئے۔ جب قوم عاد قحط کی مصیبت میں گرفتار ہوئی تو طلب باراں کے لیے اپنا ایک وفد مکہ معظمہ کی طرف روانہ کیا ان میں مرثد بن سعد بن عفیر کو بھی بھیجا جس کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے وکان مسلما یکتم اسلامہ سلہ مسلمان تھا مگر اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھا (طبری جلد ا صفحہ ۱۱۱)

حضرت صالحؑ آپ ثمود بن عاثر بن ارم بن سام کے بیٹے تھے۔ قوم ثمود پر جو شام اور یمن کے درمیانی حصہ حجاز و حجر میں آباد تھی پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔ آپ کی قوم نے آپ سے معجزہ طلب کیا تو خدا نے آپ کی تصدیق کے لیے پہاڑ سے ایک اونٹنی اس کے بچے کے ساتھ نکالی وہ اس قدر دودھ دیتی کہ سب لوگ سیر ہو جاتے تھے۔ اس پر بھی بہت کم شخصوں نے ایمان قبول کیا اور دو بدبختوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔ جس کے بعد اس قوم پر بجلی، کڑک اور زلزلہ کا عذاب نازل ہوا اور وہ سب ہلاک ہوگئے سلہ حضرت صالحؑ فلسطین کی طرف روانہ ہوگئے آخر وقت مکہ معظمہ میں تشریف لائے اور وہیں انتقال فرمایا اور حجر میں دفن کیے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۸ سال کی تھی اور ۲۰ سال تک لوگوں کی ہدایت کرتے رہے (تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۱۱۹) آپ کا زمانہ حضرت ہودؑ کے بعد اور حضرت ابراہیمؑ کے پہلے ہوا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ مورخین نے آپ کا نسب اسطرح لکھا ہے: ابراھیم بن تارخ بن ناحور بن

سلہ غالباً اسکا یہ مطلب ہے کہ سام کی اولاد۔ افریقہ والے حام کی اولاد اور یورپ امریکہ کے لوگ یافث کی اولاد ہونگے۔ اور دوسرے حصوں کے لوگ ان سے ہوں جو ان کے وطن سے قریب تھے۔ ان امور کی روایات اور تحقیقات مورخین بہت مختلف ہیں جنمیں فیصلہ کرنا دشوار ہے۔

سلہ یہی تقیہ ہے جس سے ثابت ہوا کہ ہر زمانے سے ایماندار بندوں کا یہی دستور رہا ہے کہ اپنے کو دشمنوں کے ظلم سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنا مذہب چھپانے اور تقیہ پر عمل کرتے تھے۔ ۱۲

سلہ باوجود قوم کی ایسی سرکشی اور عناد کے حضرت صالحؑ نے ان مخالفین پر لشکر کشی نہیں کی نہ ان سے لڑائی چھیڑی نہ ان کو قتل کیا نہ ان کو قیدی بنایا بلکہ اپنا کام صرف احکام خدا کی تبلیغ رکھا جس نے قبول کیا اسکو ایمان کا شرف ملا اور جس نے انکار کیا وہ کافر بنا ۱۲

سارو غ بن ارغو بن فالغ بن عابر بن شالخ بن قینان بن ارفخشد بن سام بن نوح (طبری جلد ا صفحہ ۱۱۹ و ابو الفدا جلد ا صفحہ ۱۳) اس سے ثابت ہوا کہ آپ کے والد کا نام تارخ تھا اور آزر جو بت پرست تھا آپ کا والد نہیں بلکہ چچا تھا۔ چونکہ عربی زبان میں چچا کو بھی اَب کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کچھ لوگ آزر کو بھی ابو ابراہیمؑ (ابراہیمؑ کا باپ) کہنے لگے۔ اس کے متعلق علماء حدیث و سیر و تفسیر و تاریخ نے بڑی لمبی بحثیں لکھیں ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام آزر تھا یا نہیں اور قرآن مجید میں آپ کے جس باپ کا ذکر ہے اس سے درحقیقت باپ ہی مراد ہے یا چچا مگر علماء محققین نے طے کر دیا ہے کہ اس سے مراد باپ نہیں بلکہ چچا تھا بحر العلوم عبد العلی صاحب نے لکھا ہے: واما آزر فالصحیح انہ لم یکن ابا ابراھیم بل ابوہ تارخ کذا صحح فی بعض التواریخ فانما کان آزر عم ابراھیم علیہ السلام ورباہ اللہ تعالی فی حجرہ والعرب یسمی العم الذی ولی التربیۃ ابا ابن اخیہ ایاہ وعلی ھذا التاویل قولہ تعالی واذ قال ابراھیم لابیہ آزر۔ آزر کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کا باپ نہیں تھا کیونکہ حضرت کے باپ تو تارخ تھے۔ اسی طرح بعض تاریخوں میں تحقیق کرکے صحیح قول لکھا گیا ہے اور آزر حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا جس کی گود میں خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی پرورش کرائی تھی۔ عرب کا دستور یہ تھا کہ جو چچا اپنے بھتیجے کی پرورش کرتا تھا اس کو اسکا باپ کہنے لگتے تھے۔ اسی اصول کے مطابق خدا نے بھی قرآن مجید میں کہا اذ قال ابراھیم لابیہ جب ابراہیمؑ نے اپنے اب سے کہا (پ۷ ع ۵) جس سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا چچا ہی ہے (شرح مسلم الثبوت صفحہ ۳۸۸) اور علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے فان تمسکتم علی فساد ھذا المذھب بقولہ تعالی واذ قال ابراھیم لابیہ آزر قلنا الجواب عنہ ان لفظ الاب قد یطلق علی العم کما قال ابناء یعقوب لہ نعبد الھک والہ آبائک ابراھیم واسمعیل واسحق فسموا اسمعیل ابالہ مع انہ کان عما لہ وقال علیہ السلام ردوا علی ابی یعنی العباس ویحتمل ایضا ان یکون متخذ الاصنام اب امہ فان ھذا قد یقال لہ الاب قال تعالی ومن ذریتہ داؤد وسلیمان الی قولہ وعیسی فجعل عیسی من ذریۃ ابراھیم مع ان ابراھیم کان جدہ من قبل الام۔ ہماری تحقیق کے خلاف اگر کوئی کہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کے باپ کو بت پرست کہا ہے تو ہم جواب دینگے کہ باپ کا لفظ چچا کے لیے بھی بولا جاتا ہے جس طرح حضرت یعقوب کے فرزندوں نے حضرت یعقوب سے کہا تھا کہ ہم آپکے معبود نیز آپ کے آبا حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل و اسحاق کے معبود کی عبادت کرتے ہیں (پ ۱ ع ۱۶) اس میں حضرت یعقوب کے فرزندوں نے حضرت اسمٰعیل کو بھی حضرت یعقوب کا باپ کہا حالاں کہ معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیل آپکے باپ نہیں بلکہ چچا تھے اور حضرت رسول خدا نے بھی فرمایا تھا کہ تم لوگ لے میرے باپ یعنی عباسؓ کو واپس کردو جس میں آپ نے اپنے چچا کو اپنا اب کہا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے جس بت پرست بزرگ کا یہاں ذکر ہے اس سے آپ کا نانا مراد ہو کیوں کہ عربی زبان میں نانا کو بھی باپ کہتے ہیں خدا فرماتا ہے کہ ان کی ذریت سے داؤد سلیمان ہیں یہاں تک کہ عیسٰی بھی ان کی ذریت سے ہیں (پ ۷ ع ۱۶) اس آیت میں خدا نے حضرت عیسٰیؑ کو بھی حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں قرار دیا حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت عیسٰیؑ کے نانا ہی تھے۔ تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۷۴ (۵) تحت آیۃ واذ ذکر

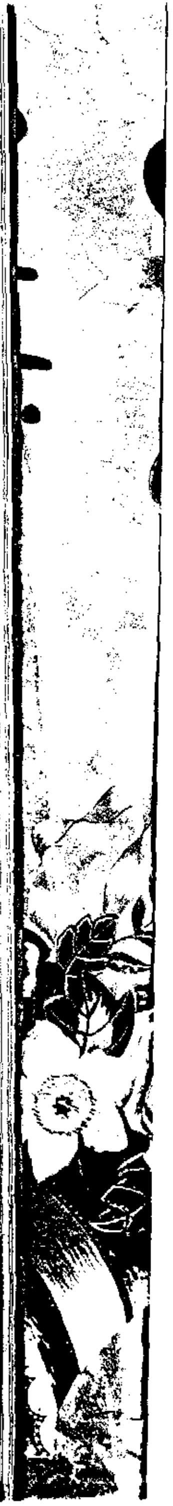

عشیرتک الاقربین الآیۃ)

کوفہ (عراق) کے اطراف میں ایک قریہ کوثا ہے وہیں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور بعضوں نے اہواز اور بعضوں نے بابل میں آپ کی پیدائش لکھی ہے (ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۳ وغیرہ) اس وقت کے بادشاہ نمرود سے نجومیوں نے کہا تھا کہ آپ کے قریہ میں ایک لڑکا ابراہیمؑ پیدا ہوگا جو آپ کے بتوں کو توڑ کر آپ کے مذہب کو مٹانے کی کوشش کرے گا۔ اس پر نمرود نے ہر حاملہ عورتوں کو اپنے ہاں قید کر لیا مگر حضرت ابراہیمؑ کی ماں کا حاملہ ہونا چھپا رہ گیا جب ان کو درد زہ شروع ہوا تو وہ رات کو بستی کے باہر ایک غار کی طرف نکل گئیں وہاں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے جس کے بعد آپ کی ماں غار میں آپ کو بحفاظت چھپا کر چلی آئیں۔ وہاں حضرت ابراہیمؑ بہت تیزی سے بڑھنے لگے جب ۱۵ مہینے کے ہوگئے تو اچھی طرح بولنے لگے اور ماں سے کہا اب مجھے یہاں سے نکالو کر دیکھوں باہر کیا ہے ماں نے رات کے وقت آپ کو باہر نکالا تو آپ نے فرمایا جس ذات نے مجھے پیدا کیا مجھے اب تک رزق دیتا ہے مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ یقیناً وہی میرا رب اور معبود ہے اسکے سوائے میرا کوئی خدا نہیں ہے پھر آسمان کی طرف نظر کی اور ایک ستارہ دیکھا تو اس زمانہ کے لوگوں پر تعجب کرتے ہوئے پوچھا ھذا ربی کیا یہی میرا رب (ہو سکتا) ہے مگر کچھ دیر میں وہ ستارہ ڈوب گیا فلما افل قال لا احب الآفلین جب وہ ستارہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا غروب ہو جانے والی چیزوں کو میں پسند نہیں کرتا ہوں (پھر وہ میرا رب کیسے ہو سکتی ہیں) اسکے بعد ماہتاب نکلا فلما رای القمر بازغاً قال ھذا ربی جب آپ نے چاند کو خوب چمکتا دیکھا تو پوچھا اچھا کیا یہ میرا رب ہو سکتا ہے! کچھ دیر کے بعد وہ بھی غروب ہوگیا فلما افل قال لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین پھر جب چاند بھی غروب ہوگیا تو حضرت ابراہیمؑ بولے اگر مجھ کو میرا پروردگار راہ راست نہیں دکھائے گا تو بیشک میں بھی گمراہ لوگوں میں ہو جاؤں گا اس کے بعد رات ختم ہوئی دن نمودار ہوا تو آفتاب طالع ہوا۔ آپ نے اس کی بڑائی اور چمک دیکھی اور معلوم کیا کہ اسکا نور سب سے بڑھا ہوا ہے۔ فلما رای الشمس بازغۃ قال ھذا ربی ھذا اکبر فلما افلت قال یا قوم انی بریٔ مما تشرکون انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوات والارض حنیفاً وما انا من المشرکین پھر جب سورج کو دیکھا کہ بڑا جگمگا رہا ہے تو پوچھا کیا یہی میرا پروردگار ہے کہ یہ سب سے بڑا ہے مگر جب وہ بھی غروب ہوگیا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر بولے کہ بھائیو جن چیزوں کو تم لوگ خدا کا شریک کرتے ہو تو میں ان سب سے بے تعلق ہوں میں نے تو ایک ہی اللہ کا ہو کر اپنا رُخ اسی ذات پاک کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں تو مشرکوں سے نہیں ہوں (پ ۷ ع ۱۵) غرض اسطرح حضرت ابراہیمؑ اپنی قوم والوں کی غلطی اور بے دینی واضح کر کے اپنے گھر تشریف لے گئے آپ کو دیکھ کر آپ کے گھر والے بھی بہت خوش ہوئے آپکا چچا بھی بہت مسرور ہوا جب آپ اور بڑے ہوئے اور تمام چلنے پھرنے لگے تو آپ کا چچا آزر جو بت سازی کا پیشہ کرتا تھا بت بنا کر حضرت ابراہیمؑ کو دیا کرتا کہ جا کر ان سب کو بازار میں بیچ آؤ۔ حضرت ابراہیمؑ بے جا کر لوگوں سے کہتے من یشتری ما یضرہ ولا ینفعہ کون شخص ایسی چیز مجھ سے خریدتا ہے جو اس کو نقصان ہی نقصان

پہنچائے گی اور کسی طرح نفع نہیں دے سکتی۔ لوگ یہ سننے تو آپ سے نفرت کرتے اور کوئی بھی آپ سے بت نہیں خریدتا تھا اس طرح جب وہ کل بت آپ کے پاس پڑے رہتے اور کوئی بھی انکو نہیں پوچھتا تو آپ سب کو دریا پر بیجا کر اس میں انکا سر جھکا دیتے اور بطور مزاح کے فرماتے تم سب دیر سے پیاسے ہو پانی پی لو۔ پھر حضرتؑ نے اپنے چچا آزر سے کہا اے چچا اب اس چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ دیکھتی نہ سنتی اور نہ آپ کو کوئی فائدہ پہنچاتی ہے اس نے کہا کیا تم میرے بتوں سے نفرت کرتے ہو؟ اگر تم اس سے باز نہیں آئے تو میں تمہیں ضرور سنگسار کروں گا اور میرے سامنے سے چلے جاؤ (پ ۱۶ ع ۷) ایک دفعہ کسی جشن کے دن لوگوں نے آپ کو ساتھ لے جانا چاہا تو آپ نے فرمایا انی سقیم میرا مزاج خوش نہیں ہے لوگ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے تو آپ نے تنہائی کا موقع پا کر سب بتوں کو توڑ ڈالا اس کی خبر اس وقت کے بادشاہ نمرود بن کوش کو ہوئی جو عراق عرب کا جابر بادشاہ تھا اور اپنی خدائی کا دعویٰ رکھتا تھا۔ اس نے گرفتار کر کے بلایا۔ جب آپ تشریف لائے تو سب نے مل کر پوچھا اے ابراہیمؑ کیا ہمارے بتوں کو تم ہی نے اسطرح توڑا پھوڑا ہے آپ نے فرمایا بلکہ اس نے توڑا ہے جو ان سب سے بڑا ہے اگر یہ بول سکتے ہوں تو ان بتوں ہی سے دریافت کر لو پہاں پر وہ سب لاجواب ہو کر خاموش ہوگئے۔ تب حضرت ابراہیمؑ نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ بڑا افسوس ہے تم لوگ ان بتوں کو کیوں پوجتے ہو جو نہ کچھ تمہارا بگاڑ سکیں نہ بنا سکیں۔ خدا کی عبادت کیوں نہیں کرتے۔ نمرود نے پوچھا تمہارا خدا کیسا ہے فرمایا ربی الذی یحیی ویمیت میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے۔ نمرود نے کہا میں بھی زندہ کرتا اور موت دیتا ہوں کس طرح؟ اس نے کہا جو مجرم مستحق قتل ہے اسکو چھوڑ دونگا یہ اسکو زندہ کرنا ہوا اور دوسرے بے قصور کو مار ڈالوں گا یہ اس کو موت دینا ہوا۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فأت بھا من المغرب اچھا میرا اللہ ایسا ہے کہ آفتاب کو پورب سے نکالتا ہے اگر تو بھی خدا ہے تو اسکو پچھم سے نکال کر دکھا دے۔ اسپر نمرود مبہوت ہوگیا اسکے بعد سب نے رائے کی کہ حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈال دیئے جائیں۔ اسوقت آپ کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ نمرود نے منجنیق میں رکھکر آپکو آگ کے بہت بڑے ڈھیر میں پھینکوا دیا آپ چار روز تک اس آگ میں رہے مگر خدا نے اسکو حکم دیا یا نار کونی برداً وسلاماً علی ابراہیم اے آگ ابراہیمؑ کیلئے تو ٹھنڈک اور سلامتی کی موجب بن جا کہ ان کو کسی طرح کی اذیت نہ پہنچے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (پ ۱۷ ع ۵) کچھ دنوں بعد آپ اس آگ سے باہر نکل آئے اور نمرود اپنی شکست سے بہت شرمندہ ہوا اسکے بعد اس قوم کے بہت سے لوگ نمرود سے چھپ کر (تقیہ کر کے) حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے سوا آپکی بیوی سارہ نے بھی جو آنکے چچا ہارون کی بیٹی تھیں ایمان قبول کر لیا۔ نمرود نے آپکا اثر بڑھتا دیکھکر آپ کو اور آپ کی بیوی اور بیرونی کو وہاں سے جلا وطن کر دیا۔ یہ حضرات حران میں جا کر کچھ دنوں تک رہے پھر وہاں سے مصر چلے گئے۔ وہاں کے بادشاہ فرعون کا نام سنان یا طولیس تھا اس نے سنا کہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی سارہ بڑی خوبصورت ہیں تو ان کو اپنے دربار میں بلا کر حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا یہ کون ہیں حضرت ابراہیمؑ نے تقیہ کر کے فرمایا یہ میری بہن ہیں۔ تب اس نے انکی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا جو فوراً خشک ہوگیا وہ ڈر گیا اور فوراً اپنی حرکت سے توبہ کر لی تو اُسکا ہاتھ بھی اچھا ہوگیا۔ اسکے بعد اس نے جناب سارہ کو

ایک لڑکی مسماۃ ہاجرہ بطور تحفہ پیش کی اور ان حضرات کو وہاں سے رخصت کیا حضرت ابراہیمؑ جناب سارہ و جناب ہاجرہ کے ساتھ مصر سے شام میں تشریف لائے اور رملہ وایلیا کے درمیان قیام کیا اسوقت تک جناب سارہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اس سبب سے آپ نے ہاجرہ کو جناب ابراہیمؑ کی زوجیت میں دے دیا جس کے بعد جناب ہاجرہ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کے بڑے صاحبزادے جناب اسمٰعیل پیدا ہوئے اسوقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ سال کی ہو چکی تھی جناب اسمٰعیل کی ولادت پر جناب سارہ اپنے بارے میں محزون و مغموم رہنے لگیں کہ کوئی اولاد نہیں ہے اس پر خدا نے آپ کو بھی بیٹا دیا جن کا نام اسحٰق رکھا جو حضرت ابراہیمؑ کی ۹۰ سال کی عمر میں پیدا ہوئے اور حضرت اسمٰعیل سے ۴ سال چھوٹے تھے۔ اب جناب سارہ کو جناب ہاجرہ سے رشک پیدا ہوا تو جناب ابراہیمؑ نے دونوں کو ایک جگہ رکھنا مناسب نہ سمجھ کر جناب سارہ و اسحاق کو شام چھوڑ کر جناب ہاجرہ و اسمٰعیل کو حجاز میں لائے اور شہر مکہ میں رکھ کر شام واپس تشریف لے گئے مگر خدا کی قدرت سے آبادی ہونے لگی۔ مختلف اطراف کے لوگ آکر بسنے لگے اور حضرت اسمٰعیلؑ نے وہیں قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ اسطرح شام میں حضرت اسحاقؑ کی اور مکہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل بڑھنے لگی کچھ دنوں بعد مکہ میں جناب ہاجرہ کا انتقال ہو گیا اور جناب ابراہیمؑ پھر وہاں تشریف لائے تو آپ نے اور جناب اسمٰعیلؑ نے ملکر خانہ کعبہ کو بنایا۔ اسوقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۱۰۰ سال کی ہو چکی تھی

پھر خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ اپنے لڑکے کو ذبح کرو۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اپنے فرزند اسحاقؑ کو شام میں ذبح کرنا چاہا یا حضرت اسمٰعیلؑ کو مکہ میں مگر صحیح یہی ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی کو ذبح کرنا چاہا۔ اسی وجہ سے جناب رسول خدا فرماتے تھے انا ابن الذبیحین میں دونوں ذبیحوں (۱) ایک حضرت اسمٰعیلؑ اور دوسرے حضرت عبداللہ کا فرزند ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ ان کو زمین پر لٹا کر چھری پھیرنا ہی چاہتے تھے کہ خدا نے فرمایا یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین و فدینٰہ بذبح عظیم اے ابراہیمؑ بے شک تم نے اپنے خواب کی تصدیق کر دی۔ نیک بندوں کو ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں یہی بلاء مبین ہے اور ہم نے ذبح عظیم کو اس کا فدیہ قرار دیا (پ۲۳ ع۷) پھر خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی چند باتوں میں آزمائش کی جن کو آپ نے پورا کر دکھایا اس پر خدا نے فرمایا انی جاعلک للناس اماما۔ اے ابراہیمؑ میں تم کو لوگوں کا امام بنا دوں گا حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا ومن ذریتی اے خدا کیا میری اولاد میں سے بھی لوگوں کو تو امام بنائے گا۔ فرمایا لاینال عھدی الظالمین ہاں بناؤں گا مگر اس کے ساتھ اسکا بھی پورا یقین کر لو کہ میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں مل سکتا (پ۱ ع۱۵) [1] لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کیا باتیں تھیں جن میں خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش

[1] خدا کے ان ارشادات سے واضح ہوا کہ کسی شخص کو حقیقی امام بنانا انسان کا کام نہیں بلکہ اسکو خدا نے محض اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اس وجہ سے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا کہ تم لوگوں کا امام بھی میں ہی بناؤں گا کہ جسطرح میرے ہی مقرر کرنے سے تم نبی ہوئے اسی طرح میرے ہی معین کرنے سے تم امام بھی ہو گئے یعنی جسطرح بغیر میرے بنائے ہوئے کوئی شخص نبی برحق نہیں ہو سکتا اسی طرح بغیر میرے مقرر کیے کوئی شخص امام برحق نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا ہر شخص کو یہ عہدہ نہیں دیتا بلکہ صرف انہیں کو دیتا ہے جنہوں نے کبھی کوئی ظلم

کی آزمائش کی۔ کچھ نے بیان کیا ہے کہ وہ میں شارب لینا کلی کرنا ناک میں پانی ڈالنا۔ مسواک کرنا۔ ناخن کٹوانا۔ بغل کا بال صاف کرانا۔ ختنہ کرانا۔ زیر ناف بال کا صاف کرنا۔ قربانی کرنا بھی تھا (طبری جلد ۱ صفحہ ۱۴۲) حضرت ابراہیمؑ نے ۸۰ سال کے ہونے کے بعد اپنے ہاتھ سے اپنا ختنہ کر لیا تھا (جلد ۱ صفحہ ۱۴۴) مہمانی کرنا بھی آپکا مشہور کرم ہے مورخین نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پہلے وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ختنہ کیا۔ مہمان کی ضیافت کی اور لنگ یا پائجامہ پہننے کا دستور جاری کیا (ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۵) آپ نے ۱۷۵ سال کی عمر میں انتقال کیا اور قدس خلیل میں دفن کیے گئے بعض مورخین کا بیان ہے کہ آپ کی پیدائش حضرت عیسٰی مسیح سے ۱۹۹۶ سال قبل اور وفات ۱۸۲۳ سال پہلے ہوئی اور حضرت نوحؑ و حضرت ابراہیمؑ کے درمیان ۱۲۴۰ سال کا فاصلہ ہے بعض مورخین فرنگ نے حضرت آدمؑ کی پیدائش سے ۲۰۰۸ سال بعد حضرت ابراہیمؑ کی ولادت اور ۲۱۸۳ سال کے بعد وفات لکھی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ انبیاء اولوالعزم میں تھے آپ کا لقب خلیل اللہ تھا اور خدا کے ہاں آپ کا یہ درجہ تھا کہ خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کو حضرت ابراہیمؑ کی شریعت قائم رکھنے کا حکم دیا فرماتا ہے وقالوا کونوا ھودا او نصاریٰ تھتدوا قل بل ملۃ ابراھیم حنیفا۔ لوگ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی بن جاؤ۔ اے پیغمبرؐ تم ان لوگوں سے کہہ نہیں بلکہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی شریعت پر ہیں جو ایک خدا کے ہو رہے تھے (پ۱ ع۱)

حضرت لوطؑ

حضرت ابراہیمؑ کے حقیقی بھتیجے تھے آپ اپنے چچا حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لا کر ان کے ساتھ مصر کی طرف ہجرت کر گئے اور پھر حضرت کے ساتھ شام واپس آئے تھے خدا نے آپکو پیغمبر بنا کر سدوم والوں کی طرف بھیجا جو کفر اور فحش کے خوگر ہو گئے تھے۔ ان کی قوم لڑکوں سے لواطہ (اغلام) کرنیکی عادی ہو گئی تھی حضرت لوطؑ ان کو بہت سمجھاتے اور اس خلاف فطرت امر سے منع کرتے رہے مگر انہوں نے آپکی بات نہیں مانی تو خدا نے فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے سدوم اور اس کی پانچ بستیوں کو الٹ دیا (شہر سدوم کنعان میں بحرہ لوطؑ کے کنارے واقع تھا) یہ واقعہ حضرت آدمؑ کے دنیا میں آنے سے ۲۲۴۲ سال کے بعد بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت لوطؑ کی زوجہ بھی ان کافروں کی طرف دار تھیں۔ اس سبب سے وہ بھی ایک پتھر سے ہلاک کر دی گئیں۔ جو لوگ ان بستیوں میں نہیں تھے انپر آسمان سے پتھر برستے اور اس طرح وہ لوگ بھی ہلاک کر دیے گئے۔ اسی کو خدا فرماتا ہے فلما جاء امرنا جعلنا عالیھا سافلھا و امطرنا علیھم حجارۃ من سجیل۔ پھر جب ہمارا حکم عذاب آپہنچا تو لے پیغمبر ہم نے قوم لوطؑ کی بستی کے اوپر کے حصے کو اسکے نیچے کا حصہ کر دیا۔ اور اوپر سے اس پر پکے ہوئے کنکر جیسے پتھر برسائے (قرآن مجید پ۱۲ ع۷)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶: نہیں کیا ہو اور ان کا نام بھی ظالموں کی فہرست میں نہیں لکھا گیا ہو یعنی اگر ایک دفعہ بھی کوئی شخص ظالم ہو گیا تو پھر وہ امام نہیں ہو سکتا۔ عقل بھی یہی کہتی ہے کہ جو شخص ظالم ہو اس کے ذمہ لوگوں کی امامت نہیں ہونی چاہیے کیونکہ امام بنانے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص دوسروں کی ہدایت کرے اور انہیں جہالت سے نکالے پس اگر وہ ظالم ہوگا تو سب کہیں گے

او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ ۱۲

(تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۱۸۷ وغیرہ)

حضرت اسمٰعیلؑ

اوپر بیان کیا گیا کہ حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ سے رشک کیا اور دونوں میں ملال بڑھنے لگا تو حضرت ابراہیمؑ نے جناب ہاجرہ اور ان کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ کو شام سے حجاز میں لاکر مکہ معظمہ میں اتارا۔ اور دونوں ماں بیٹے کو یہاں آباد کرکے آپ شام واپس تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد جناب ہاجرہ اس چٹیل میدان میں حیران و پریشان پھرتی تھیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ صرف تھوڑا سا کھانا پانی ساتھ لادے تھے وہ پانی جو ساتھ تھا ختم ہو گیا اور جناب اسمٰعیل پیاس کی مصیبت سے تڑپنے لگے تو جناب ہاجرہ سے برداشت نہیں ہو سکا آپ پانی کی تلاش میں ادھر اُدھر دوڑتی پھریں سات مرتبہ کوہ صفا اور سات مرتبہ کوہ مروہ کی چوٹیوں تک جاتی آتی ہیں اتنے میں جناب اسمٰعیلؑ کے رونے کی آواز سنی۔ دوڑ کر گئیں تو دیکھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ زمین پر پڑے اپنے پاؤں مار رہے ہیں اور اس کے نیچے سے پانی کا ایک چشمہ جوش مار رہا ہے۔ پھر ہاجرہ کی خوشی کیونکر بیان ہو۔ ان کا لال بچ گیا پانی سے اسکو بھی سیراب کیا اور خود بھی سیراب ہوئیں اسکے پانچویں دن جرہم انیہ کا ایک گروہ ادھر سے گزرا۔ وہ لوگ قریب گئے تو پانی کا چشمہ دیکھ کر سب وہیں اتر پڑے اور یہیں سکونت اختیار کر لی جناب اسمٰعیلؑ نے انہیں لوگوں میں پرورش پائی۔ انہیں سے عربی زبان بولنے لگے اور انہیں میں شادی بھی کر لی۔ اس چشمہ کے چاروں طرف مینڈھ باندھ دی گئی جس سے وہ چاہ زمزم لوگوں کی زندگی کا ذریعہ ہو گیا۔ جناب اسمٰعیلؑ ۱۵ سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ جناب ہاجرہ نے انتقال کیا اور حضرت اسمٰعیلؑ نے انکو مقام حجر میں دفن کر دیا۔ اسکے بعد خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو خانہ کعبہ بنانے کا حکم دیا تو آپ مکہ میں تشریف لائے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ خانہ کعبہ کو اس طرح بنانے لگے کہ حضرت اسمٰعیلؑ پتھر اور گارا اٹھا کر دیتے اور حضرت ابراہیمؑ دیوار اٹھاتے۔ جب دیوار کچھ اونچی ہو گئی تو ایک پتھر پر کھڑے ہو کر دیوار اٹھانے لگے اسی کو اب مقام ابراہیمؑ کہتے ہیں۔ پھر آپ نے حجر اسود منگا کر مقام رکن پر رکھ دیا۔ جب خانہ کعبہ بن چکا تو حضرت ابراہیمؑ نے قربانی کرکے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور شام کی طرف واپس گئے مگر ہر سال حج کے لیے وہاں آیا کرتے تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے ۱۳۷ سال کی عمر میں یہیں انتقال کیا اور حجر اسمٰعیلؑ کے قریب دفن کئے گئے۔ چونکہ خدا کے حکم مطابق حضرت ابراہیمؑ نے آپ کو ذبح کرنا چاہا پھر خدا نے آپ کو بچا کر آپ کی جگہ ایک دُنبہ رکھ دیا جو ذبح کیا گیا اس وجہ سے اس روز قربانی کرنا سنت قرار پایا۔ قول مورخین کے مطابق یہ واقعہ حضرت آدمؑ کے دنیا میں آنے سے ۲۶۲۵ سال بعد کا ہے اور مورخین فرنگ کی تحقیق سے اسمٰعیلؑ کی ولادت حضرت مسیحؑ سے ۱۹۰۸ سال پہلے ہوئی تھی۔

حضرت اسمٰعیلؑ کا یہ خاص امتیاز ہے کہ آپ ہی کی وجہ سے مکہ معظمہ آباد ہوا۔ چاہ زمزم نکلا۔ خانہ کعبہ بنا۔ حج خانہ کعبہ کی عبادت قائم ہوئی اور ۱۰ ذی الحجہ کو تمام دنیا میں قربانی کی رسم جاری ہوئی۔

حضرت اسحاقؑ

حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادے ہیں جو حضرتؑ کی پہلی بیوی جناب سارہ سے اس وقت پیدا ہوئے۔ جب حضرت ابراہیمؑ ۹۰ سال کے ہو چکے تھے اور حضرت سارہ

بھی نہایت درجہ بوڑھی ہو کر اولاد سے مایوس ہو چکی تھیں مگر خدا نے اس بڑھاپے میں اپنی قدرت کاملہ سے آپ کو بھی نعمت اولاد بخشی۔ آپ شام ہی میں رہے اور درجہ نبوت پر فائز ہوئے اسطرح آپ کی امت اور اولاد کا حلقہ اثر ملک شام اور اس کے اطراف تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ کی امت اور اولاد کا حلقہ اثر ملک حجاز وغیرہ رہا۔ آپ کی عمر ۱۸۰ سال کی ہوئی اور مورخین فرنگ کے مطابق آپ حضرت عیسیٰ مسیحؑ سے ۱۸۹۷ سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کے پاس ہی دفن کئے گئے۔

آپکے قبل کل انبیاء اپنا خلیفہ اور وصی خود مقرر کرکے جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ کا جناب شیث کو اور جناب شیث کا نوش کو انوش کا قینان کو۔ قینان کا مہلائیل کو مہلائیل کا یرد کا یرد کا حضرت ادریس کو۔ حضرت ادریس کا متوشلخ کو اور متوشلخ کا لمک کو اپنا خلیفہ و وصی مقرر کرنا پہلے مذکور ہو چکا۔ حضرت نوحؑ نے بھی اپنا قائم مقام خود ہی اپنے فرزند سام کو بنایا (تاریخ کامل جلد ا صفحہ ۲۶) حضرت ابراہیمؑ نے شام میں اپنا خلیفہ اور ولی عہد حضرت اسحاق کو مقرر کیا (روضۃ الصفا جلد ا صفحہ ۵۸) اور حضرت اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ کے متعلق مورخین نے لکھا ہے۔ ان اسمٰعیل لما حضرتہ الوفاۃ اوصی الی اخیہ اسحاق وزوج ابنتہ من العیص۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ کی وفات کا وقت پہنچا تو اپنے بھائی حضرت اسحاق کو آپ نے اپنا وصی مقرر کر دیا اور اپنی بیٹی کی شادی ان کے بیٹے عیص سے کر دی (تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۱۶۳) اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت اسحٰقؑ کے درمیان نہایت خوشگوار تعلقات تھے اور دونوں بھائی باوجود دور مقامات پر رہنے کے دل سے بالکل ملے ہوئے تھے حضرت اسمٰعیلؑ نے حجاز وغیرہ میں اپنا خلیفہ اور وصی اپنے فرزند قیدار کو مقرر کیا (تاریخ روضۃ الصفا جلد ا صفحہ ۶۱)

حضرت ایوبؑ

مورخین نے آپ کو روم کی امت سے شمار کیا ہے اور شجرہ نسب اسطرح لکھا ہے ایوب بن موص بن رازح بن عیص ابن اسحاق بن ابراہیمؑ [1] آپ دمشق علاقہ شام میں رہتے تھے۔ آپ کی بیوی مسماۃ رحمۃ بڑی مالدار تھیں۔ پھر خدا نے آپ کو آفات میں مبتلا کیا جس سے آپ کی کل دولت زائل ہو گئی۔ یہاں تک کہ بالکل فقیر ہو گئے مگر خدا کی عبادت اور شکر اسی طرح بجا لاتے رہے۔ پھر خدا نے آپ کی کل اولاد بھی تلف کر دی اس پر بھی آپ نے صبر و شکر کیا۔ پھر خدا نے آپ کے جسم مبارک کو مصیبتوں میں مبتلا کیا۔ تمام بدن پھوٹ گیا۔ جذام [2] ہو گیا۔ عضو عضو میں کیڑے پڑ گئے لوگوں نے آپ کو اٹھا کر ایک مزبلہ پر ڈال دیا۔ وہاں آپ کے جسم سے ایسی بدبو پھیلی کہ کوئی شخص ادھر کے راستے سے نہیں چل سکتا تھا۔ مگر آپ کی بیوی رحمۃ برابر آپ کی خدمت کرتی رہیں اور ہر حال میں وہ بھی اپنے شوہر کی طرح خدا کا شکر ہی بجا لاتی اور ہر آفت پر صبر کرتی رہیں۔ اور حضرت ایوب نے تو اس قدر صبر کیا کہ صبر ایوب آج تک ضرب المثل ہے مگر کچھ زمانے کے بعد خدا نے آپ کو تمام آفات سے نجات دی۔ بدن بالکل صحیح و سالم ہو گیا اولاد اور دولت بھی پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ اولاد کی تعداد ۲۶ بیٹے لکھی ہے۔ مورخین نے آپ کی عمر ۹۳ سال

[1] اسطرح آپ حضرت اسحاق کے پوتے تھے۔ لہذا آپکا ذکر حضرت یعقوب و حضرت یوسفؑ کے بعد ہونا چاہیے مگر ہم نے تاریخ طبری کی ترتیب قائم رکھی ہے [2] یہ قول اہلسنت کا ہے شیعوں کا اعتقاد یہ ہے کہ انبیاء ایسے مرض سے بھی محفوظ تھے جس سے لوگ نفرت کریں

لکھی ہے: ان ایوب کان ثلاثا و تسعین سنۃ وانہ اوصی عند موتہ الی ابنہ حومل

حضرت ایوبؑ ۹۳ سال کے ہوئے اور مرتے وقت اپنے فرزند حومل کو اپنا وصی بنا گئے (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۱۶۷)

حضرت ذوالکفلؑ

آپ کا نام بشیر اور لقب ذوالکفل تھا۔ حضرت ایوبؑ کے صاحبزادے تھے۔ خدا نے حضرت ایوبؑ کے بعد آپ کو نبی مقرر کیا اور حکم دیا کہ لوگوں کو دین حق کی طرف بلاتے رہیں آپ زندگی بھر ملک شام ہی میں رہے اور وہیں ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی فان بشرا اوصی الی ابنہ عبدان۔ جناب ذوالکفل نے بھی اپنا وصی خود ہی اپنے بیٹے عبدان کو مقرر کیا (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۱۶۷)

حضرت شعیبؑ

حضرت ذوالکفل کے بعد خدا نے حضرت شعیب کو پیغمبر بنایا۔ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند مدین کے بیٹے میکائیل کے صاحبزادے تھے اس طرح حضرت ابراہیمؑ آپ کے پرداداہوئے اور بعضوں نے کہا کہ آپ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے کسی کی اولاد میں تھے جو حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لاکر آپ کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے۔ شہر مدین ۔ ایکہ پر مبعوث ہوئے۔ آپ نے اپنی بیٹی صفورہ کا نکاح حضرت موسیٰ سے کیا تھا آپ بہت دنوں تک اپنی امت کو بت پرستی اور خدا کی نافرمانی سے روکتے رہے مگر وہ کسی طرح نہیں مانی تو سات دن تک شب و روز گرم آندھی چلی۔ آسمان سے آگ برسی اور زمین کو زلزلہ ہوا جس سے وہ امت ہلاک ہوگئی بعض مورخین کے قول کے مطابق یہ واقعہ حضرت آدمؑ کے دنیا میں آنے سے ۳۸۱۲ سال بعد کا ہے۔

حضرت یعقوبؑ

حضرت اسحٰق کے دو بیٹے جناب یعقوب اور عیص توام (جڑواں) پیدا ہوئے اسکے بعد حضرت اسحٰق ۱۰۰ سال تک زندہ رہے۔ آپ نے انتقال کے قریب حضرت یعقوبؑ کو اپنا ولیعہد اور خلیفہ مقرر کر دیا (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۶۳۲۶۲) آپ کو بھی خدا نے نبوت کے درجہ پر مشرف کیا۔ آپ کو اسرائیل بھی کہتے ہیں اور قرآن مجید جہاں جہاں بنو اسرائیل کا ذکر آیا ہے۔ وہاں حضرت یعقوب ہی اولاد در اولاد مراد ہیں ۔ یہودی بھی آپ کی اولاد ہیں اس وجہ سے انکو بھی بنی اسرائیل کہنے لگے۔ مورخین فرنگ کی تحقیق کے مطابق حضرت عیسیٰ سے ۱۸۳۶ سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کے ۱۲ بیٹے تھے آپ کی اولاد بہت بڑھی آپ اپنے سعید فرزند حضرت یوسف سے بہت محبت رکھتے تھے اسی وجہ سے آپکے دوسرے فرزندوں نے حضرت یوسفؑ پر حسد کر کے ان کو بیچ ڈالا۔ جناب یعقوبؑ حضرت یوسف کے فراق میں اس درجہ روئے کہ نابینا ہوگئے قرآن مجید میں ہے وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ حضرت یعقوبؑ بیٹوں کے پاس سے الگ جا بیٹھے اور یوسفؑ کو یاد کر کے کہنے لگے ہائے یوسفؑ۔ مارے غم کے ان کی دونوں آنکھیں سفید ہو گئی تھیں قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ حضرت یعقوب (یہ بھی) فرماتے تھے جو پریشانی اور رنج مجھ کو ہے اس کی فریاد خدا کی طرف ہے۔ اور مجھ کو وہ باتیں معلوم ہیں جن کو تم نہیں جانتے (پ ۱۳ ع ۴)

جب حضرت یعقوبؑ ۱۰۰ سال کے ہوگئے تب آپ پر حضرت یوسفؑ کے فراق کی مصیبت نازل ہوئی تھی اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر ۱۷ سال کی تھی اور ۱۲ سال تک دونوں باپ بیٹا جدا رہے اس کے بعد حضرت یعقوب مصر گئے

تو وہاں حضرت یوسفؑ کو پایا۔ حضرت یعقوب نے ۱۴۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ مورخین فرنگ کے قول کے مطابق آپ کی ولادت حضرت عیسیٰؑ سے ۱۸۳۷ سال پہلے ہوئی تھی۔ اس طرح آپ کی وفات حضرت عیسیٰؑ سے ۱۶۷۰ سال پہلے واقع ہوئی۔

حضرت یوسفؑ

حضرت یعقوبؑ کے ۱۲ بیٹے تھے جن میں سب سے چھوٹے حضرت یوسفؑ تھے۔ آپ حسن و جمال میں بھی مشہور آفاق ہیں۔ حضرت یعقوب آپ کو بہت چاہتے تھے۔ اس وجہ سے دوسرے بھائیوں نے آپ پر حسد کیا اور کسی بہانے سے باہر لے جاکر ایک کنوئیں میں ڈال دیا (کہ جب یہ نہیں رہیں گے تو باپ ان سے محبت بھی نہیں کریں گے) اتفاق سے ایک قافلہ ادھر سے گذرا ان کو معلوم ہوگیا کہ اس کنوئیں میں کوئی گرا ہے تو حضرت یوسف کو نکالا۔ مگر بھائیوں کو خبر ہوگئی تو آکر دعوی کیا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو بھاگ گیا تھا اس پر قافلہ کے لوگوں نے آپ کو بیس یا چالیس درہم (تقریباً پانچ یا دس روپیہ) میں خرید لیا۔ اور اپنے ساتھ مصر لے گئے۔ وہاں جاکر آپ کو فرعون (بادشاہ) مصر کے وزیر عزیز مصر کے ہاتھ بیچ ڈالا اس نے آپ کو اپنے گھر میں رکھا۔ اور چونکہ آپ بہت ہی حسین و جمیل تھے۔ عزیز مصر کی زوجہ راعیل (زلیخا) آپ پر بے طرح عاشق ہوگئی اور بدکاری کے لیے اپنے پاس بلایا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اس غصہ میں اس نے آپ ہی پر الٹی تہمت لگا کر اور اپنے شوہر سے شکایت کر کے آپ کو قید کرا دیا جس میں آپ سات سال تک پڑے رہے۔ وہاں کے دو قیدیوں نے خواب دیکھا اور حضرت یوسفؑ سے انکی تعبیر پوچھی آپ نے جو بتایا وہی ہوا۔ اس کے بعد بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا تو اس کو بتایا گیا کہ قید خانہ میں ایک قیدی صحیح تعبیر بتاتا ہے اس نے بھی آپ کو بلا کر اپنے خواب کی تعبیر دریافت کی آپکی تعبیر سے وہ خوش ہوگیا اور اپنے دربار میں جگہ دے دی۔ پھر جب عزیز مصر مر گیا تو حضرت یوسفؑ اسکی جگہ خزانے کے مہتمم ہوگئے اور گویا پورے مصر پر آپکی حکومت ہونے لگی۔ جب آپکے بھائیوں نے آپکو قافلہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا تو گھر واپس جاکر حضرت یعقوب سے کہا کہ یوسف کو بھیڑیا لے گیا ہم لوگ کچھ نہ بچا سکے حضرت یعقوبؑ رویا کرتے پھر جب حضرت یوسفؑ مصر کے عزیز ہوگئے تو تمام اطراف میں سخت قحط پڑا۔ حضرت یعقوبؑ کے باقی ۱۱ بیٹے اپنے وطن کنعان (شام) سے مصر آئے کہ کچھ غلہ لیجائیں۔ حضرت یوسفؑ نے ان لوگوں کو پہچان لیا۔ بہت غلہ دلوایا اور نہایت محبت سے پیش آئے [1] پھر حضرت یعقوب اور اپنے گھر والوں کو بھی مصر میں بلا لیا اس وقت آپکے اس

---

[1] حضرت یوسف کے حالات میں اخلاق پسندیدہ کے بہت سے سبق ہیں (۱) باپ کی اطاعت اس درجہ کی کہ باپ آپ کو دل سے دوست رکھتے تھے (۲) آپ کے بھائی آپ پر ظلم کرتے رہے مگر آپ نے کسی وقت ان سے تعرض نہیں لیا بلکہ جب موقع ملا تو انکی تمام بدسلوکیوں سے چشم پوشی کر کے ان کے ساتھ بھلائی ہی کی (۳) دنیوی اعتبار سے تقریباً بادشاہت کے درجہ پر پہنچنے کے بعد بھی اپنا مزاج نہیں بدلا اور اپنے اعزہ سے اسی برتاؤ سے پیش آتے جس طرح حکومت کے پہلے پیش آتے تھے (۴) نہایت حسینہ و جمیلہ اور مالدار عورت آپ پر فریفتہ ہو کر آپکو بدکاری کی طرف بلاتی رہی مگر آپ نے عفت و عصمت کا بہترین نمونہ دکھایا اور پاکدامنی کی مثال قائم کر دی جو قیامت تک یادگار رہیگی (۵) قید خانہ میں رہے تو وہاں بھی مخلوق خدا سے ہمدردی اور ان سے خیر خواہی کا پورا حق ادا کرتے رہے اور جہاں تک ہوسکا دوسرے قیدیوں کو نفع ہی پہنچایا (۶) جب مصر کے وزیر ہوگئے بجائے ذاتی عیش و آرام کے ملک کے انتظام اور مخلوق خدا کی راحت رسانی ہی میں بہترین لذت محسوس کی تو حسن انتظام کا بہترین نمونہ قائم کر دیا۔

خواب کی تعبیر ظاہر ہوئی جو آپ نے بچپن میں دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج آپ کو سجدہ کر رہے ہیں واقعاً آپ کی حالت اسوقت ایسی تھی کہ گویا آپ کے بھائی بلکہ کل مصر والے آپ کو سجدہ کر رہے تھے۔ حضرت یعقوبؑ مصر میں آنے کے ۱۷ برس بعد انتقال کر گئے اور حضرت یوسفؑ نے ۱۱۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت یعقوبؑ نے انتقال کے وقت حضرت یوسفؑ کو اپنا وصی و ولیعہد مقرر کیا تھا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۹۴ و تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۲۷۱)
حضرت یوسفؑ نے بھی اپنا ولی عہد و وصی خود ہی اپنے بھائی یہوذا کو مقرر کیا تھا۔ (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۲۷۱)

حضرت موسیٰؑ بن عمران

آپ حضرت یعقوبؑ کے پوتے قاہات کے پوتے تھے۔ مورخین فرنگ کے قول کے مطابق حضرت عیسیٰ سے ۱۵۷۴ برس پہلے پیدا ہوئے آپ کی پیدائش کے قبل مصر میں جو فرعون (بادشاہ) تھا۔ اس کو نجومیوں نے بتا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو بنی اسرائیل کو تمہاری حکومت سے آزاد کر کے تمہاری سلطنت کو تہ و بالا کر دے گا۔ فرعون نے اس کی روک تھام اسطرح کی کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوتا اس کو ہلاک کرا دیتا لیکن خدا کے ارادے کو کون روک سکتا ہے۔ جب حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے تو آپ کی ماں نے آپ کو ایک صندوق میں بند کر کے وہ صندوق دریائے نیل میں بہا دیا۔ صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس جا پہنچا۔ اتفاق سے آسیہ زوجہ فرعون کی نظر اس پر پڑ گئی۔ صندوق کو منگا کر کھولا تو خوبصورت بچہ نظر پڑا۔ اس نے ان کی حفاظت اور پرورش شروع کی اور فرعون کو سمجھا کر راضی کر لیا کہ اس کو قتل نہ کرو کیا عجب اس کو اپنا بیٹا بنا لیں۔ اس کے بعد اس بچہ کو دودھ پلانے کے لیے بہت سی دائیاں بلوائیں مگر آپ نے کسی کا دودھ نہیں پیا تب آپ کی بہن نے جو فرعون کے محل میں پہنچ گئی تھیں زوجہ فرعون سے کہا کہ میں ایک عورت کا پتہ بتاتی ہوں کیا عجب اس کا دودھ یہ بچہ پینے لگے۔ اسطرح حضرت موسیٰؑ کی ماں فرعون کے محل میں ملازم ہو کر اپنے بچے کو دودھ پلانے لگیں جب آپ کچھ بڑے ہوئے تو ایکدن کسی طرف جا رہے تھے دیکھا کہ ایک قبطی اور ایک اسرائیلی لڑ رہے ہیں آپ نے سزا دینے کے لیے قبطی کو ایک گھونسا مارا۔ اتفاق کی بات وہ قبطی فوراً مر گیا۔ آپ فرعون کے خوف سے مصر چھوڑ دیا اور مدین کی طرف چلے گئے۔ وہاں حضرت شعیبؑ سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت شعیبؑ نے آپ کو اپنی دنبیاں اور بکریاں چرانے کیلئے رکھ لیا۔ اسطرح آپ بیس سال وہیں رہے۔ حضرت شعیبؑ نے اپنی لڑکی صفورہ کی شادی آپ سے کر دی پھر آپ اپنی بیوی کیساتھ مصر واپس آئے چونکہ کوہ طور پر آپ سے خدا نے کلام کیا تھا اس سبب سے آپکا لقب کلیم اللہ ہوا کل یہودی اور قبطی آپ ہی کی امت ہیں۔ آپ پر کتاب توریت نازل ہوئی تھی جو یہودیوں کی مذہبی کتاب ہے اور آج تک یہودی اس کو خدائی کتاب سمجھتے اور حضرت موسیٰؑ ہی کو اپنا پیغمبر مانتے اور حضرت عیسیٰؑ و حضرت رسولخدا صلعم کی نبوت کے منکر رہتے ہیں جب مدین سے آپ مصر میں واپس آئے تو فرعون کے پاس گئے اور اس سے خدا پر ایمان لانے کو کہا۔ حضرت موسیٰؑ کی زبان میں لکنت تھی اس سبب سے آپکے بڑے بھائی حضرت ہارون بھی آپ کیساتھ تبلیغ میں شریک تھے۔ آپ کی باتیں سن کر فرعون نے اپنے دربار کے جادوگروں سے سحر کرنے کو کہا۔ ان سب نے اپنی لاٹھیاں پھینکیں جو سب زندہ سانپ کی صورت میں وہاں پھرنے لگیں مگر جب حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ بڑا

اژدہا بن کر ان سب سانپوں کو نگل گیا اور جب حضرت موسیٰؑ نے اس کو اٹھایا تو آپ کے ہاتھ میں پھر عصا ہو گیا یہ آپ کا مشہور معجزہ ہے جو قرآن مجید میں بھی مذکور ہے (دیکھو پ ۱۶ ع ۱۴ سورۂ طٰہٰ) دوسرا معجزہ بھی قرآن مجید میں مذکور ہے کہ آپ جیب میں اپنا ہاتھ ڈال کر نکالتے تو وہ آفتاب سے زیادہ چمکتا جو ید بیضا کے نام سے مشہور ہے فرعون کے ساحروں نے آپکا معجزہ دیکھا تو آپ پر ایمان لائے مگر فرعون نے ان سب کو قتل کرا دیا اور خود تو سرکشی پر آمادہ ہی رہا۔ پھر بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا کہ موسیٰ کے ساتھ چلے جائیں غرض حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن ان لوگوں کو اپنے حلقے سے جانے دیا اور فوراً اپنا لشکر لیکر ان کے تعاقب میں چلا بحر قلزم کے پاس جا کر حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کو پایا۔ حضرت موسیٰؑ کے آگے دریا اور پیچھے فرعون کا لشکر تھا آپ نے دریا پر اپنا عصا مارا جس سے دونوں طرف کا پانی پھٹ گیا اور بیچ میں جانے کے لائق راستہ ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر اس میں سے نکل گئے۔ فرعون نے دیکھا کہ موسیٰؑ کیلئے دریا میں راہ بن گئی تو وہ بھی اپنے لشکر سمیت دریا میں داخل ہو گیا اتنے میں پانی اپنی جگہ آ گیا اور فرعون اپنے پورے لشکر سمیت اس میں ڈوب گیا اس وقت حضرت موسیٰؑ کی عمر ۸۰ سال کی تھی مصر سے نکل کر آپ نے بنی اسرائیل کو خدا کے حکم سے ارض شام میں لیجانا چاہا مگر ان لوگوں نے اس سے انکار کیا تو اسکی سزا میں ۴۰ سال تک وادی تیہ میں حیران و پریشان پھرتے رہے آپ ہی کے زمانہ میں قارون بھی ہوا ہے جو آپ کا چچا زاد بھائی اور کیمیاگری کے فن میں ماہر تھا۔ اس کے پاس مال و دولت کا بہت بڑا خزانہ تھا اس نے ایک مکان بنوایا تھا جس کے دروازے وغیرہ سونے کے تھے اسکو اپنی دولت کی وجہ سے تکبر بھی بہت ہو گیا تھا حضرت موسیٰؑ سے برابر شرارت اور بدتمیزی کرتا اور مختلف تدبیریں کر کے حضرت کو بدنام اور پریشان کرنا چاہا تب حضرت موسیٰؑ نے اس کیلئے بددعا کی اور زمین سے فرمایا یا ارض خذیہم اے زمین تو ان لوگوں کو نگل جا۔ زمین فوراً اسکو اور اسکے ساتھیوں کو نگل گئی اور سب اسکے اندر دھنس کر ہمیشہ کیلئے غائب ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے طوفان نوحؑ سے ۹۲۴ سال کے بعد انتقال کیا۔ حضرت ہارونؑ آپ سے ۱۱ مہینے پہلے انتقال کر چکے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کی عمر انتقال کے وقت ۱۲۰ سال کی تھی۔ جب تک حضرت ہارونؑ زندہ رہے حضرت موسیٰؑ آپ ہی کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے کہیں جاتے تھے[1] اور جب حضرت ہارونؑ کا انتقال ہو گیا تو جناب یوشع بن نون کو اپنے انتقال سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۲۰۸ وغیرہ)

حضرت یوشع بن نون

حضرت موسیٰؑ کے بعد آپ کے وصی حضرت یوشعؑ ہوئے خود حضرت موسیٰؑ نے اپنا قائم مقام کر دیا تھا مقام اریحا میں نبی ہوئے اور بنی اسرائیل کی ہدایت و سرداری اپنے ذمہ لی۔ تین دن تک بنی اسرائیل کو تیہ میں مقیم رکھا پھر ان کو اریحا میں لائے۔ حضرت موسیٰؑ کی زوجہ صفورہ

---

[1] اسی وجہ سے حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علی کے بارے میں فرمایا یا علی، اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی۔ اے علیؑ کیا تم کو اس سے خوشی نہیں ہوئی تم کو مجھ سے وہی درجہ (خلافت و صایت کا) حاصل ہے جو ہارون کو حضرت موسیٰؑ سے تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (صحیح بخاری پ ۱۴ صفحہ ۹۷ کتاب المغازی)

یاصفیرا نے لوگوں کو جمع کرکے حضرت یوشع سے جنگ کی جس میں ۷۰ ہزار آدمی مارے گئے اور حضرت یوشع فتح یاب ہوئے ؎۱

حضرت یوشع نے ۱۱۰ سال کی عمر میں حضرت موسیٰؑ کے ۲۸ سال بعد حضرت عیسیٰؑ سے ۱۴۲۶ سال پہلے وفات پائی۔ جب انتقال ہونے لگا تو آپ نے وہ کل تبرکات اور تابوت سکینہ جو آپ کو حضرت موسیٰؑ سے ملے تھے حضرت ہارونؑ کے صاحبزادے کے حوالہ کر دیئے۔ علامہ طبری نے لکھا ہے ان القیم بامور بنی اسرائیل بعد یوشع کان کالب بن یوفنا حضرت یوشع کے بعد بنی اسرائیل کے سردار اور مذہبی پیشوا جناب کالب بن یوفنا ہوئے (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ [illegible]) اور علامہ ابن اثیر جزری نے جناب یوشع کے حال میں لکھا ہے ثم توفاہ اللہ فاستخلف علی بنی اسرائیل کالب بن یوفنا پھر خدا نے آپ کو موت دی تو آپ بنی اسرائیل پر کالب بن یوفنا کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے (تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ [illegible])

حضرت حزقیلؑ

حضرت یوشع کے بعد بنی اسرائیل کی سرداری اور پیشوائی کی خدمت کالب بن یوفنا کے ذمہ رہی اور ان کے بعد حزقیل بن بوذی کے متعلق ہوئی۔ آپ کے زمانہ میں ۷۰ ہزار آدمی طاعون سے مر گئے۔ کچھ زمانہ کے بعد جناب حزقیل نے بھی انتقال فرمایا اور کوفہ کے قریب دفن کیے گئے۔

حضرت الیاسؑ

جناب حزقیل کے بعد خدا نے حضرت الیاس کو پیغمبر بنایا آپ علاقہ بعلبک پر مبعوث ہوئے تھے مگر قوم بنی اسرائیل بت پرستی میں مشغول رہی اور آپ کی ہدایت کسی طرح قبول نہیں کی تو آپ ان سے عاجز آکر پہاڑ میں چلے گئے اور خدا سے ان لوگوں کے حق میں بددعا کی تین سال تک پانی نہیں برسا اور سخت قحط پڑا۔ اس وقت کے بادشاہ نے آپ کو گرفتار کرنا چاہا مگر آپ نے بددعا کی تو آگ نے سب کو گھیر کر ہلاک کر دیا اور خدا نے حضرت الیاس کو زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ مورخین فرنگ کے قول کے مطابق ۸۸۹ سال قبل حضرت عیسیٰ کے حضرت الیاسؑ آسمان پر بلائے گئے فکان انسیا ملکیا ارضیا سماویا اسطرح آپ انسی۔ ملکی۔ ارضی سماوی ہوئے۔ (تاریخ طبری جلد ۱ صفحہ ۲۴۰)

حضرت الیسعؑ

حضرت الیاس کے بعد آپ کے چچازاد بھائی حضرت الیسع پیغمبر ہوئے۔ آپ پانی پر چلتے۔ اندھوں اور کوڑھیوں کا کامیاب علاج کرتے تھے۔ آٹھ سال اپنی امت کی ہدایت کرتے رہے حضرت عیسیٰ سے ۸۸۱ سال پہلے وفات پائی۔

حضرت شموئیلؑ

حضرت موسیٰ کی شریعت پر تھے غزوہ اور عسقلان کے علاقہ پر مبعوث ہوئے وحی الٰہی کے مطابق آپ نے طالوت کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا۔ ۱۰ سال تک اپنی امت میں رہے طالوت نے کافروں

؎۱ یہ امر بھی عجائب دہر سے ہے کہ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے کو حضرت موسیٰ سے تشبیہ دی اسی طرح حضرت موسیٰ کی زوجہ صفورہ اور حضرت رسول خدا صلعم کی زوجہ حضرت عائشہ (حمیرا) میں بھی پوری مشابہت ظاہر ہوئی کہ صفورا نے حضرت موسیٰ کے خلیفہ و وصی حضرت یوشع سے جنگ کی اور حضرت عائشہ نے حضرت رسول خدا صلعم کے خلیفہ و وصی حضرت امیر المومنینؑ سے جنگ کی۔ اس جنگ میں حضرت یوشع کامیاب ہوئے اور جنگ جمل میں بھی حضرت عائشہ کے مقابلہ میں حضرت امیر المومنینؑ کو فتح حاصل ہوئی اور نیز یہ بھی مشابہت ہوا کہ بعض انبیاء کرام کی بیبیاں ان کے بعد صراط مستقیم سے علیحدہ ہو جایا کرتیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتی تھیں

کے بادشاہ جالوت سے لڑنے کے لیے حضرت داؤد کو بھیجا جس میں جالوت مارا گیا۔ حضرت شموئیل حضرت عیسیٰ سے ۱۱۴۰ سال پہلے پیدا ہوئے تھے ؎۱ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ جناب یوشعؑ نے اپنا خلیفہ خود ہی کالب بن یوفنا کو مقرر کیا تھا اور کالب نے اپنا خلیفہ اپنے فرزند یوساقوس کو مقرر کیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۲۵) جناب الیاس پیغمبر نے بھی اپنا خلیفہ خود ہی حضرت الیسع کو مقرر کیا (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۳۸) اور حضرت الیسع نے بھی اپنی خلافت کا انتظام خود ہی کیا۔ انتقال کے قریب جناب ذوالکفل کو طلب کرکے خلافت ان کے حوالہ کر دی۔ (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۴۰)

حضرت داؤدؑ

حضرت یعقوب کی نسل سے تھے۔ سلسلہ نسب اس طرح لکھا ہے۔ داؤد بن ایشا ابن عوید بن باعز بن سلمون بن نحشون بن عمی ناذب بن رام بن حصرون بن فارص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق ابن ابراہیم۔ آپ حضرت عیسیٰؑ سے ۱۰۸۵ سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کو خدا نے دین و دنیا دونوں کی سرداری اس طرح دی کہ پیغمبر بھی ہوئے اور بادشاہ بھی لوہے کو ہاتھ میں لیتے تو وہ موم ہو جاتا۔ باوجود اس کے کہ آپ کو دنیا کی سلطنت بھی ملی مگر آپ مزدوری کرکے اس سے اپنے مصارف پورے کرتے۔ مشہور ہے کہ آپ لوہے کی زرہیں بنا کر ان کو فروخت کرتے تھے۔ آپ پر کتاب زبور ؎۲ نازل ہوئی تھی۔ حضرت داؤد ایسے خوش آواز تھے کہ لحن داؤدی آج تک مشہور ہے۔ آپ جب زبور کی تلاوت لحن سے فرماتے تو جانور تک وجد میں آ جاتے تھے۔ ۳۰ سال کی عمر میں کافروں کے بادشاہ جالوت سے جنگ کی اور اس پر فتحیاب ہو کر اس کو قتل کیا جس کے بعد خود بادشاہ ہو گئے۔ پھر ۴۰ سال تک پیغمبری اور بادشاہت کرتے رہے آپ نے پورا ملک شام۔ جزیرہ۔ آرمینیہ وغیرہ فتح کر لیا تھا ؎۳ حضرت عیسیٰؑ سے ۱۰۱۴ سال پہلے آپ نے ستر سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ دنیا سے رحلت کے وقت اپنے صاحبزادے حضرت سلیمان کو اپنا خلیفہ بنا کر گئے۔ مورخین نے تصریح لکھا ہے وتوفی قبل ان یستتم بنائہ واوصی الی سلیمان حضرت داؤد نے اپنی عمارت تمام کرنے سے پہلے انتقال کیا اور حضرت سلیمانؑ کو اپنا وصی مقرر کر گئے (تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۷۷) مورخ مذکور پھر لکھتا ہے فلما مات ورث سلیمان ملکہ وعلمہ ونبوتہ جب حضرت داؤد نے انتقال کیا تو آپکے فرزند حضرت سلیمان آپ کے ملک۔ علم اور نبوت کے وارث ہوئے۔ (تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۸۰) ؎۴ حضرت داؤد کے متعلق حضرات اہلسنت کی کتابوں میں یہ غلط حدیث موجود ہے کہ معاذ اللہ آپ ایک شخص اوریا کی خوبصورت بیوی پر عاشق ہو گئے تھے اور چونکہ

؎۱ حضرت ایوبؑ کی خالہ یا بہن کے بیٹے ازد کے پوتے لقمان تھے جو حکیم کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کی نبوت کے بارے میں لوگوں کو اختلاف ہے آپ غالباً حضرت عیسیٰ سے ۱۰۸۵ سال پہلے پیدا ہوئے ۱۲

؎۲ چار آسمانی کتابیں مشہور ہیں۔ توریت جو حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی زبور جو حضرت داؤد پر اتری۔ انجیل جو حضرت عیسیٰ پر آئی اور قرآن مجید جو حضرت رسول خدا صلعم کو ملی اور جو قیامت تک رہے گی ۱۲

؎۳ چونکہ کافروں کے بادشاہ جالوت سے آپ سے جنگ ہوئی اس میں وہ مارا گیا اس سبب سے آپکو ملک فتح کرنیکا موقع ملا مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ نے لوگوں کو زبردستی خدا پرست اور احکام خدا کا پابند بنانے کیلیے ان سے جہاد کیا ہو۔ اور تلوار کے زور سے کسی کو بھی امت میں داخل کیا ہو ۱۲

؎۴ قرآن مجید میں بھی ہے وورث سلیمان داؤد جناب داؤد کے وارث حضرت سلیمان ہوئے (پارہ ۱۹) اور معلوم ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ دونوں ہی پیغمبر تھے۔ پس حضرت داؤد نے سلطنت بنایا اور حضرت سلیمان وارث ہو

اس کو پا نہیں سکتے تھے اس وجہ سے اوریا کو ایک لڑائی پر بھیج دیا کہ یہ قتل ہو جائے تو میں اس کی بیوی سے وصال حاصل کروں۔ چنانچہ وہ قتل ہو گیا تو حضرت داؤدؑ نے اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ عقل سلیم کہتی ہے کہ حضرت داؤدؑ بلکہ کل انبیاء کی شان ایسے شرمناک واقعات سے کہیں بلند و ارفع ہے۔ وہ حضرات دوسروں کے اخلاق درست کرنے انکے نفس کو پاکیزہ بنانے اور ان کی بہیمیت مٹانے کے لیے دنیا میں خدا کی طرف سے بھیجے جاتے ہیں۔ ان سے ایسی رکیک باتیں نہیں ہو سکتیں۔

حضرت سلیمان حضرت داؤدؑ پیغمبر کے فرزند تھے اور خود بھی پیغمبر ہوئے۔ حضرت داؤدؑ کے ۱۹ صاحبزادے تھے۔ سب میں آپ ہی پیغمبری کے شرف سے سرفراز کئے گئے۔ آپ حضرت عیسٰی سے ۱۰۳۲ سال پہلے پیدا ہوئے اور حضرت عیسٰی سے ۹۷۵ سال پہلے ۵۹ سال کی عمر میں وفات پائی جب ۱۹ سال کے تھے تو حضرت داؤدؑ کے جانشین ہوئے۔ مشرق سے مغرب تک کل جن و انس وحوش و طیور و پانی و ہوا اور باقی کل مخلوقات آپ کی تابع رہیں۔ آپ نے ۴۰ سال تک نبوت اور بادشاہت کی۔ اپنی حکومت کے چوتھے سال سے بیت المقدس کی تعمیر شروع کی جو آپ کی آخر عمر تک جاری رہی۔ اس کو ۴۵۴ سال کے بعد بخت نصر بادشاہ بابل نے منہدم کر دیا پھر بنایا گیا اور برباد ہوا۔ غرض کئی دفعہ تعمیر اور خراب ہوا حضرت سلیمانؑ کے متعلق قرآن مجید میں ہے:۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵:۔ اس آیت نے سُنی و شیعہ کی اس مشہور نزاع کا فیصلہ کر دیا جو دونوں جماعتوں میں حضرت رسول خداؐ صلعم کے متعلق شروع سے قائم ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت رسولؐ خدا صلعم کی میراث بھی اسی طرح جاری ہونی چاہیے جس طرح اور لوگوں کی ہوتی ہے اور حضرات اہلسنت کہتے ہیں کہ آں حضرتؐ کا کوئی شخص وارث نہیں ہو سکتا۔ اس کی دلیل میں وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے: نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکناہ صدقۃ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں نہ کوئی ہمارا وارث ہوتا ہے بلکہ ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے لیکن قرآن مجید کا آیت مذکور صاف صاف کہتا ہے کہ انبیاء وارث ہوتے بھی ہیں اور دوسروں کو وارث چھوڑ بھی جاتے ہیں جیسے حضرت داؤد نے اپنے فرزند کو وارث چھوڑا اور حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے وارث ہوئے اور اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کوئی بات غلط نہیں فرما سکتے تھے اور قرآن مجید کے خلاف بھی حضرت کی زبان مبارک سے کوئی امر نہیں نکل سکتا تھا اس سبب سے ماننا پڑے گا کہ حضرت رسولؐ خدا صلعم نے یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا کہ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث معلوم ہوتا ہے حضرت نے اسطرح فرمایا تھا نحن معاشر الانبیاء نرث ونورث ہم گروہ انبیاء بھی وارث ہوتے ہیں اور وارث چھوڑ جاتے ہیں مگر حضرت ابوبکر کو اپنی خلافت کے وقت غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے سمجھا کہ حضرت نے اسکو اسطرح فرمایا لا نرث ولا نورث اور اسی پر انہوں نے یقین کر لیا۔ حالانکہ اگر آنحضرت صلعم ایسا فرماتے تو سب سے پہلے اس کا ذکر جناب سیدہ سے کرتے کہ بیٹی تم یاد رکھنا انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ انکا کل متروکہ صدقہ ہو جاتا ہے تم بھی میرے متروکہ کی امید نہ رکھنا۔ پھر حضرت عائشہ سے فرماتے حضرت حفصہ سے بیان کرتے دوسری ازدواج کو اس سے مطلع کرتے کہ آنحضرتؐ کی میراث کا دعویٰ یہی لوگ کر سکتی تھیں لیکن آنحضرتؐ سے اس کلام کو نہ جناب سیدہ نے سنا۔ نہ کسی بیوی نے نہ کسی اور صحابی نے صرف حضرت ابوبکر اس کے مدعی ہوئے اور کسی نے بھی ان کی تصدیق نہ کی۔ ۱۲

یعملون لہ ما یشاء من محاریب وتماثیل وجفان کالجواب وقدور راسیات۔
حضرت سلیمانؑ کے لیے جنات ہر وہ چیز بنا دیتے جو وہ چاہتے۔ جیسے محرابیں اور مورتیں اور ایسے بڑے لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں (پ۲۲ ع ۸) [1] حضرت سلیمانؑ کی کشتیاں۔ سونا چاندی اور قیمتی اسباب و ہاتھی۔ مور دغیرہ لانے کی غرض سے ہمیشہ بحر ہند میں سفر کرتی رہتی تھیں اور مصر سے اچھی نسل کے گھوڑے منگواتے تھے۔ حضرت نے ہدہد کو خبر سبا کی ملکہ بلقیس کے پاس بطور قاصد بھیجا تو اس نے کچھ تحفے آپ کے پاس بھیجے مگر آپ نے ان تحفوں کی واپس کر کے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو اس کے پاس بھیجا۔ وہ گیا اور چشم زدن میں بلقیس کا تخت حضرت سلیمانؑ کے پاس پہنچ گیا۔ بلقیس آپ کی اطاعت قبول کر کے آپ کے مذہب میں داخل ہو گئیں۔ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں ہاروت و ماروت فرشتے بابل میں آئے تھے۔ جو خدا کے حکم سے لوگوں کو آزمانے کے لیے جادو سکھاتے تھے۔

حضرت عزیرؑ حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھے۔ ایک دفعہ قریۂ ایلیا پر گزر ہوا تو دیکھا کہ بہت لوگ جو طاعون کے خوف سے بھاگے تھے مرے پڑے ہیں ان کو دیکھ کر آپ نے تعجب سے کہا خدا ان کو کیسے جلائے گا، اس کے بعد وہیں سو گئے تو خدا نے ان کی بھی روح قبض کر لی۔ اس وقت آپ ۴۰ سال کے تھے خدا نے پھر سو سال کے بعد آپ کو زندہ کر دیا جس کے بعد آپ کئی سال اور زندہ رہے اس کے بعد انتقال کر گئے۔ یہودی آپ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

حضرت دانیالؑ حضرت یعقوبؑ کی نسل سے تھے۔ عقل و فہم میں آپ بھی مشہور ہیں۔ بخت نصر بادشاہ بابل نے آپ کو قید کر کے کنوئیں میں ایک شیرنی کے ساتھ بند کر دیا تھا خدا کی قدرت

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان کے لیے مورتیں بھی بنائی جاتی تھیں۔ تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنات فرشتوں نبیوں اور نیکوکاروں کی تصویریں مسجد میں بناتے تھے تاکہ وہ لوگ ان کو دیکھیں اور اس سے زیادہ عبادت خدا کرنے لگیں (تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۱۷۳، معالم التنزیل صفحہ ۷۰۳ و کشاف جلد ۲ صفحہ ۴۴۵ و در منثور جلد ۵ صفحہ ۲۲۸ وغیرہ) اب قابل غور یہ امر ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ کے حکم سے نبیوں اور نیکوکاروں کی تصویریں اس غرض سے بنائی جاتی تھیں کہ ان کو دیکھ کر اس زمانہ کے لوگ زیادہ عبادت کریں تو اس زمانہ میں حضرت امام حسینؑ کے روضہ کی تصویر و تعزیہ بنانے پر اعتراض کرنا بے جا ہے کیوں کہ اس کی غرض بھی یہی ہوتی ہے کہ اس کو دیکھ کر خدا کے پیارے بندے امام حسینؑ کا تذکرہ ہو واقعہ شہادت کے اسباب پیش نظر ہو جائیں اور اس سے گریہ زیادہ ہو۔ اور چونکہ حضرت رسولؐ خدا صلعم بھی شہادت امام حسینؑ کی خبر قبل از وقت سنکر بار بار روتے تھے اور واقعہ شہادت کے بعد حضرت ام سلمہ و ابن عباس وغیرہ نے خواب میں حضرتؐ کو روتے ہوئے دیکھا تھا اس سبب سے آنحضرت صلعم کی تاسی میں حضرت امام حسینؑ پر رونا بھی عبادت ہے ان وجوہ سے ماننا پڑتا ہے کہ تعزیہ بنانا نہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تاکہ اس کو دیکھ کر امام حسین علیہ السلام پر زیادہ رونا آئے اور خدا کی یہ عبادت اچھی طرح ادا ہو سکے۔ اسی وجہ سے خود خداوند عالم نے واقعہ کربلا کے بہت پہلے اس زمین کی تھوڑی سی مٹی کو سرخ کر کے گویا قتل گاہ کی شبیہ بنا کر حضرت رسول خدا صلعم کے پاس بھیجا تھا جس کو دیکھ کر حضرت بہت روئے تھے (دیکھو مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۱۴۱)۔

سے ا ، شیرنی نے آپ کو تکلیف نہیں پہنچائی بلکہ اپنا دودھ پلانا شروع کر دیا۔ پھر آپ کے حسن تدبیر اور قوت رائے کو دیکھ کر بخت نصر نے آپ کو اپنا وزیر بنا لیا۔ علم رمل آپ کی ایجاد ہے۔

حضرت یونسؑ بن متی

بنو اسرائیل کے انبیاء سے ہیں مگر آپ کے لیے کوئی خاص کتاب یا شریعت نہیں بلکہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے پابند تھے۔ اہل نینوا سے و زمین موصل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ آپ ایک کشتی پر سوار جاتے تھے تو دریا دجلہ میں گر گئے اور ایک بڑی مچھلی آپ کو نگل گئی۔ سا، یا ۴۰ روز تک آپ اس مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اسی سبب سے آپ کو ذوالنون اور صاحب الحوت بھی کہتے ہیں۔ پھر خدا کے حکم سے اس کے پیٹ سے باہر آئے۔ ۱۴۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت زکریاؑ

حضرت سلیمان بن داؤدؑ کی نسل سے تھے۔ بڑھاپے میں جب اولاد ہونے سے آپ ناامید ہو چکے تھے خدا سے دعا کی اور خدا نے آپ کو حضرت یحییٰ ایسا فرزند مرحمت فرمایا۔ آپ کی بیوی الیساع حضرت مریم مادر حضرت عیسیٰؑ کی خالہ تھیں اور آپ حضرت مریم کے خالو تھے۔ اسی وجہ سے حضرت زکریا نے حضرت مریمؑ کی پرورش اپنی اولاد کی طرح کی چونکہ سوائے حضرت زکریا کے کوئی دوسرا مرد حضرت مریم کے پاس جانا نہیں تھا۔ اور حضرت مریم کو حکم خدا سے حضرت عیسیٰ کا حمل رہ گیا۔ اس وجہ سے جاہلوں نے کہا کہ معاذاللہ حضرت ذکریا سے ان کا ناجائز تعلق ہو گیا ہے اور حضرت ذکریا کو قتل کرنا چاہا آپ ان کے خوف سے بھاگے۔ سامنے ایک درخت تھا وہ خدا کی قدرت سے شگافتہ ہو گیا اور آپ اس کے اندر چلے گئے۔ قضا نے کار آپ کے دامن کا کونا باہر نکلا رہا اس پر آپ کے مخالفین سمجھ گئے کہ اسی میں چھپے ہیں اور اس درخت کو حضرت زکریاؑ سمیت آرہ سے چیر ڈالا جس سے آپ شہید ہو گئے آپ کی عمر ستو سال کی تھی اور حضرت عیسیٰؑ پیدا ہو چکے تھے۔

حضرت یحییٰ بن زکریاؑ

حضرت مریمؑ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ حضرت عیسیٰؑ سے چھ مہینہ پہلے پیدا ہوئے اور جب سات سال کے ہوئے تو خدا نے آپ کو پیغمبر بنا دیا آپ اس کمسنی میں لوگوں کو عبادت خدا کی طرف بلاتے۔ اور موٹے بالوں کا کپڑا پہنتے۔ زہد اور عبادت میں مشہور ہو گئے تھے۔ یہاں تک عبادت کی کر دُبلے ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ برابر ہمہ نے فتویٰ دیا تھا کہ بھتیجی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ اس وقت بنی اسرائیل کا بادشاہ ہیرودس تھا۔ وہ اپنی بھتیجی (یا بھانجی) یا اپنی بیوی کی اس لڑکی پر جو اس کے پہلے شوہر سے تھی، عاشق ہو گیا۔ وہ لڑکی بھی بادشاہ پر فریفتہ ہو گئی اور دونوں نے شادی کرنی چاہی مگر حضرت یحییٰؑ نے اس کو منع کیا اور فرمایا کہ یہ فعل حرام اور خلاف حکم خدا ہے۔ بات بڑھی آخر اس لڑکی اور اس کی ماں کے ابھارنے سے بادشاہ نے حضرت یحییٰ کو قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے سے کچھ ہی قبل کا ہے۔ اس قتل کے عوض [۵۱] خدا نے یہ سامان کر دیا کہ طیطوس (قیصر روم) نے ملک شام پر چڑھائی کر کے بیت المقدس کو برباد کر دیا اور بہت سے بنی اسرائیل کو قتل کر ڈالا۔

[۵۱] خدا نے حضرت یحییٰ کے عوض ستر ہزار آدمیوں کو قتل کرایا۔ امام حاکم وغیرہ بڑے بڑے محدثین اہلسنت نے لکھا ہے: عن ابن عباس قال اوحی اللہ الی محمد انی قتلت بیحییٰ بن ذکریا سبعین الفا و انی قاتل بابن بنتک سبعین الفا و سبعین الفا

حضرت عیسیٰؑ

حضرت مریمؑ کے صاحبزادے تھے جو بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ اسی وجہ سے آپ کو روح اللہ کہتے ہیں۔ دنیا میں حضرت آدم کے تشریف لانے سے ۴۰۰۰ سال بعد پیدا ہوئے۔ اوپر ذکر کیا گیا کہ حضرت زکریاؑ حضرت مریم کے خالو تھے اسطرح کہ الیساع اور حسنہ دو بہنیں تھی الیساع کی شادی جناب زکریا سے ہوئی اور حسنہ عمران سے بیاہی گئیں۔ الیساع کے بیٹے حضرت یحییٰ ہوئے اور حسنہ کی بیٹی جناب مریم ہوئیں۔ حسنہ کے اولاد نہیں ہوتی تھی تو نذر کی کہ ان کے اولاد ہو گی تو اس کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے مخصوص کر دیں گی۔ اس پر حسنہ کو حمل ہو گیا اور حالت حمل ہی میں ان کے شوہر عمران کا انتقال ہو گیا اس کے بعد جناب حسنہ کے بطن سے جناب مریمؑ پیدا ہوئیں جس کا معنی عابدہ (بڑی عبادت کرنے والی) ہے حسنہ اس لڑکی کو لے کر بیت المقدس میں آئیں اور کہا میں نے لڑکے کا نذر کی تھی مگر ہوئی یہ لڑکی۔ چوں کہ آپ کے والد مر چکے تھے اس وجہ سے آپ کی پرورش کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہوا کہ کون کرے۔ حضرت زکریاؑ نے کہا مجھ پر اس کا زیادہ حق ہے۔ کیوں کہ اس کی خالہ (الیساع) میری بیوی ہے چنانچہ جناب زکریاؑ نے حضرت مریم کو اپنی کفالت میں رکھ کر پرورش شروع کر دی۔ جب جناب مریمؑ بڑی ہوئیں تو حضرت زکریاؑ نے ان کے لیے ایک خاص کمرہ عبادت کی غرض سے خالی کر دیا خدا فرماتا ہے۔ جب زکریاؑ مریم کے دیکھنے کو ان کے پاس جاتے تو جناب مریمؑ کے پاس میوہ جات کی قسم سے کچھ نہ کچھ کھانے کی چیز ضرور موجود پاتے اس پر ان سے پوچھا یہ چیزیں تمہارے پاس کہاں سے آتی ہیں کہا خدا کے ہاں سے۔ کیونکہ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔ کچھ دنوں بعد خدا نے جناب جبرئیلؑ کو حضرت مریمؑ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے نفخ روح کیا۔ جس سے حضرت مریمؑ کو حمل رہ گیا اور مدت حمل پوری ہونے کے بعد بیت المقدس کے قریب ایک گاؤں بیت لحم میں جناب عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ جب حضرت مریمؑ اس بچہ کو لیے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں تو لوگوں نے کہا اے مریمؑ یہ تو تو نے بہت ہی نالائق حرکت کی ہے پھر انکو سنگسار کرنا چاہا تو حضرت عیسیٰ گہوارے سے بول اٹھے میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی اور مبارک بنایا ہے اس پر لوگوں نے حضرت مریمؑ کو چھوڑ دیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے ۳۰ سال کی عمر میں لوگوں کو اپنے مذہب کی طرف بلانا شروع کیا اور بڑے بڑے معجزات دکھانے لگے۔ مردہ کو جلاتے، اندھے، مبروص اور ہر قسم کے بیمار اچھے کرتے۔ کھانے پینے اور غیب کی خبر دیتے۔ مٹی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸) :- حضرت رسول خدا صلعم کے مشہور صحابی اور چچا زاد بھائی جناب ابن عباس فرماتے تھے کہ خدا نے حضرت رسول خدا پر وحی نازل کی کہ میں نے یحییٰ بن زکریاؑ کے عوض ستر ہزار شخصوں کو قتل کرایا اور اب تمہارے فرزند حسینؑ کے عوض اس کا دوگنا ایک لاکھ چالیس ہزار آدمیوں کو قتل کراؤں گا۔ مستدرک امام حاکم جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۱۳، ۲۱۴ وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے ہاں حضرت یحییٰ کی شہادت سے زیادہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا درجہ ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح حضرت یحییٰ بے قصور اور معصوم تھے حضرت امام حسینؑ بھی بالکل اسی طرح بے خطا اور معصوم تھے۔ اب جو لوگ حضرت پر کسی طرح کا اعتراض کرتے ہیں وہ درحقیقت خدا پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اس کی غلطی کے قائل ہیں۔

پتلا بنا کر اڑاتے۔ پتھر اور ڈھیلوں کو جواہر بنا کر دکھاتے۔ دریا پانی پر چلتے تھے۔ زہد میں بھی بڑے درجہ پر فائز تھے۔ موٹے بالوں کا لباس پہنتے اور ساگ پات وغیرہ کھاتے۔ آپ پر کتاب انجیل نازل ہوئی۔ یہودی آپ کے دشمن ہوگئے اور آپ کو پکڑ کر سولی دینی چاہی مگر جب لوگ پکڑنے آئے تو حضرت عیسٰی کو خدا نے چھت کے ایک سوراخ سے آسمان پر اٹھا لیا۔ اور یہودا کی صورت حضرت عیسٰیؑ کے مشابہ ہوگئی۔ یہودیوں نے انہیں یہودا کو حضرت عیسٰیؑ کے خیال میں سولی دے دی۔ اسی وجہ سے عیسائی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسٰی مصلوب ہوگئے۔ آپکے آسمان پر تشریف لے جانیکے بعد حضرت مریم ۶ سال تک زندہ رہیں اور ۵۳ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ ۱۳ سال کی تھیں جب حضرت عیسٰیؑ پیدا ہوئے تھے۔ حضرت عیسٰیؑ کے ۱۲ حواری (خاص دوست، رفیق، ہمدرد، مددگار) مشہور ہیں جو یہ ہیں:۔ شمعون الصفا۔ (۲) اندراوس (۳) یعقوب بن زبدی (۴) شمعون القانی (۵) یعقوب بن حلفی۔ (۶) پولوس (۷) یوحنا (۸) براتو دس (۹) لوقا (۱۰) متّی (۱۱) مارقوس (۱۲) یہودا۔ جب خدا نے حضرت عیسٰیؑ کو آسمان پر اٹھا لیا تو جناب مریمؑ آپ پر بہت روتی تھیں (تاریخ ابوالفدا۔ جلد ۱ صفحہ ۳۶)[۱] حضرت عیسٰیؑ کا جسم سمیت آسمان پر زندہ اٹھایا جانا مسلمانوں کا اجماعی اعتقاد ہے[۲] وہ گاؤں جہاں حضرت عیسٰیؑ نے پرورش پائی تھی۔ اسکا نام ناصرہ تھا اسوجہ سے عیسٰیؑ کے پیروان کو نصاریٰ بھی کہتے ہیں یا انکو نصاریٰ اسوجہ سے کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی شام کے ایک گاؤں سے نکلے جسکا نام نصوریہ یا ناصرہ تھا۔ حضرت مریم مصر سے لوٹ کر وہاں آکر ٹھہری تھیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ انکا نام نصاریٰ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے حضرت عیسٰی کی مدد کی تھی[۳] حضرت عیسٰیؑ جس سال زمین سے آسمان پر اٹھائے گئے اور بقول عیسائی حضرات کے سولی دیئے گئے۔ اسی سال سے عیسائی سال مقرر کیا گیا جو اسوقت دنیا کے اکثر حصوں میں مروج ہے۔

یہودی حضرت عیسٰی کے ویسے ہی مخالف ہیں جیسے غیر مسلم حضرت رسول خدا صلعم یا مسلمانوں کے البتہ عیسائی اور مسلمان دونوں آپکو مانتے اور آپ کی عزت کرتے ہیں۔ مگر آپ کے متعلق دونوں مذہب والوں کے اعتقاد میں فرق ہے عیسائی آپ کو خدا کا بیٹا اور خدا مانتے ہیں کہتے ہیں کہ خدا تین ہے ایک میں اور ایک ہے تین میں اس طرح خدا حضرت مریمؑ اور حضرت عیسٰیؑ تین کا مجموعہ ایک ہے اور ایک کے اجزا یہ تین ہیں۔ اور وہ حضرت عیسٰیؑ کے فرزند خدا ہونے کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ مگر ان لوگوں کی یہ باتیں ایسی مبہم ہیں کہ نہ دوسروں کی سمجھ میں آتی ہیں نہ دیکھا لوگ دوسروں کو سمجھا سکتے ہیں۔ برخلاف اسکے مسلمان حضرت عیسٰیؑ کو آدمی، خدا کا بندہ

---

[۱] جس سے ثابت ہوا کہ کسی عزیز کی مصیبت پر رونا انسان کا فعل ممدوح ہے اور یہ صبر کے خلاف بھی نہیں ہے۔ اگر یہ کسی طرح باعث اعتراض ہوتا تو حضرت مریم ایسی صدیقہ ایسا نہ کرتیں جب حضرت مریمؑ کے رونے کو خدا نے دیکھا تو انکو اس سے منع نہیں کیا بلکہ حضرت عیسٰیؑ کو دوبارہ آسمان سے حضرت مریمؑ کے پاس نازل کیا آپ نے وہاں پہنچ کر مادر گرامی سے فرمایا ان اللہ رفعنی دلم یو تینی الا بخیر۔ خدا نے مجھے آسمان پر اٹھا لیا ہے اور مجھے خیر ہی خیر حاصل ہوا۔ اس کے بعد پھر عیسٰیؑ آسمان پر چلے گئے۔ اب اس زمانہ میں جو لوگ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام پر رونے سے منع کرتے اور ہر وقت اسکو روکنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں انکا فعل کہاں تک مناسب سمجھا جا سکتا ہے[۲] اگرچہ مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے آپ کو وفات دی اور خود اپنے کو مسیح موعود جانتے ہیں مگر انکی کوئی دلیل صحیح نہیں ہے۔ [۳] انوار النعمانیہ صفحہ ۲۷

اور اس کا رسول مانتے ہیں۔ اور ماں کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ان کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے کہتے ہیں کہ خدا نہ جسم ہے نہ جسمانی۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہو سکتا ہے لہذا وہ کسی کا باپ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ جسطرح تمام عالم۔ کل آسمانوں۔ زمین اور ہر قسم کے جانوروں کا پیدا کرنے والا ہے اسی طرح حضرت عیسٰیؑ کو بھی پیدا کیا۔ اور وہ اس پر قادر ہے کہ جس شخص کو بغیر باپ کے پیدا کردے جیسے حضرت عیسٰی کو پیدا کیا اور جس کو چاہے بغیر ماں باپ کے پیدا کردے جیسے حضرت آدم کو خلق فرمایا:

حضرت عیسٰیؑ نے دنیا سے اٹھنے کے قبل اپنا خلیفہ خود ہی مقرر کر دیا تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے:

> از جملہ وصایائے عیسٰیؑ یکے آں بود کہ خدائے تعالیٰ مرا امر فرمودہ است کہ شمعون را بر شما خلیفہ گردانم و حواریان خلافت وے قبول کردند۔

حضرت عیسٰیؑ کی وصیتوں سے ایک یہ بھی تھی کہ فرمایا خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کردوں اور آپ کے حواریوں نے ان کی خلافت قبول کر لی (روضۃ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۸۱)

ضروری تنبیہیں مشہور انبیاء کے ضروری مگر مختصر حالات اوپر درج کئے گئے ان کے متعلق چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ مذکورہ بالا حالات زیادہ تر تاریخ کامل۔ تاریخ ابوالفدا سے لئے گئے ہیں۔

۲۔ ان کے زمانہ ولادت و عمر و جود کی قابل اطمینان تحقیق اس زمانہ میں بہت دشوار ہے کیونکہ ان لوگوں کے زمانوں کی لکھی ہوئی کوئی تاریخ تو کہیں موجود نہیں ہے۔ البتہ مختلف ذرائع و قرائن سے مورخین نے انکے زمانہ کی تحدید کرنے کی کوشش کی ہے لیکن اس میں ان کو کہاں تک کامیابی ہوئی اسکا علم صرف خدا کو ہے۔ حضرت رسول خدا صلعم سے پہلے حضرات کے زمانہ اور عہد کے متعلق جو روایتیں کتابوں میں ہیں وہ بھی مختلف ہیں اور ان کے راویوں پر بھی بالکل اطمینان نہیں ہو سکتا اس سبب سے جو حالات اوپر لکھے گئے اگر ان میں کسی جگہ شبہ یا اعتراض یا تناقض ہو تو اس کو نظر انداز کرنا چاہئے جب خود حضرت رسول خدا صلعم کی ولادت اور وفات کی تاریخ آج تک مسلمانوں میں طے نہیں ہو سکی تو حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم وغیرہ کی صحیح تاریخ کسی کو کیونکر معلوم ہو سکتی ہے قرآن مجید میں ان انبیاء کرام کے حالات موجود ہیں مگر کسی بزرگ کی ولادت یا وفات کی تاریخ یا ان کے عمر کی تعیین نہیں کی گئی ہے۔ اس سبب سے ہم لوگوں کو بھی اسکی تحقیق کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ نہ کسی قول کو یقینی سمجھنے کی حاجت۔ بس جس طرح قرآن مجید میں ان کے مکارم، اخلاق، صفات حسنہ، حیات زکیہ۔ خدمات جلیلہ اور اغراض خلقت و بعثت مذکور ہیں۔ اسی کا لحاظ ہم لوگوں کو بھی کرنا اور ان حضرات کے حالات کو اسی اصول سے دیکھنا مناسب ہے۔ خواہ وہ آج سے چار ہزار سال پہلے ہوں یا دس ہزار سال قبل۔ انبیاء کرام کے حالات کو انہیں راویوں اور مورخوں کے لکھے ہوئے ہیں جو زمانہ کے متعلق عجیب و غریب روایتیں ذکر کرتے رہے ہیں کہ آج وہ روایتیں بچے بچے تک کی نظر میں باعث مضحکہ اور غیر مسلم قوموں کے خیال میں حد درجہ

حضرت اکبر ہو رہی ہیں سلہ

۳۔ تاریخ اور زمانہ کے علاوہ جو حالات ہیں وہ تقریباً صحیح ہیں کیونکہ وہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہیں اور صحیح روایات سے بھی ان کی تحقیق ہو گئی ہے مثلاً حضرت آدمؑ کے ایک فرزند کا دوسرے کو قتل کرنا۔ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں طوفان آنا۔ حضرت ابراہیمؑ کا آگ میں ڈالا جانا۔ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے ایک فرزند کے ذبح کا ارادہ کرنا۔ حضرت یوسفؑ کا قصہ وغیرہ۔

۴۔ حالات مذکورہ سے یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہوا کہ ہر نبی اپنے انتقال کے قبل اپنا وصی اور خلیفہ خود مقرر کر جاتے تھے اور کسی نبی نے اپنے خلیفہ کے تقرر کو اپنی امت پر نہیں چھوڑا۔ حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک ایک نبی کے متعلق معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ بغیر اپنا خلیفہ خود مقرر کیے ہوئے دنیا سے اٹھے ہوں پھر حضرت رسول خدا صلعم بغیر ایسا کیے ہوئے کیوں کر انتقال فرما سکتے تھے اور اس ضروری کام کو امت پر کیوں چھوڑ جاتے ؟

سلہ علامہ طبری نے لکھا ہے: القول فی علم قدر جمیع الزمان من ابتدائہ الی انتہائہ من اولہ الی آخرہ، اس امر کی تحقیق کہ زمانہ کا مجموعہ ابتدا سے انتہاء اور اول سے آخر تک کس قدر اندازہ کیا گیا ہے اس کے بعد کی اصل عبارت نقل کرنے میں طول ہوگا۔ صرف ترجمہ درج کیا جاتا ہے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار برس ہے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ دنیا آخرت کے ہفتوں میں سے ایک ہفتہ ہے جسکی مقدار صرف سات ہزار برس ہے۔ اس سے چھ ہزار کئی سو برس گزر چکے ہیں اور اب کئی سو برس اور باقی رہ گئے ہیں اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ زمانہ کا مجموعہ چھ ہزار برس ہے اس کے علاوہ علامہ طبری اپنی تحقیق لکھتے ہیں کہ ان دونوں میں صحیح قول از روئے احادیث رسول خدا صلعم کے حضرت ابن عباس کا قول ہے جو انہوں نے کہا کہ دنیا آخرت کے ہفتوں میں سے ایک ہفتہ ہے جس کی مقدار سات ہزار برس ہوئی۔ پس معلوم ہو گیا کہ نبی کے ارشاد کے وقت تک چھ ہزار پانچ سو برس یا اس کے قریب قریب گزر چکے تھے اور اب صرف پانچ سو برس باقی ہیں (تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۵ تا ۹) مگر ان دونوں روایتوں نیز علامہ طبری کی تحقیق کا غلط ہونا مثل آفتاب روشن ہے اور ہر شخص اس کا بالبداہۃ یقین رکھتا ہے اسوقت دنیا کی باقی مدت صرف پانچ سو سال مانی گئی اور اس پر یقین بھی کر لیا گیا کیونکہ ان روایتوں کے راوی جلیل القدر صحابہ کرام تھے مگر اب تک تیرہ سو سال سے کہیں زیادہ مدت گزر چکی اور دنیا ختم نہیں ہوئی۔ انہیں راویوں سے خدا کی رہنے کی جگہ بھی مذکور ہے جو نہایت درجہ قابل مضحکہ ہے: عن ابی رزین قال قلت یا رسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق خلقہ قال کان فی عماء تحتہ ھواء وما فوقہ ھواء ثم خلق عرشہ علی الماء۔ ابو رزین بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت رسول خدا صلعم سے پوچھا کہ حضرت یہ تو فرمائیے کہ دنیا کے پیدا کرنے سے پہلے خدا کہاں تھا تو حضرت نے فرمایا ایک سیاہ ابر میں جس کے نیچے بھی ہوا تھی اور اوپر بھی پھر خدا نے اپنا عرش پانی پر پیدا کیا (تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۹) یہ روایت بھی ہے: ان السماوات والارض والبحار لفی الھیکل وان الھیکل فی الکرسی وان قدمیہ عزوجل لعلی الکرسی وھو یحمل الکرسی وعاد الکرسی کالنعل فی قدمیہ۔ آسمان اور زمین اور سب دریا ہیکل میں ہیں اور ہیکل کرسی میں ہے اور خدا کے دونوں قدم کرسی پر ہیں اور وہ کرسی کو اٹھائے ہوئے ہے اور کرسی کی حالت ایسی ہوگی جیسی خدا کے دونوں قدموں میں جوتی (تاریخ طبری جلد ا صفحہ ۱۲ وغیرہ)

(۵) حالات مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء و مرسلین دنیا میں صرف لوگوں کی ہدایت کرنے ان کو سیدھے راستے پر چلانے اور اچھے اخلاق بتانے کے لیے بھیجے جاتے تھے (دنیا میں بادشاہت کرنے حکومت قائم کرنے سلطنت پیدا کرنے، لشکر کشی جنگ و جدال، خونریزی، ملکوں کے فتح کرنے۔ لوگوں کو تلوار کے زور سے اپنا کلمہ پڑھوانے اور انہیں زبردستی کسی دین کا پابند کرنے کے لیے نہیں بھیجے جاتے تھے۔ وہ خدا کے فقیر گرا طاعت گزار اور فرمانبردار بندے ہوتے تھے۔ ان کا شغل صرف لوگوں کو آخرت کا طلبگار بنانا ان سے دنیا میں امن و صلح کی زندگی بسر کرانا اور انہیں تمدن و معاشرت کا بہترین سبق پڑھاتا رہنا تھا، ان کے خلفاء و اوصیا بھی انہیں کی پیروی کرتے رہے اور جو کچھ وہ دنیا میں کر جاتے تھے اسی کو قائم اور محفوظ رکھنے میں یہ مشغول رہا کئے پس حضرت رسول خدا صلعم کے بعد جو بھی لوگ رسول خدا کی طرح مسلمانوں کو احکام خدا و رسولؐ تعلیم کرتے رہے وہی حضرت کے حقیقی خلیفہ اور سچے جانشین ہو سکتے ہیں نہ وہ لوگ جو ملک فتح اور بادشاہت قائم کرتے رہے۔

دوسرا مقصد

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختصر حالات

حضرت اسمٰعیلؑ نبی کے حال میں لکھا گیا ہے کہ آپ کو آپ کی والدہ کیساتھ حضرت ابراہیمؑ مکہ معظمہ میں رکھ کر اپنے وطن واپس چلے گئے تھے۔ تقریباً دو ہزار سات سو نزانوے سال قبل ہجرت نبوی حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے خانہ کعبہ تعمیر کیا اور چوں کہ مکہ میں پانی دیکھ کر قبیلہ جرہم بھی وہاں آباد ہو گیا تھا آپ نے اسی خاندان میں شادی کر لی اس جرہمیہ خاتون کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ کے بارہ فرزند پیدا ہوتے پھر آپ کی وفات کے بعد خانہ کعبہ کی نگرانی اور دوسری خدمات آپ کے وہی فرزند انجام دینے لگے۔ غرض حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد مکہ میں بڑھتی گئی یہاں تک کہ انہیں سے ایک شخص فہر ہوا جو تیسری صدی عیسوی میں گزرا ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہی فہر قریش تھا اور اسی کی اولاد قبیلہ قریش کے نام سے مشہور ہوئی حضرت رسول خدا صلعم اسی فہر کی نسل سے ہوئے۔

قصی اسی فہر کی نسل سے پانچویں صدی عیسوی میں ایک بزرگ قصی گزرے ہیں جو بہت نامور ہوئے بعض لوگوں کی تحقیق ہے کہ قریش فہر کا نہیں بلکہ انہیں قصی کا نام تھا۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول انہیں کو ملا چنانچہ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں یہی لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا اسلیے

انکو قریش کہتے ہیں (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۰۹) اور علامہ طبری نے لکھا ہے۔ ان عبد الملک بن مروان سال جبیر متی سمیت قریش قریشاً قال حین اجتمعت الی الحرم من بعد تفرقہا فذلک التجمع التقرش فقال عبد الملک ما سمعت ھذا ولکن سمعت ان قصیا کان یقال لہ القرشی ولم تسم قریش قبلہ

خاندان بنو امیہ کے مشہور خلیفہ عبدالملک بن مروان نے ایک شخص محمد بن جبیر سے پوچھا کہ قریش کا یہ نام کب سے پڑا اس نے کہا جب سے یہ لوگ الگ الگ رہنے کے بعد حرم (مکہ معظمہ) میں اکٹھے ہوگئے۔ کیونکہ تقرش کا معنی جمع ہونا ہے۔ اس جواب پر خلیفہ عبدالملک نے کہا میں نے تو آج تک یہ نہیں سُنا بلکہ یہ سنتا آیا ہوں کہ قصی کو قرشی کہتے تھے اور ان کے پہلے کسی شخص کا نام قریش ہوا ہی نہیں (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۸)

آپ کا اصلی نام زید اور کنیت ابوالمغیرہ تھی آپ ایک جوان مرد۔ بلند حوصلہ اور عظیم الشان بزرگ تھے جن کی ترقی زیادہ تر آپ ہی سے ہوئی۔ لوگوں کو ایک مرکز پر لاکر ان میں قومیت پیدا کرنے کیلئے آپ نے دعوی کیا کہ حکومت مکہ اور خدمت کعبہ ہمارا فرض اور حق ہے پھر آپ نے کل قریش کو جو پہاڑوں پر اور گھاٹیوں میں پھیلے ہوئے تھے میدان مکہ میں جس کو بطحا کہتے ہیں لاکر جمع کیا۔ ان کے زمانہ تک مکہ معظمہ صرف ایک گاؤں تھا وہ بھی بکھری حالت اور منتشر صورت میں اس طرح کہ اس میں دور دور مقام پر جھونپڑیاں اور خیمے پڑے ہوئے تھے قصی نے ان سب کو ترتیب کیسا تھ بسایا۔ غرض کہ قصی بن کلاب نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا۔ اس زمانہ میں حرم (خانہ کعبہ) کے متولی حلیل خزاعی تھے۔ قصی نے حلیل کی صاحبزادی سے جنکا نام حبی تھا شادی کی تھی۔ اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصی کو سپرد کی جائے اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہوگیا۔ قصی نے ایک دارلمشورہ قائم کیا جس کا نام دارالندوہ رکھا۔ قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے۔ قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہوکر جاتے۔ نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم بھی یہیں ادا ہوتے۔

قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کئے جو ایک مدت تک یادگار رہے مثلاً سقایہ اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا انہیں نے قائم کیا (سقایہ یعنی حاجیوں کو آب زمزم پلانا اور رفادہ حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا) تمام قریش کو جمع کرکے تقریر کی کہ سیکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں انکی میزبانی قریش کا فرض ہے چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ چمڑے کا حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حجاج کے کام آئے۔ مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے جس پر ایام حج میں چراغ جلائے جاتے تھے۔ چنانچہ عقد الفرید میں تصریح کی ہے (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۹) انکا نام قریش کیوں ہوا اس کی وجہ یہ لکھی ہے قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ قصی نے لوگوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا اسلئے قریش کہلائے بعض کہتے ہیں کہ قریش ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے۔ اسلئے انکو اس مچھلی سے تشبیہ دی (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۹)

قصی نے کعبہ بھی دوبارہ تعمیر کیا۔ انہوں نے دارالندوہ بنوایا وہ ایک بڑا کمرہ تھا جو امور عامہ کی

انجام دہی کے لیے لوگوں کی پنچایت اور رفع اختلافات و رائے و مشورہ کے کام آتا تھا آپ نے مکہ کے مختلف قبائل کو کعبے کے ارد گرد پتھر کے مکان بنانے اور ان میں بسنے کے لیے بھی آمادہ کیا۔

شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے قصی کے حالات کا خلاصہ عربی تاریخوں سے اس طرح لکھا ہے قصی ابتدا ہی سے نیک چلن اور بامروت اور سخی اور دلیر تھا اور شروع ہی سے اس کی طینت میں ہمدردی اور حمیت قومی کا خمیر کر دیا گیا تھا اس کے خیالات پاک اور بے لوث تھے اور اخلاق بالکل شائستہ اور مہذب اسی وجہ سے حلیل خزاعی نے جو بنی خزاعہ کا ایک نہایت دانشمند اور ممتاز سردار تھا اور خدا کے مقدس گھر کی تولیت جو ابھی تک بنو خزاعہ میں وراثتہً چلی آتی تھی اس کے ہاتھ میں تھی اپنی بیٹی حبی کو قصی کے نکاح میں دے دیا تھا۔ حلیل کی موت کا زمانہ قریب ہوا تو اس نے اپنی بیٹی قصی کی بی بی کو خانہ کعبہ کی تولیت کی وصیت کی لیکن اس نے اپنے باپ سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ میں خدا کے مقدس معبد کی خدمت کے قابل نہیں ہوں اور خانہ کعبہ کے دروازے کے کھولنے اور بند کرنے کی طاقت نہیں رکھتی پس یہ خدمت کسی قوی اور ہوشیار مرد کے سپرد کرنی چاہیئے چنانچہ حلیل نے خانہ خدا کی تولیت کی باگ ابو غبشان خزاعی کے ہاتھ میں دے دی جو اس کا قریبی رشتہ دار بھی تھا مگر چند ہی روز کے بعد قصی نے شراب کی کئی مشکیں اور کچھ اونٹ اور کچھ کپڑے ابو غبشان کو دے کر خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت خرید لی قبیلہ خزاعہ کو خبر ہوئی تو وہ نہایت جوش کے ساتھ قصی کے مقابلہ کو کھڑا ہو گیا۔ قصی نے بھی نہایت چستی کے ساتھ قریش اور بنی کنانہ کو اپنی مدد کے لیے جمع کیا اور وہ جوش قومی سے فوراً مسلح ہوکر اس کی کمک کو آموجود ہوتے دونوں فریق صحن حرم میں اور خاص ایام تشریق میں معرکہ آرا ہوئے۔ کئی روز تک برابر خونریزی رہی اور بنو خزاعہ کے بہت لوگ مارے گئے۔ آخرکار صلح کی تحریک ہوئی اور فریقین اس بات پر راضی ہوگئے کہ عرب کے ایک ہوشیار اور منصف مزاج صاحب الرائے سردار کو سرپنچ مقرر کیا جائے اور پھر جو کچھ بھی وہ فیصلہ دے فریقین اس کے فیصلے کے آگے بے چون و چرا گردن تسلیم خم کر دیں۔ چنانچہ یعمر بن عوف جو عرب کا مشہور کاہن تھا۔ فیصلے کے لیے منتخب ہوا۔ دونوں فریق کے سردار یعمر کے پاس گئے تو اس نے کہا تم سب لوگ کل صبح صحن کعبہ میں جمع رہنا وہاں آکر میں انصاف سے فیصلہ کر دوں گا۔ دوسرے روز فریقین صحن کعبہ میں جمع ہوگئے یعمر نے ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہوکر بآواز بلند کہا کہ لوگو جو فیصلہ میں تم لوگوں کو سناتا ہوں۔ میرے نزدیک نہایت منصفانہ اور بے لاگ فیصلہ ہے رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارے مقدمہ میں میں نے ایسا صاف اور سیدھا فیصلہ تجویز کیا ہے جسمیں ذرہ بھر ایک کا حق دوسرے پر چھوڑا نہیں گیا اس میں کچھ شک نہیں کہ قصی مکہ کی تولیت کا استحقاق رکھتا ہے اور خانہ کعبہ کی حفاظت کا تعلق اسی کو شایاں ہے اور وہی اس کو نباہ بھی سکتا ہے۔

یعمر کی یہ گفتگو سن کر بنی خزاعہ گردنیں نیچی کئے ہوئے پیچھے ہٹ گئے اور قصی کے برخلاف کوشش کرنے کی پھر کبھی انہوں نے جرأت ہی نہیں کی۔ اس وقت سے قصی مکہ کا خود مختار اور مستقل حاکم تسلیم کیا گیا اور سقایہ اور رفادہ اور حجابہ اور ندوۃ اور لواء اور قیادۃ کے تمام عہدے اس کے ہاتھ میں آ گئے۔

اصل میں خانہ کعبہ کے متعلق یہی چھ بڑی خدمتیں تھیں جن کی وجہ سے متولی کعبہ ہمیشہ عظمت و بزرگی کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور سارا عرب اس کا انتہا سے زیادہ ادب و احترام کرتا تھا (۱) سقایۃ یعنی حجاج کو پانی پلانے کی خدمت (۲) رفادۃ یعنی حاجیوں کو کھانا دینے کی خدمت (۳) حجابۃ یعنی خدا کے مقدس معبد کی حفاظت کی خدمت (۴) ندوۃ دار الندوۃ میں صدر انجمن بننے کا استحقاق (۵) لوا یعنی لڑائی کے وقت علم برداری کی خدمت (۶) قیادت یعنی جنگ کے وقت لشکر کی سپہ سالاری کرنے کی خدمت (امہات الامۃ صفحہ ۳۴)

قصیّ نے حاجیوں کو کھانا کھلانے کا جو انتظام کیا وہ ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا کہ خدا نے بھی پسند کیا اور اسلام میں بھی یہ جاری رہا۔ مورخین نے ذکر کیا ہے: فجری ذلک من امرہ علی قومہ فی الجاھلیۃ حتیٰ قام الاسلام ثم جری فی الاسلام الی یومک ھذا فھو الطعام الذی یصنعہ السلطان کل عام بمنیٰ حتیٰ ینقضی الحج۔ قصیّ کا یہ انتظام زمانہ جاہلیت بھر ان کی قوم میں جاری رہا یہاں تک کہ دین اسلام آیا تو اس میں بھی وہ آج تک جاری ہے کیونکہ یہی وہ کھانا ہے جس کا انتظام ہر سال سلطان کی طرف سے منیٰ میں کیا جاتا ہے یہاں تک کہ حج کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو کھانا بھی موقوف ہوتا ہے (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۵ وغیرہ) اس طرح قصیّ کل اعلیٰ مذہبی اور دینوی امور کو اپنے اختیار میں کر کے قریش کے سردار دینوی حاکم اور مذہبی پیشوا بن گئے: وکان قصی لایخالف ولا یرد علیہ شئ صنعہ۔ قصیّ جو بھی کرتے کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس میں ان کی مخالفت یا ان پر اعتراض کرے (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۵) مؤرخ ابن خلدون نے لکھا ہے "قصیّ ابن کلاب یہ وہی شخص ہے جس نے قریش کے قوائے مضمحل کو از سر نو مضبوط اور درست کیا۔ اس نے دوبارہ قریش کو حکومت و عزت کی کرسی پر بٹھایا ہے (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۳۰۹) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے۔ فکان امرہ فی حیاتہ وبعد موتہ کالدین المتبع لایعمل بغیرہ۔ قصیّ کی شان ان کی زندگی میں اور ان کے مرنے پر بھی مثل مقبول اور پسندیدہ مذہب کے تھی کہ کوئی شخص ان کے خلاف کچھ کرتا ہی نہیں تھا (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۵۴) قصیّ کے کارنامے اور رفاہ عام کی خدمتیں بے حساب ہیں۔ مکہ ایسی سخت زمین میں کنواں کھودنا بھی آپ ہی کا کام تھا۔ وحفر بمکۃ بئرا سماھا العجول وھی اول بئر حفرتھا قریش بمکۃ۔ قصیّ نے مکہ میں ایک کنواں بھی کھدوایا جس کا نام عجول رکھا اور یہی وہ پہلا کنواں تھا جسے قریش نے مکہ میں کھودا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۹)

قصیّ کی ماں کا نام فاطمہ بنت سعد بن سیل اور ان کی بیوی کا نام عاتکہ بنت فالج بن ملیک تھا (طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ و خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۵۶) قصیّ نے ۴۸۰ عیسوی میں انتقال کیا مرنے پر بھی انکی بڑی عزت رہی ولما مات دفن بالحجون فکانوا یزورون قبرہ ویعظمونہ۔ جب قصیّ انتقال کر گئے تو حجون میں دفن کئے گئے اس کے بعد لوگ ان کی قبر کی زیارت کو جاتے اور اس کی بڑی تعظیم کرتے تھے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۹) مذکورہ بالا عبارت سے یہ امر واضح ہوتا ہے اگرچہ قصیّ رسول تھے نہ نبی۔ نہ کسی نبی کے خلیفہ یا وصی مگر آپ سے معرفت و حقانیت کی وہ باتیں ظاہر ہوئیں جو انبیاء ہی سے ہوتی ہیں اور رفاہ عام وغیرہ کے وہ کارنامے نمایاں ہوئے جو آپ کو معمولی انسانوں سے بالاتر ثابت کرتے

ہیں اور غالباً اس کی وجہ یہ ہو کہ آپ سید المرسلین و خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلعم نیز امیر المومنین امام المتقین حضرت علی علیہ السلام کے نور کے حامل تھے۔ باوجودیکہ آپ کو ہر طرح کا دینوی اقتدار و وقار حاصل ہوا۔ اور آپ کے ہم وطن لوگوں نے آپ کو اپنا مقتدا و سردار مانا مگر اس درجہ مرجعیت و عزت حاصل ہونے کے بعد بھی آپ نے اپنی بادشاہت یا حکومت کا خواب نہیں دیکھا بلکہ برابر اس مقولہ پر عمل کرتے رہے سید القوم خادمھم (کسی قوم کا سردار اس قوم کی خدمت ہی کرتا ہے) اس زمانہ میں تقریباً دنیا کے ہر طرف جہالت، ضلالت اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ جانوروں سے کچھ ہی ممتاز زندگی انسان بسر کرتے تھے اور کھا پی کر لڑ جھگڑ کر یا عیاشی فسق و فجور قتل و غارت میں مشغول رہ کر اپنے اوقات ضائع و برباد کرتے رہتے تھے۔ دنیا کے ایسے اندھیرے عہد میں قصیّ نے عرب کی ترقی و فلاح و بہبودی و اصلاح کی وہ تدبیریں نکالیں اور ان پر عمل کیا جو زمانہ موجودہ کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ دماغوں میں بھی بمشکل آسکتے ہیں۔ قصیّ کے کل حالات پڑھ جاؤ کہیں تم کو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ اس زمانہ کے ایسے مدبر اور مصلح نے اپنی ذاتی سلطنت ترقی یا آسائش کی فکر کی ہو اور ایک سکنڈ کے لیے بھی برادران وطن کی خیر خواہی سے علیحدہ ہوا ہو۔

اس سے ہم لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے اگر خدا کے فضل سے ہمیں بھی دنیوی ترقی اور جاہ و عزت حاصل ہو تو دنیوی امور کی ترویج اور مذہب و ملت کی حمایت و اشاعت ہی میں مشغول رہیں اور اس اقتدار و تسلط کا بہترین مصرف برادران دینی و اعزا و اقربا و ہم وطن حضرات کی ہر طرح کی خدمت سمجھیں اپنے مال اور قوت کو دوسروں کی بھلائی میں صرف کریں اور اپنی زندگی کا بہترین مقصود دوسروں کی نفع رسانی ہی قرار دیں کہ ایسے ہی کاموں سے انسان کا نام اس کے بعد زندہ رہتا ہے اور بعد کی نسلیں اس کی احسان مند ہوتی ہیں۔ جو لوگ یہاں آپ اپنی راحت و عزت کی فکر میں رہتے ہیں وہ تھوڑے ہی دنوں اس کا مزہ پاتے ہیں مگر خوش قسمت افراد اپنے اعزہ اہل وطن کی اعانت و اصلاح کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کا نام سنہرے حرفوں سے تاریخ کے اوراق پر لکھا جاتا ہے اور وہ زندہ جاوید سمجھے جاتے ہیں۔

عبد مناف

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "قصیّ کی چھ اولاد تھی۔ عبد الدار، عبد مناف، عبد العزیٰ، عبد بن قصیّ اور برہ" قصیّ نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبد الدار کو دیئے اگرچہ وہ سب بھائیوں میں ناقابل تھے لیکن قصیّ کے بعد قریش کی ریاست عبد مناف نے حاصل کی اور انہیں کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص خاندان ہے (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۱۹) اس اجمال کی تفصیل یہ ہے جس کو مولوی نذیر احمد صاحب نے لکھا ہے۔ قصیّ کے یوں تو کئی فرزند تھے مگر یہ لحاظ عمر سب سے بڑا عبد الدار اور بحیثیت فضل و شرف سب میں ممتاز عبد مناف تھا۔ عبد مناف اپنے باپ قصیّ کی زندگی ہی میں عظمت و بزرگی کے ساتھ مشہور ہو گیا تھا اور اس کے فضل و بزرگی کی دلچسپ حکایتیں قبائل قریش کی زبان پر جستہ جستہ آنے لگی تھیں۔ چنانچہ اسی زمانے میں قریش نے اس کے وفور کرم اور سخاوت کی وجہ سے اس کو فیاض کا لقب دیدیا تھا اور عام قبائل میں وہ اسی لقب سے پکارا جاتا تھا مگر اکبر اولاد ہونے کی وجہ سے قصیّ عبد الدار سے زیادہ محبت رکھتا تھا۔

اور اسی محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ اس نے اپنے مرض وفات میں خانہ کعبہ کے تمام مذکورہ بالا عہدے عبدالدار کے نامزد کر دیئے تھے۔ بلکہ ایک عظیم الشان مجمع میں اس کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ احتضار کے وقت قصی نے عبدالدار کو پاس بلا کر کہا بیٹا! اگرچہ تیرے دوسرے بھائی اور بنو عم فضل و شرف میں تجھ پر کھلی فوقیت رکھتے ہیں اور اسی وجہ سے تو ان سے فروتر رہے میں ہے مگر میں نے خانہ کعبہ کے تمام مناصب تجھے دیکر ان میں ملا دیا ہے۔ اب تاوقتیکہ تو خانہ کعبہ کا دروازہ نہ کھولے گا ان میں کوئی شخص بھی کعبہ میں نہ جا سکے گا (یعنی حجابۃ) اور جب تک تو لڑائی کا جھنڈا نہ اٹھائیگا قریش میں کا ایک آدمی بھی لڑائی میں نہ جائے گا۔ (یعنی لواء) تیرے علاوہ حجاج کسی کا پانی نہیں پیئں گے (یعنی سقایۃ) اور نہ اہل موسم کسی اور کا کھانا کھائیں گے (رفادۃ) قبائل قریش تیرے ہی گھر (دار الندوہ) میں تجھے پریسیڈنٹ بناکر مشورہ کریں گے اور لڑائی کے وقت تیرے سوا دوسرا فوج کی سپہ وسالاری کا استحقاق نہیں رکھے گا (یعنی قیادت) الغرض قصی کے انتقال کے بعد عبدالدار اس کی جگہ سردار ہوگیا اور جو خاص خاص عہدے خود قصی سے متعلق تھے سب عبدالدار کے ہاتھ میں آ گئے مگر بعد کو عبدالدار نے اپنی مرضی سے اپنے بھائی عبد مناف کو ان عہدوں میں اپنا شریک کر لیا" (امہات الامۃ صفحہ ۲۲) عبد مناف کا اصلی نام مغیرہ اور کنیت ابو عبد شمس تھی وکان یقال لہ القمر لجمالہ وکانت امہ حین ولدتہ دفعتہ الی مناۃ صنم بمکۃ تدینا بذلک فغلب علیہ عبد مناف ۔ جناب عبد مناف اس درجہ صاحب حسن و جمال تھے کہ لوگ آپ کو قمر (چاند) کہا کرتے جس وقت آپ پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے آپ کو اپنے اعتقاد کے مطابق مکہ معظمہ کے ایک بت مناۃ کے پاس رکھ دیا تھا اس وجہ سے لوگ آپ کو عبد مناف بھی کہنے لگے۔ [1] (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۷)

علامہ طبری نے مذکورہ بالا عبارت لکھنے کے بعد بھی یہ لکھا ہے وھو عما قیل لہ
کانت قریش بیضۃ فتفلقت فالمخاصۃ لعبد مناف قریش مثل ایک انڈے کے
تھے وہ شگافتہ ہوا تو معلوم ہوا کہ مغز خالص عبد مناف ہی کے لیے ہے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸)
اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ قصی کی شادی حبی بنت حلیل سے ہوئی تھی۔ اسطرح عبد مناف کی مادر گرامی یہی تھیں۔

[1] اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے والد قصی نے آپ کا نام عبد مناف نہیں رکھا جس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ وہ بھی دوسرے عرب کیطرح بت پرستی کرتے تھے۔ البتہ قصی کی بیوی نے ایسا کیا تھا مگر جب انبیاء کرام کی کل بیویاں تک ایمان و معرفت کے اعلیٰ درجہ پر نہیں پہنچ سکیں تو جناب قصی کی زوجہ سے اس کی کیوں امید کی جاتی۔ لیکن ان کے افعال کا اعتراض جناب قصی پر نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ انھوں نے تو اپنے فرزند کا نام مغیرہ رکھا اب ماں نے ان کو مناۃ کے پاس رکھا یا اس سبب سے دوسرے لوگوں نے ان کو عبد مناف کہنا شروع کیا تو قصی اس کو روک نہیں سکتے تھے دنیا میں کتنے لڑکے ایسے ہیں جنکا نام انکے والد کچھ رکھتے ہیں اور ان کی والدہ دوسرا رکھتی ہیں۔ یا دادھیال کے لوگ ایک نام رکھتے ہیں اور ننھیال کے رشتہ دار دوسرا نام تجویز کرتے ہیں اور دونوں ہی نام مشہور ہو جاتے ہیں۔ چونکہ عرب میں بت پرستی کا رواج تھا اور پکارنیوالے بھی زیادہ تر بت پرست ہی تھے اس سبب سے انکو عبد مناف ہی پکارنا شروع کیا پھر یہ روایت حضرت اہلسنت کے بیان کی ہے شیعوں کے بیان کی نہیں۔

وساد عبد مناف فی حیاۃ ابیہ وکان مطاعًا فی قریش عبد مناف اپنے باپ کی زندگی ہی میں سردار ہو گئے اور قریش ہر بات میں آپ کی اطاعت کرتے تھے وذکر الزبیر عن موسیٰ بن عقبہ انہ وجد کتابا فی حجر فیہ انا المغیرۃ بن قصی آمر بتقوی اللہ وصلۃ الرحم زبیر نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے کہ اس نے حجر میں ایک نوشتہ پایا جس میں لکھا تھا میں مغیرہ فرزند قصی ہوں۔ میں لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہا کریں اور صلہ رحم کرتے رہیں (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۱۷۶) اس سے کئی مفید باتیں معلوم ہوئیں۔

۱۔ عبد مناف خود بھی بت پرستی سے علیحدہ تھے۔ اسی وجہ سے وہ اپنا نام عبد مناف نہیں بلکہ مغیرہ ہی کہتے یعنی باپ اور بیٹے دونوں ایک ہی اعتقاد کے تھے۔

(۲) عبد مناف اللہ ہی کو اپنا معبود سمجھتے کسی اور کو نہیں۔ اس لیے کہ اگر وہ اللہ کے سوا کسی کو معبود سمجھتے تو اس سے بھی تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیتے۔

۳۔ وہ بھی اللہ سے ڈرتے اور اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحم کا حکم اسی طرح دیتے جس طرح انبیاء کرام تاکید فرماتے یا جس کی تعلیم حضرت رسولخدا صلعم نے بعد کو دی ھلک عبد مناف بغزۃ من ارض الشام تاجرا وقد تزوج عاتکۃ بنت مرۃ بن ھلال من بنی سلیم فھی سلمیۃ ۔ عبد مناف نے ملک شام کے ایک مقام غزہ میں انتقال کیا جہاں وہ تجارت کے لیے گئے تھے اور عاتکہ بنت مرہ سلمیہ سے شادی کی (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۱۷۶) وکان لہ الشوکۃ فی قریش عبد مناف کو قریش میں بڑی شوکت حاصل تھی (سبائک الذہب صفحہ ۶۹)

غرض جناب عبد مناف کے فضائل و مناقب بھی اسی طرح بیحد و حساب تھے جس طرح آپکے والد جناب قصی اور آپکے فرزند جناب ہاشم کے اور معلوم ہوتا ہے کہ جس جس بزرگ میں حضرت رسول خدا جناب امیر علیہ السلام کا نور منتقل ہوتا رہا وہ سب خدا کے برگزیدہ بندے اور مخلوق خدا کے محسن اعظم افراد تھے۔ سب اپنی زندگی کو امور خیر کے جاری کرنے میں وقف کیئے رہے اور کسی نے اپنی ذاتی راحت و آسائش کو کبھی ترجیح نہیں دی گویا مثل انبیاء مرسلین کے ان سب کی روش بھی رہی اور اگرچہ پیغمبر مقرر نہیں کیئے گئے مگر سب کام انہیں حضرات کے مثل انجام دیتے رہے۔

اولاد عبد مناف ۱۱۵

جب عبد مناف کا انتقال ہو گیا تو ان کی اولاد میں اختلاف پیدا ہوا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عبد مناف کے چھ بیٹے تھے ان میں سے ہاشم نہایت صاحب ثروت اور بااثر تھے انہوں نے بھائیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب جو عبدالدار کو دیئے گئے تھے واپس لے لیے جائیں۔ وہ لوگ اس منصب عظیم کے قابل نہیں۔ عبدالدار کے خاندان نے انکار کیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ بالآخر اس پر صلح ہو گئی کہ عبدالدار سے سقایت اور رفادۃ واپس لے کر ہاشم کو دے دیا جائے" (سیرۃ النبی جلد ا صفحہ ۱۴۰)

مولوی نذیر احمد صاحب نے عربی تاریخوں کا خلاصہ قدرے تفصیل سے اس طرح لکھا ہے "جیتے جی تو کسی طرح کا جھگڑا اور فساد اٹھا نہیں انکے انتقال کے بعد دونوں کی اولاد میں ایک خاندانی نزاع پیدا ہوئی۔ بنو عبد مناف یعنی

ہاشم اور مطلب اور عبدالشمس اور نوفل کو بھی عبد مناف کے مشہور فرزند تھے سب نے ملکر چاہا کر اپنے بنی عم یعنی عبدالدار کی اولاد کو بالکل بے دخل کردیں اور انکے ہاتھوں سے وہ سب عہدے چھین لیں جو ان سے متعلق ہیں۔ اور چوں کہ ان کا منشا یا بھی صلح و سازگاری کیساتھ پورا ہو نیوالا نہ تھا۔ اسلیئے فریقین جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ عبد مناف عطر سے بھرا ہوا ایک طشت لیکر نکلے اور مسجد الحرام میں پہنچکر کعبہ کے دروازے کے پاس رکھدیا۔ ادھر چہار طرف پکار دیا کہ جو شخص ہمارا حلیف بننا اور ہمارے ساتھ ہونا چاہے اس عطر کے بھرے ہوئے طشت میں ہاتھ ڈبو دے چنانچہ قریش کے ایک جم غفیر نے عبد مناف کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرنے کے لیے طشت میں ہاتھ ڈبو دیئے اور یہ لوگ مطیبون کے لقب سے پکارے گئے۔ گروہ مطیبون کے ساتھ قریش کے پانچ مشہور اور زبردست قبائل نے ہمدردی ظاہر کرکے بہت سا چندہ جمع کیا بنو عبد مناف ایک بنو زہرہ دو بنو اسد بن عبدالعزی بن قصی تین بنو تیم بن مرہ چار بنو الحارث ابن فہر پانچ۔ ادھر عبدالدار کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو وہ بھی بنی مخزوم اور بنو سہم اور جمع اور بنو عدی بن کعب کو ساتھ لے کر کہ یہی چار قبیلے ان کے حلیف تھے۔ نہایت جوش و خروش کے ساتھ رجز میں اشعار پڑھتے ہوئے نکلے اور ایک جوان اور قوی اونٹ ذبح کرکے اس کا خون طشت میں بھر الہ ہر طرف اعلان کردیا کہ جو شخص ہمارا ساتھ دینا چاہے۔ اس خون میں ہاتھ ڈبوئے اور اس میں سے کچھ چاٹ بھی لے۔ چنانچہ بہت لوگوں نے بنو عبدالدار کا ساتھ دینے کی غرض سے ایسا کیا اور یہ لوگ لعقۃ الدم کہلائے۔ الغرض دونوں طرف سے لڑائی پر آمادگی ظاہر کی گئی۔ مگر خیریت یہ ہوئی کہ ابھی فریقین میدان جنگ میں نہ اترے تھے اور صلح کے گھوڑے دوڑنے لگے اور آخرکار صلح اس بات پر ہو گئی کہ رفادۃ اور سقایۃ اور قیادت کے تینوں عہدے بنو عبد مناف کے قبضے میں رہیں اور حجابۃ اور لواء کے منصب پر بنو عبدالدار قابض رہیں اور دارلندوہ کی صورت میں دونوں مشترک۔ پس اس فیصلہ پر دونوں فریقین راضی ہو گئے اور ہنسی خوشی اپنے گھروں کو واپس چلے گئے (امہات الامۃ صفحہ ۲۴)

جناب ہاشم

جناب عبد مناف کے بیٹے اور حضرت رسول خدا صلعم نیز جناب امیرؑ کے پردادا تھے آپ وہ بزرگ ہیں کہ عرب کی تاریخ قبل الاسلام میں آپ کا اسم گرامی مثل آفتاب روشن ہے۔ اور قیامت تک چمکتا رہے گا۔ آپ کا نام عمرو اور کنیت ابونفیلہ تھی آپ کے والد عبد مناف اور والدہ عاتکہ بنت مرہ تھیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں "عبد مناف کے کئی فرزند تھے مگر سب میں زیادہ سیر چشم اور فیاض ہاشم تھے انکا اصلی نام تو عمرو تھا۔ مگر علو ئے شان کیوجہ سے لوگ انکو عمرو العلا بھی کہتے تھے۔ یہ اور عبد شمس دونوں بھائی تھے اور اتفاق سے دونوں جڑواں پیدا ہوئے تھے اور اس طرح پیدا ہوئے کہ ہاشم کے پاؤں کا پنجہ عبد شمس کی پیشانی پر چپکا ہوا تھا اور اس مضبوطی کے ساتھ چپکا ہوا تھا کہ بجز سیلان دم الگ ہونا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ہاشم کا پنجہ عبد شمس کی پیشانی سے چھڑایا گیا تو اس قدر خون بہا کہ عبد شمس سر سے پاؤں تک لہو میں نہا گیا۔ اس پر اس زمانہ کے کاہنوں اور نجومیوں نے ان دونوں کے متعلق یہ پیشین گوئی کی کہ عنقریب ان دونوں کی اولاد میں ایسی اور عام خونریزی ہوگی جو تاریخ کے صفحوں سے کبھی نہیں مٹے گی۔ اور ایسا ہی ہوا کہ بنو ہاشم اور عبد شمس دونوں کی اولاد

خونریزی متوارث ہو گئی۔ یہاں تک کہ سنہ ۱۳۲ ہجری میں بنو العباس جو ہاشم کی اولاد میں تھے اور بنی امیہ جو عبد شمس کی اولاد میں تھے۔ دونوں میں حد سے زیادہ خونریزی ہوئی جس نے بنو امیہ کی قوت کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کردیا۔

ہاشم نے جو فطرۃً فیاض اور سیر چشم تھا اہل موسم کی نگرانی کی خدمت شاہانہ عظمت کے ساتھ ادا کی وہ خود بڑا دولتمند تھا اور قبائل قریش کے بہت سے عمائد اور روسائے اس کے پاس ایک معقول رقم چندے کی جمع کردی تھی کہ حاجیوں کی تواضع اور مدارات میں حسب موقع اپنے ہاتھ سے خرچ کرے جس رات ذی الحجہ کا چاند دکھائی دیتا ہاشم اس کی صبح کو تمام قبائل قریش کو جمع کرتے اور خود کعبہ کی دیوار سے پیٹھ لگاکر دروازہ کے سامنے منہ کرکے کھڑے ہوتے اور ایک نہایت مؤثر خطبہ دلکش لہجہ میں پڑھتے۔ خطبہ میں عمائد قریش کو مخاطب کرکے نہایت زوردار لفظوں میں کہتے۔ معاشر قریش! تم عرب کے سردار ہو۔ تمہاری وجاہت اور شرافت نسب اور ہوشمندی کا شہرہ عرب کے کونے کونے میں بڑا گونج رہا ہے۔ اور تمہاری فضیلت و بزرگی سارے حجاز کو تسلیم ہے تم خدا کے مقدس معبد کے ہمسائے ہو اور اس کے محافظ قرار دیئے گئے ہو۔ خدا نے اپنی ولایت اور اپنے حق جوار کی وجہ سے تمام بنی اسمعیل میں تمہیں ممتاز فرمایا اور اپنے معزز گھر کی محافظت و خبر گیری کی خدمت تمہارے ہاتھ میں دیکر تمہیں خصوصیت کا تمغہ عنایت کیا ہے۔ جو لوگ خدا کے اس تقدس مآب گھر کی زیارت کو آتے اور اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ درحقیقت خدا کے مہمان ہیں اور خدا کے مہمانوں کی خاطر مدارات کرنے کے سب سے پہلے تم مستحق ہو پس خدا کے مہمانوں اور اس کے گھر کے زائروں کی خوش دلی سے تعظیم و توقیر کرو اور ان کو پیٹ بھر کر کھانا پانی دو۔ میں اس مقدس معبد کے پروردگار کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرے پاس اس قدر دولت ہوتی جس سے یہ سارے کام کاج چل جاتے تو میں تمہیں ایک دم کی بھی تکلیف نہیں دیتا اور بے دریغ اپنی ساری دولت خدا کے مہمانوں میں خرچ کر ڈالتا۔ میں اس موقع پر اپنی حلال کمائی اور طیب مال میں سے وہ رقم نکال کر چندے میں دیتا ہوں جس میں نہ تو قطع رحمی کا شائبہ ہے اور نہ ظلماً جمع کی گئی ہے تو تم میں سے بھی جو شخص چاہے تنگ دلی سے نہیں بلکہ خوش دلی کے ساتھ ایسا کرے لیکن ساتھ ہی میں تمہیں بھی اس مقدس معبد کی حرمت و عظمت کی قسم دلاتا ہوں کہ جو مال خانہ خدا کے زائروں کی مہمانی اور انکی خاطر و مدارات کیلئے نکالو بالکل پاک اور بے لوث ہو۔ غرضیکہ جب ہاشم اسطرح کا خطبہ پڑھ کر فارغ ہوتے تو سامعین دولت کو جمع کرنے میں انتھک کوشش کرتے اور بہت سا مال اکٹھا کرکے دارالندوہ میں لا ڈالتے۔ خلاصہ یہ کہ ہاشم نے بڑی دریادلی اور فیاضی کے ساتھ حجاج کی خدمت کرکے اور اپنا ذاتی بہت سا مال خرچ کرکے مکہ میں ایک عمدہ نظیر قائم کی اور ساتھ ہی قبائل قریش نے بھی بڑی سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ اسکو مال سے مدد دی۔ ہر ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص نے اپنی گنجائش کے موافق چندہ دیا اور حجاج کی ایک کثیر جماعت کو کھانے اور پانی کی طرف سے مطمئن کردیا۔ جبتک اہل موسم کا ہجوم رہتا کھانا پانی نہایت سیر چشمی کے ساتھ برابر تقسیم ہوتا رہتا۔ اس طرح مکہ کی نام آوری ہاشم کی وجہ سے بخوبی قائم رہی۔ مگر جس وجہ سے ہاشم کا نام بہت زیادہ مشہور ہوا وہ اس کی اعلیٰ درجہ کی خیرات ہے جس کی اہل مکہ کو ہمیشہ سخت ضرورت رہتی

تھی۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عرب میں کال پڑا اور قریش بھوکوں مرنے لگے۔ہاشم سے اُن کی یہ تکلیف دیکھی نہیں گئی۔ اپنی ذاتی بہت سی دولت سے کر ملک شام گیا اور وہاں سے آٹے اور روٹیوں کا بڑا ذخیرہ خرید کر اونٹوں پر لاددیا یہاں آکر بہت سے اونٹ ذبح کئے گئے اور کیک (بسکٹ) اور روٹیوں کو توڑکر سالن میں بھگوا و رثرید بنا لوگوں کو یہاں تک کھلایا کہ وہ خوب سیر ہوگئے۔اس وقت سے لوگ اس کو ہاشم کہنے لگے۔کیوں کہ ہشم کے لغوی معنی توڑنے کے ہیں۔ہاشم نے سالن میں روٹی بھگوئی اور اسے ثرید بنایا تھا اس سبب سے ہاشم کے نام سے مشہور ہوا۔

ہاشم کو فیاضی اور سیر چشمی کے علاوہ ذاتی وجاہت اور تمکنت و وقار بہت کچھ حاصل تھا اور قدرت نے اسکی جسمانی ساخت میں بھی ایک خاص طرح کا اعتدال ودلیعت رکھا تھا۔یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے عمائد اور وفود احیا اپنی لڑکیاں ان کے نکاح میں دینے کی غرض سے پیش کرتے تھے۔یہاں تک کہ بادشاہ روم نے ایک مرتبہ ہاشم کے پاس بایں مضمون پیغام بھیجا کہ میری ایک لڑکی ہے نہایت حسین اور حسین ہونیکے علاوہ لطیفہ گو۔بذلہ سنج۔اگر تم یہاں آجاؤ تو میں تمہارے ساتھ اس کی شادی کر دوں۔کیوں کہ میں نے تمہارے مکارم اخلاق اور جود وسخا کا شہرہ سنا ہے ہاشم نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔اور روم کے بادشاہ کے پیام کی مطلق پروا نہیں کی خزرجیوں میں کا ایک مشہور قبیلہ بنی عدی بن النجار یثرب (مدینہ) میں بستا تھا۔ہاشم نے اس قبیلہ کی ایک شریف اور نجیب الطرفین عورت سے شادی کی اور اسی عورت کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر عبدالمطلب اور شیبۃ الحمد کے نام سے پکارا گیا۔یہ لڑکا ابھی دودھ ہی پیتا تھا کہ ہاشم کا پیمانۂ حیات لبریز ہوکر چھلک گیا اور وہ اپنے ہونہار بچے کو ماں کی گود میں سوتا چھوڑ نہایت حسرت کیساتھ عالم آخرت کو سفر کر گیا (امہات الامہ صفحہ ۲۷) ؎[1]

جناب ہاشم کے مفصل حالات کے لیے ایک مخصوص کتاب کی ضرورت ہے مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے۔چرمی حوضوں میں پانی بھراکر زمزم اور منا کے پاس سبیل رکھتے تھے۔تجارت کو نہایت ترقی دی۔قیصر روم سے خط وکتابت کرکے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس ملک میں اسباب تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا۔چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لیے جایا کرتے تھے اس زمانہ میں انگورہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے قیصر کا پایۂ تخت تھا۔تجار قریش انگورہ میں جاتے تھے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔

عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کرکے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کارواں تجارت کو ضرور نہ پہنچائیں گے۔جس کے صلہ میں کاروان قریش ان قبائل میں ان کی ضرورت کی چیزیں

[1] ناظرین اس کا خیال رکھیں کہ اس اردو کی کتاب میں یہ حالات عربی تاریخوں سے بصورت علاوہ در مختصر حیثیت سے ترجمہ کر دیئے گئے ہیں۔اس وجہ سے ہم نے بھی اس کتاب کی عبارتوں کا نقل کر دینا مناسب سمجھا۔۱۲

خود لے کر جائے گا اور ان سے خرید و فروخت کرے گا یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلۂ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۲۰) جناب ہاشم کا روٹیاں توڑنا اور شوربے میں بھگوکر لوگوں کو کھلانا اس درجہ عظمت اور حیرت سے دیکھا گیا کہ لوگوں نے قصیدوں میں آپ کی اس سخاوت کا ذکر کیا مثلاً مطرود بن کعب یا ابن الزبعری نے کہا ہے ؎

عمرو الذی ہشم الثرید لقومہ ورجال مکۃ مسنتون عجاف

عمرو العلاہی وہ نامور بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو شوربے میں روٹیاں چور کرکے اس وقت کھلائیں جب مکہ والے قحط سے نحیف و نزار ہوگئے تھے۔

یا ایہا الرجل المحول رحلہ الا نزلت بال عبد مناف

اے وہ شخص جو اپنی جائے قیام کو پھیر رہا ہے تو آل عبد مناف کے ہاں کیوں نہیں اُترا کہ وہاں تیری پوری مہمانداری کی جاتی۔ وہب نے جناب ہاشم کے اس کارنامے کے متعلق یہ اشعار لکھے ہیں ؎

تحمل ہاشم ما ضاق عنہ واعیا ان یقوم بہ ابن بیض

اتاہم بالغرائر متاقات من ارض الشام بالبر النفیض

فاوسع اہل مکۃ من ہشیم وشاب الخبز باللحم الغریض

فظل القوم بین مکللات من الشیزی حائرہا یفیض

ہاشم نے اس بھاری بوجھ کو اٹھالیا۔جس کے برداشت کرنے سے بڑے حوصلہ والا ابن بیض بھی تنگ آگیا اور نہایت عاجز ہو رہا تھا۔جناب ہاشم نے ان لوگوں کے لیے زمین شام سے صاف کئے ہوئے گیہوں کی بڑی بڑی گونیں بھر کر اپنے ساتھ لائے۔کیوں کہ مکہ میں خشک سالی کی وجہ سے سب لوگ نہایت درجہ پریشان اور مصیبت زدہ ہو رہے تھے، پس انہوں نے روٹی چور کرکے تمام مکہ والوں میں تقسیم کر دی اور عمدہ تازہ گوشت میں روٹی ملادی جس کی وجہ سے مکہ کے کل رہنے والے ایسے خوشحال ہوگئے کہ ہر شخص کو بڑے بڑے برتنوں میں بھر بھر کر غلے اور کھانے مل گئے اور پریشان و سرگشتہ لوگ بہت پا گئے (یعنی ہر شخص کو اس کثرت سے دیا کہ سب فارغ البال ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۸۰)۔

جناب ہاشم کی اس سخاوت وجود اور ایثار وکرم کی مدح دوسرے شعرائے عصر نے بھی کی مگر خاندان بنی اُمیہ کا بزرگ اُمیہ بن عبدالشمس جو جناب ہاشم کا بھتیجا تھا آپ کے ان فضائل پر جلنے لگا تو وہ بڑا مالدار بھی تھا۔اس سبب سے جناب ہاشم کے مکارم کا مقابلہ اور ایسے کام کرنے کی کوشش کی جن سے خود بھی اس عزت وعظمت پر پہنچ سکے مگر جب جناب ہاشم کی طرح ضیافت ومدارات قوم میں خرچ نہیں کر سکا اور خدمت اہل وطن میں اس کو کامیابی نہیں ہوئی تو قریش کے لوگوں نے اس پر تالیاں بجائیں۔مشہور ہے یکے نقصان مایہ دیگر شماتت ہمسایہ اپنی قوم کے چڑانے اور مضحکہ کرنے سے امیہ غیظ وغضب میں مبہوت ہوکر جناب ہاشم کو بہت کچھ بُرا کہنے لگا۔پھر ان کو

مقابلہ کا چیلنج دیا کہ آئیے ہم اپنا اپنا فخر بیان کر کے دوسروں سے دریافت کریں کہ ہم دونوں میں کون بڑھا ہوا ہے مگر جناب ہاشم نے اس کے مقابلہ پر جانا اپنی شان کے خلاف سمجھا اور اس کے اس پیغام کو حقارت سے ٹھکرا دیا کیوں کہ آپ کے رشتہ میں اس کے چچا تھے عمر میں اس سے کہیں بڑے اور عزت و قدر و جاہ و عظمت میں اس سے ہزار درجہ بڑھے ہوئے تھے لیکن دوسروں کو لڑانے میں پورا مزا ملتا ہے قریش نے اصرار کیا کہ کیا مضائقہ ہے آپ اس کے مقابلہ میں اپنے کارنامے ذکر کریں اور وہ اپنی خوبیاں بیان کرے۔ جناب ہاشم نے مجبور ہو کر منظور کر لیا اور فرمایا اچھا میں اس شرط پر مناخرت پسند کرتا ہوں کہ جس شخص کی فضیلت کا فیصلہ ہو جائے اسکو دوسرا شخص سیاہ آنکھوں کی پچاس اونٹنیاں بھی دے اور مکہ معظمہ سے دس سال کے لیے جلاوطن بھی ہو جائے۔ امیہ اس شرط پر راضی ہو گیا تو دونوں نے کاہن خزاعی کو حکم (منصف) قرار دیا جو عسفان میں رہتا تھا۔ دونوں طرف کے لوگ اس کے ہاں گئے اور واقعہ بیان کر دیا کاہن نے دونوں طرف کے بیانات سننے کے بعد کہا والقمر الباھر والکوکب الزاھر والغمام الماطر وما بالجو من طائر وما اھتدی بعلم مسافر من منجد وغائر لقد سبق ھاشم امیۃ الی المآثر اول منہ وآخر وابو ھمھمۃ بذالک خابر (روشن چاند چمکتے ستارے برسنے والے ابر، فضا میں اُڑنے والے پرندے کی قسم اور جب تک کسی نشانی سے بلندی و پستی کے جاننے والے مسافر ہدایت پاتے رہیں اس کی قسم کھا کر میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ہر خوبی، ہر فضیلت، ہر عزت، ہر شرف، ہر فخر اور ہر امر میں ہاشم کا درجہ امیہ اور اس کے اول و آخر سب سے کہیں بلند اور امیہ ان سے بہت پست ہے۔ امیہ کا سسر ابوہمہمہ بن عبدالعزیٰ بھی اس سے اچھی طرح واقف ہے) غرض اس کاہن نے ہر طرح جناب ہاشم ہی کے حق میں فیصلہ دے دیا جس پر امیہ کو پچاس اونٹنیاں دینی پڑیں اور دس سال کے لیے جلاوطن ہو کر ملک شام میں رہنا پڑا۔ جناب ہاشم نے ان اونٹنیوں کو لے کر اور فوراً ذبح کرا کے مکہ والوں کو کھلا دیا۔ اس وقت سے خاندان بنی ہاشم اور خاندان بنی امیہ میں کھلی عداوت قائم ہو گئی وکان یقال لھاشم والمطلب البدران لجمالھما۔ جناب ہاشم اور ان کے بھائی مطلب ایسے حسین و جمیل تھے کہ لوگ آپ دونوں کو دو چاند کہا کرتے تھے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۷)

جناب ہاشم کے حالات میں یہ واقعہ بھی نہایت حیرت انگیز ہے کہ اس زمانہ کے بڑے معززین بلکہ بادشاہ تک اپنی لڑکیوں کا پیغام بھیجا کرتے۔ علامہ دیار بکری لکھتے ہیں:

ان ھاشما فخر قومہ واعلاھم کانت مائدتہ منصوبۃ لا ترفع فی السراء والضراء وکان یحمل ابن السبیل ویؤدی الخائف وکان نور رسول اللہ ﷺ فی وجھہ یتوقد شعاعہ ویتلألأ ضیاؤہ ولا یراہ حبر من الاحبار الا قبل یدیہ ولا یمر بشیئ الا سجد الیہ۔ تغدو الیہ قبائل العرب ووفود الاحبار یحملون بناتھم یعرضن علیہ لیتزوج بھن حتی بعث الیہ ھرقل ملک الروم وقال ان لی ابنۃ لم تلد النساء اجمل منھا ولا ابھی وجھا فاقدم الی حتی ازوجکھا فقد بلغنی جودک وکرمک

وانما اراد بذلک نور رسول اللہ ﷺ الموصوف عندھم فی الانجیل وکان ھاشم یابی وکان ینطلق الی جبل ثبیر یسال اللہ السماء ثم یرجع فلم یزل ھاشم کذلک حتی اری فی منامہ ان تزوج سلمی بنت عمرو کانت فی زمانھا کخدیجۃ فی زمانھا لھا عقل وحلم۔

اپنی قوم میں جناب ہاشم سب سے زیادہ فخر کے مستحق اور سب سے زیادہ عزت و شرف کے مالک تھے انکا دسترخوان ہمیشہ پھیلا رہتا تھا خواہ خوشحالی کا زمانہ ہو یا تنگی کا کسی زمانہ میں اٹھایا نہیں جاتا تھا وہ مسافروں کی مدد کرتے اور خوف زدہ کو پناہ دیتے رہتے اور حضرت رسول خدا کا نور ان کی پیشانی میں چمکتا رہتا اور اس کی روشنی کی چھوٹ ہر طرف پڑتی رہتی تھی اور جو یہودی عیسائی عالم یا پیشوا آپ کو دیکھتا آپ کے دونوں ہاتھوں کو چومنے لگتا اور جس چیز کی طرف سے آپ گزرتے وہ آپ کو سجدہ کرنے لگتی۔ قبائل عرب اور یہودی عیسائی پیشواؤں کے وفود (ڈیپوٹیشن) آپ کے پاس اپنی لڑکیاں لاتے اور آپ کی خدمت میں پیش کرتے کہ ان سے آپ شادی کر لیں یہاں تک کہ عظیم الشان سلطنت روم کے بادشاہ ہرقل نے بھی اپنی لڑکی کا پیغام آپ کے پاس بھیجا اور کہلایا میری ایک بیٹی ہے جو ایسی خوبصورت ہے کہ اسکا جواب دنیا میں نہیں مل سکتا میری خواہش ہے کہ آپ میرے پاس چلے آئیں کہ آپ ہی سے میں اس کی شادی کر دوں کیونکہ آپکے جود و کرم کے حالات مجھے معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ ہرقل کا مقصود اس سے یہ تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم کا نور اپنی بیٹی کے لیے حاصل کرے کیونکہ انجیل میں اس کی بڑی شان مذکور تھی مگر جناب ہاشم ان سب لوگوں کا پیغام نامنظور کرتے رہے ان کا معمول تھا کہ ثبیر پہاڑ پر چلے جاتے اور خداوند عالم سے دعا کر کے واپس آتے۔ غرض وہ ہمیشہ اسی طرح زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ ایک روز خواب میں دیکھا کہ ہاتف غیبی کہتا ہے تم سلمےٰ بنت عمرو سے شادی کر لو۔ سلمےٰ ویسی ہی معزز تھیں جیسی اپنے زمانہ میں جناب خدیجہ ہوتی ہیں بڑی عقل و حلم والی بی بی تھیں (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۷۸)

دوسری روایت یہ ہے کہ جناب ہاشم تجارت کرنے شام گئے تھے راستہ میں مدینہ پہنچے تو سلمےٰ بنت عمرو کے والد کو پیغام دیا۔ انہوں نے سلمےٰ کی شادی آپ سے کر دی اور یہ شرط کی کہ ولادت کے وقت سلمےٰ اپنے میکے میں چلی آیا کریں گی۔ نکاح کے بعد بغیر بیوی سے ملے ہوئے جناب ہاشم چلے گئے اور جب وہاں سے تجارت کا کام انجام دیکر واپس آنے لگے تو پھر مدینہ میں ٹھہرے اب بیوی سے ملے اور ان کو بھی اپنے ساتھ مکہ لائے جب سلمیٰ حاملہ ہوئیں اور وضع حمل کا زمانہ قریب ہوا تو جناب ہاشم نے ان کو مدینہ پہنچا دیا اور خود پھر تجارت کے لیے شام کی طرف چلے گئے (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۷۹)

سمجھ میں نہیں آتا کہ جناب ہاشم کس عزت و عظمت پر فائز تھے جن سے اپنی بیٹی کی شادی کر دینے کے لیے ہرقل بادشاہ روم نے بلایا اور آپ نے اس نسبت سے صاف انکار کر دیا حالانکہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ تک اس کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی شادی ان سے زیادہ خوشحال اور مالدار گھر میں ہو۔

جناب ہاشم کا یہ کارنامہ بھی زریں حروف میں لکھنے کے قابل ہے کہ آپ نے اہل مکہ کو خصوصاً اور عرب کو عموماً مرفہ الحال بنانے اور ترقی کی راہ پر لگانے کے لیے تجارت کی طرف متوجہ کیا اور یہ اصول مقرر کیا کہ ہر سال دو مرتبہ قریش کے قافلے تجارت کی غرض سے باہر جایا کریں جاڑے کے موسم میں یمن اور حبشہ تک اور گرمیوں میں ملک شام کیطرف یہ ایسا مقبول اور قابل فخر کارنامہ تھا کہ آپ کے اس احسان کا ذکر خدا نے بھی کلام مجید میں بیان کیا ہے فرماتا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم لایلاف قریش ایلافھم رحلۃ الشتاء والصیف چوں کہ قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفروں کی چاٹ لگادی ہے (پارہ ۳۰۔ ع ۳۱) جناب ہاشم کا یہ احسان عظیم اعرب کی صرف ترقی ہی کا باعث نہیں بلکہ اس نے ان کو گویا زندہ کر دیا علامہ سیوطی وغیرہ نے لکھا ہے:

کانت قریش فی الجاھلیۃ تحتفد وکان احتفا دھا ان اھل بیت منھم کانوا اذا سافت یعنی ھلکت اموالھم خرجوا الی براز من الارض فضربوا علی انفسھم الاخبیۃ ثم تناوبوا فیھا حتی یموتوا من قبل ان یعلم بخلتھم حتی نشأ ھاشم بن عبد مناف فلما نبل وعظم قدرہ فی قومہ قال یا معشر قریش ان العز مع الکثرۃ وقد اصبحتم اکثر العرب اموالا واعزھم نفرا وان ھذا الاحتفاد قد اتی علی کثیر منکم وقد رأیت رایا۔ قالوا رایک راشد فمرنا نأتمر قال رأیت ان احلط فقراء کم باغنیاء کم فاعمد الرجل غنی فاضم الیہ فقیرا عیالہ بعدد عیالہ فیکون یوازرہ فی الرحلتین رحلۃ الصیف الی الشام ورحلۃ الشتاء الی الیمن فما کان فی مال الغنی من فضل عاش الفقیر وعیالہ فی ظلہ وکان ذلک قطعا للاحتفاد۔ قالوا نعم ما رأیت قالف بین الناس۔

قریش کا دستور تھا کہ زمانہ جاہلیت میں احتفاد کرتے تھے اور انکا احتفاد یہ تھا کہ جب کسی خاندان کے لوگوں کا مال ومتاع ختم ہو جاتا اور ان کے پاس کچھ بھی نہ رہتا تو وہ گھر بار چھوڑ کر اپنی بستی سے باہر میدان میں چلے جاتے اور اپنے اوپر خیمے ڈال کر اس کے اندر پڑ جاتے تھے اس کام کو وہ باری باری کرتے رہتے یہاں تک کہ اسی کے اندر مر کر سب ختم ہو جاتے اور دوسرے لوگوں کو ان کی پریشانی اور تنگ حالی کی خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ یہی طریقہ ان میں رائج رہا یہانتک کہ ہاشم بن عبد مناف ہوش گوش والے ہوئے جب انکی قوم یعنی قبیلہ قریش میں ان کی بزرگی اور شرافت مسلم اور ان کی قدر عظیم الشان ہو گئی تو انہوں نے ان لوگوں میں لکچر دیا معزز قریش خوب سمجھ رکھو کہ وہی لوگ دوسروں پر غالب رہ سکتے ہیں جنکی تعداد زیادہ ہو گی تملوگ مال کے اعتبار سے عرب میں سب سے زیادہ اور تعداد کے لحاظ سے سب سے بڑھے ہوئے ہو مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہ احتفاد کی مصیبت تم لوگوں کو ختم کئے دیتی ہے اس پر میں نے غور فکر کر کے ایک تدبیر سوچی ہے لوگوں نے کہا آپکی

رائے یقیناً بہتر اور ہم سب کی بھلائی ہی کی ہوگی۔ آپ نے جو تدبیر سوچی ہے بے تکلف اسکو ظاہر فرمائیں کہ ہم سب اس پر عمل کریں تب آپ نے کہا میری رائے یہ ہے کہ تم لوگوں میں جو فقیر اور نادار ہیں انکو مالدار اور خوشحال لوگوں سے ملا دوں۔ اسطرح کہ ایک مالدار کو راضی کر کے اسکے ساتھ ایک فقیر کو کر دوں جسکے عیال اسی قدر ہوں جس قدر اس مالدار کے ہوں اور یہ فقیر اس مالدار کی مدد ان تجارتی سفروں میں کرے، وہ گرمی میں شام کیطرف اور جاڑے میں یمن کی طرف کرتے رہیں اسطرح مالدار کے مال میں جو زیادتی ہوگی اس سے وہ فقیر اور اس کے عیال بھی اس مالدار کے سایہ میں بسر کیا کریں گے۔ اور یہی عمل تم لوگوں کے احتفاد کی مصیبت کا خاتمہ کر دیگا جناب ہاشم کی یہ تقریر سنکر سب نے کہا واہ واہ آپ نے کیسی اچھی تدبیر سوچی، اسطرح جناب ہاشم نے ان قریش والوں میں ایک کو دوسرے کا دوست اور ساتھی بنا دیا (تفسیر درمنثور جلد۔) نیز علامہ فخرالدین رازی نے اس سورۂ ایلاف کی تفسیر میں لکھا ہے:

ان قریش اذا اصاب واحد امتھم مخمصۃ خرج ھو وعیالہ الی موضع وضربوا علی انفسھم خباء حتی یموتوا۔ الی ان جاء ھاشم بن عبد مناف وکان سید قومہ وکان لہ ابن یقال لہ اسد وکان لہ ترب من بنی مخزوم یحبہ ویلعب معہ فشکا الیہ الضرر والمجاعۃ فدخل اسد علی امہ یبکی فارسلت الی اولئک بدقیق وشحم فعاشوا فیہ ایاما ثم اتی ترب اسد الیہ مرۃ اخری وشکا الیہ من الجوع فقام ھاشم خطیبا فی قریش فقال انکم اجدبتم جدبا تقلون فیہ وتذلون وانتم اھل حرم اللہ واشرف ولد آدم والناس لکم تبع۔ قالوا نحن تبع لک فلیس علیک منا خلاف۔ فجمع کل بنی اب علی الرحلتین فی الشتاء الی الیمن وفی الصیف الی الشام للتجارات فما ربح الغنی قسمہ بینہ وبین الفقیر حتی کان فقیرھم کغنیھم فجاء الاسلام وھم علی ذلک فلم یکن فی العرب بنو اب اکثر مالا ولا اعز من قریش قال الشاعر فیھم

الخالطین فقیرھم بغنیھم ۔۔۔ حتی یکون فقیرھم کالکافی :

قریش کی یہ حالت تھی کہ جب ان میں کا کوئی شخص فقر وفاقہ کی مصیبت میں مبتلا ہوتا تو وہ اپنے عیال کو لیکر کسی جگہ چلا جاتا اور سب لوگ اپنے اوپر خیمہ گرا دیتے یہانتک کہ اسی میں مر جاتے ان لوگوں کی اس مصیبت کا اس وقت خاتمہ ہوا جب ان میں جناب ہاشم بن عبد مناف پیدا ہوئے۔ وہ بڑے ہو کر اپنی قوم کے سردار بنا دیئے گئے۔ آپ کے ایک صاحبزادے کا نام اسد تھا یہ اسد جب بچے تھے تو انکا ایک ساتھی جو قبیلہ بنو مخزوم سے تھا جس کی ان سے دوستی تھی اور انکے ساتھ کھیلا کرتے تھے ایک دفعہ ان کے پاس آیا اور شکایت کی کہ بھوک سے میری بری حالت ہے بڑی تکلیف اور مصیبت کا سامنا ہے۔ اسد پر اس

خبر کا ایسا اثر ہوا کہ وہ خود روتے ہوئے اپنی ماں کے پاس پہنچے اور یہ حالت بیان کی جناب ہاشم کی زوجہ محترمہ نے فوراً کافی مقدار میں آٹا اور پنیر اس لڑکے کے گھر بھیج دی جس سے کئی دن تک وہ سب آرام سے بسر کرتے رہے۔ جب یہ ذخیرہ ختم ہو گیا تو پھر اس لڑکے نے اسد سے اپنی مصیبت بیان کی ماں نے پھر دہان ظلم وغیرہ بھیج دیا اور جناب ہاشم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو قریش کو جمع کر کے آپ نے ایک تقریر کی جس میں فرمایا تم لوگ قحط اور تنگ حالی کی اس مصیبت میں گرفتار ہو جس سے ختم بھی ہوتے جاتے ہو اور ذلیل بھی ہو رہے ہو حالانکہ تم سب حرم خدا خانہ کعبہ کے رہنے والے اور تمام بنی آدم سے اشرف ہو باقی سب لوگ تمہارے ہی تابع ہیں۔ اس پر ان لوگوں نے کہا اور ہم لوگ آپ کے تابع ہیں جو کہئے کریں گے اور کسی بات میں آپ ہمکو اپنے خلاف نہیں پائے گا۔ تب جناب ہاشم کو موقع ملا اور انہوں نے ہر خاندان والے کو آمادہ کیا کہ ہر دو مرتبہ باہر تجارتی سفر کیا کریں۔ جاڑے میں یمن کیطرف اور گرمی میں شام کیطرف تجارت کا قافلہ لیجائیں اور مالدار کو جو نفع ہو اسکو اپنے اور اپنے نادار رشتہ داروں میں برابر تقسیم کر دیا کرے تاکہ ان کا فقیر بھی اسی قدر مالدار ہو جایا کرے جتنا وہ دولتمند ہے۔ سب نے یہ بات مان لی اور اسی عادت پر یہ لوگ قائم رہے یہاں تک کہ اسلام آیا۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں قریش سے زیادہ مالدار اور معزز دوسرا کوئی قبیلہ نہیں تھا۔ انہی بارے میں شاعر نے یہ شعر کہا ہے کہ یہ لوگ ایسے حوصلہ والے ہیں کہ اپنے فقیروں کو اپنے مالداروں سے ملا دیتے ہیں جس سے ان کا فقیر بھی مثل خوش حال کے ہو جاتا ہے (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۶۹۲)

مورخین و محدثین نے تصریح کی ہے کہ ان قافلوں کی ایجاد جناب ہاشم ہی نے کی۔ آپ سے پہلے یہ کسی کو یہ شرف نہیں ملا۔ علامہ ابن ہشام وغیرہ نے لکھا ہے:

وکان هاشم فی ما یزعمون اول من سن الرحلتین لقریش رحلة الشاء والصیف واول من اطعم الثرید للحجاج۔

لوگوں کا بیان ہے کہ جناب ہاشم ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قریش میں تجارتی قافلوں کی ایجاد کی۔ ایک قافلہ جاڑے میں روانہ کرتے اور ایک گرمی میں۔ اور وہی بزرگ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حاجیوں کو ثرید کھلائی (روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۹۴)

غالباً آپ کے انہیں مکارم و مفاخر کی وجہ سے لوگوں نے آپ کا لقب ابو البطحا (مکہ کا باپ)، و سید البطحا (مکہ کے سردار) رکھ دیا تھا آپ کی شان میں یہ اشعار بھی کہے گئے ؎

عمرو العلا ذو الندی من لا یسابقہ | مر السحاب و لا ریح تجاریہ
جفانہ کالجوابی للوفود اذا | لبوا بمکۃ فادا ہم منادیہ
اذا محلونا خضبوا منها وقد ملئت | نوتا لحاضرہ منہم و بادیہ

عمرو معلا (بلند مرتبہ ہاشم) ایسی سخاوت اور کرم کے بزرگ ہیں جسکا مقابلہ اُڑتا ہوا ابر اور چلتی ہوئی ہوا بھی

نہیں کر سکتی۔ ان کے کٹورے مثل بڑے حوضوں کے ہیں کہ جب باہر کے لوگ مکہ میں لبیک لبیک کہتے ہوئے پہنچتے ہیں تو ہاشم کیطرف سے ایک منادی ان کو آواز دیکر ان کے ہاں لے جاتا اور سیر و سیراب کرتا ہے یا جب لوگوں میں قحط اور فقر و فاقہ کی مصیبت نازل ہوتی ہے تو وہ لوگ انہیں بڑے بڑے پیالوں سے بھر دیے جاتے ہیں۔ جن میں ان کے لیے بھی کھانے پینے کا پورا سامان کیا جاتا ہے ان کے غائب عزیز کیلئے بھی دے دیا جاتا ہے (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۵)

آپ کے متعلق جو اشعار کہے گئے وہ اس طرح پھیلے اور ان سے آپ کے فضائل و مکارم کی شہرت بعد میں بھی اس درجہ ہوتی رہی کہ کافی زمانہ گزرنے پر بعض حاسدین ان شعروں کو بدل کر اپنے ممدوحین کی شان میں کہنے کی کوشش کرنے لگے۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم بنو ہاشم کے دروازے کے پاس سے گزرے تو کسی شخص کو یہ شعر پڑھتے سنا ؎

یا ایها الرجل المحول رحله | الا نزلت بآل عبد الدار
هبلتک امک لو نزلت برحلهم | منعوک عن عدم و من اقتار

اے وہ شخص جو اپنی پریشانی کی وجہ سے اپنی منزل کو بدل رہا ہے تو آل عبد الدار میں کیوں نہیں اترا۔ تیری ماں تجھے کھوئے اگر تو ان لوگوں میں اُترتا تو وہ لوگ تجھے ناداری اور فقر کا سے بچا لیتے۔

یہ سن کر حضرت رسول خدا صلعم حضرت ابو بکر کی طرف (جو اتفاق سے اس وقت آپ کے ساتھ ہو گئے تھے) متوجہ ہوئے اور فرمایا کیوں جی؟ کیا شاعر نے اسی طرح کہا تھا؟ حضرت ابو بکر نے کہا نہیں خدا کی قسم اس طرح نہیں بلکہ اس طرح کہا تھا ؎

یا ایها الرجل المحول رحله | الا نزلت بآل عبد مناف
هبلتک امک لو نزلت برحلهم | منعوک من عدم و من اقراف
الخالطین غنیهم بفقیرهم | حتی یعود فقیرهم کالکافی

اے وہ شخص جو ناداری اور پریشانی کیوجہ سے اپنی منزل کو بدلتا اور دوسری جگہ جانا چاہتا ہے تو آل عبد مناف (جناب ہاشم) کی منزل میں کیوں نہیں اتر پڑتا۔ تیری ماں تجھے کھوئے اگر تو ان کی منزل میں اُتر جاتا وہ لوگ تجھے فقیری اور برائی سے بچا لیتے کیونکہ وہ ایسے کریم ہیں جو اپنے فقیروں کو اپنے مالداروں میں ملا دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کا فقیر بھی ان سے مل کر کافی خوش حال ہو جاتا ہے۔

یہ سن کر حضرت رسول خدا صلعم نے تبسم کیا اور فرمایا هكذا سمعت الرواة ينشدونه میں نے بھی اشعار ذکر کرنے والوں سے اسی طرح سنا ہے (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۵) ؎[1]

لوگوں نے جو کچھ کوشش کی صرف اس کی کہ جناب ہاشم کی شان کے اشعار دوسروں کے لیے کہے جائیں مگر آج تک

[1] طرز حضرت رسول خدا کے بزرگوں کے فضائل کو بھی دوسروں کی طرف منسوب کرنے کی کوشش ہوتی رہی ہے۔ ۱۲

کہ جناب ممدوح کو دنیا سے اٹھے ہوئے چودہ سو سال زیادہ ہو گئے کسی کو سوائے خاندان بنی ہاشم ہی کے یہ ہمت نہ ہو سکی کہ ویسے کارنامے دکھاتا خصوصاً جناب ممدوح کا قریش کو اعتقادی مصیبت سے نجات دینا تو وہ عظیم انسانی احسان ہے کہ اس وقت دنیا باوجود اس درجہ ترقی یافتہ ہو جانے کے اور اس اصول کی خوبی سمجھنے کے بعد بھی ویسا کرنے سے عاجز نظر آتی ہے۔

ان دنوں دنیا میں سوشلزم یعنی اشتراکیت کا شور و غل ہے اور ہر تعلیم یافتہ۔ آزاد خیال اس کو پسند کرتا اور اس کی ترویج پر زور دیتا ہے مگر ابھی صرف زبانی تحسین ہی تک یہ اصول پہنچا ہے ایسے بہت کم ہوں گے جو عملاً اس کی نظیر قائم کرتے ہوں سوشلزم اس خیال پر مبنی ہے کہ دنیا میں ایک طرف تو ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں جو لاکھوں اور کروڑوں روپیہ کی جائداد رکھتے ہیں اور جن کے قبضہ میں ان کی حاجت سے بہت زیادہ مال و دولت ہے۔ ان کے مقابلہ میں ایسے افراد بھی بہت زیادہ ہیں جن کے پاس اتنا بھی نہیں جس سے شکم سیر ہو سکیں۔ ستر پوشی کر سکیں۔ ٹوٹے ہوئے مکان میں رہ سکیں۔ معمولی چارپائی تخت تک کا انتظام کر سکیں۔ اس لیے انسانی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور عقل و انصاف کی رو سے وہ کروڑوں روپے جو ارباب ثروت کے پاس بیکار یا ان کی حاجت سے فاضل پڑے ہوئے ہیں۔ فقراء و مساکین قلیل البضاعت انسانوں پر تقسیم کر دیئے جائیں تاکہ دونوں گروہ باآسانی زندگی بسر کر سکیں۔ اور اس کی معقول وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ دنیا کی ہر نوع اور ہر قسم کی آمدنی کی اصل مزدور اور اہل سرمایہ ہیں۔ دونوں آمدنی کے پیدا کرنے میں برابر کے شریک ہیں اس لیے انصاف یہ ہے کہ ہر قسم کی آمدنی دو مساوی حصوں میں بانٹ دی جائے۔ ایک حصہ مزدوروں کو دیا جائے اور دوسرا حصہ اہل سرمایہ لیں لیکن تمام دنیا میں اہل سرمایہ اور کارخانہ دار تمام منافع کے اصل مالک بن جاتے ہیں اور مزدوروں کو ان کے حق سے اس قدر کم دیا جاتا ہے کہ وہ مشکل سے اوقات بسری کر سکتے ہیں۔ اس لیے ضرور ثابت ہے کہ مزدوری کی اعانت کی جائے۔

ان بیانات بالا کا نتیجہ یہ نکلا کہ فقراء مزدوروں اور کم حیثیت افراد کی امداد کی جائے۔ یہی خیال سوشلزم یا اشتراکیت کا سنگ بنیاد ہے۔ اس خیال کی کامیابی کے لیے لوگوں کو بہت سے مراتب طے کرنے پڑتے ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ موجودہ نظام زندگی بالکل بدل دیا جائے۔ ہر قسم کی جائدادیں اور ملکیتیں اہل سرمایہ اور ارباب ثروت کی شخصی ملکیت و تصرف سے نکال کر وقف عام کر دی جائیں۔ تمام کاشتکاریاں، جائدادیں اور کارخانے جمہور کی ملکیت ہوں۔ ہر قسم کا منافع ایک جگہ جمع ہو اور تمام اہل ملک پر مساوی طور سے گورنمنٹ کی نگرانی میں تقسیم ہو ہر شخص کے امتیازات شخصی مٹا دیئے جائیں۔ ذاتی اعزاز و تفوق کی کوئی مثال باقی نہ رہے۔ بادشاہ اور رعایا۔ آقا اور غلام حاکم اور محکوم۔ امیر اور فقیر۔ معزز اور ذلیل۔ غرض ہر قسم کے تفاوت مراتب کو صفحہ عالم سے محو کر دیا جائے اور تمام عالم کی ہر چیز میں مساوات عامہ ہو۔ چونکہ اس خیال کی اشاعت زمانہ حال میں ہوئی اس سبب سے کہا جاتا ہے کہ اشتراکیت انیسویں صدی کی پیداوار ہے لیکن اگر انصاف سے آنکھیں بند کی ہو جائیں تو اتنا ماننا پڑیگا کہ اس اصول کو جناب ہاشم نے قائم کیا اور لوگوں کو اس کا عامل بھی بنا دیا۔

جناب ہاشم کا فرماں روایان شام و روم و شیوخ غسان سے مل کر معاہدے کرنا کہ تجارت کے لیے آزادانہ فریقین ایک دوسرے کے حدود میں سے بامن و امان گزر کریں اور اسی طرح عبدالشمس و نوفل و مطلب کی معرفت حبشہ و یمن اور ایران کی حکومتوں سے بھی معاہدے کرنا جس سے قریش آزادی سے ان ملکوں میں آنے جانے لگے۔ آپ کی وہ عظیم الشان خدمت ہے جس پر دنیا انگشت بدندان ہے۔ جناب ہاشم نے بحالت سفر ملک شام کے ایک مقام میں تقریباً ۵۱۰ء میں انتقال کیا اور آپ کے ساتھیوں نے وہیں آپ کو دفن کر دیا۔ علامہ سید احمد ابن علی لکھتے ہیں: وکان هاشم یدعی القمر ویدعی زاد الرکب ہاشم کو لوگ قمر (چاند) کے نام سے پکارتے اور زاد الرکب (قافلوں کے توشہ) بھی کہے جاتے تھے (عمدۃ الطالب صفحہ ۴)

نہایت حیرت خیز امر تو یہ ہے کہ جناب ہاشم کی عمر زیادہ سے زیادہ ۲۷ سال کی تھی کیوں کہ کسی کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپ اس سے زیادہ دنوں تک دنیا میں رہے ہوں۔ اور سب جانتے ہیں کہ بچپن سے لیکر ۲۰-۲۵ سال کی عمر تک ہر شخص کھیل کود۔ لہو و لعب اور لاپروائی و بے فکری کی زندگی بسر کرتا ہے۔ یہ زمانہ زیادہ تر جوانی کی لذتیں اٹھانے میں گزرتا ہے۔ خصوصاً اس زمانہ میں جب نہ اسکول تھا نہ کالج نہ باقاعدہ تعلیم کا کوئی رواج۔ مگر جناب ہاشم نے اس زمانہ اور اپنی جوانی کی مختصر زندگی میں رفاہ عام کے وہ کام انجام دیئے جو اس زمانہ میں بھی بڑی عمر والوں اور نہایت تعلیم یافتہ حضرات سے نظر نہیں آتے اگر مستند کتب سیرت و تاریخ میں واقعات نہ ہوتے اور کوئی شخص بیان کرتا کہ چودہ پندرہ سو سال قبل ایک شخص ایسا گزرا ہے جس نے صرف ۲۰-۲۵ سال کی عمر میں بنی نوع انسان کی اتنی خدمتیں کیں ان کی ترقی کی فلاں فلاں تدبیریں کیں۔ ان کے فلاح و اقبال کی فلاں فلاں راہیں ایجاد کیں تو کسی کی عقل قبول نہ کرتی مگر یہ واقعات ویسے ہی یقینی ہیں جیسے آج کل کے بڑے بڑے مدبرین کے علمی و عملی کارنامے۔

فضائل بنو ہاشم

جناب قصی و عبد مناف و ہاشم کے حالات تم نے اچھی طرح پڑھے جن سے اس نتیجہ پر پہنچیں گے۔ ان کو نوع انسانی کی خدمت کا کس درجہ شوق تھا اور اہل وطن کی ترقی کی کیسی فکر رہتی تھی۔ اس وجہ سے خدا نے بھی ان حضرات کو دوسروں پر غیر معمولی فضیلت مرحمت فرمائی حضرت رسول صلعم فرماتے تھے قال لی جبریل قلبت مشارق الارض ومغاربها فلم اجد احدا افضل من محمد وقلبت مشارق الارض ومغاربها فلم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم مجھ سے جبرئیل بیان کرتے تھے کہ میں نے دنیا کے پورب اور پچھم کو الٹ پلٹ کر دیکھ ڈالا مگر آپ (محمد) سے افضل کسی شخص کو نہیں پایا اور دنیا کے پورب پچھم کو چھان ڈالا لیکن بنی ہاشم سے افضل کسی خاندان کو نہیں پایا۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۳)

(۲) ان اللہ عزوجل اصطفی کنانۃ من ولد اسمعیل واصطفی قریش من کنانۃ واصطفی من قریش بنی هاشم واصطفانی من بنی هاشم

خدا نے قبیلہ کنانہ کو اولاد اسمٰعیل میں ممتاز کر دیا اور قبیلہ کنانہ سے قریش کو ترجیح دی اور قریش سے بنی ہاشم کو

چن لیا اور بنی ہاشم سے مجھے برگزیدہ کر دیا۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۹)
حضرت عائشہ سے بھی یہ روایت ہے۔
قالت قال رسول اللہ قال لی جبریل قلبت الارض مشارقها و مغاربها فلم اجد احدا افضل من محمد وقلبت الارض مشارقها و مغاربها فلم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم۔ (ترجمہ اوپر گذر چکا)
یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا:
ان اللہ عز وجل خلق الخلق فاختار من الخلق بنی آدم واختار من بنی آدم العرب واختار من العرب مضر واختار من مضر قریشا واختار من قریش بنی هاشم واختارنی من بنی هاشم۔
اللہ عز و جل نے خلق کو پیدا کیا تو بنی آدم کو سب مخلوقات پر فضیلت دی اور باقی بنی آدم پر عرب کو ترجیح دی اور عرب سے مضر کو چن لیا۔ اور مضر سے قریش کو چھانٹا اور قریش سے بنی ہاشم کو ممتاز کیا اور بنی ہاشم سے مجھے برگزیدہ کیا (تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۰)

جناب ہاشم کی اولاد

جناب ہاشم کی کتنی اولاد ہوئی اس کی تحقیق بھی اسلامی تاریخ کا مشکل مسئلہ ہے جلیل القدر مورخین کا بیان ہے کہ:
ولد لهاشم عبد المطلب على عمود النسب ولم يعلم لهاشم ولد غيره۔
جناب ہاشم کے ہاں عبد المطلب پیدا ہوئے جو حضرت رسول خدا صلعم کے بزرگوں میں ہیں اور ان کے سوائے ان کا دوسرا کوئی فرد معلوم نہیں ہوا۔ (تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۰۸)
اس کی تفصیل اس طرح بیان کی جاتی ہے "ایک بار ہاشم تجارت کی غرض سے شام کے راستہ میں مدینہ ٹھہرے وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا۔ بازار میں گئے تو ایک عورت کو دیکھا جس کے حرکات و سکنات سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ حسین اور جمیل بھی تھی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندان بنی نجار سے ہے اور سلمیٰ نام ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی اور اس نے قبول کر لی۔ غرض نکاح ہوگیا۔ شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے اور غزہ میں جاکر انتقال کیا۔ سلمیٰ کو حمل رہ گیا تھا۔ لڑکا پیدا ہوا۔ اسکا نام شیبہ رکھا گیا۔ اس نے قریباً ۸ برس تک مدینہ میں پرورش پائی ہاشم کے بھائی جنکا نام مطلب تھا ان کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر بھتیجے کی جستجو کی سلمیٰ نے اُن کے آنے کا حال سنا تو بلوا بھیجا۔ تین دن مہمان رہے چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ ان کی عمر ۸ برس کی تھی یہاں آکر ان کا نام عبد المطلب پڑ گیا۔"
(سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۱)
جس سے ثابت ہوا کہ جناب ہاشم کی زندگی میں اُن کا لڑکا نہیں ہوا بلکہ آپ کی بیوی جب حاملہ تھیں اسی وقت جناب ہاشم کا انتقال ہوگیا۔ مگر یہی مؤرخین جب حضرت امیر المومنین علیؑ کی والدہ جناب فاطمہ کا حال لکھتے ہیں تو تحریر کرتے ہیں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم یعنی جناب فاطمہ کی بیٹی تھیں جو جناب ہاشم کے فرزند تھے۔ تاریخ علامہ دیار بکری لکھتے ہیں: وفی هذه السنة توفیت فاطمه بنت اسد بن هاشم بن عبد مناف۔ اسی سال ۴ھ میں جناب فاطمہؑ نے انتقال کیا جو بیٹی تھیں اسد کی اور وہ فرزند تھے جناب ہاشم کے۔ (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۱۷) اور علامہ ابن اثیر جزری نے جناب امیرؑ کے حالات میں لکھا ہے: واما نسبه فهو علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن هاشم وامه فاطمه بنت اسد بن هاشم ابن عبد مناف وهو اول خلیفة ابواه هاشمیان حضرت علی کے والد ابو طالب تھے اور آپ کی والدہ فاطمہ تھیں جو بیٹی تھیں جناب اسد کی اور وہ فرزند تھے جناب ہاشم کے۔ اور حضرت علی ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنکے باپ (ابو طالب) اور ماں (فاطمہ بنت اسد) دونوں ہاشمی ہی تھے (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۵۹) مورخین اسلام کے امام اور استاد اعظم علامہ طبری نے بھی لکھا ہے
هو علی ابن ابی طالب بن عبد المطلب بن هاشم ابن عبد مناف وامه فاطمه بنت اسد بن هاشم بن عبد مناف حضرت علیؑ کے والد کا نام ابو طالب تھا اور آپ کی والدہ فاطمہ تھیں جو صاحبزادی تھیں اسد کی اور وہ فرزند تھے جناب ہاشم بن عبد مناف کے (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۸۹) اور علامہ ابن قتیبہ دینوری نے جو قدیم مؤرخ اور علم نسب کا بڑا محقق ہے لکھا ہے: فاما هاشم بن عبد مناف فاسمه عمرو ومات بغزة من ارض الشام وخلف عبد المطلب واسدا وغیرهما ممن لم یعقب فاما اسد فولد حنین ولم یعقب وهو خال علی ابن ابی طالب وفاطمة وهی ام علی ابن ابی طالب ولیس فی الارض هاشمی الا من ولد عبد المطلب بن هاشم لانه کان لهاشم ذکور لم یعقبوا ہاشم بن عبد مناف کا نام عمرو تھا انھوں نے ملک شام کے مقام غزہ میں انتقال کیا اور اولاد میں عبد المطلب و اسد وغیرہ کو چھوڑا۔ اسد کے بھی ایک بچہ ہوا تھا۔ مگر اس کی اولاد نہیں ہوئی۔ وہی بچہ حضرت علیؑ کا ماموں تھا اور اسد کی دوسری اولاد جناب فاطمہ تھیں جو حضرت علیؑ کی مادر گرامی ہوئیں۔ اور اس وقت روئے زمین پر سوائے اولاد عبد المطلب کے کوئی ہاشمی نہیں ہے کہ جناب ہاشم کی اولاد مذکور میں کئی شخص تھے مگر ان (اولاد مذکور) کی کوئی اولاد نہیں بچی (معارف مطبوعہ مصر صفحہ ۴۲) علم انساب عرب کے بڑے محقق سویدی نے لکھا ہے وکان له من الولد عبد المطلب واسد ونضلة وصیفی وابو صیفی۔ جناب ہاشم کے فرزندوں میں عبد المطلب و اسد و نضلہ و صیفی و ابو صیفی تھے۔ (سبائک الذهب فی معرفة قبائل العرب صفحہ ۱) پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں نے یہ غلطی کیسے کی کہ جناب ابو ہاشم کا حال جس جگہ لکھا وہاں آپ کی اولاد میں صرف جناب عبد المطلب کو بیان کیا اور جناب اسد کو بالکل فراموش کر گئے۔

جناب اسد

عبارت مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ جناب ہاشم کے فرزند جناب عبد المطلب کے علاوہ جناب اسد بھی تھے اصل حقیقت یہ ہے کہ جناب ہاشم نے پہلے مکہ معظمہ میں اپنی ہی قوم کی ایک عورت سے عقد کیا تھا جس سے اسد و صیفی پیدا ہوئے تھے۔ اسکے بعد آپ مدینہ گئے اور وہاں سلمیٰ سے عقد کیا جن سے جناب عبد المطلب

اپنے والد (ہاشم) کے بعد پیدا ہوئے۔ مگر چونکہ جناب اسد کی اولاد ذکور میں سے کوئی نہیں تھا اس وجہ سے لوگوں نے آپ کو نظر انداز کر دیا۔ جناب اسد کی رحمدلی اور انسانی ہمدردی کی جو کیفیت تھی وہ اوپر تفسیر کبیر کی عبارت سے مذکور ہو چکی کہ کس طرح آپ اپنے ہم عمر لڑکے کے فقر و فاقہ کی خبر سُن کر روتے ہوئے اپنی والدہ کے پاس گئے اور ان سے اس کے گھر کے غلہ وغیرہ بھجوایا۔ افسوس ہے کہ آپ کے دوسرے حالات کتابوں میں نہیں ملتے۔ لیکن اگر صرف واقعہ مذکورہ ہی کو دیکھا جائے تو نتائج کے اعتبار سے وہی آپ کا قابل فخر کارنامہ ثابت ہوگا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں عرب احتفاد کی مصیبت میں مبتلا تھے۔ جب جناب اسد نے اپنے دوست کو اپنی والدہ سے غلہ وغیرہ دلوایا۔ تب اس کی خبر جناب ہاشم کو ہوئی اور اس پر آپ نے قریش کو جمع کر کے آمادہ کیا کہ ان میں کا امیر اپنے فقیر رشتہ دار کی کفالت اپنے ذمے لے لے۔ چنانچہ یہ تدبیر کارگر ہوئی اور قریش عدد میں کم اور مالی اعتبار سے نادار ہو جانے سے بچ گئے۔ گویا ہاشم کے اس عظیم الشان کارنامہ کا سنگ بنیاد آپ کے فرزند جناب اسد ہی نے رکھا اور قدرت کیطرف سے یہی انتظام ہونا بھی چاہئیے تھا۔ کیونکہ جسطرح امیر المومنینؑ کے دادا جناب عبد المطلب کو عرب پر دائمی احسان کا فخر حاصل ہوا۔ اسی طرح آپ کے نانا جناب اسد کو بھی بے نظیر کرم کا موقع ملنا ضروری تھا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت ابوالائمہ افضل الاوصیا جناب امیر المومنینؑ ایسے سید العرب کا نور انہیں دونوں بھائیوں کی اولاد (جناب ابو طالبؑ و جناب فاطمہ بنت اسد) کے اتصال سے طالع ہوا۔ پھر فضائل و کمالات پر صرف جناب عبد المطلب ہی کیوں فائز ہوتے اور جناب اسد کو بھی انہیں سے حصہ کیوں نہیں ملتا۔

جناب ہاشم کی وفات ۵۱۰ء میں ثابت ہوتی ہے (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا) اس حساب سے جناب اسد جناب عبد المطلب سے بڑے ہوئے۔ اور چونکہ جناب عبد المطلب کی ولادت ۵۰۶ء میں ثابت ہوتی ہے۔ اس سبب سے جناب اسد کی ولادت اس سے قبل ہوئی ہوگی۔ مگر جناب اسد کی عمر کم ہوئی اور وہ جناب عبد المطلب سے بہت پہلے انتقال کر گئے۔

جناب عبد المطلبؑ

جناب ہاشم کے جلیل القدر صاحبزادے تھے جو عرب کے سردار اعظم مانے گئے آپ کی مادر گرامی بھی مدینہ کی نہایت معزز بیوی سلمٰی تھیں جن کے شرف و عظمت کی حالت مورخین کے اقوال سے ثابت ہے۔ علامہ ابن ہشام نے لکھا ہے: کانت لاتنکح الرجال لشرفها فی قومها حتی یشترطوا لها ان امرها بیدها۔ اذا کرهت رجلا فارقته سلمٰی اپنی قوم میں بڑی عظمت و شرف کی بی بی تھیں اسی وجہ سے وہ کہتی تھیں کہ میں کسی شخص سے شادی نہیں کروں گی جب تک وہ لوگ یہ شرط نہ کریں کہ وہ مجھے میرے امور میں خود مختار رہنے دیں گے کہ جب میں شوہر سے ناراض ہو جاؤں گی فوراً اس کو چھوڑ دوں گی۔ (سیرۃ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۹۵) اور علامہ حلبی نے لکھا ہے: اشترط علیه بنفسها علی شرط انها لا تلد ولدا الا فی اهلها جناب ہاشم نے سلمٰی سے ان کی اس شرط پر شادی کی کہ جب ان کے ہاں ولادت ہونے والی ہوگی تو وہ اپنے میکے چلی جایا کریں گی (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۷) فاضل معاصر دہلوی عربی کتابوں سے آپکے حالات کا خلاصہ اسطرح لکھتے ہیں "اسی عورت کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر عبد المطلب اور شیبۃ الحمد کے نام سے پکارا گیا۔ یہ لڑکا ابھی دودھ ہی پیتا تھا کہ ہاشم کا پیمانہ حیات لبریز ہو کر

چھلک گیا اور وہ اپنے ہونہار بچے کو ماں کی گود میں سونا چھوڑ نہایت حسرت کے ساتھ عالم آخرت کو سفر کر گیا۔

عبد المطلب کچھ عرصہ تک اپنی ماں کی آغوش محبت اور پھر اپنے چچا مطلب کے سایہ عاطفت میں پرورش پاتے رہے اور جب ابتدائی عمر کے مرحلے طے کر کے سن شعور کو پہنچے تو الولد سر لابیہ (بچہ اپنے باپ کا فوٹو ہوتا ہے) کیمطابق تمام کمالات و فضائل کو اپنے میں جمع کر لیا اور آبائی شرف و بزرگی کے علاوہ بعض ان خصوصیتوں کی وجہ سے جو ان میں موجود تھیں تھوڑے ہی دنوں میں اپنے باپ ہاشم کی طرح نامور اور مشہور ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مجاب الدعوۃ بھی تھے انہوں نے اپنے اوپر شراب کا استعمال مطلقاً حرام کر لیا تھا۔ یہ پہلے شخص تھے جو تعبداً غار حرا میں بیٹھے سیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رمضان کا مہینہ آتا تو عبد المطلب حرا پہاڑ پر چڑھ جاتے اور لوگوں سے علیحدہ ہو کر عالم خموشی میں خدا کے جلال و عظمت اور اسکے اسماء و صفات میں غور و فکر کرتے اور مساکین کو نہایت سیر چشمی کے ساتھ کھانا تقسیم کرتے۔ انکے دسترخوان سے پرندوں کیلئے کھانا اٹھایا جاتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر دور تک پھیلا دیا جاتا اور اسی سے لوگ ان کو مُطعِمُ الطَّیر پرندوں کے کھانا دینے والے بھی کہا کرتے تھے۔ عبد المطلب پیدا ہوئے تو ان کے سر پر سفید بال تھے اس سے لوگوں نے ان کا نام شیبۃ الحمد رکھا تھا۔ شیبہ اس لیے کہ عربی میں سفیدی سر کو شیب کہتے ہیں اور الحمد اسلئے کہ خاندان کے بڑے بوڑھوں کو توقع تھی کہ یہ بڑھاپے کو پہنچیں گے اور لوگ انکو حمد و ثنا کیساتھ یاد کریں گے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی کہ عبد المطلب ایک سو چالیس برس کی عمر کو پہنچے ان کی کمال شرافت و سیادت اور قومی ہمدردی مصیبت زدوں کی امداد اور اپاہجوں کی خبرگیری کیوجہ سے اس زمانہ کے لوگ انہیں ہمیشہ نیک نامی اور تعریف کیساتھ یاد کرتے رہے

ان کے عبد المطلب کیساتھ نامزد ہونے کے متعلق کتابوں میں نہایت دلچسپ روایتیں مذکور ہیں۔ ازاں جملہ یہ کہ ہاشم کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ تک شیبۃ الحمد ماں کی آغوش محبت میں رہے اور یہاں تک بڑے کہ چلنے پھرنے۔ کھیلنے کودنے کے لائق ہو گئے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ مدینہ کے میدان میں چند بچے تیروں سے کھیل رہے تھے۔ ایک شخص اس طرف سے گزرتا ہوا ذرا کی ذرا دم لینے اور ان بچوں کا تماشا دیکھنے کی غرض سے یہاں ٹھہر گیا بچے نہایت آزادی کے ساتھ تیر چھوڑتے اور ادھر سے ادھر۔ ادھر سے ادھر بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ دفعتاً ایک بچے کا تیر نشانہ پر جا لگا اور بے ساختہ اسکی زبان سے نکلا انا ابن سید البطحاء (میں مکہ معظمہ کے سردار کا فرزند ہوں) جونہی یہ جملہ بچے کے منہ سے نکلا گزرنے والا شخص جو یہاں کھڑا بچوں کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ نہایت تیزی کے ساتھ اس بچے کیطرف بڑھا اور لگا پوچھنے کہ صاحبزادے! تمہارا کیا نام ہے؟ بچے نے سادگی سے جواب دیا کہ مجھے شیبۃ الحمد کہتے ہیں کہا اور تمہارے والد کا نام؟ جواب دیا ہاشم بن عبد مناف۔ یہ سُنکر وہ شخص یہاں سے چل کھڑا ہوا اور مکہ میں آکر ہاشم کے حقیقی بھائی عبد المطلب بن عبد مناف کو تلاش کیا معلوم ہوا کہ مطلب حطیم کعبہ میں موجود ہے۔ یہ اسکے پاس گیا اور جو واقعہ آنکھوں سے دیکھا تھا زبان سے ادا کیا۔ مطلب فوراً مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچے اور شیبۃ الحمد میں اپنے باپ عبد مناف کی شباہت پا کر پہچان لیا بے ساختہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے مگر اس نے بڑے ضبط سے اپنے دلی جوش کو روکا شیبۃ الحمد کو پیار کیا اور تھوڑی دیر تک گلے سے لگائے چپکے چپکے روتا رہا۔ پھر تسلی اور دلدہی کے لہجہ میں بولا بیٹے شیبۃ الحمد

میں تیرا چچا ہوں اور تجھے تیرے خاندان کے لوگوں میں لے جانے کی غرض سے یہاں آیا ہوں شیبۃ الحمد یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ مطلب نے اپنی اونٹنی بٹھا اور چچا بھتیجے دونوں سوار ہو یہ جادہ جا شیبۃ الحمد کی ماں کو معلوم ہوا تو اس کی نظروں میں ساری دنیا اندھیر ہو گئی مگر غریب کر ہی کیا سکتی تھی۔ صبر کرکے اور کلیجہ مسوس کے بیٹھ رہی۔ مطلب شیبہ کو اونٹنی پر سوار کیے ہوئے مکہ میں داخل ہوا تو قریش نے دیکھ کر بہ آواز بلند کہا ھٰذَا عَبْدُ الْمُطَّلِبْ یعنی یہ لڑکا مطلب کا غلام ہے۔ مطلب نے جواب دیا نہیں۔ میرا غلام نہیں۔ میرے مرحوم بھائی ہاشم کا پیارا فرزند اور میرا بھتیجا ہے۔ پس اس وقت سے شیبۃ الحمد کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔

الغرض عبدالمطلب نے اپنے چچا مطلب کے کنار عاطفت میں پرورش پائی اور وہ جو کہتے ہیں کہ پوت کے پاؤں پالنے میں پہچانے جاتے ہیں۔ عبدالمطلب ابتدا ہی سے نیک سیرت، نیک خصلت نظر آتے تھے یہاں تک کہ جب پورے جوان ہوئے تو تمام صفات حمیدہ اور خصائل بزرگانہ ان میں جمع ہو گئے تھے۔ مطلب کے پیچھے انکے تمام مناصب ان کی طرف عود کر آئے اور مکہ کی ریاست کی باگ ان کے ہاتھ میں آگئی۔ حلبی اپنی سیرت میں عبدالمطلب کے ذاتی حالات لکھتے ہوئے ابن جوزی سے نقل کرتے ہیں کہ عبدالمطلب آخر عمر میں بتوں کی پرستش ترک کر کے خدا کی واحدنیت کے قائل ہو گئے تھے [۱] اور مکہ کی چار دیواری کے اندر بہت سے ان طریقوں کی بنیاد ڈال دی تھی جن کی تعلیم بعد کو اسلام کے ذریعہ سے اوّل عرب میں پھر روئے زمین میں دی گئی مثلاً ایفائے نذر محارم سے نکاح کی ممانعت قطع ید سارق دختر کشی کی مناہی۔ تحریم الخمر و زنا۔ اور یہ کہ کوئی شخص خانہ کعبہ کا ننگا طواف نہ کرے۔ عبدالمطلب کے واقعات زندگی میں ایک بڑا واقعہ چاہ زمزم کا ہے جس کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب سے خدا کے اس مقدس معبد کا نام جو سر زمین مکہ واقع ہے۔ کعبہ رکھا گیا۔ ساتھ ہی اس چشمہ کا نام زمزم رکھا گیا بلکہ بنا کعبہ کی تاریخ سے اس چشمہ کی تاریخ کچھ پہلے ہی تسلیم کی گئی ہے گویا یہی چشمہ مکہ کی آبادی اور بنا کعبہ کا سبب واقع ہوا اس چشمہ کی اصلیت یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دو بیویاں تھیں۔ ہاجرہ اور سارا دونوں سوکنوں میں سازگاری نہ تھی۔ اسلیے حضرت ابراہیم ہاجرہ کو ان کے بیٹے اسمعیل سمیت اس جگہ لے آئے جہاں اب خانہ کعبہ موجود ہے اور دونوں ماں بیٹوں کو اس غیر آباد صحرا میں چھوڑ کر شام واپس چلے گئے یہاں ہاجرہ اور ان کے معصوم بچے کو پیاس لگی کیوں کہ جو پانی اپنے ساتھ لائی تھیں خرچ ہو چکا پیاس کی شدت اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے ان پر مایوسی طاری ہوئی تو بے قراری کی حالت میں ہر چہار طرف پانی کی تلاش کرتی پھرتی تھیں۔ اتفاق سے کنکروں کو ڑے کرکٹ کے نیچے پانی کا نشان معلوم ہوا۔ کنکروں پتھروں کو ہٹایا تو پانی نکل آیا۔ ہاجرہ اس نعمت غیر مترقبہ پر شکر خدا بجا لائیں۔ خود بھی سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے فرزند کو بھی پلایا اور چشمہ کو محفوظ رکھنے کے لیے اس کی گرد اگرد منڈیر بنا دی۔ برسوں تک یہ چشمہ جاری رہا اور اس کی وجہ سے ارد گرد کے بہت سے قبائل یہاں ابسے۔ ایک مدت کے بعد جرہمیوں نے جو سب سے پہلے چشمۂ زمزم کے قریب آباد

---

[۱] آخر عمر میں بت پرستی ترک کرنے کا دعویٰ تو اس وقت کیا جائے جب ابتدائے عمر میں اس کا پتہ ملتا ہو کہ آپ بت پرستی کرتے تھے۔ لیکن کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ ۱۲

ہوئے جب خدا کی مقدس عبادت گاہ میں طرح طرح کے فسادات برپا کیے تو عمرو بن حارث جرہمی نے جو ان کا سردار تھا یا یں خوف اس سرزمین سے بھاگ جانے کا ارادہ کیا کہ مبادا جرہمیوں پر ان کے کردار ناشائستہ کی وجہ سے عذاب الٰہی ٹوٹ پڑے اور میں بھی ان کے ساتھ مبتلائے عذاب ہو جاؤں چنانچہ اس نے اپنی ساری قوم کو جمع کرکے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا۔ قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے اس کی اس رائے سے اتفاق کیا اور سب نے سرزمین مکہ سے نکل جانے پر عزم مصمم ظاہر کیا۔ عمرو نے قوم کے نفیس و قیمتی مال مثلاً سونے کی دو ہرنیاں اور تلواریں اور زرہیں اور حجر الرکن یا حجر المقام جو کچھ بھی کعبہ کا چڑھاوا تھا۔ اس چشمہ میں جو مرور زمانہ کی وجہ سے ایک خاصہ عمیق گڑھا ہو گیا تھا ڈلوا دیئے اور منڈیریں توڑ تاڑ کنکروں پتھروں سے پاٹ دیا۔ یہاں تک اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ پھر عمرو اپنی قوم کو یمن کی طرف لے بھاگا۔ اس زمانہ سے مدتوں تک یہ چشمہ پٹا پڑا رہا اور سیکڑوں برس گزر گئے کسی کو اس کی طرف خیال بھی نہ ہوا مگر عام الفیل کے سال عبدالمطلب کو اس کا خیال ہوا اور انہوں نے وہ جگہ کھود کر پانی نکالا۔

عبدالمطلب کے اس مقام خاص کے دریافت ہونے کی نسبت مورخوں نے بڑی موشگافیاں کی ہیں۔ مگر ایک روایت جو عقل و نقل دونوں کے مطابق صحیح تسلیم کی گئی ہے۔ مشہور مورخ ابن اسحاق نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس موقع پر نقل کی ہے۔ کہ عبدالمطلب کا بیان ہے کہ میں ایک روز حطیم کعبہ میں سوتا تھا۔ خواب میں ایک شخص آکر کہنے لگا کہ طیبہ کو کھود کر پانی نکال میں نے کہا طیبہ کہاں ہے؟ اس کا اس نے کچھ جواب نہیں دیا اور غائب ہو گیا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہ شخص نئے نئے نام لیتا رہا۔ چوتھے روز کہا زمزم کو کھود۔ میں نے زمزم کا پتہ پوچھا تو کہا قریۃ النمل کے متصل۔ میں صبح ہوتے ہی اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لے کر اس موقع پر پہنچا اور کھودنا شروع کیا۔ تین روز تک ہم دونوں باپ بیٹے برابر کھودا کیے۔ چوتھے روز ایک پختہ منڈیر نمودار ہوئی اور اندر سے پانی چمکا۔ عبدالمطلب زمزم کے کھودنے میں کامیاب ہوتے تو ان کی زبان سے بے ساختہ نعرہ اللہ اکبر نکلا اور ساتھ یہ بھی ھٰذَا طی اسمٰعیل یہ سن کر بہت سے لوگ زمزم پر آ جمع ہوئے اور عبدالمطلب کی مزاحمت کرکے فساد پر آمادہ ہو گئے اور لگے کہنے کہ یہ کنواں ہمارے باپ اسمٰعیل کا بنایا ہوا ہے۔ اس میں ہم اور تم دونوں شریک رہیں گے۔ اگر تم ہماری شرکت تسلیم کرو۔ بہتر ورنہ ہم تم کو اس بات پر مجبور کریں گے کہ یا تو تم ابھی اس پر سے اپنا قبضہ اٹھا لو۔ یا ہم سے لڑنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ ہم اس کنوئیں کو بدستور پاٹ دیں گے اور پھر اپنے خرچ سے کھدوا کر تیار کر لیں گے۔ عبدالمطلب نے نرمی کے ساتھ اس فساد کی آگ کو دبا دیا اور کسی تدبیر سے اپنے مقصد پر کامیاب ہو گئے" (امہات الامہ صفحہ ۴۰)

(مذکورہ بالا واقعات زیادہ تفصیل سے سیرۃ ابن ہشام جلد ا صفحہ ۹۸ و تاریخ کامل جلد ا صفحہ ۵ و تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۹۷ و سیرۃ ابن ہشام و تاریخ خمیس وغیرہ میں موجود ہیں)

مولوی نذیر احمد صاحب نے آخر میں جو لکھا کہ عبد المطلب نے نرمی کے ساتھ اس فساد کی آگ کو دبا دیا۔ اس میں حد درجہ کی حق پوشی سے کام لیا۔ اس وجہ سے ضرورت ہے کہ ہم اس کی تفصیل کر دیں اس لیے کہ اس سے جناب عبد المطلب کا خدا کے ہاں خاص درجہ ثابت ہوتا ہے اور ہم اس واقعہ کو (مجازاً) جناب عبد المطلب کا معجزہ کہہ سکتے ہیں۔ اصلاح نمبر ۶ جلد ۳ میں اس کو مختصر طور پر لکھا گیا تھا۔ اسی کی نقل مناسب ہے۔ جناب عبد المطلب کو جس وقت یہ بشارت ملی اس وقت تک ان کے ایک ہی فرزند تھا جس کا نام حارث تھا۔ جس کے ساتھ وہ چاہ زمزم کھودنے میں مشغول ہوئے۔ جب کچھ کامیابی نظر آئی تو نعرہ تکبیر بلند کیا۔ قریش سمجھے کہ یہ کامیاب ہوئے۔ حصہ لینے کو آموجود ہوئے کہ یہ کنواں تو ہمارے جد اسمعیل کا ہے۔ ہم سب شریک ہیں جناب عبد المطلب نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا نے اس کو خاص ہمارے حصہ میں دیا ہے مگر قریش اور تیز ہو کر کہنے لگے نہیں نہیں۔ تم تنہا اس پر متصرف نہیں ہو سکتے۔ ہم کبھی نہیں چھوڑیں گے اس میں سب کا حصہ مساوی ہے۔ اب ایک طرف جناب عبد المطلب تنہا ہیں۔ دوسری طرف کل قریش کا مجمع ہے۔ طرفین میں ردو بدل ہوتی رہی۔ آپ فرماتے کہ یہ ہم پر خدا کی خاص نعمت ہے اور وہ لوگ اس کو جمہوری جائداد بنانا چاہتے تھے۔ آخری فیصلہ یہ ہوا کہ بنی سعد کی کاہنہ پاس چلو جو مشارف شام میں رہتی ہے وہ جو کچھ فیصلہ کر دے اس پر سب راضی ہو جائیں۔ اس کے بعد قریش کے ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص منتخب ہوا جو اس خاندان کا بزرگ تھا۔ اور سب کے سب مع حشم و خدم شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب عبد المطلب بھی اپنے دو چار ساتھیوں کے ہمراہ چلے۔ یہ سفر بہت طولانی تھا کہ اونٹ کی سواری پر ملک شام جانا تھا۔ اس سبب سے خاص کر پانی کا زیادہ مقدار میں ساتھ رکھنا ضروری ہوا۔

مگر ابھی اس سفر کی چند ہی منزلیں طے ہونے پائیں تھیں کہ اثنا راہ میں جناب عبد المطلب کے پاس کا کل پانی ختم ہو گیا اس کے بعد سب پیاسے ہوئے لیکن نہ کہیں کنواں نظر آیا نہ دریا۔ نہ چشمہ۔ اس کے ساتھ سفر کا تعب۔ جس سے پیاس کی اتنی شدت ہوئی کہ جناب عبد المطلب اور ان کے ساتھی قریب بہ ہلاکت پہنچ گئے۔ اب زندگی اور موت کا فیصلہ تھا۔ مجبوراً ان بیچاروں نے سرداران قریش سے جو اس نزاع میں فریق مخالف تھے پانی مانگا ہم لوگ پیاس سے مرا چاہتے ہیں۔ تھوڑا پانی پلا دو۔ مگر ان سب نے قطعی انکار کر دیا اور ایک شخص کو بھی رحم نہ آیا۔ جب جناب عبد المطلب نے دیکھا کہ یہ لوگ جو ہمارے ہم وطن ہم قبیلہ سب ہی ہیں کسی طرح پانی نہیں دیتے اور ہماری سخت پیاس پر کسی کو رحم نہیں آتا اور اب پیاس سے مرجانا یقینی ہے تو خیال اس رسوائی کے کہ سب برے حال سے مرے پڑے رہیں گے اور کسی کو کفن و دفن میسر نہیں ہوگا یہ رائے دی کہ ہم سب اپنے اپنے لیے ایک ایک گڑھا بطور قبر تیار کریں تاکہ جو شخص مرتا جائے اس کو دفن کرتے جائیں۔ آخر میں ایک ہی شخص ایسا

رہنے گا جو بے دفن پڑا رہے اور ایک شخص کا اس طرح پڑا رہنا بہتر ہے اس سے کہ سب کے سب بے دفن رہیں ساتھیوں نے اس رائے کو پسند کیا اور فوراً اس کی تعمیل شروع کر دی۔ گڑھے کھدنے لگے اور قریش جو آپ کے مخالف جا رہے تھے کھڑے تماشہ دیکھتے رہے۔ دوسرے روز جناب عبد المطلب نے سوچا کہ اس طرح سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور اپنے کو موت کے حوالے کر دینا نامردی ہے۔ کچھ کوشش کرنی اور ادھر ادھر پانی کی تلاش میں نکلنا چاہیئے۔ تاکہ اسطرح ہم لوگوں کے نام میں عاجزی کا دھبہ نہ لگنے اور بے بسی کی موت نہ ہو۔ یہ طے کرکے آپ اونٹ پر سوار ہوئے، فلما انبعثت به راحلته انفجرت من تحت خفها عين مذبة من ماء فكبر وكبر اصحابه وشربوا وملؤا اسقيتهم۔ ثم دعا القبائل من قريش فقال هلموا الى الماء فقد سقانا الله فقال اصحابه لا نسقيهم لانهم لم يسقونا فلم يسمع منهم وقال فخن اذا مثلهم فجاءت القبائل من قريش فشربوا وملؤا اسقيتهم وقالوا قد والله قضى الله لك علينا يا عبد المطلب والله لا نخاصمك في زمزم ابدا ان الذي سقاك هذا الماء بهذه الفلاة لهو الذي سقاك زمزم فارجع الى سقايتك راشدا۔ فرجعوا اليه ولم يصلوا الى الكاهنة وخلوا بينه وبينها۔ جیسے ہی جناب عبد المطلب کی اونٹنی آپ کو اٹھا کر چلی فوراً اس کے پاؤں کے نیچے کی ریت مٹی اور دفعتہً آب سرد و خوش گوار کا چشمہ نمایاں ہوا۔ جس پر جناب عبد المطلب نے تکبیر کہی۔ آپ کے ساتھیوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا۔ پھر جو خوشی ہوئی کیوں کر بیان کی جائے۔ سب اس چشمہ سے سیراب ہوئے اور اپنی مشکیں بھی اس سے بھر لیں۔ اس کے بعد عبد المطلب نے قریش کے ان قبیلوں کو بھی جن سے نزاع تھی۔ آواز دی کہ آؤ تم بھی پانی لو کہ خدا نے ہم لوگوں کو سیراب کر دیا۔ اس پر جناب عبد المطلب کے ساتھیوں نے کہا ہم تو ان کو اس پانی سے نہیں پینے دیں گے۔ کیونکہ جب ہم پیاسے تھے تو ان کو کچھ بھی رحم نہ آیا اور ایک قطرہ بھی کسی نے ہمیں نہیں دیا مگر جناب عبد المطلب نے ان کی بات نہیں مانی اور فرمایا اگر ہم بھی ان کے ہی ایسا کریں تو پھر ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا رہا! الغرض وہ قریش بھی جمع ہو گئے اور سب نے اس پانی سے پیا اور اپنی مشکیں بھر لیں۔ جس کے بعد ان لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ اے عبد المطلب خدا کی قسم اللہ ہی نے ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا اور تمہیں فتح دیدی۔ خدا کی قسم اب زمزم کے بارے میں ہم تم سے کبھی نزاع نہ کریں گے کیونکہ جس خدا نے بر حق نے اس بے آب و گیاہ میدان میں یہ چشمہ ظاہر کرکے تمکو سیراب کیا اسی نے زمزم سے بھی تمکو سیراب کیا ہے۔ اب چلو تم اپنے اس کنوئیں پر اطمینان سے اور بے کھٹکے قبضہ کر لو ہم لوگ کچھ نہیں بولینگے اسطرح وہ لوگ کاہنہ کے پاس پہنچنے بھی نہ پائے اور وہیں سے پلٹ آئے اور دعویٰ جناب عبد المطلب کو چھوڑ دیا جناب عبد المطلب مکہ میں واپس آکر پھر چاہ زمزم کھودنے لگے یہاں تک کہ سونے کی ہرنیاں اور تلواریں اور زرہیں بھی برآمد ہوئیں اس وقت قریش نے پھر ہجوم کیا اور کہا اسمیں ہمارا حصہ بھی ہے جناب عبد المطلب نے کہا نہیں بلکہ یہ بھی ہم پر خدا کی خاص نعمت ہے مگر وہ لوگ نہ مانے تو آپ نے فرمایا اچھا آؤ قداح (قرعہ یا فال) سے اس کا فیصلہ کر لیا جائے ان سب نے پوچھا وہ کس طرح؟ فرمایا دونوں ہرنیاں ایک جگہ۔ تلواریں ان سے الگ

اور زرہیں علیحدہ رکھی جائیں اور دو تیر خانہ کعبہ کے دو تمہارے اور دو ہمارے ان پر ڈالے جائیں جس کا تیر جس پر پڑ جائے وہ چیز اسی کی ہو جائے اور جس کے حصہ میں کوئی چیز نہ پڑے وہ کچھ نہ لے سب راضی ہو گئے اور جناب عبدالمطلب کے اس انصاف کی داد دی۔ پھر تیر ڈالے گئے تو خانہ کعبہ کے دونوں تیر دونوں ہرنیوں پر اور جناب عبدالمطلب کے دونوں تیر تلواروں اور زرہوں پر پڑے مگر قریش کے تیر کسی چیز پر نہیں پڑے۔ اس طرح بھی فیصلہ جناب عبدالمطلب ہی کے موافق ہوا۔ اب آپ نے دونوں تلواریں خانہ کعبہ کے دروازے میں لٹکا دیں اور دونوں ہرنیوں کو توڑ کر ان کے چوڑے چوڑے ٹکڑے کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیئے اسطرح یہی وہ پہلا سونا تھا جس سے خانہ کعبہ کی زینت کی گئی اور ایک روایت ہے کہ وہ دونوں ہرنیاں اسی طرح خانہ کعبہ میں رکھ دی گئیں اور بعد میں کسی نے چرا لیں (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۶) نہایت حیرت خیز امر ہے کہ فاضل معاصر شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے حضرت رسول خدا صلعم کی مفصل سوانح عمری کئی ضخیم جلدوں میں لکھی ان کو چاہیئے تھا کہ حضرت کے جدِ معظم جناب عبدالمطلب کے اس عظیم الشان اور قابل فخر واقعہ کو نہایت اہمیت سے جلی حرفوں میں لکھتے اور دوسری قوموں کو دکھاتے کہ خدا نے آنحضرت کے اجداد تک کو کیسے فضائل و کرامات مرحمت فرمائے تھے۔ لیکن افسوس انہوں نے اس واقعہ کو صرف ڈیڑھ سطر میں اسطرح ختم کر دیا "عبدالمطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم جو ایک مدت سے اٹ کر گم ہو گیا تھا انہوں نے اسکا پتہ لگایا اور کھدوا کر نئے سرے سے درست کرا دیا" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۱) حضرت عبدالمطلب صرف جناب امیر علیہ السلام ہی کے دادا نہیں تھے اور نہ اس سے حضرت کی کوئی مخصوص فضیلت ثابت ہوتی تھی جس سے یہ خیال کیا جائے کہ اس موقع پر بھی اختصار ہی کی ضرورت تھی۔ الغرض اس کے بعد سب لوگ اور خاص کر حاجی حضرات نے دوسرے کنوؤں کو چھوڑ دیا اور چاہ زمزم سے پانی لیتے اسی کو وہ پسند کرتے اور اسی میں برکت سمجھتے۔ گزشتہ واقعات سے جناب عبدالمطلب نے دیکھا کہ بار بار قریش آپ کی مخالفت کرتے اور آپ سے نزاع کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو اپنی انتہائی سے متردد ہوئے اور خدا سے نذر کی کہ اگر آپ کو دس لڑکے مرحمت ہوں جو بالغ ہو کر لوگوں کے مقابلہ میں آپ کی مدد اور حمایت کریں تو آپ خدا کے ہاں تقرب حاصل کرنے کے لیے ایک لڑکے کو بطور قربانی ذبح کریں گے۔ خدا کے ہاں آپکا درجہ اس قدر بلند تھا کہ فوراً آپ کی دعا مقبول ہوئی اور خدا نے دس لڑکے آپ کو عنایت فرما دیئے۔ مولوی شبلی صاحب اسکو اسطرح لکھتے ہیں "انہوں نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی۔ دسوں بیٹوں کو لیکر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو دیکھو کس کا نام پر نکلتا ہے۔ اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا۔ یہ ان کو لیکر قربان گاہ کو چلے عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں رونے لگیں اور کہا ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجیئے۔ ان کو چھوڑ دیجیئے۔ عبدالمطلب نے پجاری سے کہا کہ عبداللہ پر اور دس اونٹوں قرعہ ڈالو۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ عبدالمطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیئے یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہنچی تو اونٹوں پر قرعہ آیا۔ عبدالمطلب نے

سو اونٹ قربانی کئے اور عبداللہ بچ گئے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۱)

شمس العلماء معاصر دہلوی لکھتے ہیں "جس سال عبداللہ کی شادی ہوئی ملک عرب پر چاروں طرف سے آفات کی بھرمار تھی اور طرح طرح کے مشکل مصائب لوگوں پر ٹوٹ رہے تھے اگرچہ سارا سال واقعات ہائلہ سے پر اور مصائب و آفات کا دنگل بنا ہوا تھا۔ لیکن ایک وہ واقعہ جس نے عرب کی بنیادوں تک کو ہلا ڈالا اور تمام ملک میں عام طور پر ہل چل ڈال دی یعنی یمن کے حاکم کا خانہ خدا پر خونخوار حملہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے:-

یمن کا حاکم ابرہتہ الاشرم ایک نہایت متعصب عیسائی تھا جس نے مذہبی تعصب کی وجہ سے خانہ کعبہ کی تخریب کا ارادہ کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ لوگ موسم حج میں نہایت ذوق شوق سے دور دراز کا سفر طے کر کے جوق جوق خانہ کعبہ میں آتے اور طواف و زیارۃ سے آتش شوق کو بجھاتے ہیں تو اس کے مذہبی تعصب کی آگ اور بھڑک اٹھی اور خانہ کعبہ کی تعظیم اور انتہا سے زیادہ جاہ و جلال دیکھ کر آتش حسد پر لوٹنے لگا۔ شہر صنعا میں ایک عظیم الشان گرجا بنایا اور زوار کعبہ کو اس کی زیارت کی تکلیف دی۔ لیکن جب لوگ اس گرجا کی زیارت کو نہ آئے تو ابرہہ غصے میں جھلا اٹھا اور ایک خونخوار لشکر کی سرکردگی میں خوفناک اور مہیب ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف بڑھا مکہ کے لگ بھگ پہنچا تو قریش اور کنانہ اور خزاعہ اور ہذیل کے قبائل سب مل کر لڑنے کو تیار ہوئے۔ لیکن جب انہوں نے ابرہہ کی فوج سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں دیکھی تو اپنے اہل و عیال کو لے کر مکہ کی اونچی اونچی پہاڑیوں پر جا چڑھے۔ عرب بے شک بہادر تھے۔ جانباز تھے۔ بڑے بڑے معرکوں میں بے خوف کود پڑتے تھے اور جان دے دینا ان کے نزدیک کوئی بات ہی نہ تھی۔ لیکن تو بھی انہوں نے گوارا نہیں کیا کہ ایسے زبردست اور ڈراؤنی شکل کے جانوروں کے مقابلہ میں سینہ بہ سینہ اور کلہ بہ کلہ ہو کر لڑیں۔

ابرہہ نے رستہ میں سے حمیر کو بطریق سفارۃ سرداران قریش کیطرف روانہ کیا اور کہلا بھیجا کہ میں تم لوگوں سے لڑنے کے ارادہ سے نہیں بلکہ صرف خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لیے آیا ہوں۔ اگر تم لوگ میری مزاحمت کرو گے۔ اور جنگ کی طرف مائل ہو گئے تو میرے پاس بہت سا سامان حرب موجود ہے۔ اس گفت شنید میں کئی روز گزر گئے اور قبائل قریش میں سے کسی کو ابرہہ سے مقابلہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ابرہہ نے رستہ صاف دیکھا تو جھٹ شہر مکہ میں آدھمکا۔ قبائل قریش پہلے ہی سے مکہ کی پہاڑیوں میں جا چھپے تھے۔ تاہم کعبہ مقدس کی عمارت میں کچھ لوگ اس غرض سے جمع بھی تھے کہ لشکر یمن کعبہ پر حملہ آور ہوگا۔ تو ہم ایک خون ریز جنگ کر کے اپنی جانیں کعبہ پر قربان کر دیں گے۔ ابرہہ کو معلوم ہوا تو اس نے اس روز کعبہ پر دھاوا کرنا مناسب نہ سمجھا اور آج کے حملہ کو کل کے لیے اٹھا رکھا۔ دوسرے دن کی صبح کو اپنی خونخوار فوج سامنے کے آگے بڑھا لیکن قبل اس کے کہ فوج کو دھاوے کا حکم دے اسے خیال آیا کہ جو لوگ کعبہ میں موجود ہیں انہیں پیام تو پہنچا دیا جائے تاکہ غفلت میں مرکر نہ رہ جائیں۔ چنانچہ اس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ کعبہ کے مجاوروں کا سردار کون ہے؟ سب نے کہا عبدالمطلب۔ ابرہہ نے عبدالمطلب کو بلا بھیجا اور تخلیہ میں گفتگو کی عبدالمطلب یہ کہتے ہوئے ابرہہ کی

مجلس سے باہر نکل آئے کہ جو اس گھر کا مالک ہے وہی اس کا محافظ ہے ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے گھر کو مخالفوں کی زد سے بچائے گا۔ اور اپنے گھر کے خادموں کو ذلیل و رسوا نہیں کرے گا۔ الغرض ابرہہ لشکر کو لے کر آگے بڑھا اور جب کعبہ کی دیواریں نظر آنے لگیں تو یکبارگی دھاوا کر دینے کا حکم دیا۔ خدا کا کرنا جوں ہی گستاخ لشکر نے خانہ خدا کی جانب قدم اٹھائے مکہ کی غربی سمت سے لشکر الٰہی نمودار ہوا یعنی بہت سے پرند چھوٹی چھوٹی کنکریاں پنجوں اور چونچوں میں لیے ہوئے فوج فوج آگئے اور لشکر یمن پر کنکریاں برسانے لگے جس پر کنکری پڑتی گولی کا اثر کرتی تھوڑی دیر میں سارا لشکر خداوندی غضب میں مبتلا ہو کر غارت ہو گیا۔ ظالم اور گستاخ ابرہہ اگرچہ زخموں سے چور ہو کر یمن کی طرف بھاگا۔ لیکن اس کا مرغ روح عقاب موت سے بچ نہیں سکا اور رستے ہی میں مر کر رہ گیا۔"

(امہات الامہ صفحہ ۱۸۴)

مسٹر امیر علی صاحب لکھتے ہیں کہ چوں کہ ابرہہ مکہ پر چڑھائی کرنے کے وقت ایک ہاتھی پر سوار تھا (جس کا نام محمود تھا) اور یہ جانور عربوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا اس سبب سے اس سال کا نام عام الفیل رکھا گیا وہ لکھتے ہیں کہ یہ حملہ آور فوج کچھ تو وبا کے نمودار ہو جانے سے اور کچھ مینہ اور ادلوں کے خوفناک طوفان سے تباہ و برباد ہو گئی۔ جس جگہ ان کے خیمے ڈیرے لگے تھے وہاں پانی نے اپنا قیام کر کے ان کے کوچ کا نقارہ بجا دیا۔ یہ واقعہ سنہ ۵۷۰ء کا ہے اور اسی واقعہ کی یادگار میں یہ سال عام الفیل کہلاتا ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ شمس العلما مولوی شبلی صاحب نے حضرت رسول خدا صلعم کی سوانح عمری میں اس واقعہ کو خوب جلی حرفوں سے لکھ کر اس کی اہمیت اور عظمت کو اچھی طرح دکھایا ہوگا۔ مگر کس قدر تعجب ہے کہ جناب عبدالمطلب کے حالات تو آپ نے لکھے لیکن اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا بلکہ اشارہ تک نہیں کیا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ البتہ مولوی نذیر احمد صاحب نے ذکر کیا ہے لیکن ان کی عبارت میں بھی بعض اہم چیزیں مجمل رہ گئیں اس وجہ سے ان کی تفصیل کی ضرورت ہے۔ مؤرخ مشہور علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے "ابرہہ نے ایک دستہ سواروں کا بسر کردگی اسود بن مقصود حبشی مکہ کی طرف روانہ کیا اس غرض سے کہ اونٹ وغیرہ باربرداری کے لیے اور کچھ آدمی اسباب وغیرہ کے اٹھانے اور لادنے کی غرض سے گرفتار کر لادیں۔ چنانچہ اسود ابن مقصود اطراف مکہ میں گیا اور اہل مکہ کی کچھ مویشیاں اور اونٹ جن میں دو سو اونٹ عبدالمطلب کے بھی تھے پکڑ لایا۔ عبدالمطلب ان دنوں قریش کے سردار اور مکہ کے سربرآوردہ آدمیوں میں تھے۔ پہلے ان کا قصد لڑائی کا ہوا لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے تو وہ خاموش رہے۔ ابرہہ نے دوسرے دن حناط حمیری کو مکہ کی طرف روانہ کیا تاکہ اہل مکہ کو اس کے ارادہ سے آگاہ کرے اور اگر اہل مکہ انہدام کعبہ سے کچھ چوں و چرا کریں تو لڑائی پر آمادہ ہو جائیں۔ عبدالمطلب نے یہ پیام سن کر جواب دیا واللّٰہ ما نرید حربہ وھذا بیت اللّٰہ فان یمنعہ فھو بیتہ وان یخل عنہ فما مانعہ خدا کی قسم ہم اس سے لڑائی کا ارادہ نہیں رکھتے۔ یہ اللہ کا گھر ہے پس اگر وہ (خدا) اس کو روکے تو یہ اسی کا گھر ہے۔ اگر وہ اس سے کچھ تعرض نہ کرے تو ہم اس کو دور نہیں کر سکتے) اور چند رؤسا قریش کو ہمراہ لے کر ابرہہ کے پاس گئے۔ پہلے ذونفر حمیری سے ملاقات کی جس کو ابرہہ نے قید کر رکھا تھا ذونفر نے فیل بان کے ذریعہ سے ابرہہ کو عبدالمطلب کے آنے کی اطلاع کرا دی۔ ابرہہ نے ان کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ تخت سے اتر کر فرش پر ان کے ساتھ بیٹھا۔ اثنائے کلام میں عبدالمطلب نے اپنے اونٹوں کی رہائی کی سفارش کی۔ ابرہہ نے متعجب ہو کر کہا بڑے تعجب کی بات ہے کہ کعبہ کے بارے میں تم نے مجھ سے کچھ التجا نہ کی۔ یہ تو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا مذہبی مکان ہے اور اونٹوں کا سوال کیا! عبدالمطلب نے جواب دیا انا رب الابل وللبیت رب سیمنعہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اونٹوں کو مانگتا ہوں۔ اور اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ وہ غالباً اس کو روکے گا۔ ابرہہ نے سن کر تھوڑی دیر تک سکوت اختیار کیا۔ بعد اس کے بے تامل عبدالمطلب کو ان کے اونٹ واپس کر دیئے۔

علامہ طبری تحریر کرتا ہے کہ اکثر مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ عبدالمطلب کے ساتھ عمرو بن لعابہ وغیرہ گئے تھے اور ابرہہ سے یہ درخواست کی تھی کہ تہامہ کی ثلث آمدنی خراج میں دی جائے گی۔ بشرطیکہ کعبہ منہدم نہ کیا جائے لیکن جب ابرہہ نے اس سے انکار کیا تو عبدالمطلب مع اپنے ہمراہیوں کے واپس آئے اور قریش اور کل اہل مکہ کو ہدایت کی کہ مکہ کو چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے جائیں اور خود وقت روانگی خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت ان کے پاس قریش کے چند منتخب آدمی موجود تھے اور سب گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے اور عبدالمطلب یہ اشعار پڑھ رہے تھے ؎

لاھم ان العبد یمنع رحلہ فامنع حلالک لا یغلبن صلیبھم ومحالھم ابدا محالک

وانصر علی آل الصلیب وعابدیہ الیوم آلک اے خدا بیشک بندہ روکتا ہے جو اس کے محل میں آتا ہے پس تو بھی منع کر اس کو جو تیرے مکان پر آئے ہرگز ان کی صلیب اور ان کا مکر کبھی تیرے مکر پر غالب نہ آئے گا اور مدد کر اہل صلیب اور اس کی پرستش کرنے والوں پر آج اپنے اہل کو۔

بعد اس کے عبدالمطلب مع اپنے ہمراہیوں کے پہاڑ پر چڑھ گئے اور ابرہہ کعبہ کے گرانے کی غرض سے مکہ کی طرف بڑھا اللہ جل شانہ نے ان پر چڑیوں کا ایک جھنڈ دریا سے بھیجا (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد صفحہ ۱۴۸) اور علامہ طبری نے لکھا کہ فیل بان نے ابرہہ سے کہا اے بادشاہ یہ سردار قریش آپ کے ہاں آئے ہیں اور آپ سے ملنے کی خواہش کرتے ہیں: یطعم الناس بالسھل والوحوش فی رؤس الجبال۔ یہ زمین پر آدمیوں کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحشی جانوروں (اور پرندوں) کو کھانا کھلایا کرتے ہیں۔ آپ اجازت دیں کہ وہ آپ کے پاس آئیں ابرہہ نے اجازت دی وکان عبدالمطلب رجلا عظیما وسیما جسیما جناب عبدالمطلب ایک عظیم الشان قدآور، وجیہ اور بارعب و جلال بزرگ تھے جب ابرہہ نے آپ کو دیکھا تو نہایت تعظیم و تکریم کی اور اپنے تخت سے اتر کر نیچے فرش پر بیٹھ گیا اور ان کو

اپنی بغل میں بٹھالیا پھر ترجمان سے کہا ان کے آنے کی غرض دریافت کرو۔ آپ نے فرمایا تمہارے لوگ میرے دو سو اونٹ پکڑ لائے ہیں انہیں واپس کردو۔ یہ سن کر ابرہہ نے ترجمان سے کہا ان سے کہو کہ جب تم میرے پاس آئے تھے تو تمہاری جلالت قدر اور عظمت و شان سے میری نظر میں تمہاری بڑی وقعت ہوگئی تھی مگر اب تم میری نظروں سے گر گئے۔ تم دو سو اونٹ کے لیے سوال کرتے ہو اور اس گھر (خانہ کعبہ) کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ جس کے گرانے کو میں آیا ہوں۔ حالاں کہ وہی تمہارا دین بھی ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین بھی اس پر جناب عبدالمطلب نے کہا میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لیے انہیں مانگتا ہوں۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا غرض جناب عبدالمطلب کے اونٹ واپس مل گئے۔ اور آپ نے اپنی جگہ آکر قریش کو پہاڑیوں پر روانہ کر دیا اور خود خانہ کعبہ کے دروازہ کا حلقہ پکڑ کر خدا سے دعا کرنے لگے۔ فرماتے تھے سہ

یارب لا ارجو لهم سواکا   یارب فامنع منهم حماکا

ان عدو البیت من عاداکا   امنعهم ان یخربوا فناکا

اے خدا میں ان لوگوں کے لیے سوائے تیرے کسی کی امید نہیں رکھتا ہوں۔ اے خدا ان لوگوں سے تو اپنے گھر کو محفوظ رکھ۔ اس گھر کا دشمن وہی ہے جو تیرا دشمن ہے۔ ان لوگوں کو تو اس سے باز رکھ کہ تیری عبادت گاہ کو ویران و برباد کریں۔ اس کے بعد وہ اشعار کہے ہیں جو اوپر ترجمہ ابن خلدون سے نقل کیے گئے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲)

اس واقعہ سے جناب عبدالمطلب کے ایمان و معرفت و عظمت و جلالت کی متعدد باتیں روشن ہوئیں۔ (۱) جناب عبدالمطلب کو خانہ کعبہ کی اتنی فکر تھی کہ پہلے خود ارادہ کیا کہ ابرہہ سے لڑیں مگر اس کی بے پناہ طاقت دیکھ کر خیال فرمایا کہ اس میں اہل مکہ ختم ہو جائیں گے اور اتنے لوگوں کا خون ضائع جائے گا۔ اس وجہ سے آپ اس ارادہ سے باز رہے (۲) جب ابرہہ مکہ میں آیا تو اس نے ایک قاصد بھیجا کہ جا کر مکہ والوں سے پوچھو ان کا سردار کون ہے اس نے دریافت کیا تو سب نے بالاتفاق جناب عبدالمطلب کو بتایا اور اس بیان میں کوئی اختلاف نہیں ہوا جس سے آپ کا کمال اقتدار واضح ہے (۳) جناب عبدالمطلب کا خدا پر توکل اور یقین انتہا درجہ کا ثابت ہوتا ہے کہ بار بار کہتے رہے اس گھر کا مالک خدا ہے وہ اس کی ضرور حفاظت کرے گا (۴) ابرہہ باوجودیکہ آپ کا مخالف تھا مگر آپ کے دبدبہ و شوکت کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ آپ کی تعظیم میں تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش پر آپ کی بغل میں بیٹھا (۵) جناب عبدالمطلب کو اہل مکہ کی حفاظت کا ایسا تردد تھا کہ سب کو پہاڑوں پر روانہ کر دیا مگر اپنی پرواہ نہیں کی اور خانہ کعبہ کا دروازہ پکڑ کر اس وقت خدا سے الحاح و زاری کرنے لگے (۶) پورے واقعہ میں کہیں بھی نہیں معلوم ہوتا کہ جناب عبدالمطلب نے اللہ کے سوائے کسی معبود کا نام لیا ہو یا کسی بت کا ذکر کیا ہو۔ یا کسی سے دعا کی ہو۔ حالاں کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے بڑے بتوں لات و عزیٰ و ہبل وغیرہ سے کیسی کیسی دعائیں کرتے تھے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ابتدا ہی سے موحد اور صرف اللہ کے ماننے والے تھے اور کسی وقت بھی بت پرستی کا خیال تک آپ کو نہیں ہوا (۷) انسان کو

مال و دولت بہت عزیز ہوتی ہے اور اس کے لیے وہ اپنی اولاد بلکہ اپنے مذہب تک کو چھوڑ دیتا ہے۔ مگر جناب عبدالمطلب کو اہل مکہ اور خانہ کعبہ اتنے عزیز تھے کہ آپ نے ان کی حفاظت کے لیے مال تک قربان کر دینے کا ارادہ کیا اور ابرہہ سے درخواست کی کہ تہامہ کی ثلث آمدنی خراج میں لے لو مگر خانہ کعبہ کو منہدم نہ کرو۔

اسی طرح جناب عبدالمطلب کے دوسرے بڑے عظیم الشان کارنامے ہیں۔ مہندی کا خضاب بھی آپ ہی نے ایجاد کیا کہ آپ سے پہلے کسی کو اس کا خیال تک نہیں ہوا تھا۔

جناب عبدالمطلب کی زندگی کا یہ بھی ایک بڑا واقعہ ہے کہ آپ نے ایک مظلوم یہودی کی حمایت نہایت شریفانہ عنوان سے کی اور اس کی وجہ سے اپنے دوست کی محبت کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے: حضرت عبدالمطلب کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا جس کا نام اذینہ تھا۔ وہ تجارت پیشہ آدمی تھا جس کی وجہ سے اس کے پاس بہت زیادہ دولت ہو گئی تھی۔ یہ بات حرب بن امیہ کو (جو معاویہ کا دادا تھا) بہت زیادہ ناگوار ہوتی وہ اس بات پر جلتا کہ اس یہودی کو اتنی دولت کیوں ملتی جاتی ہے یہ حرب حضرت عبدالمطلب کا مصاحب بھی تھا غرض اس نے اپنے حسد سے مجبور ہو کر قریش کے کچھ جوانوں کو آمادہ کیا کہ کسی طرح اس یہودی کو قتل کر دیں اور اس کا مال لوٹ لیں۔ اس پر دو شخص (۱) عامر بن عبد مناف بن عبدالدار اور (۲) حضرت ابوبکر کے دادا) صخر بن عمرو بن کعب تیمی نے مل کر اس یہودی کو قتل کر ڈالا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع جناب عبدالمطلب کو ہوئی تو آپ نے اس کی تحقیق شروع کی مگر ان کو کسی طرح پتہ نہیں چلا کہ اس یہودی کا قاتل کون ہے پھر بھی وہ اس خیال سے باز نہیں آئے اور برابر اس کی فکر اور جستجو میں لگے رہے یہاں تک کہ ان کو معلوم ہو گیا کہ فلاں فلاں شخص نے اس کو قتل کیا ہے۔ مگر وہ دونوں اصل بانی فساد حرب بن امیہ کی پناہ میں جا چکے تھے۔ تب حضرت عبدالمطلب اسی حرب کے پاس گئے اور اس کی ملامت کی کہ تم نے اس یہودی کے قاتلوں کو پناہ دے رکھی ہے۔ انہیں چھوڑ دو۔ لیکن حرب نے ان کے حوالہ کرنے سے انکار کیا اور دونوں کو پوشیدہ کر دیا۔ اس پر جناب عبدالمطلب اور حرب کے درمیان بات بڑھ گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو برا کہا اور اپنے کو دوسرے سے افضل بتایا۔ جب کسی طرح بات ختم نہیں ہوئی تو مفاخرہ (ایک دوسرے پر فخر یا محاکمہ کرنے یا حاکم کے پاس جا کر فیصلہ کرانے) کی ٹھہری۔ دونوں نے کہا آؤ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس چلیں اور اس سے فیصلہ کرائیں کہ ہم دونوں میں کس کا فخر زیادہ اور کس کا درجہ بڑھا ہوا۔

دونوں نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے ان کے درمیان پڑنے اور فیصلہ کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔ تب ان لوگوں نے مکہ معظمہ میں واپس آکر حضرت عمر کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ عدوی کو پنچ مقرر کیا۔ اس نے فیصلہ دیتے وقت حرب بن امیہ سے کہا کیوں حرب! کیا تم اس عظیم الشان بزرگ اور سردار سے مقابلہ و مفاخرہ کرنے چلے ہو جو قد و قامت میں تم سے بلند اور شان و شوکت جلال و جمال نیز عظمت و وجاہت میں تم سے افضل ہیں۔

جوعزت میں تم سے کہیں بڑھے چڑھے اور ذلت و نارت میں تم سے کہیں گھٹے ہوئے ہیں۔ جن کی اولاد تم سے زیادہ اور جن کی سخاوت و بخشش تم سے بہت بڑھی ہوئی ہے اور جو داد و دہش اور اقتدار و اختیار و دبدبہ و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہیں۔ میں یہ سب کہہ رہا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اے حرب تم میں بھی کچھ خوبی ہے کیوں کہ تم غیظ و غضب سے دور، عرب میں مشہور اور اپنی قوم کی حمایت کے لیے مضبوط رسی ہو۔ لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تم نے اس شخص سے مقابرہ و مفاخرہ کرنا چاہا ہے جس کے سامنے تم بالکل ہی حقیر و ذلیل ہو (اس وجہ سے میرا فیصلہ بھی ایسا ہی ہوا) یہ سن کر حرب ا امیّہ کو غیظ آگیا اور اس نے کہا یہ بھی اسی منحوس زمانہ کا انقلاب ہے کہ تمہارے ایسا شخص اس میں پنچ بنادیا گیا۔

اس کے بعد جناب عبدالمطلب نے حرب بن اُمیّہ کو اپنی مصاحبت سے نکال دیا اور عبداللہ بن جد تیمی کو اس کی جگہ مصاحب بنالیا۔ نیز آپ نے حرب ابن اُمیّہ سے سو اونٹنیاں وصول کیں اور ان سو کو اس مقتول یہودی کے چچازاد بھائی کے حوالہ کردیا۔ اور اس یہودی کا سب کھویا ہوا مال بھی وا مل گیا۔ سوائے چند چیزوں کے جو کسی طرح دستیاب نہ ہوسکیں۔ تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے مال سے ان چیزوں کا تاوان بھی اس یہودی کو ادا کردیا جس سے اس کی کل کمی پوری ہوگئی (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۶)

جناب عبدالمطلب ہی وہ پہلے بزرگ بھی ہیں جو حرا پہاڑ پر عبادت کیا کرتے۔ خصوصاً جب ماہ کا چاند دکھائی دیتا تو حرا پہاڑ پر جاتے اور مہینہ بھر مسکینوں کو کھانا تقسیم کرتے رہتے تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ باوجودیکہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا شاذ و نادر ہی کوئی شخص اس شرف کا مالک ہوتا مگر جناب عبدالمطلب میں یہ صفت بھی تھی چنانچہ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے مامون اپنے عظیم الشان کتب خانہ میں عرب جاہلیت کے زمانہ کا بھی بہت کچھ سرمایہ جمع کیا تھا۔ جاہلیوں کے اور اشعار کے علاوہ اس زمانہ کے خطوط۔ دستاویزات۔ معاہدے جہاں تک مل سکے، نہایت کوشش فراہم کئے تھے۔ اس کتب خانہ میں عبدالمطلب بن ہاشم کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرضہ کا ایک رقعہ موجود تھا چمڑے پر لکھا ہوا تھا اور اس کے یہ الفاظ تھے: حق عبد المطلب بن هاشم من اهل مكة فلان بن فلان الحميري من اهل وذل صنعا۔ عليه الف درهم فضة كيلا بالحديدة و متى دعا بها اجابه شهد الله و الملكان (رسائل شبلی صفحہ ۷۱) یعنی عبدالمطلب بن ہاشم ساکن مکہ کا قرض شخص پر ہے جو صنعا کا رہنے والا ہے۔ یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں۔ جب طلب کیا جائے گا تو وہ ادا کرے اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں۔ یہ واقعہ کتاب الفہرست لابن الندیم صفحہ ۸ میں بھی موجود ہے۔

جناب عبدالمطلب کے فضائل و آثار اس درجہ مشہور تھے کہ ان کے بعد ان کے خاندانی مخالف

سامنے بھی لوگ بے دھڑک بیان کردیتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابوالفرج اصفہانی نے بھی اس کا ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے لکھتے ہیں وذکروا ان دغفل النسابه دخل على معوية۔ فقال له من رايت من علية قريش۔ فقال رايت عبد المطلب بن هاشم وامية بن عبد شمس۔ فقال صفهما لى فقال كان عبد المطلب ابيض مديد القامة حسن الوجه فى جبينه نور النبوة وعز الملك يطيف به عشرة من بنيه كانهم اسد غاب۔ قال فصف لى امية۔ قال رايت شيخا قصير النحيف الجسم ضرير القوده عبدا ذكوان۔ فقال مه ذاك ابنه ابوعمر۔ فقال هذا شئ قلتموه بعد واحد ثمره۔ واما الذى عرفت فهو الذى اخبرتك۔ لوگوں نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ علم و نسب کا بڑا واقف کار شخص دغفل معویہ کے دربار میں حاضر ہوا تو دونوں میں اس طرح باتیں ہوئیں:-

معویہ:- اے دغفل بتاؤ تم نے بزرگان قریش سے کس کس کو دیکھا ہے۔

دغفل:- عبدالمطلب بن ہاشم اور امیّہ بن عبد شمس (بنو امیّہ کے بزرگ) کو دیکھا ہے۔

معویہ:- ذرا مجھ سے دونوں کی صورت شکل بیان کردو۔

دغفل:- جناب عبدالمطلب گورے۔ چمکتے رنگ۔ بلند قامت اور خوبصورت چہرے والے تھے۔ ان کی پیشانی میں نبوت کا نور اور بادشاہت کی عزت چمکتی رہتی تھی۔ ان کے دس جوان بیٹے ان کو اپنے حلقہ میں لیے رہتے اور وہ سب بھی ایسے تھے کہ معلوم ہوتا سب شیر نیستاں ہیں۔

معویہ:- اچھا اب امیّہ کی صورت شکل بیان کرو۔

دغفل:- وہ ایک ٹھنگنے (پست قامت) دبلے پتلے اندھے بڈھے تھے جن کو ان کا غلام ذکوان تمام کھینچتا پھرتا تھا۔

معویہ:- کیا بکتے ہو وہ ان کا بیٹا ابوعمر تھا۔

دغفل:- یہ بات اب تم لوگ کہنے لگے ہو اور بعد کو اس کی ایجاد کی گئی ہے۔ میں جو کچھ اس کی اصلیت جانتا ہوں وہی بیان کی ہے (اغانی جلد ۱ صفحہ ۸)

علامہ حلبی نے لکھا ہے: كان عبد المطلب يامر اولاده بترك الظلم والبغى ويحثهم على مكارم الاخلاق وينهاهم عن دنيئات الامور وكان يقول لن يخرج من الدنيا ظلوم حتى ينتقم منه وتصيبه عقوبة الى ان هلك رجل ظلوم من اهل الشام لم تصبه عقوبة فقيل لعبد المطلب فى ذلك ففكر وقال والله ان وراء هذه الدار دارا يجزى فيها المحسن باحسانه ويعاقب المسئ باساءته فالظلوم شانه فى الدنيا ذالك حتى اذا خرج من الدنيا ولم تصبه العقوبة فهى معدة له فى الاخرة ورفض فى آخر عمره عبادة الاصنام ووحد الله سبحانه وتعالى وتوثر عنه سنن جاء القرآن باكثرها

وجاءت السنة بها منها الوفاء بالنذر والمنع من نكاح المحارم۔ وقطع يد السارق والنهي عن قتل الموؤدة وتحريم الخمر والزنا وان لا يطوف بالبيت عريان۔ جناب عبدالمطلب اپنی اولاد کو حکم دیتے رہتے کہ خبردار کبھی ظلم، بغاوت یا کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرنا اور مکارم اخلاق اختیار کرنا اور دنائت کی باتوں سے بچتے رہنا۔ اور کہتے تھے کہ جو شخص کسی پر ذرہ برابر ظلم کرے گا وہ دنیا سے بغیر اس کی سزا پائے نہیں جا سکتا۔ اتفاق یہ کہ شام کا ایک ظالم شخص مر گیا۔ مگر اس کو اس کے ظلموں کی کوئی سزا نہیں ملی تھی۔ لوگوں نے جناب عبدالمطلب سے اس کا حال بیان کر کے پوچھا کہ اگر ظلم کا بدلہ دنیا میں ملنا ضروری ہے تو فلاں شخص کو کیوں نہیں ملا۔ آپ نے اس مسئلہ پر خوب غور کیا اور کہا کہ اس دنیا کے بعد ایک اور گھر (آخرت) بھی ہے جہاں اس دنیا کے اچھے کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ اور برا کام کرنے والوں کا برا بدلہ ملے گا۔ یعنی ظالم کی شان یہی ہے کہ دنیا میں اس کو بدلہ ملے اور اگر یہاں سے بچ کر چلا گیا اور اس کو کوئی بدلہ نہیں ملا تو آخرت میں اس کی سزا ضرور پائے گا۔ آپ نے آخر عمر میں بتوں کی پرستش ترک کر دی تھی اور صرف ایک اللہ سبحانہ کی عبادت کرتے تھے۔ آپ نے اپنے زمانہ میں ایسی اچھی باتیں ایجاد کیں کہ جب آپ کے بعد اسلام آیا تو قرآن مجید نے بھی ان باتوں کو قائم رکھا۔ اور احادیث رسول صلعم میں بھی ان کی تائید کی گئی۔ مثلاً نذر پوری کرنا۔ محارم (ماں۔ بہن۔ پھوپھی۔ خالہ۔ دادی۔ نانی وغیرہ) سے نکاح کو حرام سمجھنا۔ چور کا ہاتھ کاٹنا۔ دختر کشی سے باز رہنا۔ شراب پینے۔ زنا کرنے اور خانہ کعبہ کا ننگے طواف کرنے سے بچتے رہنا۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ا صفحہ ۴)

اس زمانہ کے بادشاہوں اور ارباب حکومت سے بھی آپ کے تعلقات دوستانہ تھے۔ اور وہ لوگ آپ کی نہایت عزت کرتے۔ علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے "سیف بن ذی یزن اس خداداد کامیابی کے بعد یمن کی مستقل حکومت کرنے لگا اور مقررہ سالانہ خراج کسریٰ کو بھیجتا رہا۔ عرب کے نامی شعراء نے تہنیت کے قصائد لکھے۔ امراء و عظماء قریش اس سے ملنے کو گئے اور اس غیبی امداد پر اس کو مبارکباد دی۔ منجملہ ان کے قریش کے نامی سردار عبدالمطلب (جد رسول صلی اللہ علیہ وسلم) بھی تھے۔ سیف ابن ذی یزن نے ان کی سب سے زیادہ تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھلایا اور کمال با عزت سے ان کو رخصت کیا (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ا صفحہ ۱۵۸) جناب عبدالمطلب ہر کمال میں اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ آپ کے اشعار بھی کثرت سے اور بہت ہی فصیح و بلیغ ہیں۔ مترجم تاریخ ابن خلدون نے لکھا ہے:

"علماء تفسیر و تواریخ نے واقعہ فیل میں اس امر پر اتفاق کر لیا ہے کہ اصحاب فیل پر چڑیوں کے ذریعہ سے سنگ باری کی گئی تھی۔ شعراء جاہلیت بھی اپنے اپنے قصائد میں اس کا ذکر کر رہے ہیں بغرض اثبات مدعا صرف عبدالمطلب کے چند اشعار ذیل میں تحریر کرتے ہیں جو اس واقعہ میں موجود تھے ؎

صرمت ومالك لا تصرم　　　وما اسلك من كبر اشيم

وبيد ولك الشيب بعد الشباب　　　فمالك من خلة مزعم
فدع عنك ذكر ليالي الوصال　　　فانك من ذكرها احلم
وعد القوافي ذات الصواب　　　بجيش اتاك به الاشرم
اراد ابرهه حصن بيت الاله　　　ليترك بنيانه يهدم
فردهم الله عن هدمه　　　واعياهم الفيل لا يقدم
بطير ابابيل ترميهم　　　كان مناقيرها المنسم

میں منقطع تعلق ہو گیا اور تجھ کو کیا ہو گیا ہے کہ تو منقطع نہیں ہوا اور سر تیرا پیری سے ابلق ہو گیا ہے۔ اور ظاہر ہو گیا تجھ پر بوڑھاپا جوانی کے بعد۔ پس تو عشق و دوستی سے کیا گمان رکھتا ہے۔ وصل کی راتوں کا ذکر ترک کر دے۔ کیونکہ تو اس کے ذکر سے زیادہ دانا ہے۔ اور ان اشعار کو پڑھ جو کہ سچے ہوں اور جن میں اس لشکر کا ذکر ہو جس کو اشرم (ابرہہ) لے کر آیا تھا۔ اس کے ذریعہ سے خانہ خدا کو گرانا چاہتا تھا کہ ویران و خراب پڑا رہ جائے پس اللہ نے ان کو گرانے سے روک دیا اور ان کے ہاتھیوں کو ایسا تھکا دیا کہ آگے نہ بڑھ سکے چڑیوں کے ایک جماعت سے جو ان کو مار رہی تھیں گویا ان کی چونچ دم الاخوین ہے (ترجمہ ابن خلدون جلد ا صفحہ ۱۵۴) اوپر بیان کیا گیا کہ آپ جب یتیم ہو گئے تو آپ کے چچا مطلب آپ کو مدینہ سے مکہ معظمہ لائے۔ جناب ہاشم کی کل جائدادیں اور خدمات مکہ سے سقایہ و رفادہ آپ کے حوالہ کر دیں اور پھر کچھ دنوں بعد قضا کر گئے۔ جناب عبدالمطلب اپنی کمسنی میں پدری جائداد و حقوق پر قابض ہوئے۔ لیکن چونکہ ہر طرح کمزور تھے آپ کے دوسرے چچا نوفل نے آپ کے انتظام کو درہم برہم کر دیا کہ آپ کو جو جائداد بطور میراث جناب ہاشم سے ملی تھی۔ اس میں سے بہت کچھ دبا لیا۔ جس پر حضرت عبدالمطلب نے بزرگان قریش سے استغاثہ کیا کہ چچا ہماری حق تلفی کرتے ہیں۔ تم لوگ انصاف کر دو۔ مگر بزرگان قریش نے اس کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ ہم لوگ تم چچا بھتیجے کے درمیان نہیں پڑیں گے۔ اب تو جناب عبدالمطلب بہت پریشان ہوئے کہ نہ سر پر باپ رکھتے ہیں۔ نہ وہ شفیق چچا زندہ ہے جو ان کو مدینہ سے یہاں لایا۔ نہ ان کی ماں قریشی ہیں جس سے انہیں ننھیالی قرابت کا کچھ زور حاصل ہو۔ نہ بچپن سے یہاں قیام رہا کہ ہر شخص سے رسم و اتحاد و محبت پیدا ہو گئے ہوں بلکہ ابھی ابھی چند سال ہوئے کہ اپنے ننھیال مدینہ سے یہاں آئے ہیں۔ جس سے آپ کا قیام گو اپنے خاندان ہی میں ہے۔ مگر بالکل اجنبی شان اور مسافرانہ عنوان سے۔ اور گو خوش حال بلکہ گویا شہزادے ہیں کہ تفویض ریاست کے بعد رئیس مکہ ہو گئے۔ لیکن بے کس و بے بس۔ بخلاف اس کے ان کا حریف نوفل جو چچا بھی ہے اور بزرگ خاندان بھی جس کے اختیارات بہ حیثیت شاہزادے بلکہ بطور ولیعہدی (کیونکہ جناب ہاشم کے بعد مطلب و نوفل ہی رئیس مکہ تسلیم کئے جاتے تھے اور جناب عبدالمطلب کی طرف سے تو سب کو بے خبری بلکہ مایوسی تھی)

بہت بڑھے ہوئے۔ اور قومی تعلقات و دوستانہ مراسم کل قبیلوں سے تیس چالیس سال سے مستحکم تھے لہٰذا سب نے دیدہ و دانستہ چشم پوشی کی اور کسی نے اس قضیہ نا خود ما میں دست اندازی مناسب نہ سمجھی۔ تب جناب عبد المطلب نے بمجبوری اپنے ماموں کو جو مدینہ کے مشہور قبیلہ بنو النجار کے سردار تھے ان کل واقعات کی تحریر کر کے ان سے مدد چاہی۔ اور ان کو حسب ذیل اشعار بھی لکھ بھیجے جن میں اپنے ظالم چچا نوفل کی تعدی اور سرداران قریش کی بے توجہی کی شکایت درج تھی:-

یا طول لیلی لاحزانی واشغالی	هل من رسول الی النجار اخوالی
ینبی عدیا ودینارا ومازنها	ومالکا عصمة الجیران عن حالی
قد کنت فیکم ولا اخشی ظلامة ذی	ظلم عزیزا منیعا ناعم البالی
حتی ارتحلت الی قومی وازعجنی	عن ذاک مطلب عمی بترحالی
وکنت ما کان حیا عما جیز لا	امشی العرضنة سحاب لا ذیالی
فغاب مطلب فی قعر مظلمة	وقام نوفل لی یعد وعلی مالی
ان رای رجلا غابت عمومته	وغاب اخواله عنه بلا والی
انحی علیه ولم یحفظ له رحما	ما امنع المرء بین العم والخال
فاستنفروا وامنعوا ضیما ابن اختکم	لا تخذلوه وما انتم بخذالی
ما مثلکم فی بنی قحطان قاطبة	حی لجار وانعام وافضال
انتم لیات من لا شت عریکته	سلم لکم وسمام لا یلغ الغالی

میرے حزن و اندوہ اور تردد و پریشانی سے میری رات کتنی لمبی ہو گئی (کیوں کہ رات بھر اسی غور و فکر میں جگتا رہتا ہوں اور بے اطمینانی کی وجہ سے نیند آتی ہی نہیں) کوئی ایسا شخص ہے جو مدینہ جا کر قبیلہ بنو النجار میں میرے ماموؤں کو میرے مصائب کی خبر دے دے۔ یعنی عدی و دینار و مازن و مالک کو جو پڑوسیوں کی بڑی حمایت کرتے ہیں۔ میرے حالات سے مطلع کرے (میرے ننہالی رشتہ دار و) میں آپ لوگوں میں اطمینان آرام اور بے فکری سے تھا جہاں کسی ظالم کے ظلم کا وہم و گمان بھی نہ ہو یہاں تک کہ میں اپنی قوم میں چلا آیا جس کے لیے میرے چچا مطلب نے مجھے ابھارا اور سفر پر آمادہ کیا جب تک وہ مرحوم زندہ تھے میں بے فکر اور خوش حال تھا۔ ہر طرف دامن پھیلائے ہوئے چہکتا پھرتا تھا۔ مگر افسوس مرحوم چچا مطلب قبر کی تاریکی میں پہنچ گئے اور ان کے بعد نوفل میرا مال لوٹنے پر آمادہ ہو گیا۔ کیا اس کو یہ جرأت اس سبب سے ہوئی کہ اس نے اپنے مقابلہ پر اس شخص کو (مجھے) دیکھا جس کے چچا تو ختم ہی ہو گئے اور اس کے ماموں بھی اس سے دور ہیں اور بغیر والی کے ہے۔ وہ چچا اس شخص (اپنے بھتیجے) پر ٹوٹ پڑا اور خون کی ذرہ برابر رعایت نہیں کی۔ جس شخص کے چچا اور ماموں سب موجود ہوں وہ کس درجہ محفوظ اور مطمئن ہوتا ہے۔

اب اے میرے ماموں حضرات! آپ لوگ جلد اٹھئے اپنے بھانجے کو ظلم و ستم سے بچائیے اور اس کی طرف سے غفلت نہ کیجئے کیوں کہ آپ لوگ کبھی میری حمایت سے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ بنو قحطان میں کسی ہمسایہ کے لیے اکرام و احسان کے اعتبار سے کوئی قبیلہ آپ لوگوں کا ایسا نہیں ہے۔ جو لوگ نرمی سے پیش آتے اور آپ سے صلح چاہتے ہیں ان کے لیے آپ لوگ بھی خوب نرم رہتے ہیں اور جو لوگ متکبر ہوتے گھمنڈ کرتے ہیں ان سب کے لیے آپ حضرات بھی خوب تیز رہتے ہیں (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۱۷۹)

جس وقت یہ خبر ان کے ماموں ابو سعید کو ملی وہ اسّی آدمیوں کے ساتھ چلے اور خانہ کعبہ کے سامنے آکر اپنی اونٹنیوں سے اتر پڑے۔ ان کو دیکھ کر حضرت عبد المطلب کی باچھیں کھل گئیں۔ لپک کر دونوں ماموں بھانجے بغلگیر ہوئے پھر جناب عبد المطلب نے کہا ماموں جان مکان پر تشریف لے چلیں اور آرام فرمائیں۔ مگر انہوں نے کہا جب تک نوفل سے نہیں مل لوں گا کوئی کام نہیں کروں گا۔ نوفل خانہ کعبہ کے پاس بزرگان قریش کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ابو سعید اس کے سر پر پہنچ گئے۔ اور تلوار کھینچ کر کہا اے نوفل میں اس گھر کے مالک (خدا) کی قسم کھا کر کہتا ہوں میرے بھانجے کی جائداد ان کو واپس کر دے ورنہ میں اپنی تلوار کو تیرے خون سے سرخ کر دوں گا۔ نوفل نے کہا میں تیار ہوں کوئی عذر نہیں چنانچہ اس نے اس کے کل حقوق واپس کر دیئے۔ اور جو لوگ اس جگہ موجود تھے ان سب کو اس پر گواہ کر کے ابو سعید نے جناب عبد المطلب سے کہا اے میری بہن کے لال چلو اب میں تمہارے ہاں ٹھہروں چنانچہ تین روز تک وہ رہے پھر سب لوگ عمرہ بجا لا کر اپنے گھر واپس گئے۔ اس واقعہ نے جناب عبد المطلب کو مجبور کیا کہ کچھ لوگوں سے ہم عہدی کریں (تاکہ وہ لوگ ایسے وقتوں میں کام آیا کریں) چنانچہ بشر بن عمرو و ورقاء بن فلان اور بنی خزاعہ کے بہت لوگوں کو بلایا اور خانہ کعبہ میں ان لوگوں سے عہد و پیمان کئے گئے اور اس کے متعلق ایک عہد نامہ بھی لکھا گیا (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ و کامل جلد ۲ صفحہ ۵)

جناب عبد المطلب کے کئی بھائی بہن تھیں علامہ دیار بکری نے لکھا ہے: جناب ہاشم کے چار بیٹے ہوئے (۱) عبد المطلب (۲) اسد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نانا تھے (۳) ابو صیفی (۴) نضلہ اور پانچ بیٹیاں ہوئیں۔ (۱) شفا (۲) خالدہ (۳) صفیہ (۴) رقیہ (۵) حمنہ۔ جناب عبد المطلب کی ماں مدینہ کے قبیلہ نجار کی معزز بیوی سلمیٰ تھیں اور جناب اسد کی ماں قیلہ (مکہ کی رہنے والی) تھیں جو بیٹی تھیں عامر بن مالک خزاعی کی اور ابو صیفی و حمنہ کی ماں ہند بنت عمرو بن ثعلبہ خزرجیہ تھیں اور نضلہ اور شفا کی ماں قضاعہ کی ایک عورت تھیں اور خالدہ و صفیہ کی ماں واقدہ بنت ابو عدی مازنیہ تھیں۔ (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۷۹) یہ بھی خدا کا فضل تھا کہ جناب ہاشم کی عمر صرف بیس یا پچیس سال کی تھی (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۷) مگر اس قلیل عمر میں آپ کو خدا نے اتنی اولاد بھی دی اور آپ کے کارنامے بھی اسقدر حیرت انگیز ہوئے جو بڑے معمر لوگوں کے بھی سننے میں نہیں آتے اور جناب عبد المطلب نے پانچ عورتوں سے شادی کی جن سے بارہ یا تیرہ یا دس بیٹے اور چھ بیٹیاں ہوئیں بیٹے تو یہ ہوئے (۱) حارث (۲) زبیر (۳) ابو طالب (۴) حمزہ (۵) ابو لہب (۶) غیداق (۷) مقوم (۸) ضرار (۹) عباس (۱۰) قثم (۱۱) جحل یا مغیرہ (۱۲) عبد اللہ اور بیٹیاں یہ تھیں (۱) عاتکہ (۲) امیمہ (۳) بیضاء (۴) برہ (۵) صفیہ (۶) اروےٰ۔ اوپر مذکور ہو چکا کہ جناب عبد المطلب نے اپنی نذر کے مطابق اپنے پیارے فرزند جناب عبد اللہ کو ذبح کرنا

چچا مگر بھائی بہنوں نے روکا اور ان کے عوض اونٹ ذبح کرنے کی رائے دی چنانچہ سو اونٹ پر قرعہ نکلا اور جناب عبداللہ بچ گئے مگر جن کے رتبے خدا کے ہاں بڑے ہوتے ہیں ان کے ہاں امتحان بھی سخت ہوتا ہے جناب عبداللہ کی شادی ہونے کے بعد جناب عبدالمطلب کے سامنے ہی دنیا سے انتقال کر گئے اور جناب عبدالمطلب کو بہر طور آپ کا صدمہ اٹھانا پڑا مگر خدا نے ان کے صلب سے آپ کو بہترین فرزند بھی مرحمت فرما دیا جن کا نام محمد مصطفیٰ تھا اور جو آگے چل کر تمام عالم کے سردار و سید ہوئے۔ جناب عبدالمطلب کی عمر کسقدر ہوئی۔ اس کی تحقیق بہت دشوار ہے۔ بعض روایتوں میں ۱۱۰۔ بعض میں ۱۲۰۔ کسی میں ۸۲ اور کسی میں ۱۴۰ سال لکھا ہے۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے ۱۴۰ سال والی روایت کو اختیار کیا ہے اور شمس العلما مولوی شبلی صاحب نیز ہمارے علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے ۸۲ سال کے قول کو ترجیح دی ہے مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں عبدالمطلب نے ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۷) اور علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے "و عمر شریفش ہشتاد و دو سال بود (حیوۃ القلوب جلد ۲) اور یہی تحقیق مورخین یورپ کی بھی ہے چنانچہ پروفیسر سیڈیو نے خلاصہ تاریخ العرب میں جناب عبدالمطلب کا سن ولادت ۴۹۷ء لکھا ہے اور حضرت رسولخدا صلعم کا سال ولادت ۵۷۰ء مانا گیا ہے باسطرح آنحضرت کی ولادت کیوقت آپکی عمر ۷۳ سال کی ہوتی ہے اور جب آنحضرت صلعم آٹھ سال کے ہوئے تو گویا ۵۷۸ء میں آپ نے انتقال کیا اگر یہ حساب درست ہو تو بیاسی ۸۲ سال عمر کی روایت یقینی صحیح قرار پاتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ جناب ہاشم کی وفات کا سال اس زمانہ میں لوگوں نے ۵۱۰ء مانا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اسی وقت جناب عبدالمطلب پیدا ہوئے تھے اس حساب سے آپکی عمر ۶۸ سال کی قرار پاتی ہے ممکن ہے جن لوگوں نے اس زمانہ میں جناب ہاشم کی وفات کا عیسوی سال ۵۱۰ء لکھا ہے اپنی تحقیق میں غلطی کی ہو اسلیئے کہ جناب عبدالمطلب کی عمر کا قول کم از کم ۸۲ سال ہے اس حساب سے آپ کی ولادت ۴۹۶ء میں ثابت ہوتی ہے اور وہی جناب ہاشم کے انتقال کا سال بھی ہونا چاہیئے اور آپکی وفات تو بہر طور پر ۵۷۸ء میں ہوئی واللہ اعلم بالصواب۔

جناب عبداللہ

حضرت ہاشم کے پوتے حضرت عبدالمطلب کے بیٹے اور حضرت رسولخدا صلعم کے پدر بزرگوار بعض اقوال کے مطابق آپ حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ جناب عبدالمطلب کی ایک بیوی کا نام فاطمہ تھا جو عمرو بن عائذ بن عمرو بن مخزوم کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے بطن سے جناب عبداللہ۔ جناب ابوطالب زبیر۔ عبدالکعبہ۔ بیضا۔ امیمہ برہ۔ اور عاتکہ پیدا ہوئیں (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۸۰) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ شخصوں نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کیوجہ سے شہرت عام حاصل کی یعنی ابولہب ابوطالب عبداللہ۔ حضرت حمزہ اور حضرت عباس عام طور پر مشہور رہے ابولہب کا اصلی نام اور ہے یہ خطاب آنحضرت یا صحابہ نے دیا لیکن یہ غلطی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے کہ یہ لقب خود عبدالمطلب نے دیا تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ ابولہب نہایت حسین و جمیل تھا اور عرب میں گورے چہرہ کو شعلہ آتش کہتے ہیں فارسی میں بھی آتشیں رخسار ہے (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۱) اور فاضل دہلوی لکھتے ہیں عبدالمطلب کے چھوٹے فرزند عبداللہ پیغمبر صاحب کے والد نہایت متین اور سنجیدہ اور شریف طبیعت کے آدمی تھے اور نہ صرف جلالت نسب بلکہ مکارم اخلاق کیوجہ سے تمام جوانان قریش میں امتیاز کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ محاسن اعمال اور شمائل حظوہ میں فرد تھے۔ حرکات موزوں اور لطف گفتار میں اپنا نظیر نہیں

رکھتے تھے (امہات الامہ صفحہ ۱۴)

جناب عبداللہ کی کنیت ابوقثم یا ابو محمد یا ابواحمد تھی کان عبد اللہ اصغر بنی ابیہ و احبھم الیہ جناب عبداللہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے مگر اپنے والد کو سب سے زیادہ پیارے تھے (کامل جلد ۲ صفحہ ۱) باوجودیکہ کہ جناب عبدالمطلب کی اطاعت خدا کی یہ حالت تھی کہ آپ کی نذر کے مطابق جب ذبح کا قرعہ جناب عبداللہ پر پڑا تو فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ذبح کرنے لے چلے پھر لوگوں کے اصرار پر راضی ہوئے کہ آپ میں اور اونٹوں پر قرعہ ڈالا جائے مگر قرعہ عبداللہ ہی پر پڑتا رہا۔ جب سو اونٹ رکھے گئے تو اب قرعہ اونٹوں پر پڑا۔ اس پر فوراً لوگ بول اٹھے اے عبدالمطلب خدا تم سے راضی ہو گیا اور بجائے عبداللہ کے اس نے سو اونٹوں کی قربانی منظور کر لی۔ مگر جناب عبدالمطلب کی تشفی نہیں ہوئی۔ فرمایا نہیں خدا کی قسم میں نہیں مانوں گا جب تک سو اونٹ اور عبداللہ میں تین مرتبہ قرعہ نہ ڈالا جائے اور تینوں دفعہ اونٹوں پر نہ نکلے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ہر دفعہ اونٹوں ہی پر قرعہ نکلا تب جناب عبدالمطلب کو اطمینان ہوا جناب عبداللہ کے حسن و جمال کی یہ حالت تھی کہ عورتیں خود آپ کو پیغام دیتیں اور آپ کی عفت کی یہ حالت تھی کہ سب سے انکار کرتے تھے بعض عورتوں کی حالت لکھی ہے کہ آپ سے کہا یا فتی ھل لک ان تقع علی الآن و اعطیک مائۃ من الابل فقال لھا

اما الحرام فالممات دونہ   والحل لا حل فاستبینہ
فکیف بالامر الذی تبغینہ   یحمی الکریم عرضہ و دینہ

اے جوان کیا تم اس وقت میرے ساتھ ..... اس کے عوض میں تم کو سو اونٹ دوں گی۔ اس کے جواب میں جناب عبداللہ نے دو شعر پڑھے کہ حرام کاری تو میں مرتے وقت تک نہ کروں گا رہا حلال تو حلال کی صورت کا ذکر ہی نہیں ہے تا کہ میں اس کو دریافت کر دوں پھر جو تو کہتی ہے وہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ شریف اور معزز شخص اپنی آبرو اور مذہب دونوں کی حفاظت کرتا ہے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۴) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا۔ قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں۔ وہ اس وقت اپنے چچا وہب کے پاس رہتی تھیں عبدالمطلب وہب کے پاس گئے اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کیا اور عقد ہو گیا اسی موقع پر خود عبدالمطلب نے بھی وہب کی صاحبزادی سے جسکا نام ہالہ تھی شادی کی۔ حضرت حمزہ ان ہی ہالہ کے بطن سے ہیں ہالہ نے آنحضرت صلعم کو دودھ پلایا تھا۔ اس بنا پر حضرت حمزہ آنحضرت کے رضاعی بھائی بھی ہیں دستور تھا کہ نوشاہ شادی کے بعد تین دن تک سسرال میں رہتا تھا۔ عبداللہ تین دن سسرال میں رہے اور پھر گھر چلے آئے اس وقت ان کی عمر سترہ برس سے کچھ زیادہ تھی (زرقانی جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ سطر ۷) عبداللہ تجارت کے لیئے شام کو گئے۔ واپس آتے ہوئے مدینہ میں ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ عبدالمطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کیلئے

چاہا مگر بھائی بہنوں نے روکا اور ان کے عوض اونٹ ذبح کرنے کی رائے دی چنانچہ سو اونٹ پر قرعہ نکلا اور جناب عبداللہ بچ گئے مگر جن کے رتبے خدا کے ہاں بڑے ہوتے ہیں ان کے ہاں امتحان بھی سخت ہوتا ہے جناب عبداللہ کی شادی ہونے کے بعد جناب عبدالمطلب کے سامنے ہی دنیا سے انتقال کر گئے اور جناب عبدالمطلب کو بہر طور آپ کا صدمہ اٹھانا پڑا مگر خدا نے ان کے صلب سے آپ کو بہترین فرزند بھی مرحمت فرما دیا جن کا نام محمد مصطفٰی تھا اور جو آگے چل کر تمام عالم کے سردار وسید ہوئے۔ جناب عبدالمطلب کی عمر کسقدر ہوئی۔ اس کی تحقیق بہت دشوار ہے۔ بعض روایتوں میں ۱۱۰ بعض میں ۱۲۰ کسی میں ۸۲ اور کسی میں ۱۴۰ سال لکھا ہے۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے ۱۴۰ سال والی روایت کو اختیار کیا ہے اور شمس العلما مولوی شبلی صاحب نیز ہمارے علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے ۸۲ سال کے قول کو ترجیح دی ہے مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں عبدالمطلب نے ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۲۷) اور علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے "وعمر شریفش ہشتاد و دو سال بود (حیوۃ القلوب جلد ۲) اور یہی تحقیق مورخین یورپ کی بھی ہے چنانچہ پروفیسر سیڈیو نے خلاصۂ تاریخ العرب میں جناب عبدالمطلب کا سن ولادت ۴۹۷ء لکھا ہے اور حضرت رسولخدا صلعم کا سال ولادت ۵۷۰ء مانا گیا ہے اسطرح آنحضرت کی ولادت کیوقت آپکی عمر ۷۳ سال کی ہوتی ہے اور جب آنحضرت صلعم آٹھ سال کے ہوئے تو گویا ۵۷۸ء میں آپ نے انتقال کیا اگر یہ حساب درست ہو تو بیاسی سال عمر کی روایت یقینی صحیح قرار پاتی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ جناب ہاشم کی وفات کا سال اس زمانہ میں لوگوں نے ۵۱۰ء مانا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اسی وقت جناب عبدالمطلب پیدا ہوئے تھے اس حساب سے آپ کی عمر صرف ۶۸ سال کی قرار پاتی ہے ممکن ہے جن لوگوں نے اس زمانہ میں جناب ہاشم کی وفات کا عیسوی سال ۵۱۰ء لکھا ہے اپنی تحقیق میں غلطی کی ہو اسلیئے کہ جناب عبدالمطلب کی عمر کا قول کم از کم ۸۲ سال ہے اس حساب سے آپ کی ولادت ۴۹۷ء میں ثابت ہوتی ہے اور وہی جناب ہاشم کے انتقال کا سال بھی ہونا چاہیئے) اور آپکی وفات تو بہر طور پر ۵۷۸ء میں ہوئی واللہ اعلم بالصواب۔

جناب عبداللہ

حضرت ہاشم کے پوتے حضرت عبدالمطلب کے بیٹے اور حضرت رسولخدا صلعم کے پدر بزرگوار بعض اقوال کے مطابق آپ حضرت عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ جناب عبدالمطلب کی ایک بیوی کا نام فاطمہ تھا جو عمرو بن عائذ بن عمرو بن مخزوم کی صاحبزادی تھیں۔ ان کے بطن سے جناب عبداللہ۔ جناب ابوطالب زبیر۔ عبدالکعبہ۔ بیضا۔ امیمہ۔ برہ۔ اور عاتکہ پیدا ہوئیں (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۰۰) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ شخصوں نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کیوجہ سے شہرت عام حاصل کی یعنی ابولہب ابوطالب عبداللہ۔ حضرت حمزہ اور حضرت عباس عام طور پر مشہور ہے ابولہب کا اصلی نام اور ہے یہ خطاب آنحضرت یا صحابہ نے دیا لیکن یہ غلطی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے کہ یہ لقب خود عبدالمطلب نے دیا تھا جسکی وجہ یہ تھی کہ ابولہب نہایت حسین وجمیل تھا اور عرب میں گورے چہرہ کو شعلۂ آتش کہتے ہیں فارسی میں بھی آتشیں رخسار ہے (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۸) اور فاضل دہلوی لکھتے ہیں عبدالمطلب کے چھوٹے فرزند عبداللہ سید صاحب کے والد نہایت متین اور سنجیدہ اور شریف طبیعت کے آدمی تھے اور نہ صرف جلالت نسب بلکہ مکارم اخلاق کیوجہ سے تمام جوانان قریش میں امتیاز کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ محاسن اعمال اور شمائل مطبوع میں فرد تھے۔ حرکات موزوں اور لطف گفتار میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے (امہات الامہ صفحہ ۱۴)

جناب عبداللہ کی کنیت ابو قثم یا ابو محمد یا ابو احمد تھی کان عبد اللہ اصغر بنی ابیہ واحبہم الیہ جناب عبداللہ اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے مگر اپنے والد کو سب سے زیادہ پیارے تھے (کامل جلد ۲ صفحہ ۲) باوجود یکہ اس کے جناب عبدالمطلب کی اطاعت خدا کی یہ حالت تھی کہ آپ کی نذر کے مطابق جب ذبح کا قرعہ جناب عبداللہ پر پڑا تو فوراً ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور ذبح کرنے لے چلے پھر لوگوں کے اصرار پر راضی ہوئے کہ آپ میں اور اونٹوں پر قرعہ ڈالا جائے مگر قرعہ عبداللہ ہی پر پڑتا رہا۔ جب سو اونٹ رکھے گئے تو اب قرعہ اونٹوں پر پڑا۔ اس پر فوراً لوگ بول اٹھے اے عبدالمطلب خدا تم سے راضی ہو گیا اور بجائے عبداللہ کے اس نے سو اونٹوں کی قربانی منظور کر لی۔ مگر جناب عبدالمطلب کی تشفی نہیں ہوئی۔ فرمایا نہیں خدا کی قسم میں نہیں مانوں گا جب تک سو اونٹ اور عبداللہ میں تین مرتبہ قرعہ نہ ڈالا جائے اور تینوں دفعہ اونٹوں پر نہ نکلے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ہر دفعہ اونٹوں ہی پر قرعہ نکلا تب جناب عبدالمطلب کو اطمینان ہوا جناب عبداللہ کے حسن وجمال کی یہ حالت تھی کہ عورتیں خود آپ کو پیغام دیتیں اور آپ کی عفت کی یہ حالت تھی کہ سب سے انکار کرتے تھے بعض مورخوں نے ایک عورت کی حالت لکھی ہے کہ آپ سے کہا یا فتی ہل لک ان تقع علی الآن واعطیک مائۃ من الابل فقال لہا ۔

اما الحرام فالممات دونہ والحل لاحل فاستبینہ

فکیف بالامر الذی تبغینہ یحمی الکریم عرضہ ودینہ

اے جوان کیا تم اس وقت میرے ساتھ . . . . . اس کے عوض میں تم کو سو اونٹ دوں گی۔ اس کے جواب میں جناب عبداللہ نے دو شعر پڑھے کہ حرام کاری تو میں مرتے وقت تک نہ کروں گا رہا حلال تو حلال کی صورت کا ذکر ہی نہیں ہے تاکہ میں اس کو دریافت کروں پھر جو تو کہتی ہے وہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ شریف اور معزز شخص اپنی آبرو اور مذہب دونوں کی حفاظت کرتا ہے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں۔ وہ اس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ انہوں نے منظور کیا اور عقد ہو گیا اسی موقع پر خود عبدالمطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے جسکا نام ہالہ تھی شادی کی۔ حضرت حمزہ ان ہی ہالہ کے بطن سے ہیں ہالہ نے آنحضرت صلعم کو دودھ پلایا تھا۔ اس بنا پر حضرت حمزہ آنحضرت کے رضاعی بھائی بھی ہیں دستور تھا کہ نوشاہ شادی کے [illegible] دن تک سسرال میں رہتا تھا۔ عبداللہ تین دن سسرال میں رہے اور پھر گھر چلے آئے اس وقت [illegible] برس سے کچھ زیادہ تھی (زرقانی جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ سطر ۷) عبداللہ تجارت کے لیئے شام کو گئے [illegible] مدینہ ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ عبدالمطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے [illegible] صاحب کے

بھیجا۔ وہ مدینہ میں پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ چوں کہ یہ خاندان میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔ تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا۔ عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ۔ بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمن تھا۔ یہ سب چیزیں رسول اللہ کو ترکہ میں ملیں۔ ام ایمن کا اصلی نام برکت تھا" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۱۲) معاصر موصوف نے اس کی تصریح نہیں کی کہ جناب عبداللہ کی عمر وفات کے وقت کیا تھی۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ ۲۵ یا ۱۸ سال کے تھے اور حضرت رسول خدا صلعم کی ولادت سے پہلے انتقال کیا (کامل جلد ۲ صفحہ ۲) جناب عبداللہ مقام الوابین دفن کئے گئے (خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۱۱) افسوس جناب عبداللہ کی زندگی بہت مختصر ہوئی اور جتنے رہے بھی اپنے والد کیساتھ رہے۔ اسوجہ سے آپ کے حالات میں ویسے جلیل القدر کارنامے نہیں ملتے جیسے جناب ہاشم وغیرہ کے۔ ظاہر ہے کہ زمانہ آپ کی سرداری کا تھا ہی نہیں جس میں آپ کوئی خاص اور غیر معمولی کام کر سکتے البتہ جوانی خصوصًا اس زمانہ جاہلیت کے عہد شباب میں کسی شخص کا اپنے کو باعفت ثابت کرنا محیر العقول وصف تھا اور تعجب بالائے تعجب یہ تھا کہ جناب عبداللہ پر عورتیں اس طرح فریفتہ ہوتیں جس طرح جناب یوسف پر ہوئیں تھیں اور آپ نے ہر موقع پر انکار کر کے اپنے کو صرف اعلیٰ درجہ کا متقی ہی نہیں ثابت کیا بلکہ اپنے والد کا مطیع بھی اس حد تک دکھایا۔ جس کی مثال بمشکل مل سکتی ہے۔

حضرت ابوطالبؑ

جناب عبدالمطلب کے صاحبزادے اور جناب عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے کہ دونوں بزرگوں کی مادر گرامی جناب فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھیں جناب عبداللہ سے آپ بڑے تھے۔ بلکہ جناب عبداللہ جناب عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ فاضل معاصر دہلوی نے لکھا ہے "یوں تو عبدالمطلب کی اولاد ذکور میں بقول بعض دس اور بقول بعض تیرہ تھی مگر سب میں باوقار اور عقلمند ابوطالب تھے یہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت مہربان تھے اور اپنے باپ عبدالمطلب کے انتقال کے بعد پیغمبر صاحب کی پرورش کے متکفل یعنی پیغمبر صاحب کی کفالت و ترتیب ان ہی سے متعلق تھی پیغمبر صاحب نے ان ہی کے کنار عاطفت میں نشوونما پایا اور جبتک زندہ رہے پیغمبر صاحب کی حمایت و نصرت میں مصروف رہے (امہات الامۃ صفحہ ۴۴) اور جناب مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے اسوقت آنحضرتؐ کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت بھی ساتھ تھے اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے۔ عبدالمطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آنحضرتؐ کی تربیت سپرد کی ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اسکی تفصیل آگے آتی ہے۔ عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازدواج سے تھے انہیں سے آنحضرتؐ کے والد عبداللہ اور ابوطالب ماں جائے بھائی تھے اسلئے عبدالمطلب نے آنحضرت کو ابوطالب ہی کی آغوش تربیت میں دیا۔ ابوطالب آنحضرت صلعم سے اسقدر محبت رکھتے تھے کہ آپکے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ سوتے تو آنحضرتؐ کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۲۸) حضرت رسول خدا صلعم پر بھی آپ کی شفقت کا خاص اثر تھا۔ چنانچہ جناب امیرؑ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد فرماتی تھیں کہ جب جناب عبدالمطلب پر آثار

موت ظاہر ہوئے تو آپ نے اپنے لڑکوں سے دریافت کیا کہ میرے فرزند محمد کی کفالت کون کرے گا[1] سب نے کہا وہ ہم سب لوگوں سے زیادہ سمجھدار ہیں آپ انہیں سے کہئے کہ کسی کو تجویز کر لیں۔ اس پر جناب عبدالمطلب نے کہا محمدؐ تمہارا دادا تو قیامت تک کیلئے تم سے رخصت ہوتا ہے۔ اب تم اپنے چچا اور پھوپھی سے کس کی کفالت میں رہنا پسند کرتے ہو؟ محمدؐ نے سب کی طرف نظر کی پھر دوڑ کر ابوطالب کے پاس آ گئے۔ یہ دیکھ کر جناب عبدالمطلب نے ابوطالبؑ سے کہا ابوطالب! میں تمہاری دیانت اور امانت سے اچھی طرح واقف ہوں دیکھو تم بھی محمدؐ کے لیے ویسا ہی مہربان اور سینہ سپر ثابت ہونا جیسا میں رہا ہوں۔ پھر جناب عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا تو ابوطالبؑ نے محمدؐ کو اپنے متعلق لے لیا۔

جناب ابوطالبؑ بھی مکارم اخلاق اور انسانی خدمات جلیلہ کے اعتبار سے اپنے بزرگوں ہی کے مثل ثابت ہوئے اور خصوصًا حضرت رسول خدا صلعم کی حفاظت و حمایت تربیت تو آپ نے اسطرح کی کہ حقیقی باپ بھی عمومًا نہیں کرتے۔ آپ کو کبھی معلوم ہی نہیں ہوا کہ یتیم ہو گئے ہیں یا آپ کی ماں کا انتقال ہو گیا ہے یا شفیق دادا کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہے۔ ایک وفادار نگہبان کی طرح آپ کو اپنے سے لپٹائے اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر حضرت کی کفالت کرتے رہے۔ کسی وقت اپنے سے الگ نہ ہونے دیتے۔ اپنے پہلو میں لٹاتے۔ بنفس نفیس آپ کی خدمت انجام دیتے، کھانے پینے پہننے اور جملہ اسباب راحت میں اپنے اہل و عیال پر آپ کو مقدم رکھتے۔ اور خاصکر کفار قریش اور اشرار یہود سے آپ کی حراست و نگہبانی فرماتے (روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۹۷) حضرت ابوطالب جناب عبدالمطلب کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے (ایروِنگ صفحہ ۱۶) انکو علاوہ اس بزرگی کے جو خانہ کعبہ کی حفاظت کے سبب حاصل تھی یہ وجاہت تھی کہ قوم قریش کے تاجروں میں سے تھے۔ اور اس قافلہ کیساتھ جو آپکے جد امجد ہاشم نے جاری کیا تھا اور ملک شام اور یمن میں تجارت کرتا تھا بڑے کوشاں رہے۔ (ایروِنگ صفحہ ۱۲) مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "شام کا سفر ابوطالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آں حضرت کی عمر تقریبًا بارہ برس کی ہوگی کہ ابوطالبؑ نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا۔ سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرتؐ کو ابوطالب سے اسقدر محبت تھی کہ جب ابوطالبؑ چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے۔ ابوطالبؑ نے آپکی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ عام مؤرخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابوطالبؑ بصرے میں پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جسکا نام بحیرا

[1] جناب عبدالمطلب آنحضرت صلعم کو نہایت عزیز رکھتے اور برابر اپنے ساتھ بٹھاتے اٹھاتے کھلاتے پلاتے علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے عبدالمطلب کیلئے کعبہ کے سایہ میں فرش بچھایا جاتا تھا اور اس پر انکے بیٹوں میں سے کوئی نہ بیٹھتا تھا محض ان کی تعظیم کی غرض سے اور رسولؐ خدا جب تشریف لاتے تو اسی پر بیٹھتے پس آپ کے چچا آپ کو ہٹانا چاہتے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے کہ میرے بیٹے کو یہیں بیٹھا رہنے دو کہ میرے اس فرزند کی بڑی شان ہے" (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۱)

تھا۔ اس نے آنحضرت کو دیکھ کر کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تم نے کیوں کر جانا۔ اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لیے جھک گئے۔ "سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۷۹"
اس کے بعد اس راہب نے جناب ابوطالبؑ سے کہا کہ جلد اس لڑکے کو اپنے وطن واپس لے جاؤ۔ اور ان سے یہودیوں سے بچاؤ کیوں کہ اگر وہ لوگ اسے دیکھ لیں اور جو شان اس کی میں جانتا ہوں وہ بھی پہچان لیں گے تو مجھے خوف ہے کہ وہ ان سے شرارت کریں گے فانہ کائن لہ شان عظیما یعنی کہ اسکے لڑکے کی بڑی شان ہونیوالی ہے غرض جناب ابوطالب اپنے اسباب تجارت وہیں فروخت کر کے واپس آئے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۳ وغیرہ)

جناب ابوطالبؑ برابر حضرت رسول خدا صلعم کی بھلائی اور ترقی کی فکر میں رہتے مگر خاندان بنی ہاشم کی سخاوت اور کثرت اولاد کی وجہ سے اب اس کی مالی حالت دیسی نہیں رہی تھی اور ہوتی بھی کیونکر، جو لوگ اپنی دولت دن رات دوسروں کی ذات میں صرف کرتے رہتے ان کے اپنے لیئے کہاں سے بچتی۔ مگر جناب ابوطالب کے دماغ نے اس ناداری میں بھی آپ کو بیکار کو نہیں رہنے دیا آپ نے یہ تدبیر نکالی کہ لوگوں کا مال تجارت اجرت پر باہر بھیجنا چاہیئے۔ چنانچہ اس زمانہ میں شہر مکہ میں ایک شریف مالدار اور نہایت معزز بی بی جناب خدیجہ تھیں۔ وہ بھی قبیلہ قریش ہی سے تھیں۔ ان کی تجارت کا سلسلہ بڑے پیمانہ پر جاری تھا اور دولت بھری ہوئی تھی اس سبب سے بھی خاص عظمت کی نظر سے دیکھی جاتیں۔ انہیں بی بی خدیجہ کے ایک رشتہ دار خزیمہ بن حکم کی سفارش سے جو آنحضرت صلعم کے بڑے دوست تھے جناب خدیجہ نے حضرت سے فرمائش کی کہ آپ میرا مال باہر لے جا کر بیچا کریں اور اسکا معاوضہ بھی حضرتؐ کو اوروں سے دوگنا منظور کیا جناب ابوطالبؑ نے حضرتؐ کو صلاح دی کہ اس کو منظور کر لیں اور خدیجہ کا مال لے جا کر فروخت کیا کریں۔ آنحضرتؐ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جناب خدیجہ کی درخواست منظور کی اور ان کے اسباب تجارت کے نگراں ہو کر شام کی طرف تشریف لے گئے۔

اس سفر کے حالات سن کر قافلہ تجارت واپس آنے کے ۲۵ ہی دنوں کے بعد جناب خدیجہ نے آنحضرتؐ صلعم سے نکاح کی خواہش کی جسے جناب ابوطالبؑ نے منظور کر لیا تو آنحضرتؐ کی طرف سے خود جناب ابوطالبؑ اور جناب خدیجہ کی طرف سے ان کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل نے خطبہ پڑھا اور نکاح ہو گیا۔ جناب ابوطالبؑ کا خطبہ یہ تھا

الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وذرع اسمعیل وضیفی معد وعنصر مضر۔ وجعلنا حضنۃ بیتہ وسواس حرمہ وجعل لنا بیتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا الحکام علی الناس ثم ان ابن اخی ھذا محمد بن عبد اللہ لا یوزن برجل من قریش الا رجح وان کان فی المال قل فان المال ظل زائل وامر حائل ومحمد من قد عرفتم قرابتہ وقد خطب خدیجۃ بنت خویلد وبذل لہا ما اجلہ وعاجلہ من مالی کذا وھو واللہ بعد ھذا لہ نبأ عظیم وخطر جلیل جسیم۔

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہم لوگوں کو حضرت ابراہیمؑ کی ذریت جناب اسمٰعیلؑ کی اصل معد کی نسل اور مضر کی شاخ میں قرار دیا اور اس نے ہم لوگوں کو خانہ کعبہ کا محافظ اور اسکے حرم کا نگراں مقرر کیا۔ اور ہمارے لیے اپنا وہ گھر بنایا جس کا لوگ حج کرتے ہیں اور ہمیں اپنا وہ حرم عنایت کیا جو جائے امن ہے اور اس نے ہم لوگوں کو حاکم اور سردار بنایا۔ یہ تو ہمارے پورے خاندان کی حالت ہے اور خاص کر میرے بھتیجے محمدؐ بن عبد اللہ کی تو یہ شان ہے کہ قریش کا کوئی شخص بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ جو بھی آپ کے مقابلہ میں لایا جائے گا یہ اس سے ضرور ہی بڑھ جائیں گے یہ درست ہے کہ ان کے پاس مال کم ہے۔ مگر سب جانتے ہیں مال تو چلتی پھرتی چھاؤں بدل جانیوالا حال ہے۔ برخلاف اس کے محمدؐ کے جو ذاتی مفاخر قرابت اور تعلقات ہیں ان سب کو تم لوگ پہچانتے ہو یہ خدیجہ بنت خویلد سے شادی کرنی چاہتے ہیں اور اس کیلئے مہر موجودہ مال اور آئندہ مال سے اس قدر مہر عطا کرینگے اور خدا کی قسم اسکے بعد انکی شان نہایت عظیم القدر اور انکی عزت بہت بڑی اور ان کا دبدبہ و اقتدار بہت بلند ہونے والا ہے۔

جب حضرت ابوطالبؑ اپنا خطبہ تمام کر چکے تو جناب خدیجہ کی طرف سے ورقہ بن نوفل نے حسب ذیل خطبہ پڑھا۔

الحمد للہ الذی جعلنا کما ذکرت وفضلنا علی ما عددت۔ فنحن سادۃ العرب وقادتہا وانتم اھل ذالک کلہ لا تنکر العشیرۃ فضلکم ولا یرد احد من الناس فخرکم وشرفکم وقد رغبنا فی الاتصال بحبلکم وشرفکم فاشھدوا علی معاشر قریش بانی قد زوجت خدیجۃ بنت خویلد من محمد بن عبد اللہ علی اربع مائۃ دینار۔ ثم سکت۔

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ ہی کیلئے ہے جس نے ہم کو وہی عزت دی ہے جس کا (ابوطالب) تم نے ذکر کیا اور ہم لوگوں کو اسی طرح شرف و فضل عطا کیا جس طرح تم نے شمار کیا۔ بیشک ہم لوگ عرب کے سردار اور اس کے مقتدا ہیں اور تم لوگوں کو یقیناً وہ سب فضائل و امتیازیات حاصل ہیں جن کا تم نے ذکر کیا کوئی قبیلہ تمہارے فضل کا انکار نہیں کر سکتا اور ایک آدمی بھی تمہارے فخر و شرف کا جواب نہیں دے سکتا۔ یقیناً ہم لوگوں کو رغبت ہوئی کہ تمہارے خاندان اور تمہارے شرف سے ہم لوگوں کا پیوند ہو۔ اب معاشر قریش تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح چار سو دینار پر محمدؐ بن عبد اللہ سے پڑھ دیا۔
اس نکاح کے بعد جناب ابوطالبؑ کی حالت لکھی ہے کہ:۔

وفرح ابوطالب فرحا شدیدا وقال الحمد للہ الذی اذھب عنا الکرب ودفع عنا الھموم۔ جناب ابوطالبؑ خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے اور کہتے تھے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے (محمدؐ کے متعلق) ہمارے کل کرب نازندہ کو موقوف اور سب ہموم و غموم کو دفع کر دیا (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۹۹)

خاندان بنی ہاشم کا مذہب

حضرت رسول خدا صلعم کی نبوت سے پہلے اس خاندان کے جو اہم حالات تھے اوپر لکھے گئے کہ اس جگہ ان حضرات کے مذہب کی تحقیق بھی کردی جائے شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے لکھا ہے۔

ہم کو پیغمبر صاحب کے نسب نامے میں اس بات کی ٹوہ لگانی تھی کہ پیغمبر صاحب کے بزرگ مذہب کے اعتبار سے کتنے پانی میں تھے۔ تو مذہب سے ہماری مراد دین فطرت ہے جس کا بعد کو دین اسلام نام ہوا اور جس کا مذکور اس تحریر میں بار بار آچکا ہے۔ پھر دین فطرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خدا سے شروع ہوکر قوانین امن و عافیت پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو صرف قوانین و عافیت پر بولا جاتا ہے۔ پہلی قسم دین کامل ہے اور اس کے مقابلے میں دوسری قسم دین ناقص پیغمبر صاحب کے نسب نامے پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قسم کا دین فطرت پیغمبر صاحب ہی کے جد اعلیٰ ابراہیمؑ نے ایجاد کیا اور ایجاد نہیں بھی کیا تو شدومد کے ساتھ اسکو رواج دیا کہ ایسا رواج دینا بھی ایجاد کا ہم پلہ ہے یوں تو پیغمبر صاحب نہایت سلجھی ہوئی طبیعت خدا کے یہاں سے لیکر آئے تھے اور دین کے جیسے تلے خیالات خود ان کے دل سے پیدا ہوتے مگر خاندانی اثر نے بھی سونے پر سہاگے کا کام دیا تھا اور اگرچہ ابراہیمؑ کے مدتوں بعد دین حق میں بڑے بڑے رخنے پڑ گئے تھے۔ یہاں تک کہ قریش نے خدا کے گھر کو بت خانہ بنا دیا تھا اور کھلم کھلا بتوں کو پوجنے اور پجوانے لگے تھے مگر وہ جو کہتے ہیں کہ اول بہ آخر نسبتے دارد فطرت کی چنگاری جو بت پرستی کی راکھ میں دبی ہوئی تھی عبد المطلب اور ابو طالب میں از سر نو چمکی اور پیغمبر صاحب کے بزرگوں میں یہی دو بزرگ ایسے قریب کے بزرگ تھے کہ خارج سے کسی کے خیالات کا اثر پیغمبر صاحب پر پڑتا تو ان دونوں بزرگوں کے خیالات کا پڑتا پیغمبر صاحب پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ ان کے والد انتقال کر گئے۔ آٹھ برس کی عمر تک دادا عبد المطلب نے پرورش کیا۔ ان کی وفات کے بعد آٹھ برس کی عمر سے لیکر پچیس برس کی عمر تک چچا ابو طالب نے اور عبد المطلبؑ اور ابو طالبؑ کے حالات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ دونوں دین فطرت کو گو ناقص ہی سہی بڑی مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے اور چونکہ ان کا زمانہ فترۃ کا زمانہ تھا دین فطرت ہی کے وہ مکلف بھی تھے۔" (امہات الامہ صفحہ ۷۸)

اور علماء اہلسنت کے ایک جلیل القدر بزرگ علامہ سیوطی نے نو کتابیں صرف اس موضوع پر تصنیف کی ہیں کہ حضرت رسول خدا صلعم کے آباؤ اجدا ذکور و اناث سب کے سب با ایمان اور دین حنیف (دین ابراہیمی) پر تھے۔ یہ کل کتابیں ریاست حیدر آباد دکن کی طرف سے شائع کردی گئی ہیں ان سب میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے آباؤ اجداد کبھی مشرک نہیں تھے۔ کبھی کفر اختیار نہیں کیا۔ بلکہ برابر دین ابراہیمؑ کے پیرو رہے۔ مثلاً لکھتے ہیں۔ ان اباء النبی لم یکن فیھم مشرک ۔ حضرت کے آباؤ اجداد میں ایک شخص بھی مشرک نہیں تھا۔ (مسالک الحنفاء صفحہ ۱۹) اور جناب شاہ عبد الحق صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ حضرت رسولخدا صلعم کے آباؤ اجداد کرام حضرت آدمؑ سے حضرت عبد اللہ تک سب کے سب کفر اور شرک کی نجاست سے پاک و پاکیزہ تھے اور علماء متاخرین نے اس کی دلیلوں کو تحریر کیا ہے اور یہ وہ علم ہے جس سے خدا نے ان کو مخصوص کیا ہے اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرتؐ کے کل

آباؤ اجداد دین اسلام پر تھے۔ غرض یہ ممکن نہیں کہ خدا اس نور پاک کو تاریک اور گندی جگہ (کافروں کے صلب اور رحم) میں رکھے اور آخرت میں ان کے کافر آباؤ اجداد پر عذاب کرکے حضرت رسول خدا صلعم کو رسوا کرے (اشعۃ اللمعات جلد ۴ صفحہ ۲۵۲) اور علامہ فخری رازی نے اپنی کتاب اسرار تنزیل میں لکھا ہے: ان اباء الانبیاءؑ ما کانوا کفارا ۔ انبیاء کے آباؤ اجداد کافر نہیں تھے۔ و بھذا التقدیر لا یحتاج الا ان جمیع اباء محمد کانوا مسلمین اس تقدیر پر یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ حضرت محمدؐ کے کل آباؤ اجداد مسلمان تھے۔ و مایدل علی ان اباء محمد ما کانوا مشرکین قولہ علیہ السلام لم ازل انتقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات۔ اس امر کی دلیل کہ حضرت رسولخدا صلعم کے آباؤ اجداد مشرک نہیں تھے حضرت رسولخدا صلعم کی یہ حدیث بھی ہے جس میں فرمایا ہے کہ میں ہمیشہ پاکیزہ لوگوں کے صلبوں سے پاکیزہ بیویوں کے رحموں میں منتقل ہوتا آیا۔ (مسالک الحنفا صفحہ ۱۸) اور مذہب شیعہ کے بڑے عالم بلکہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ علماء امامیہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کے والد۔ والدہ۔ بلکہ کل اجداد و جدات تک صحیح مذہب پر تھے۔ اور آپ کا نور مبارک نہ کسی مشرک مرد کے صلب میں داخل ہوا نہ کسی مشرک عورت کے رحم میں بلکہ متواتر حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم کے باپ دادا سب کے سب انبیاء اوصیاء اور دین خدا کے حامل تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے فرزند جو آں حضرت صلعم کے اجداد کرام تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے اوصیاء اور خلائق کے مرجع تھے اور ملت ابراہیمی ان کے درمیان باقی تھی اور حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی شریعت کی وجہ سے ملت ابراہیمی منسوخ نہیں ہوئی تھی بلکہ یہ حضرات اس کے محافظ تھے اور ایکدوسرے کو اسکی حفاظت کی وصیت کرتے آتے تھے اور بسند معتبر حضرت امیر المومنینؑ سے منقول ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم نہ میرے والد نے بتوں کی پرستش کی نہ میرے جد عبد المطلب نے نہ اُن کے پدر بزرگوار ہاشم نے نہ ان کے والد عبد مناف نے بلکہ یہ کل حضرات خانہ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے اور دین حضرت ابراہیمؑ پر قائم تھے" (حیات القلوب جلد ۲ باب ۱ فصل ۳) بلکہ جناب فاطمہ بنت اسد (والدہ حضرت امیر المومنینؑ کے قول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کی عورتیں بھی کافر یا مشرک نہیں بلکہ دین ابراہیمی پر تھیں۔ چنانچہ جب جناب امیرؑ کی ولادت کا وقت قریب پہنچا اور جناب فاطمہؑ کو وضع حمل کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ خانہ کعبہ کے پاس آئیں اور کہا پروردگارا میں تجھ پر اور جو پیغمبر تیرے پاس سے آئے ہیں اور جو کتابیں تیرے ہاں سے نازل ہوئی ان سب پر ایمان رکھتی ہوں اور اپنے جد ابراہیمؑ کے کلام کی تصدیق کرتی ہوں۔ پس جس بزرگ نے اس خانہ کعبہ کو بنایا ہے میں تجھکو اسی کے حق کا واسطہ دیتی ہوں اور جو مولود میرے پیٹ میں ہے اس کے حق کا بھی واسطہ دیتی ہوں کہ تو وضع حمل کو مجھ پر آسان کردے (مناقب ابن شہر آشوب صفحہ ۳۴۲)

اسی خاندان بنی ہاشم کے ایک بڑے رکن جناب ابو طالب بھی تھے۔ آپ بھی حضرت رسول خدا صلعم کی بعثت تک دین ابراہیمی ہی پر تھے اور جب آنحضرت صلعم نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا اسوقت آپ بھی دین ابراہیمی سے دین اسلام میں داخل ہوگئے۔ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں جس وقت پیغمبر صاحب نے

اسلام کی منادی شروع کی ان کے چچا ابوطالب زندہ تھے اور گو انہوں نے بظاہر اسلام قبول نہیں کیا[1] مگر وہ دل سے پیغمبر صاحب کو سچا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے اور اگر کافر بھی تھے جیسا کہ بعض متشدد خیال کرتے ہیں تو ہمارے نزدیک اسلام ہم لوگوں کے اسلام سے ان کے کفر کا بہت زیادہ ممنون ہے الٰہی صدقہ اپنے پیغمبرؐ کا ابوطالبؑ جیسی ہمدردی ہم کو نصیب ہماری نسلوں کو نصیب فرما ہر چند ابوطالب اپنے والد عبدالمطلب کے بعد تمام قبیلہ قریش کے مانے ہوئے رئیس تھے اور ان کی حمایت کے ہوتے ہوئے پیغمبر صاحب کو کسی حمایت کی ضرورت نہ تھی مگر خرابی یہ آ کر پڑی تھی کہ اپنے ہی خاندان میں پھوٹ تھی۔ ایک چچا ابوطالبؑ تھے جو پیغمبر صاحب کو اپنے صلبی بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے جہاں پیغمبر صاحب کا پسینہ گرے اپنا خون بہانے کو موجود۔ اور ایک چچا ابولہب تھا جو اسلام کے نام سے چڑتا اور پیغمبر صاحب کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا۔ پس ابوطالبؑ کی حمایت پیغمبر صاحب کی جان کی ضمانت تھی۔ اس سے زیادہ نہیں" (امہات الامہ صفحہ ۹) اور مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالبؑ کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباس نے جو اس وقت تک کافر تھے کان لگا کر سنا تو آنحضرتؐ سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کیلئے کہا تھا ابوطالبؑ وہی کہہ رہے ہیں۔ اس بناپر ابوطالبؑ کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن صحیح بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے اسلئے محدثین زیادہ تر انکے کفر ہی کے قائل ہیں لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالبؑ کی وفات کے وقت موجود نہ تھے اسی بناپر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے ابن اسحاق کے سلسلہ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور عبداللہ بن عباس ہیں۔ اور یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے اس بناپر دونوں روایتوں کے درجہ اسناد میں چنداں فرق نہیں۔ ابوطالبؑ نے آں حضرتؐ کے لیے جو جان نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپ پر نثار کرتے تھے آپ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا۔ آپ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے۔ شہر سے نکالے گئے تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا کیا یہ محبت۔ یہ جوش۔ یہ جان نثاریاں سب ضائع ہو جائیں گی؟ ابوطالبؑ آں حضرتؐ سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے۔ رسول اللہؐ کو ان سے نہایت محبت تھی ایک دفعہ وہ بیمار پڑے آں حضرتؐ ان کی عیادت کے لیے گئے تو انہوں نے کہا! بھتیجے جس خدا نے تجھ کو پیغمبر

[1] بظاہر اسلام کسطرح قبول کرتے؟ جسطرح حضرت شروع سے دین ابراہیمی پر اور کفر اور شرک سے بالکل علیحدہ تھے بالکل اسیطرح حضرت رسولخدا صلعم کے نبی مبعوث ہونے پر دین اسلام کے پیرو ہو گئے۔ اور دین ابراہیمی و دین اسلام تو درحقیقت دو چیز تھے ہی نہیں۔ وہی اسلام تھا جس کی تبلیغ حضرت ابراہیمؑ نے کی اور اسی اسلام کی گویا تجدید کے لیے حضرت رسولخدا صلعم تشریف لائے پس اب جناب ابوطالبؑ کیا نیا کام کرتے جس سے یہ معلوم ہوتا کہ آپ نے بظاہر اسلام قبول کیا مگر بظاہر آپ نے وہ سب کیا جو بڑے بڑے بظاہر اسلام قبول کرنیوالوں کے نہیں ہو سکا اپنی جان سپر کر کے آنحضرت کو بچاتے رہنا اولاد قربان کر کے آپ کو محفوظ رکھنا اور تمام قریش سے حضرت کی حمایت میں جنگ مول لینا کیا ایسے شخص سمجھ سکتا تھا جو مسلمان نہیں تھا

بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہیں مانگتا کہ مجھ کو اچھا کر دے آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہو گئے آں حضرتؐ سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے آپ نے فرمایا کہ آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے" (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۱۸۲ و اصابہ مطبوعہ مصر جلد ۷ صفحہ ۱۱۲) جناب ابوطالب کا اسلام اس قدر زبردست ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری ایسے محدث نکتہ نے آپ کا ذکر اسی کتاب الاصابہ میں کیا جو صحابہ کے حال میں لکھی گئی ہے اور معلوم ہے کہ صحابی وہی ہے جو حالت اسلام میں حضرت رسول خدا صلعم سے ملا ہو۔ اور جو کفر میں مرا اس کا ذکر اس میں نہیں ہے مثلاً ابوجہل۔ ابولہب وغیرہ بھی حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں تھے اور برابر حضرت سے ملتے رہے مگر ان کا ذکر علامہ مذکور نے اس کتاب میں نہیں کیا۔ اسی وجہ سے تو کہ وہ دونوں کافر تھے۔ جب وہ مسلمان ہی نہیں ہوئے تو صحابہ نہیں قرار پائے اور جب یہ صفت ان میں نہیں آئی تو صحابہ کے حالات میں جو کتاب لکھی گئی اس میں ان کا حال کس اصول سے لکھتے۔ لیکن جناب ابوطالب کا حال تفصیل سے لکھا اور کامل پانچ بڑے صفحوں میں درج کیا ہے جو اس کی واضح دلیل ہے کہ علامہ مذکور نے آپ کو صحابی رسول سمجھا اور مسلمان تسلیم کیا۔ علامہ مذکور ہی لکھتے ہیں کہ جب حضرت رسولخدا مبعوث برسالت ہوئے تو جناب ابوطالب آپ کی حمایت پر کھڑے ہو گئے۔ آپ کے دشمنوں کو آپ سے دفع کرنے لگے اور آپ کی مدح میں کثرت سے قصیدے لکھے۔ انہیں قصائد میں وہ بھی ہے جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامی عصمة للارامل

اور حضرت رسولخدا ایسے نورانی ہیں کہ ان کے چہرے کا واسطہ دے کر خدا سے طلب باراں کیا جاتا ہے۔ وہ یتیموں کے فریادرس اور بیوؤں کے بچانے والے ہیں آپ کے ایک اور قصیدہ میں یہ شعر ہے ؎

وشق له من اسمه لیجله فذو العرش محمود وهذا محمد

خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کی جلالت قدر کے لیے اپنے نام سے ایک نام مشتق کر کے رکھا اس طرح صاحب عرش (خدا) محمود ہے اور رسولخداؐ محمدؐ ہیں۔

ابن عیینہ کہتے تھے کہ اس سے بہتر شعر میں نے کبھی نہیں سنا جناب ابوطالب کہا کرتے تھے ماکذب ابن اخی قط میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہیں بولا (اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) مذکورہ بالا عبارت کا ہر جملہ پکار کر کہتا ہے کہ حضرت ابوطالب صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مسلمان گر اور اسلام بنیاد تھے (۱) مرتے وقت کلمہ شہادتین جاری کرنا جو اصول پر نہیں تھا کہ آخر میں اسلام قبول کر لیا بلکہ ویسا ہی تھا جیسا ہر مومن کا شعار ہے کہ انتقال کے وقت کلمہ شہادتین پڑھتا ہوا دنیا سے جاتا ہے اور جناب عباس کا جو اس وقت تک کافر مانے گئے کہنا کہ ابوطالب وہی کلمہ اسلام کہہ رہے ہیں جس کی خواہش رسول کرتے تھے زبردست شہادت ہے بلکہ اس سے قوی تر شہادت کیا ہو سکتی ہے (۲) رسولخداؐ سے کہنا کہ میری صحت کے لیے خدا سے دعا کرو۔ اگر آپ خدا کو ایک اور حضرت رسولخدا پیغمبر برحق نہیں جانتے تھے تو آپ سے یہ فرمائش کیوں کی۔ کیا کافر کے بھی کبھی حضرت سے ایسی مذہبی درخواست کی تھی۔

(۳) جب آپ کو صحت ہو گئی تو آنحضرتؐ سے یہ کہنا کہ خدا تیرا کہنا مانتا ہے ہزار ثبوت کا ایک ثبوت ہے جب ابوطالب کو یقین ہوا کہ خدا حضرتؐ کی بات مانتا ہے تو آپ پھر کافر کیسے رہ سکتے تھے۔ اگر جناب ابوطالب جانتے کہ حضرتؐ پیغمبر نہیں ہیں تو ضرور یہ بھی یقین رکھتے کہ خدا ان کا کہنا نہیں مانتا ہے کیونکہ ہر شخص اس بات کا یقین رکھتا ہے کہ جو شخص جھوٹا مدعی نبوت ہو گا خدا مذہبی باتوں میں اس کا کہنا کبھی نہیں مانے گا (۴) یہ کہنا کہ خدا نے اپنے نام سے لفظ محمد کو مشتق کر کے حضرتؐ کا نام یہ اس غرض سے رکھا کہ (خدا کی طرح) حضرتؐ کی جلالت و عظمت بھی اچھی طرح واضح ہو جائے واضح کرتا ہے کہ جناب ابوطالب کو قطعاً حضرتؐ کا نبی بلکہ سید الانبیاء ہونا معلوم تھا اور وہ جانتے تھے کہ اسی وجہ سے خدا نے آپ کا یہ نام رکھا تاکہ کلمہ اسلام میں اللہ کے ساتھ آپ کا نام بھی رہے اور جو جلالت خدا کو حاصل ہے وہ آپ کو بھی ملے (۵) آپ کا یہ کہنا بھی کہ میرا بھتیجا کبھی جھوٹ نہیں بولتا ایمان کی حتمی دلیل ہے جب حضرت ابوطالب کو یقین تھا کہ حضرت محمدؐ کبھی جھوٹ نہیں بولتے تو ان کو یہ بھی یقین ہوا کہ آپ اپنے دعوئ رسالت میں سچے ہیں اور جب حضرتؐ کو سچا نبی تسلیم کر لیا تو پھر اسلام نہ لانے کے معنی کیا ہوگا۔ اسلام کی تعریف تو یہی ہے کہ خدا کو ایک اور حضرت رسول خدا صلعم کو سچا نبی مانے۔ مختصر یہ کہ حضرت ابوطالب کا ایمان ویسا ہی یقینی تھا جیسا حضرت رسول خدا صلعم کا پیغمبر ہونا اور جس طرح حضرت رسول خدا صلعم کے دشمنوں نے حضرتؐ کی نبوت ہی سے انکار کر دیا اسی طرح حضرت ابوطالب کے دشمن بھی حضرت کے اسلام ہی سے انکار کرتے ہیں۔ غرض دونوں جماعتیں حق کی منکر ہیں۔ علامہ ابن حجر بھی یہ بھی لکھتے ہیں جناب ابوطالب نے آنحضرت صلعم کی شان میں یہ اشعار بھی کہے ہیں ؎ ودعوتنی وعلمت انک صادق + ولقد صدقت وکنت قبل امینا - ولقد علمت بان دین محمد + من خیر ادیان البریۃ دینا ۔ اے محمدؐ تم نے مجھے اسلام کی خاطر دعوت دی اور میں خوب جانتا ہوں کہ تم یقیناً سچے ہو۔ اور اس دعوے پیغمبری میں بھی۔ تم سچے ہو اس لئے کہ تم پہلے سے امین ہو اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ محمدؐ کا دین تمام دنیا کے مذہبوں سے بہتر اور افضل ہے (اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۳ و تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۳۴۰ وغیرہ)

علامہ سید احمد بن سید زینی دحلان نے جو اجلہ علماء اہلسنت سے ہیں حضرت ابوطالب کے ایمان کے متعلق ایک مستقل کتاب ہی لکھی جس کا نام ہے اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب یہ کتاب مصر میں بڑی تقطیع کے ۴۶ صفحہ پر چھپ گئی ہے۔ اس میں جناب ابوطالب کا یہ شعر بھی ہے ؎

الم تعلموا انا وجدنا محمدا ۔۔۔ رسولا کموسیٰ خط فی اول الکتب

کیا تم لوگوں کو خبر نہیں ہے کہ ہم نے محمدؐ کو ویسا ہی نبی پایا جیسے نبی حضرت موسیٰ تھے اور ان کی نبوت کی پیشین گوئیاں تو آسمانی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہیں (اسنی المطالب صفحہ ۵)

حضرت ابوطالب کے ایمان پر آپ کا وہ قصیدہ لامیہ بھی زبردست دلیل ہے جس کو آپ نے حضرت رسول خدا صلعم کی حقیقت و حمایت میں کہا ہے اور جو بکثرت کتب حدیث و سیرۃ و تاریخ میں منقول ہے لوگوں کا بیان ہے کہ اس قصیدہ میں اسی سے زیادہ شعر ہیں۔ اور علامہ ابن ہشام کی سیرۃ الرسول میں اس کے ۹۴ شعر منقول ہیں (ملاحظہ ہو مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۱۴۷) اس قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں ؎

حلیما رشیدا حازما غیر طائش ۔۔۔ یوالی الٰہ الخلق لیس بماحل

وایدہ رب العباد بنصرہ ۔۔۔ واظہر دینا حقہ غیر باطل

الم یعلموا ان ابننا لا مکذب ۔۔۔ لدینا ولا یعبأ بقول الا باطل

محمد (مصطفیٰ) بردبار سمجھدار ہوشیار تجربہ کار ہیں۔ ہلکی عقل کے نہیں ہیں وہ خدائے جہان کو دوست رکھتے ہیں اور بات بنانے والے نہیں ہیں۔ پروردگار عالم نے اپنی مدد سے ان کی تائید کی ہے اور انہوں نے اس دین حق کو جو باطل نہیں ہے اچھی طرح ظاہر و واضح کر دیا ہے کیا قریش کو معلوم نہیں ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے ہمارے فرزند کا کوئی کلام جھوٹ نہیں نکلا اور نہ وہ باطل اقوال کی طرف توجہ کرتا ہے (سیرۃ ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۱۴۷ وغیرہ) دنیا کا یہ دستور بھی ہر شخص جانتا ہے کہ باپ جس امر کو پسند کرتا ہے اس کی تاکید اپنی اولاد پر کرتا ہے اور جس امر کو برا سمجھتا ہے اس سے اپنے لڑکوں کو منع کرتا ہے۔ اب آؤ دیکھیں حضرت ابوطالب نے اپنی اولاد کو مذہب کے متعلق کیا تعلیم دی۔ اگر ان سے فرمایا ہو کہ تم لوگ کافر رہو بت پرستی کرو دین اسلام کو قبول نہ کرو۔ محمد مصطفیٰ کی پیروی نہ کرو تو ماننا پڑے گا کہ آپ بھی معاذ اللہ غیر مسلم تھے اور دین اسلام سے اسی طرح علیحدہ رہے جس طرح دوسرے کفار مکہ تھے۔ لیکن اگر واقعات اس کے خلاف ہوں اور اگر آپ نے ان لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی تاکید کی ہو تو کون صاحب عقل کہے گا کہ خود آپ نے اسلام قبول نہیں کیا مگر اپنے فرزندوں پر اس کے لیے زور دیا۔ اس سے فیصلہ بآسانی ہو جائے گا۔ تاریخ و حدیث و رجال کے اوراق سے پوچھو تو وہ تم کو بتائیں گے کہ ۔ وقال ابوطالب لعلی ماھذا الدین الذی انت علیہ قال یا ابت امنت باللہ ورسولہ وصلیت معہ فقال اما انہ لا یدعونا الا الی الخیر فالزمہ جناب ابوطالب نے حضرت علیؑ سے (بطور امتحان) پوچھا کہ بتاؤ یہ کون سا دین ہے جس پر تم ہو؟ فرمایا اے بابا جان میں بھی خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں اور رسولؐ کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں تو آپ نے کہا ہاں محمدؐ لوگوں کو خیر (بہتر مذہب) ہی کی طرف بلاتے ہیں تم اس (دین) کو مضبوطی سے پکڑے رہو (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۱)

ان اباطالب قال لجعفر لما اسلم صل جناح ابن عمک فصلی جعفر مع النبیؐ ابوطالب نے اپنے تیسرے فرزند جعفر سے ان کے مسلمان ہونے کے بعد کہا اب اپنے چچازاد بھائی (رسول) کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز بھی پڑھا کرو۔ تو وہ حضرتؐ کے پیچھے نماز ادا کرنے لگے (اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) باوجود اس قدر دلائل کے پھر کیوں آپ کے ایمان سے لوگ انکار کرتے ہیں؟ اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ آپ حضرت علیؑ کے والد ماجد تھے پس جب حضرت علیؑ ہی افترا و بہتان سے نہیں بچے تو آپکے والد کیونکر بچتے۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نماز پڑھتے تھے تو دوسرے مسلمانوں کو بلا لیتے تھے کہ آپ کے ساتھ

نماز جماعت پڑھیں مگر حضرت ابوطالب کو نہیں بلاتے تھے کیوں کہ آپ کو ادب منع کرتا تھا کہ چچا کے آگے کھڑے ہوں اور وہ حضرتؐ کے پیچھے رہیں۔ اس سبب سے جناب ابوطالب اپنے گھر نماز پڑھتے ہوں گے جس کو سب لوگ اس طرح نہیں دیکھتے تھے۔ اس سبب سے سمجھے کہ اگر ابوطالب بھی مسلمان ہوتے تو آنحضرت انکو بھی نماز جماعت میں بلالیا کرتے۔ آخر میں ایمان حضرت ابوطالب کی ایک اور زبردست دلیل ذکر کرکے ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں

حضرت ابوطالب کی شادی جناب فاطمہ بنت اسد سے ہوئی تھی یہ فاطمہ بھی حضرت ابوطالب کے ایمان کی زبردست حجت اور لاجواب دلیل ہیں کیونکہ موصوفہ کو تمام مورخین و محدثین حضرت ابوطالب کی زوجہ تسلیم کرتے اور اس کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ممدوحہ سب سے پہلی اسلام قبول کرنیوالی بیویوں میں تھیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ ممدوحہ نے ۴ھ ہجری میں مدینہ میں انتقال کیا اور حضرت ابوطالب ان سے چھ سات برس پہلے مکہ معظمہ میں انتقال کر چکے تھے اور کل تاریخیں اس کی گواہی بھی دیتی ہیں کہ وفات ابوطالب تک جناب فاطمہ بنت اسد ان کی زوجیت میں رہیں (یعنی آنحضرت صلعم نے ان کو ان سے جدا نہیں کیا) اور چونکہ عورتوں میں جناب خدیجہ کے بعد جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان پر سب کا اتفاق ہے اس سبب سے جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان کی تاریخ بھی اول بعثت ہی ہے۔ اس طرح فاطمہ بنت اسد ایمان لانے کے بعد دس سال تک حضرت ابوطالب کی زوجیت میں باقی رہیں کہ نہ فاطمہ بنت اسد نے ان کو چھوڑا نہ جناب ابوطالب نے جناب فاطمہ بنت اسد کو جدا کیا۔ نہ رسول خدا صلعم نے یہ حکم دیا کہ چوں کہ فاطمہ مسلمان ہو چکی ہیں اور ابوطالب مسلمان نہیں ہوئے اور مسلمان عورت غیر مسلم شخص کی بیوی نہیں رہ سکتی لہذا ان کو ان سے الگ کردو عقل صاف طور پر کہتی ہے کہ اگر جناب ابوطالب بھی جناب فاطمہ بنت اسد کیطرح مسلمان نہیں ہوتے تو وہ ضرور اپنی بیوی کو اس سے روکتے۔ یا بیوی ہی ان کو اسلام پر آمادہ کرتیں اور بغیر ان کے مسلمان ہوئے ان کے ساتھ نہ رہتیں۔ یا حضرت رسولخدا صلعم نے دونوں میں تفریق کرادی ہوتی کیونکہ اسلام کا حکم مشہور ہے کہ مسلمان عورت کافر مرد کی بیوی نہ رہے۔ پس اگر حضرت ابوطالب کافر رہتے تو فاطمہ بنت اسد ان کی زوجیت میں کیونکر رہ سکتیں۔ اسلام نے تو ان لوگوں میں علیحدگی کرادی تھی جو معرفت و مذہب کے بالکل ہی ادنیٰ مرتبہ تک پہنچے تھے۔ چنانچہ مشہور ترین کتب تاریخ و سیر سیرۃ ابن ہشام میں جو تمام معتبر کتب تاریخ مثل طبری۔ کامل۔ ابن خلدون وغیرہ کی ماخذ ہے ذیل کا واقعہ موجود ہے جو اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالتا ہے طفیل ابو عمرو الدوسی بیان کرتا تھا کہ جب میں اسلام لانے کے بعد مکہ سے اپنے وطن واپس آیا تو میری زوجہ میرے پاس آئی مگر میں نے اس سے کہا علیحدہ رہ۔ اب میں نہ تیرا شوہر رہا نہ تو میری زوجہ رہی اس نے گھبرا کر پوچھا کیوں؟ میں نے کہا اسلام نے تجھ کو مجھ سے علیٰحدہ کر دیا میں مسلمان ہو گیا۔ اس نے کہا جو تمہارا مذہب وہی میرا بھی۔ میں نے کہا اچھا تو تم ذی الشرٰی میں جا کر غسل کر آ۔ جب وہ نہا کر آئی تو میں نے اسکو بھی اسلام سکھایا اور وہ بھی مسلمان ہو گئی (سیرۃ ابن ہشام برحاشیہ زاد المعاد ابن القیم مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲۰۸) پس جب معمولی عورت و مرد اسلام و کفر کے سبب سے علیحدہ کر دیئے جاتے تو عقل سلیم کب قبول کر سکتی ہے کہ جناب فاطمہ بنت اسد کو

حضرت رسول خدا صلعم حضرت ابوطالب کی زوجیت سے علیحدہ نہ کراتے۔ اب بغیر اس کے چارہ نہیں کہ جناب ابوطالب کے ایمان کا بھی ویسا ہی یقین کیا جائے جیسا ان کی بیوی جناب فاطمہ بنت اسد کے ایمان کا علم ہے ورنہ خود رسول خدا کی ذات پر اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتی رہے گی، اگرچہ عام علماء اس دلیل کو بیان نہیں کرتے مگر حضرات ائمہ طاہرینؑ نے جو علوم نبوت کے اصلی وارث تھے۔ ایمان ابوطالب کے بارے میں اس دلیل کو بھی فرمایا ہے علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدینؑ سے ایمان ابوطالب کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ سوال عجیب و غریب ہے اخدانے تو اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا کہ کسی مسلمان عورت کو اس کے کافر شوہر کی زوجیت میں نہ رہنے دیں بلکہ دونوں کو الگ کر دیں پھر اگر حضرت ابوطالب کافر رہتے تو آنحضرتؐ صلعم اپنی پھوپھی جناب فاطمہ بنت اسد کو جو سابقات الاسلام سے تھیں جناب ابوطالب کی زوجیت سے کیوں علیحدہ نہیں کرا دیتے؟" (بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۴ حالات جناب فاطمہ بنت اسد) اس سے زیادہ جناب ابوطالب کے ایمان کے متعلق لکھنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ مخالفین تو اسلام تک سے انکار کرتے ہیں جو ان کا علاج ہے وہی ان کا بھی۔

غرض جب حضرت ابوطالب اسلام قبول کر چکے تھے تو بانی اسلام حضرت رسولخدا کی حمایت و اطاعت کو بھی آپ اپنا فرض سمجھتے۔ چنانچہ آپ نے سمجھا اور اسے بہترین طور پر انجام دیا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ جب آنحضرتؐ نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی۔ ابوطالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرتؐ ادائے فرض سے باز نہ آسکتے تھے اس لیے یہ سفارت دوبارہ ابوطالب کے پاس آئی۔ اس میں رؤساء قریش شریک تھے۔ ان لوگوں نے ابوطالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے، ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ کہتا ہے ہم کو احمق ٹھہراتا ہے اس لیے یا تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابوطالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرتؐ سے مختصر لفظوں میں کہا "جان عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں" رسول اللہ کی ظاہری پشت و پناہ جو تھے ابوطالب تھے آں حضرتؐ نے دیکھا کہ اب اُن کے پائے ثبات میں لغزش ہے آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دیدیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا خود میں اس پر نثار ہو جاؤں گا آپ کی پر اثر آواز نے ابوطالب کو سخت متاثر کیا رسول اللہ سے کہا جا کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا" (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ و سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۸۶) اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا کہ جب قریش اس دفعہ بھی ابوطالب کے جواب سے مایوس ہوئے تو ایک جوان عمارہ بن الولید کو لے کر پھر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا اے ابوطالب دیکھو یہ عمارہ بن الولید قریش کا وہ جوان ہے جو شاعری میں ان سب

سے بڑھا ہوا اور حسن و جمال میں سب سے بہتر ہے تم اس کو لیکر اپنا بیٹا بنا لو کہ یہ بڑا عقلمند بھی ہے اور تمہاری مدد بھی کریگا اور اپنے بھتیجے کو ہمیں حوالہ کر دو کیونکہ وہ ہم لوگوں کو احمق کہتے۔ اور ہمارے بزرگوں کے دین کی مخالفت کرتے اور تمہاری قوم کی جماعت کو پراگندہ کر رہے ہیں ہم سب چاہتے ہیں کہ انہیں قتل کر کے قصہ ہی ختم کر دیں۔ اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ تمہارا ایک شخص مارا جائیگا۔ اسکے عوض ہم اپنا ایک شخص تم کو دیئے دیتے ہیں یہ سنتا تھا کہ ابو طالب کا چہرہ بگڑ گیا اور کہا خدا کی قسم تم لوگوں نے بدترین معاملہ پیش کیا ہے۔ کیا خوب تم اپنا فرزند تو مجھے اسلئے دیتے ہو کہ میں اس کو کھلاؤں پلاؤں۔ پہناؤں اور ہر طرح پالوں۔ اور مجھ سے میرا فرزند اس غرض سے طلب کرتے ہو کہ تم اس کو قتل کر دو۔ خدا کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۳) غرض آنحضرت صلعم بدستور دعوت اسلام میں مصروف ہوئے۔ قریش اگرچہ آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے "قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے اب یہ تدبیر سوچی کہ آں حضرتؐ اور آپ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص خاندان بنی ہاشم سے نہ قرابت کریگا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کریگا نہ ان سے ملے گا نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دیگا۔ جب تک وہ محمدؐ کو قتل کے لیے حوالہ نہ کر دیں۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔

ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابو طالب میں (جو پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان ہاشم کا موروثی تھا) پناہ گزیں ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کر رہتے تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی قریش سُن سُن کر خوش ہوتے تھے۔ یہ سنہ ۷ نبوی کا واقعہ ہے" (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۸۰) شعب ابی طالب میں حضرت ابو طالب نے حضرت رسولِ خدا صلعم سے جو محبت بلکہ اولاد نثاری کی ہے اس کی نظیر دنیا کے کسی ملک اور کسی عہد میں نہیں ملتی۔ اسی سے یہ واقعہ سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے محرم سنہ ۷ بعثت میں جناب ابو طالب آنحضرت صلعم کو ۴۰ آدمیوں کے ساتھ اس شعب میں لے گئے تھے اور تین سال تک اس میں رہے سال میں دو دفعہ (رجب اور ذی الحج میں) بنو ہاشم شعب سے باہر آتے اور خرید و فروخت کر کے پھر شعب میں چلے جاتے تھے اس قید نے ان بیچاروں پر بڑی مصیبت ڈالی۔ جسمانی اور روحانی اذیات کے علاوہ رزق کی تنگی نے اور پریشان کر رکھا تھا۔ ناطے رشتے والے جو مخفی طور پر کوئی چیز بھیجتے اور کفار کو خبر ہو جاتی تو وہ اپنے ہم چشموں میں ذلیل اور فضیحت کئے جاتے۔ جناب ابو طالب پر ان تمام مصیبتوں سے زیادہ حضرتؐ کی حفاظت کی فکر تھی۔ علامہ حلبی نے لکھا ہے: وكان ابو طالب فی كل ليلة يأمر رسول اللہ ان يأتی فراشه ويضطجع به فاذا نام الناس اقامه وامر احد بنيه او غيرهم ان يضطجع على فراشه ان يعتال اذا ارادوا ... ان يتعقبهم مكانه ... حضرت ابو طالبؑ نے

یہ معمول کر لیا تھا کہ ہر رات حضرت رسولِ خدا سے فرماتے کہ میرے پاس میرے ہی فرش پر سو رہو۔ پھر جب لوگ سو جاتے تھے تو آپ حضرت کو اس جگہ سے ہٹا دیتے اور اپنے بیٹوں یا حقیقی بھائیوں یا چچا زاد بھائیوں میں سے کسی کو حکم دیتے تھے کہ رسولِ خدا کی جگہ سو رہے۔ اس خوف سے کہ شب کو کوئی دشمن دھوکے سے حضرت کو قتل نہ کر دے (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۲)

سبحان اللہ یہ اولاد نثاری! جناب ابو طالب کو خوف ہوتا کہ کسی دشمن نے حضرت رسولِ خدا کے سونے کی جگہ دیکھ لی ہوگی۔ ممکن ہے۔ وہ حضرتؐ پر اندھیری رات میں اسی جگہ کا اندازہ کر کے حملہ کر دے۔ اس وجہ سے لوگوں کے سونے پر آپ اس جگہ سے حضرت کو اٹھا دیتے اور اپنے بیٹوں یا چچا زاد بھائیوں سے کسی کو سلا دیتے کہ اگر وہ دشمن اس جگہ کو یاد رکھ کر حملہ کرے گا تو حضرت رسولِ خدا صلعم وہاں سے ہٹ چکے ہوں گے بچ جائیں گے اور آپ کا کوئی فرزند یا عزیز قتل ہو جائے گا۔ اسی طرح آپ ہر روز اپنے لڑکوں کو حضرت رسولِ خدا پر فدا کرتے رہتے تھے۔ علامہ طبری نے لکھا ہے کہ جب قریش حضرت ابو طالبؑ کے پاس بار بار آ کر واپس آ گئے اور آپ نے حضرت رسولِ خدا کو ان کے حوالے نہیں کیا تو ان سب نے اتفاق کر لیا کہ محمدؐ اور ان کے کل ساتھیوں کو پامال کر ڈالو۔ پھر کیا تھا ہر قبیلہ کے لوگ اپنے حلقہ کے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے کہ ان کو طرح طرح کا عذاب پہنچاتے اور ان کے دین سے واپس لانے کے لیے ان کو فتنوں میں مبتلا کرتے فمنع اللہ رسوله منهم بعمه ابی طالب مگر خدا آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعہ سے برابر آپ کی حفاظت کرتا رہا۔ حضرت ابو طالب قسم کھا کر کہتے تھے ؎

واللہ لن يصلوا اليك بجمعهم حتى اوسد فی التراب دفينا

فاصدع بامرك ما عليك غضاضة وابشر بذاك وقر منك عيونا

خدا کی قسم اے محمدؐ جب تک میں زمین میں مدفون ہو کر غائب نہ ہو جاؤں اس وقت تک اگر یہ کفار سب کے سب مل کر کوشش کریں جب بھی تم تک پہنچ نہیں سکتے۔ تم مطمئن ہو کر اپنے کام تبلیغ رسالت کو انجام دیتے رہو تمہارا کچھ بھی کوئی شخص بگاڑ نہیں سکتا۔ تم میرے اس وعدہ پر خوش ہو جاؤ اور اپنی آنکھوں کو خوشی سے ٹھنڈی رکھو (اسنی المطالب صفحہ ۱ والوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ و طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲) اس شعب سے نکلنے کی بھی جو صورت ہوئی وہ جناب ابو طالب کے کمال ایمان کی دلیل ہے جب شعب میں تقریباً تین برس ہو گئے تو ایک روز حضرت رسولِ خدا صلعم نے جناب ابو طالب سے کہا اے چچا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ عہد نامہ قریش کے وہ تمام الفاظ جو ظلم اور قطع برادری پر مشتمل تھے کیڑوں نے کھا لئے اور اس میں سے صرف وہ باقی رہ گیا ہے جس پر خدا کا نام لکھا ہوا تھا وكان ابو طالب لا يشك فی قوله جناب ابو طالب کا یہ حال تھا کہ حضرت رسولؐ جو خبر یا وحی بیان کرتے اس میں ذرہ برابر شک نہیں کرتے تھے یہ سنتے ہی اس پر یقین کر لیا اور شعب سے نکل کر قریش کے پاس گئے اور کہا جو عہد نامہ تم نے لکھا ہے اسے کیڑا کھا گیا ہے

اور خدا کے نام کے سوائے اس کا کوئی مضمون باقی نہیں رہا۔ محمدؐ نے مجھ سے ایسا بیان کیا ہے اس کاغذ کو منگا کر دیکھو اگر میرے بھتیجے کی خبر صحیح ہو تو جان لو کہ تم سب ہم لوگوں پر ظلم اور قطع رحم کر رہے ہو۔ اور اگر ان کی خبر جھوٹ نکلے تو ہم سب لوگ جان جائیں گے کہ تم لوگ ہی حق پر ہو اور ہم لوگ باطل پر ہیں۔ یہ سنتے ہی سب کے سب جلدی کھڑے ہو گئے اور اس عہد نامہ کو اتار لائے۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت رسول خداؐ صلعم نے جو فرمایا تھا بالکل صحیح ہے وقویت نفس ابی طالب واشتد صوتہ وقال قد تبین لکم انکم اولی بالظلم والقطیعۃ فنکسوا رؤسھم اب تو حضرت ابوطالب کا نفس خوب مضبوط ہو گیا ان کی آواز میں بھی طاقت آگئی کہنے لگے کیوں، اب تم لوگوں پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس معاملہ میں تم لوگ ہی ظلم و ستم کرتے اور قطع رحمی کا ارتکاب کر رہے ہو۔ اس پر ان سب مخالفین نے اپنے اپنے سر جھکا لیے پھر اس عہد نامہ کو توڑنے پر آمادہ ہو گئے اس واقعہ کے متعلق بھی جناب ابوطالب نے چند اشعار کہے ہیں جن سے چند یہ ہیں ؎

وقد کان فی امر الصحیفۃ عبرۃ — متی ما یخبر غائب القوم یعجب

محا اللہ منھم کفرھم وعقوقھم — وما نقموا من ناطق الحق معرب

فاصبح ما قالوا من الامر باطلا — ومن یختلق ما لیس بالحق یکذب

کفار نے رسولؐ کے پریشان کرنے کے لیے جو عہد نامہ لکھا تھا اس کا کیسا عبرتناک انجام ہوا۔ جو لوگ اس موقع پر غائب تھے۔ جب وہ اس کا حال سنیں گے تو انہیں کس درجہ تعجب ہوگا مخالفین کے کفر قطع رحم اور ظلم و ستم کو خدا نے بالکل واضح اور کھلے ہوئے حق سے کس طرح مٹا دیا۔ جس پر کفار کی باتیں بالکل باطل ہو گئیں، اور جو شخص ایسی بات گڑھے گا جو حق نہ ہو اس کا جھوٹ اور مکر و فریب تو کھل کر ہی رہے گا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۳)

جب آپ کے بھائی جناب حمزہ مسلمان ہوئے تو جناب ابوطالب کو ایسی خوشی ہوئی کہ چند شعر کہہ ڈالے ؎

فصبرا ابا یعلی علی دین احمد — وکن مظھرا للدین وفقت صابرا

وحط من اتی بالدین من عند ربہ — بصدق وحق لا تکن حمز کافرا

فقد سرنی اذ قلت انک مؤمن — فکن لرسول اللہ فی اللہ ناصرا

وناد قریشا بالذی قد اتیتہ — جھارا وقل ما کان احمد ساحرا

اے حمزہ احمدؐ کے مذہب پر مضبوطی اور صبر سے قائم رہو بلکہ اس دین کو دوسروں پر بھی ظاہر کرتے رہو۔ خدا تم کو صبر کی توفیق دے اور جو شخص (محمدؐ) اپنے خدا کے ہاں سے سچائی اور حق کے ساتھ دین لایا ہے اس کی خوب حفاظت کرنا اور اے حمزہ کافر نہ ہو جاؤ۔ جب تم نے اپنے بارے میں مجھے خبر دی کہ مسلمان ہو گئے تو مجھے نہایت درجہ خوشی ہوئی۔ اب دیکھو اللہ کی خوشی کے لیے ان کی مدد بھی خوب کرتے رہنا۔ اور جس مذہب کو تم نے قبول کیا ہے پکار کر اس کی خبر قریش کو کر دو اور یہ بھی کہہ دو

کہ احمدؐ جادوگر نہیں ہیں (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۳۱۵) جناب ابوطالب ہی کے یہ اشعار بھی ہیں ؎

وخیر بنی ھاشم احمد — رسول الالہ علی فترۃ

بنی ہاشم میں سب سے افضل احمدؐ ہیں جو زمانہ فترت کے بعد خدا کے رسول بنائے گئے۔

لقد اکرم اللہ النبی محمدا — فاکرم خلق اللہ فی الناس احمد

خدا نے اپنے نبی محمدؐ کو نہایت معزز کیا اسی وجہ سے لوگوں میں سب سے افضل و اشرف مخلوقات احمدؐ ہی ہیں

یا شاھد اللہ علی فاشھد — انی علی دین النبی احمد

من ضل فی الدین فانی مھتد

اے میرے متعلق اللہ کے گواہ تم اس بات کے گواہ رہنا کہ میں پیغمبر زماں احمدؐ کے دین پر ہوں مذہب کے بارے میں جو گمراہ ہے ہوا کرے کیونکہ میں نے تو ہدایت اختیار کر لی (شرح نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۲)

انہیں خدمات و احسانات کو یاد کرکے علامہ ابن ابی الحدید نے بھی ... ابوطالب کی شان میں کئی شعر کہے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں ؎

ولولا ابوطالب وابنہ — لما مثل الدین شخصا فقاما

فذاک بمکۃ آوی وحامی — وھذا بیثرب جس الحماما

اگر ابوطالب اور ان کے فرزند (حضرت علیؑ) نہ ہوتے تو یہ مذہب (اسلام) نہ صورت پکڑتا نہ کھڑا ہو سکتا۔ انہیں (ابوطالب) نے مکہ میں حضرت رسولؐ کو پناہ دی اور آپ کی حمایت کی اور انہوں (حضرت علیؑ) نے مدینہ میں (اسلام کی اشاعت کے لیے) موت سے مقابلہ کیا (شرح ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۱۸)

جو لوگ جناب ابوطالب کے ایمان میں شک و شبہ کرتے ہیں ان کے متعلق علامہ موصوف نے کیا خوب کہا ہے ؎

وما ضر مجد ابی طالب — جھول لغا او بصیر تعامی

کما لا یضر ایات الصباح — من ظن ضوء النھار الظلاما

جس طرح وہ شخص جو دن کی روشنی کو اندھیرا ہی سمجھے اپنے اس سمجھنے سے صبح کی نشانیوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتا بالکل اسی طرح کسی جاہل کے لغو بکنے یا کسی آنکھ والے کے خواہ مخواہ اندھے بن جانے سے حضرت ابوطالب کی شان گھٹ نہیں سکتی (شرح مذکور جلد ۳ صفحہ ۳۱۸) علامہ مذکور ہی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوطالب نے حضرت رسول خدا صلعم کو تلاش کیا۔ آپ نہیں ملے تو آپ کو خوف ہوا کہ کہیں قریش نے آپ کو پکڑ نہ لیا ہو آپ فوراً اپنے تیسرے فرزند جعفر کو لے کر حضرتؐ کی تلاش میں نکلے جا کر دیکھا کہ مکہ کی ایک گھاٹی میں حضرت رسولؐ اور حضرت علیؑ کھڑے

نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر جناب ابوطالب نے جناب جعفر سے کہا تقدم وصل جناح ابن
عمک۔ آگے بڑھو اور تم بھی رسولؐ کے پیچھے مل کر نماز پڑھ لو۔ اس طرح جب تینوں بزرگ نماز
پڑھنے لگے تو ابوطالب یہ منظر دیکھ کر خوشی سے رو دئیے اور کہا ؎

ان علیا و جعفرا ثقتی — عند ملم الخطوب والنوب
لا تخذلا وانصرا ابن عمکما — اخی لامی من بینهم وابی
واللہ لا اخذل النبی ولا — یخذلہ من بنی ذو حسب

یقیناً مصیبتوں اور پریشانیوں کی حالت میں علی اور جعفر میرے معتمد علیہ ہیں۔ اے فرزندو تم
لوگ اپنے ابن عم (حضرت رسولؐ) کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا بلکہ ان کی مدد کرتے رہنا تمہارے چچا (حضرت
رسولؐ کے والد) میرے بھائیوں میں حقیقی بھائی تھے کہ ان کے باپ میرے باپ اور ان
کی ماں میری ماں تھیں۔ خدا کی قسم میں بھی رسول کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا اور نہ میرے
بیٹوں سے کوئی شریف اور سعید فرزند ان کا ساتھ چھوڑ سکتا ہے (کتاب مذکور صفحہ ۲۷۳) ؎
غرض مرتے وقت تک جناب ابوطالب نے حضرت رسول خدا صلعم کی بہترین خدمت، تربیت
اور حمایت کی اور تمام قریش آپ کے دشمن ہو گئے مگر آپ نے اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی۔ نہ رسول
کا کبھی ساتھ چھوڑا۔ شعب سے نکلے ہوئے ابھی آپ کو ۸ مہینہ سے کچھ ہی دن زیادہ ہوئے تھے
کہ جناب ابوطالب نے نصف ماہ شوال (یا ذیقعد) سنہ ۱۰ بعثت میں انتقال کیا۔
آپ کی عمر بھی ۸۰ سال سے زیادہ (غالباً ۸۵ سال) ہو چکی تھی۔ وفات کے قریب آپ نے سرداران
قریش کو بلایا (اپنے بھائیوں بھتیجوں اور فرزندوں کو جمع کیا) اور ان سب سے حضرت
رسولؐ کے متعلق وصیتیں کیں۔ کہا قریش والو! میں تم سے محمد (رسول خداؐ) کے بارے میں وصیت
کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ ہمیشہ نیکی سے پیش آنا کیونکہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق

۵۳ حضرت رسول خدا صلعم بھی جناب ابوطالب کو ذریعہ سمجھتے تھے۔ آپ کے لڑکپن کا ایک واقعہ یہ بھی لکھا
ہے کہ ایک روز حضرت ابوطالب اور ابولہب میں کشتی ہوئی تو ابولہب نے آپ کو گرا دیا اور سینہ پر چڑھ بیٹھا۔ حضرت
رسول خدا صلعم بھی جناب ابوطالب کے ساتھ تھے یہ دیکھ کر آپ نے فوراً ابولہب کی زلفیں پکڑ کر کھینچ لیں۔ اس پر
ابولہب نے کہا میں بھی تمہارا چچا ہوں اور یہ بھی تمہارے چچا ہیں۔ پھر میرے مقابلہ میں تم نے ان کی مدد کیوں کی۔!
آپ نے فرمایا تم سے زیادہ مجھے یہ (جناب ابوطالب) محبوب ہیں (خصائص کبریٰ علامہ سیوطی ص۸۷) مگر
آں حضرت صلعم جناب ابوطالب کو صرف اس وجہ سے زیادہ دوست رکھتے تھے کہ جناب
ابوطالب بھی حضرت رسول خدا کی طرح خدا کے مطیع بندے تھے اور مکارم اخلاق کے
اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ ۱۲

مشہور ہیں اور ان میں وہ کل خوبیاں موجود ہیں جن کی میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔ وہ خدا کی طرف سے
یقیناً ایسا مذہب لائے ہیں جس کو سب کے دل (حق اور درست) مانتے ہیں اگرچہ وہ لوگ اپنی بدنامی
کے خوف سے زبان سے اس کا انکار ہی کرتے ہیں۔ پس اے قریش والو تم سب ان کے
پیرو اور والی اور ان کے کلمہ پڑھنے والوں کے حامی و مددگار ہو جاؤ۔ خدا کی قسم جو شخص بھی ان
کے مذہب پر چلے گا وہ اچھا اور سیدھی راہ پر رہے گا اور جو شخص ان کی ہدایت قبول کرے
گا وہ نیک بخت اور خوش قسمت ہو جائے گا۔ اگر میری زندگی کچھ دنوں اور رہتی اور موت مجھے
مہلت دیتی تو میں ہمیشہ ان سے فتنوں اور مصیبتوں کو دفع کرتا رہتا اور ان کی آفتوں کو زائل کرتا رہتا
حضرت رسول خدا صلعم کی حمایت کے علاوہ یہ وصیتیں بھی آپ نے ان لوگوں سے کیں۔ اس
خانہ کعبہ کی تم لوگ ہمیشہ تعظیم کرتے رہنا کہ اس سے خدا خوش رہے گا تم لوگ صلہ رحم بھی کرتے رہنا
اور خبردار قطع رحمی نہ کرنا کیونکہ صلہ رحم کرنے سے انسان کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور ایسا کرنے والے کی
قوت بڑھتی ہے۔ اور ظلم زیادتی بزرگوں کی نافرمانی بغاوت ہرگز نہ کرنا کہ تم سے پہلے انہیں خرابیوں
کی وجہ سے کتنی قومیں برباد ہو گئیں۔ جو شخص کسی ضرورت سے تم کو بلائے اس کے لیے ضرور
جانا اور سائل کچھ مانگے اس کو ضرور دینا کیونکہ ان دونوں خوبیوں میں زندگی کا شرف بھی ہے
اور موت کی عزت بھی۔ اس کا بھی خیال رکھنا کہ ہمیشہ سچ بولا کرو اور لوگوں کی امانتیں ادا
کیا کرو کہ ان باتوں سے خاص لوگ تم سے محبت اور عام لوگ تمہاری
عزت کریں گے۔ اس کے بعد انتقال کر گئے آپ کو غسل دیا گیا۔ کفن پہنایا گیا اور اسلام کے اصول
کے مطابق آپ دفن کئے گئے۔ جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت رسول خدا صلعم جنازہ کے آگے
آگے چلتے تھے۔ روتے اور فرماتے تھے اے چچا آپ نے اپنی قرابت کا پورا حق ادا کیا خدا آپ کو جزائے
خیر دے (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۲۳۹ و سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۵۲) دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے
اپنے انتقال کے وقت جناب عبدالمطلب کے خاندان والوں کو بلا بھیجا اور کہا جب تک تم لوگ محمدؐ کی
بات سنتے اور ان کی پیروی کرتے رہو گے اس وقت خیر ہی پر رہو گے۔ لہٰذا تم لوگ ان کی اطاعت کرو
تا کہ بھلائی حاصل کرو (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ ص ۳۵۲) اس سے زیادہ ایمان ابوطالب کی کیا دلیل چاہیئے؟
جناب ابوطالب کے نام میں بھی بہت اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ آپ کا نام ابوطالب ہی
تھا بعض عبد مناف اور بعض عمران کہتے ہیں (عمدۃ الطالب صفحہ ۵ و اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۲)
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا حضرت رسول خدا کے آباؤ اجداد بھی بہشت میں ہوں
گے اور عبدالمطلب بہشت میں اس طرح جائیں گے کہ ان میں انبیاء کا نور اور بادشاہوں کا جمال
روشن ہوگا اور ابوطالب بھی اسی زمرہ میں ہوں گے (اصابہ جلد ۷ صفحہ ۱۱۵) جناب ابوطالب کے

انتقال کا صدمہ حضرت رسول خدا صلعم کو اس درجہ ہوا کہ اس سال کا نام آپ نے عام الحزن (رنج و مصیبت کا سال) رکھا۔ آپ کے بعد آنحضرتؐ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے اور کفار قریش نے نہایت سخت یورش کی۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ابوطالب آنحضرتؐ سے ۳۵ سال بڑے تھے ابوطالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہ نے بھی وفات کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ابوطالب کے پہلے انتقال کیا۔ اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونوں اٹھ گئے ابوطالب اور خدیجہ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا؛ اب وہ نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرت کو ستاتے تھے (سیرۃ النبیؐ جلد ا صفحہ ۱۸۲)

عباس بن عبدالمطلب

حضرت رسول خدا صلعم کے چچا تھے۔ ان کی ماں کا نام نتیلہ تھا۔ آپ حضرت رسول خدا صلعم سے دو یا تین برس بڑے تھے۔ آپ ہجرت سے قبل اسلام لا چکے تھے۔ مگر اپنے اسلام کو چھپاتے تھے[1] (اسد الغابہ اردو ترجمہ جلد ۵ صفحہ ۱۴۵) کچھ دنوں کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے حضرت رسول خدا صلعم کے پاس چلے گئے اور آپ کے ساتھ فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ غزوہ حنین میں بھی شریک تھے آپ بہت ہی صاحب الرائے اور عقلمند تھے۔ ایک دفعہ آپ نے آنحضرتؐ سے کہا کہ قریش آپس میں ملتے ہیں تو بہت ہی کشادہ پیشانی اور جب ہم سے ملتے ہیں تو منہ بنا لیتے ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ بھی غصہ میں آ گئے۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور ان سے فرمایا خدا کی قسم ہرگز کسی شخص کے قلب میں ایمان نہ داخل ہوگا۔ جب تک آپ لوگوں سے اللہ اور رسولؐ کے لیے محبت نہ کرے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ عباس تم لوگوں کے نبی کے چچا ہیں۔ قریش میں سب سے زیادہ سخی ہیں اور سب سے زیادہ صلہ رحم کرنے والے ہیں۔ آپ کی یہ جلالت تھی کہ ایک دفعہ خلیفہ دوم کے زمانہ میں قحط پڑا تو انہوں نے حضرت عباس کا واسطہ دلا کر پانی برسنے کی دعا مانگی جس پر اللہ نے خوب پانی برسایا کہ زمین سرسبز ہو گئی۔ اس پر خلیفہ دوم نے کہا واللہ یہ خدا کی طرف پہنچانے کے لیے اور اس سے تقرب حاصل کرنے کے وسیلہ ہیں۔ صحابہ آپ کی بزرگی کی قدر کرتے اور ان کو ہر کام میں مقدم سمجھتے ان سے مشورے لیتے اور ان کی رائے پر عمل کرتے تھے ان کے دس بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ۱۲ رجب ۳۲ھ (غالباً ۶۵۲ء) کو مدینہ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن کیے گئے۔ آپ کی عمر ۸۸ سال کی ہوئی۔ قد لانبا اور بدن خوبصورت تھا۔ آپ نے سترہ غلام آزاد کیے تھے۔

جناب حمزہ

حضرت عبدالمطلب کے صاحبزادے اور حضرت رسول خدا کے چچا تھے۔ ان کی ماں ہالہ بنت وہیب (حضرت آمنہ مادر حضرت رسول خدا صلعم کی چچازاد بہن) تھیں

[1] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کے چچا بھی تقیہ پر عمل کرتے تھے۔ ۱۲

اس طرح آپ آنحضرت صلعم کے خالہ زاد بھائی بھی ہوئے اور آپ کو اور آنحضرتؐ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا اس وجہ سے آپ آنحضرتؐ کے رضاعی بھائی بھی ہوئے۔ آپ حضرت رسولؐ خدا سے دو برس بڑے قریش میں بڑے باعزت اور غیرت دار تھے۔ بعثت کے چھٹے سال اسلام لائے۔ جس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک روز ابوجہل نے آنحضرتؐ کو بہت ستایا اور گالیاں دیں۔ اس وقت جناب حمزہ شکار کو گئے تھے واپس آئے تو ایک لونڈی نے ابوجہل کے ستانے کا واقعہ کہہ دیا۔ یہ سن کر جناب حمزہ کو غصہ آ گیا۔ سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے زور سے کمان کھینچ ماری اور اچھی طرح زخمی کر دیا اور اسی وقت اپنے اسلام کا بھی اعلان کر دیا۔ آپ کے اسلام لانے سے قریش نے سمجھ لیا کہ رسولؐ خدا کی قوت اب بڑھ گئی اور وہ زیادہ محفوظ ہو گئے پس وہ اپنی بعض حرکتوں سے باز آ گئے۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ کو ہجرت کی غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور بڑے نمایاں کام کیے۔ شیبہ کو لڑ کر قتل کیا۔ عتبہ کے قتل میں یہ اور حضرت علی شریک تھے۔ طعیمہ کو بھی قتل کیا۔ آپ اپنے جھنڈے میں شترمرغ کے پر لگایا کرتے تھے۔ غزوہ بدر میں رسولؐ کے سامنے دونوں ہاتھ میں تلوار لیکر جنگ کی۔ پھر آپ غزوہ احد میں شریک ہوئے جس میں ۳۱ کافروں کو قتل کیا تھا۔ ناگاہ اسی حالت میں ان کا پاؤں پھسلا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑے۔ اور زرہ ان کے پیٹ سے ہٹ گئی پس وحشی نامی ایک حبشی نے نیزہ مار کر آپ کو بتاریخ ۵ شوال ۳ھ ہجری (۶۲۵ء) شہید کر دیا۔ پھر کافروں نے آپ کے بدن کا مثلہ کیا۔ ہندہ (معاویہ کی ماں) نے جناب حمزہ کا پیٹ چاک کیا اور ان کا جگر نکال کر چبانے لگی مگر نگل نہ سکی تو تھوک دیا۔ اس واقعہ سے آنحضرتؐ کو نہایت صدمہ ہوا۔ آپ کی لاش کے پاس جا کر کھڑے ہوئے اور فرمایا اے چچا اللہ آپ پر رحم کرے بیشک آپ بڑے صلہ رحم اور بہت نیکی کرنے والے تھے۔ جب آنحضرتؐ نے حضرت حمزہ کو مقتول دیکھا تو بہت روئے اور جب یہ دیکھا کہ آپ کے ساتھ مثلہ کیا گیا ہے تو آپ چلائے اور فرمایا کہ اگر صفیہ (جناب حمزہ کی بہن) رنجیدہ نہ ہوتیں تو میں انہیں اسی حالت میں چھوڑ دیتا کہ یہ پرندوں اور درندوں کے پیٹ سے حشر کے دن نکلتے۔ جب نبیؐ مدینہ لوٹ کر آئے تو آپ نے سنا کہ شہدائے انصار کے لیے عورتیں رو رہی ہیں آپ نے فرمایا افسوس حمزہ کے لیے کوئی رونے والا نہیں ہے۔ انصار نے جو اس کو سنا تو انہوں نے اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ اپنے شہیدوں سے پہلے حضرت حمزہ کے لیے روئیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا[1] واقدی نے

[1] حضرت امام حسینؑ پر رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کے جائز ہونے کی ایک یہ بھی بہت بڑی دلیل ہے کہ خود حضرت رسول خدا نے اپنے شہید چچا پر لوگوں کے رونے کی آرزو کی اور جب ان پر نوحہ و ماتم کیا گیا تو آپ کا دل مطمئن ہوا مگر اس زمانہ میں جو لوگ امام حسینؑ کے رونے پر اعتراض کرتے ہیں۔ درحقیقت حضرت رسولؐ خدا پر معترض

لکھا ہے کہ اب تک برابر زنان انصار مرثیوں میں حضرت حمزہ سے ابتدا کرتی ہیں (ترجمہ اسد الغابہ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۳ صفحہ ۶۵) شہادت کے وقت جناب حمزہ کی عمر ستاون برس کی تھی۔ ان کے جنازہ پر حضرت رسول خدا نے نماز پڑھی جناب حمزہ حضرت رسول خدا سے روایت کرتے تھے کہ حضور نے فرمایا ہے دعا میں یہ کلمہ ضرور کہا کرو اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاِسْمِكَ الْاَعْظَمِ وَرِضْوَانِكَ الْاَكْبَرِ۔
جب معاویہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں نہر کھدوائی تو لوگ اپنے احد کے شہیدوں کے لیے چلائے کیوں کہ اس نہر میں ان شہیدوں کی قبریں کھدتی تھیں۔ افسوس معاویہ والے ان شہیدوں کی قبروں کو بہت بے باکی سے کھود رہے تھے۔ یہ واقعہ شروع ۴۰ھ ہجری کا ہے۔ اسی میں ایک بیلچہ حضرت حمزہ کے پیر میں لگ گیا اور اس سے خون کی چھینٹیں اڑیں (شہدا) چوں کہ زندہ رہتے ہیں لہذا زندوں کی طرح ان کے جسم میں بھی خون رہتا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۶۸ واصابہ جلد ۲ صفحہ ۳۷)

طالب

حضرت ابوطالب کے سب سے بڑے لڑکے اور جناب امیرؑ کے سب سے بڑے بھائی تھے۔ انہیں کے نام سے ابوطالب کی کنیت ہے (طالب کے باپ) ہوئی۔ افسوس عام کتابوں میں ان کا حال نہیں ملتا۔ بڑی مشکل سے دو تین کتابوں میں مختصر ذکر مل سکا۔ علامہ ابن قتیبہ دینوری نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب کے چار بیٹے ہوئے۔ طالب، عقیل، جعفر اور حضرت علیؑ اور ہر بھائی دوسرے سے دس برس چھوٹا تھا ان سب نے اولاد چھوڑی سوا طالب کے کہ کسی کو نہیں چھوڑا (معارف صفحہ ۳۹) اور جناب سید جمال الدین نے لکھا ہے کہ حضرت ابوطالب کے چار بیٹے ہوئے طالب، عقیل، جعفر اور حضرت علیؑ اور ہر بھائی دوسرے بھائی سے دس سال چھوٹے تھے اس طرح جناب طالب حضرت علیؑ سے تیس سال بڑے تھے انہیں کی وجہ سے آپ کے باپ کی کنیت ابوطالب (طالب کے باپ) ہوئی۔ ان چار فرزندوں کی ماں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں اور یہ پہلی بیوی ہیں جن سے ہاشمی فرزند سب سے اول پیدا ہوئے۔ طالب مکہ ہی میں رہے یہاں تک کہ جب غزوہ بدر ہوا تو قریش نے ان کو بھی اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ وہ روانہ ہوئے مگر راستے ہی میں سے گم ہو گئے اور پھر ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔ اور کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ وہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے سمندر کی طرف چلے گئے جس میں ڈوب گئے اور ان کی اولاد کوئی نہیں ہے۔ (عمدۃ الطالب صفحہ ۱۵)

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳: ہوتے ہیں بلکہ خدا پر طعن کرتے ہیں اس لیے کہ حضرت رسول خدا صلعم تو جو فرماتے یا کرتے وہ خدا ہی کے حکم اور وحی سے۔ پس حضرت حمزہ پر رونے و ماتم کرنے کی خواہش بھی آپ نے خدا ہی کے حکم سے کی اگر یہ بات خدا کو پسند نہیں ہوتی تو ہرگز آنحضرت اس کی آرزو نہیں کرتے ۱۲۔

اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ جناب ابوطالب کی چھ اولاد تھیں چار بیٹے۔ طالب، عقیل، جعفر اور حضرت علیؑ اور دو بیٹیاں تھیں ام ہانی اور جمانہ۔ ان سب کی ماں بنت اسد تھیں۔ طالب غزوہ بدر میں مر گئے۔ جب مکہ کے مشرکوں نے آپ کو مجبور کر کے مسلمانوں سے لڑنے کو بھیجا (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۱۸۴) اور علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ قریش کے کافروں نے طالب ابن ابی طالب کو غزوہ بدر میں مجبور کر کے لڑنے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ وہ گئے مگر پھر ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔ البتہ ان کا یہ کلام اب تک محفوظ ہے ؎

یا رب اما خرجوا بطالب ۔۔۔ فی مقنب من تلکم المقانب
فاجعلهم المغلوب غیر الغالب ۔۔۔ والرجل المسلوب غیر السالب

اے خدا اگر یہ لوگ طالب کو زبردستی اپنی فوج کے ساتھ لے جاتے ہیں تو ان کو تو شکست دے اور فتح نہ دے اور ان کو اس درجہ کمزور کر دے کہ یہ خوب لوٹے جائیں اور کسی کو لوٹ نہ سکیں۔ (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۵ صفحہ ۱۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ جناب طالب بھی دل سے ایمان رکھتے تھے اور قریش کے خوف سے اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے اور یہی تقیہ ہے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسی سال پیدا ہوئے تھے۔ جس سال (یعنی ۵۷۰ء میں) حضرت رسالت مآبؐ کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔

جناب عقیل

حضرت ابوطالب کے دوسرے فرزند جناب امیر علیہ السلام سے بیس سال بڑے تھے۔ آپ کی ولادت (غالباً) ۵۹۰ء میں ہوئی تھی۔ آپ حضرت رسول خدا صلعم کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کی کنیت ابو یزید تھی۔ آپ سے حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ میں تم کو دو محبتوں کی وجہ سے بہت زیادہ محبوب رکھتا ہوں۔ ایک تو خاندانی قرابت کی وجہ سے کہ تم میرے چچازاد بھائی ہو۔ دوسرے اس وجہ سے کہ میرے چچا حضرت ابوطالب تم کو بہت دوست رکھتے ہیں۔ آپ کو بھی مکہ کے مشرکوں نے مجبور کر کے غزوہ بدر میں بھیجا تھا جس میں آپ قید کر لیے گئے تو آپ کے چچا عباس نے اپنے پاس سے آپ کا فدیہ دے کر چھڑایا۔ پھر واقعہ حدیبیہ کے قبل اپنا اسلام ظاہر اور اس کا اعلان کر کے ۸ ہجری میں آپ مدینہ آ گئے تھے۔ حضرت کے ساتھ غزوہ موتہ میں شریک تھے وہاں سے واپسی کے بعد آپ بیمار ہو گئے۔ جس کی وجہ سے فتح مکہ و غزوہ حنین و طائف میں آپ کا کوئی ذکر نہیں سنا گیا۔ نبی صلعم نے آپ کو خیبر میں ہر سال کے لئے ایک سو چالیس وسق (جو عرب کا ایک وزن ہے) غلہ عنایت کیا تھا۔ حنین کے واقعہ میں آپ اُن لوگوں میں تھے۔ جو حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ ثابت قدم رہے اور حضرت کو چھوڑ کر صحابہ کی طرح نہیں بھاگے آپ ایسے حاضر جواب تھے کہ مخالف کی فوراً زبان بند ہو جاتی تھی۔ آپ میں بہت سی نیک خصلتیں تھیں

آپ قریش کے نسب اور وقائع کو خود قریش سے بہت زیادہ جانتے تھے اسی وجہ سے قریش آپ سے خاص دشمنی رکھتے تھے کیوں کہ آپ ان کے نسب کی اصلی اور پتے کی باتیں صاف صاف بیان کر دیتے تھے۔ آپ کے پاس ایک بوریا تھا جو آپ کے لیے رسول خدا کی مسجد میں بچھا دیا جاتا تھا۔ لوگ نسب اور واقعات عرب کے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے آپ کے پاس کثرت سے پہنچا کرتے اور اسی سبب سے لوگ آپ کو دشمن بھی رکھتے۔ اور آپ کے حق میں غلط باتیں کہتے اور آپ کی باتوں کو اسی سبب سے حماقت کی طرف منسوب کرتے اور آپ پر جھوٹی باتوں کا افترا باندھتے اور ان باتوں کا موقع اسی وجہ سے اور زیادہ ملا کہ آپ حضرت علیؑ سے (ابصر۔۔۔) جدا ہو کر معاویہ کے پاس شام چلے گئے تھے۔ آپ کے شام جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ بہت مقروض ہو گئے تھے تو حضرت علی کے پاس کوفہ میں آئے۔ حضرت نے آپ کو بہت عزت اور محبت سے اتارا اور اپنے بڑے صاحبزادے امام حسن کو حکم دیا کہ اپنے چچا کو نئے کپڑے پہنا دیں۔ چنانچہ آپ کو نئے کپڑے پہنا دیئے گئے پھر جب شام ہوئی تو حضرت نے آپ کو شب کے کھانے کے لیے بلایا۔ آئے تو دیکھا کہ کھانے کو صرف روٹی نمک اور ترکاری تھی۔ اس پر جناب عقیل نے کہا کہ جس کو میں خیال کرتا ہوں وہی ہے؟ حضرت علیؑ نے کہا نہیں تو پھر جناب عقیل نے کہا کہ آپ میرا قرض ادا کر دیجئے۔ حضرتؑ نے پوچھا آپ کا قرض کس قدر ہے۔ کہا چالیس ہزار۔ حضرتؑ نے فرمایا اس قدر مال میرے پاس نہیں ہے۔ لیکن اس وقت تک صبر کیجئے کہ جو وظیفہ ملتا ہے مل جائے۔ جناب عقیل نے کہا کہ آپ بیت المال کے مالک ہیں اور مجھ کو وظیفہ کے انتظار میں ڈالتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کیا آپ مجھ کو حکم دیتے ہیں کہ میں مسلمانوں کے مال میں خیانت کرکے آپ کو دے دوں۔ حالاں کہ ان لوگوں نے مجھے امین بنایا ہے۔ اس پر جناب عقیل نے کہا اچھا مجھ کو معاویہ کے پاس جانے کی اجازت ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں چنانچہ آپ معاویہ کے پاس چلے گئے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۸۶)

صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ عقیل کو بیت المال سے دو درم روز ملا کرتے تھے چاہا کہ کچھ اضافہ ہو جائے تو فراغت سے بسر ہو کچھ کھانا تیار کرکے علی مرتضیٰؑ کی دعوت کی اور عرض کیا کہ نہایت تنگی اور افلاس سے بسر ہوتی ہے کچھ وظیفہ زیادہ کر دیجئے۔ فرمایا میری دعوت کا سرانجام کیوں کر کیا؟ عرض کی کئی دفعہ ڈیڑھ درم خرچ کرکے آدھا آدھا درم جمع کرکے بندوبست کیا ہے۔ فرمایا بس تو تم کو ڈیڑھ ہی درم کافی ہے تنگی کی شکایت ناحق کرتے ہو۔ جب عقیل نے بہت اصرار کیا تو علیؑ مرتضیٰؑ نے عقیل سے پوشیدہ چراغ پر لوہے کو گرم کیا اور اچانک عقیل کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ عقیل نے مضطرب ہو کر کہا بھائی تم نے میرا ہاتھ کیوں جلا دیا! جناب امیر نے فرمایا کہ جب تم اتنی سی آگ کی برداشت نہیں کر سکتے تو تم کو کیوں کر گوارا ہو سکتا ہے کہ میں حقوق اہل اسلام میں سے تمہارے حصہ سے زیادہ دے کر نار عقبیٰ میں گرفتار ہوں اور صواعق محرقہ میں ہے کہ علی مرتضیٰ نے ایک شخص سے کہا کہ عقیل کو بازار میں لے جاؤ تاکہ کسی دوکان کا قفل توڑ کر اس میں سے مال نکال لیویں۔ عقیل نے کہا آپ مجھ کو چور بنانا چاہتے ہیں علی مرتضیٰ نے کہا یہی حال میرا ہو اگر میں مسلمانوں کا مال تم کو دوں اور ان کو نہ دوں۔ اس پر عقیل ناراض ہو کر معاویہ کے پاس دمشق چلے گئے۔ معاویہ نے جناب عقیل کی بہت تعظیم و تکریم کی اور کمال تواضع سے پیش آیا۔ بروایت ابن قتیبہ ۳ لاکھ اشرفیاں دے دیں۔ اور ایک مجمع میں جس میں اشراف و اعیان حاضر تھے کہا کہ عقیل وہ شخص ہیں کہ ان کو ابو طالبؑ دان کے باپ) علیؑ پر ترجیح دیا کرتے تھے جناب عقیل نے کہا اے معاویہ یہ غلط ہے مور ضعیف کو سلیمان سے اور سہا کو مہر انور سے کیا نسبت ہے؟ کہاں ذرہ حقیر کہاں مہر منیر الصفات کہ جب ہم تم بت پرستی کرتے تھے تو علی نماز پڑھتے اور جہاد کرتے تھے۔ میرا آنا تیرے پاس صرف مزخرفات دنیوی کے سبب سے ہے اگر مثوبات اخروی کا خیال کرتا تو ان حضرتؑ کی خدمت سے ہرگز جدا نہ ہوتا۔ القصہ اس معاملہ میں عقیل اور معاویہ کے درمیان بہت سے مناظرے ہوئے یہ ۳۶ھ ہجری کا واقعہ ہے (حبیب السیر از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۲۳) ایک روز معاویہ نے ان کے متعلق کہا کہ یہ ابو یزید اگر یہ نہ جانتے کہ میں ان کے لیے بہتر ہوں ان کے بھائی سے تو یہ ہمارے پاس نہ رہتے۔ عقیل نے کہا کہ میرا بھائی میرے دین کیواسطے بہتر ہے اور تم میری دنیا کے نئے میرے واسطے بہتر ہو۔ تمہارے ذریعہ سے میری دنیا تو بن گئی مگر میری عاقبت کی خدا ہی خیر کرے اور اللہ سے بذریعہ اس کے احسان کے خیریت خاتمہ کو چاہتا ہوں۔ جب یہ معاویہ کے پاس پہنچے تو اس نے کہا اے ابو یزید علیؑ اور ان کے اصحاب کو کیسا چھوڑ آئے ہو؟ کہا علیؑ کے اصحاب بالکل حضرت رسول خدا صلعم کے اصحاب ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انہیں حضرت رسول خدا صلعم موجود نہیں اور تمہارے اصحاب سب وہی ہیں (جو رسول کے مخالف اگر سفیان) کے اصحاب تھے۔ صرف ابو سفیان تم لوگوں میں نہیں ہے۔ جب دوسرے دن صبح ہوئی تو اپنے تخت پر بیٹھا اور جناب عقیل کو اپنے تخت کے پہلو میں کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر سب لوگوں کو آنے کا حکم دیا۔ لوگ آنے لگے۔ ضحاک بن قیس آ کر معاویہ کے ساتھ اسی تخت پر بیٹھا۔ پھر جناب عقیل کو اذن دیا وہ بھی اس کے پاس آئے اور پوچھا اے معاویہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ معاویہ نے کہا ضحاک بن قیس۔ عقیل نے کہا الحمد للہ جس نے کمینگی کو دور کیا اور عیب کو پورا کیا۔ یہ وہ شخص ہے جس کا باپ ہماری مویشیوں کو مقام الطبع میں خصی کیا کرتا تھا اس فن میں خوب مہارت رکھتا تھا۔ ضحاک نے کہا بیشک میں قریش کی خوبیوں کا عالم ہوں اور عقیل قریش کے معائب کے۔ معاویہ نے ان کو پچاس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے لیے اور لوٹ آئے۔

جناب عقیل نے ایک دفعہ نکاح کیا تو کسی نے بطور مبارک باد کہا بالرفاء والبنین۔ (تمہارا جوڑا ملا رہے اور بیٹے پیدا ہوں) انہوں نے کہا یہ نہ کہو نبی نے اس سے منع کیا اور فرمایا ہے کہ کہو بارک اللہ لکم و بارک علیکم۔ (اللہ تمہارے لیے برکت دے اور تم پر برکت نازل کرے)، حضرت عقیل کی وفات معاویہ کی خلافت میں ہوئی (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۶ صفحہ ۲۸۷) اور ایک روایت میں ہے کہ یزید کی خلافت کے شروع میں عقیل کا انتقال

ہوا (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۵) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ جب جناب عقیل نے حضرت علیؑ کے پاس آکر
بیان کیا اپنی ضرورت ظاہر کی تو حضرت نے انکو فرمایا الا حببت ان اکتب لک الی مالی بینبع فاعطیتک منہ
اگر آپ پسند کیجیئے تو میں آپ کو ایک تحریر لکھ دوں کہ میرے ینبع کے مال سے آپکو دے دیا جائے (تاریخ خمیس
جلد ۲ صفحہ ۵۸) مگر جناب عقیل نے اس کو کم سمجھا اور معاویہ کے پاس چلے گئے۔ جناب عقیل نے معاویہ کی خلافت میں
انتقال کیا مگر خاص سال انتقال کا پتہ نہیں ملتا (؟) علامہ سیوطی نے لکھا ہے استب عقیل ابن ابی طالب و
ابوبکر وکان ابوبکر سبابا۔ ایک دفعہ حضرت عقیل اور حضرت ابوبکر میں گالی بکنے کا سلسلہ شروع ہوا
تو حضرت ابوبکر سب سے زیادہ گالی بکنے والے نکلے (تاریخ الخلفا صفحہ ۳۷)

علامہ ابن حجر المکی نے لکھا ہے کہ جناب عقیل معاویہ کے ہاں گئے تو اس نے آپکی بڑی آؤ بھگت
کی۔ ایک روز یہ بھی کہا کہ اے عقیل ہیں تمہارے لیے تمہارے بھائی علیؑ سے بہتر ہوں جناب عقیل نے فرمایا ہاں
ٹھیک ہے۔ مگر یہ بات یہ ہے کہ میرے بھائی نے اپنی دنیا کے مقابلہ میں اپنی آخرت کی حفاظت کی لیکن تم
اپنی آخرت پر لات مار کر اپنی دنیا ہی بنانے کی فکر میں رہتے ہو (اسی وجہ سے مسلمانوں کا اتنا مال مجھے دے
دیا تاکہ میں تمہارا طرف دار ہو جاؤں)

اسی زمانہ میں ایک دفعہ اور آپ معاویہ کے ہاں گئے تو معاویہ نے آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا
جناب عقیل کی بینائی جا چکی تھی۔ اس پر معاویہ نے چوٹ کی کہ تم لوگوں یعنی بنو ہاشم کی بصارت (آنکھ کی روشنی)
جلد جاتی رہتی ہے۔ جناب عقیل نے کہا اے معاویہ اور تم لوگوں یعنی بنو امیہ کی بصیرت (دل کی روشنی) جلد جاتی
رہتی ہے [1] حضرت عقیل کے چچا ابولہب کی شادی معاویہ کی پھوپھی حمالۃ الحطب سے ہوئی تھی۔ اس پر بھی
ایک لطیفہ ہوا۔ ایک روز جناب عقیل معاویہ کے ہاں گئے تو اس نے کہا یہ عقیل ہیں انہیں کا چچا ابولہب تھا
جناب عقیل نے برجستہ کہا اور یہ معاویہ ہیں انہیں کی پھوپھی حمالۃ الحطب تھی۔ اس کے بعد فرمایا اے معاویہ
جب تم جہنم میں جانا تو بائیں طرف مڑ کر دیکھنا کہ میرے چچا ابولہب، تمہاری حمالۃ الحطب کیساتھ۔ اسوقت غور
کرنا کہ ان دونوں میں جو فاعل ہے وہ بہتر ہے یا جو مفعول ہے وہ اچھی ہے۔ ایکدفعہ معاویہ نے اُن سے کہا بنو ہاشم
کے مردوں میں شہوت کسقدر غالب رہتی ہے آپ نے برجستہ کہا ہاں بنو امیہ کی عورتوں میں تو اور زیادہ تیز رہتی
ہے (ثمرۃ الاوراق برحاشیہ مستطرف جلد ۱ صفحہ ۱۱۵) اور علامہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ جناب عقیل نے بزمانہ خلافت
معاویہ ۵۰ھ یا ۶۰ھ میں انتقال کیا اسوقت انکی عمر ۹۶ سال کی تھی آپ کا مدینہ میں ایک گھر تھا جو مشہور تھا آخر
عمر میں آپ کی آنکھ کی روشنی جاتی رہی تھی۔ آپ بڑے ہی حاضر جواب تھے۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ جناب
عقیل حضرت علیؑ کی زندگی میں معاویہ کے ہاں گئے تھے یا حضرت کے شہید ہونے کے بعد۔ ایک جماعت اس کی

[1] جناب عقیل کا اشارہ اس طرف تھا کہ ہم لوگ صرف دنیا میں نابینا ہو جاتے ہیں اور ہماری آخرت بنی رہتی ہے
مگر بنی امیہ دل کے اندھے ہو کر ایمان ہی کھو بیٹھتے ہیں ۱۲۔

قائل ہے کہ جناب امیرؑ کی شہادت کے بعد جناب عقیل وہاں گئے تھے وھذا القول ھو
الاظھر عندی یعنی قول میرے خیال میں بھی زیادہ صحیح ہے (شرح نہج البلاغہ مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۸۲)
علامہ مذکور نے اس کی زبردست دلیلیں دے کر اچھی طرح ثابت کیا ہے کہ جناب عقیل حضرت علیؑ کے
رہتے معاویہ کے ہاں نہیں گئے بلکہ آپ کے بعد گئے ہیں۔

جناب جعفر

حضرت ابوطالبؑ کے تیسرے فرزند تھے جو جناب امیرؑ سے دس سال بڑے تھے اور آپ جعفر
طیار کے لقب سے مشہور ہیں۔ سیرت اور صورت میں حضرت رسولخداؐ صلعم سے بہت مشابہ
تھے۔ اپنے بھائی حضرت علیؑ کے اسلام سے کچھ ہی پیچھے اسلام لائے۔ جناب ابوطالبؑ نے ایک مرتبہ نبیؐ اور علیؑ کو
دیکھا کہ یہ دونوں نماز پڑھ رہے ہیں۔ علیؑ آپ کے داہنی طرف ہیں تو ابوطالبؑ نے کہا تم بھی اپنے چچا کے بیٹے کے پہلو
میں ملکر نماز پڑھو اور تم انکی بائیں طرف کھڑے ہو۔ بعض کا قول ہے کہ یہ ۳۱ آدمیوں کے بعد اسلام لائے اور خود
بتیسویں ۳۲ شخص تھے۔ انہوں نے دو ہجرتیں کیں ایک ہجرت حبش کی طرف اور دوسری ہجرت مدینہ کیطرف رسولخدا
انکو ابوالمساکین کہا کرتے تھے جب انہوں نے حبش کیطرف ہجرت کی تو وہاں نجاشی کے پاس رہے یہانتک کہ جب
رسولخدا فتح خیبر کے بعد لوٹے تو یہ حبش سے واپس ہو کر رسولخدا سے ملے حضرت نے انہیں لپٹا لیا اور انکی دونوں
آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا میں نہیں جانتا کہ مجھے اسوقت کس بات کی زیادہ خوشی ہے آیا جعفر کے
آنے کی یا فتح خیبر کی انہیں رسولخداؐ نے مسجد کے پہلو میں رہنے کی جگہ دی۔ رسولخداؐ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر کو دیکھا
کہ وہ جنت میں فرشتوں کیساتھ دو پروں سے اڑتے تھے۔ ابوہریرہ بیان کرتے تھے کہ جعفر مسکینوں کیلئے سب سے زیادہ اچھے
تھے۔ وہ مجھے اپنے گھر لیجاتے اور جو کچھ ان کے گھر میں ہوتا مجھے کھلاتے یہاں تک کہ وہ اس خالی کپی کو اٹھا
لاتے تھے جسمیں گھی یا چربی رہتی تھی ہم اس کپی کو پھاڑ ڈالتے اور جو کچھ اسمیں ہوتا اسکو چاٹ لیتے تھے۔ رسولخدا
صلعم نے جمادی الاولیٰ ۸ھ ہجری میں غزوہ موتہ کیلئے لشکر بھیجا۔ غزوہ موتہ میں بہت سخت لڑائی ہوئی یہانتک کہ
زید بن حارثہ شہید ہو گئے ان کے بعد جعفر طیار نے جھنڈا لیا اور لڑے یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے ایک
صحابی بیان کرتے تھے کہ واللہ میں گویا اب بھی جعفر کیطرف دیکھ رہا ہوں جب وہ غزوہ موتہ میں اپنے گھوڑے سے
گرے اور انہوں نے غصہ میں اس گھوڑے کے پیر کاٹ ڈالے بعد اسکے آگے بڑھے یہانتک کہ شہید ہو گئے اسلام
میں یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے گھوڑے کے پیر کاٹے۔ جب لڑائی ہو رہی تھی تو جعفر کے دونوں ہاتھ
کٹ گئے اور جھنڈا انہیں کے پاس رہا۔ انہوں نے اسکو پھینکا نہیں بلکہ اسکو دانتوں سے پکڑ لیا۔ رسولخداؐ فرماتے تھے کہ انکے
عوض اللہ نے انہیں دو پر دیئے ہیں جن سے وہ جنت میں اڑتے پھرتے ہیں جب یہ شہید ہو گئے تو ستر سے کچھ اوپر زخم تلوار اور
نیزہ کے انکے بدن میں دیکھے گئے یہ سب زخم انکے سامنے والے حصہ جسم میں تھے جب یہ لوگ شہید ہوئے تو رسولخداؐ نے فرمایا
مجھے اسوقت جبرئیل سے یہ خبر ملی ہے کہ اب لشکر کا جھنڈا زید بن حارثہ نے لیا اور وہ لڑے یہانتک کہ شہید ہو گئے پھر جعفر نے لیا اور
لڑے یہانتک کہ وہ بھی شہید ہو گئے بعد اسکے فرمایا کہ عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا لیا اور لڑے یہانتک کہ وہ بھی شہید ہو گئے پھر

سب لوگوں کو جنت میں اٹھائے گئے آپ کی زوجہ اسماؑ بنت عمیس کہتی تھیں جب جعفر اور ان کے اصحاب شہید ہو گئے تو رسول خداؐ میرے پاس تشریف لائے۔ میں آٹا گوندھ چکی تھی اپنے بیٹوں کو نہلایا ان کے سر میں تیل ڈالا صاف کپڑے پہنائے تھے پس رسولخداؐ نے فرمایا کہ جعفر کے بیٹوں کو میرے پاس لاؤ میں انکو لے آئی رسولؐ نے ان کو پیار کیا اور آپ کی دونوں آنکھوں میں آنسو بھر آئے میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ میری ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کیوں روتے ہیں کیا جعفر کی کوئی خبر ملی ہے؟ فرمایا ہاں آج وہ شہید ہو گئے پس میں بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی اور چلانے لگی۔ اس پر عورتیں جمع ہو گئیں اور رسولخداؐ اپنے گھر لوٹ گئے اور آپ نے امہات المومنین سے فرمایا کہ جعفر کے گھر کی خبر رکھنا کیوں کہ وہ لوگ آج مصیبت میں گرفتار ہیں حضرت عائشہ کہتی تھیں جب جعفر کی وفات کی خبر آئی تو ہم نے رسولخداؐ کے چہرے میں سخت رنج دیکھا اور مروی ہے کہ رسولخداؐ کو جب جعفر کی شہادت کی ملی تو آپ ان کی بی بی اسماؑ بنت عمیس کے پاس تشریف لے گئے اور جعفر کی تعزیت کی اور حضرت سیدۃ النسا فاطمہ زہرا بھی روتی ہوئی تشریف لے گئیں اور کہتی تھیں **واعماہ** (ہائے میرے چچا) تو رسولخداؐ نے فرمایا کہ جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا ہی چاہیئے۔ رسولخداؐ کو اس واقعہ سے بہت ہی سخت رنج ہوا یہاں تک کہ جبرئیلؑ آپ کے پاس آئے اور آپ کو خبر دی کہ جعفر کو دو خون آلود بازو دیئے گئے ہیں جن سے وہ فرشتوں کے ساتھ اڑتے پھرتے ہیں۔ عبداللہ بن جعفر کہتے تھے جب میں اپنے چچا امیر المومنین حضرت علیؑ سے کچھ مانگتا تھا اور وہ مجھے نہ دیتے تو میں کہتا تھا بحق جعفر مجھے دے دیجئے پس فوراً مجھے دے دیتے تھے۔ حضرت جعفر کی عمر جب وہ شہید ہوئے اکتالیس برس کی تھی۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵) جناب جعفر کی شہادت پر آنحضرتؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ جعفر کے اہل و عیال کو کھانا بھیجا جائے کیونکہ وہ مصیبت میں مبتلا ہیں۔ کھانے پکانے کی فرصت نہیں ہے (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۳۳۹) سلہ

جناب جعفر کے آٹھ بیٹے عبداللہ عون۔ محمد الاکبر۔ محمد الاصغر۔ حمید۔ حسین۔ اور عبداللہ الاصغر ہوئے ان سب کی ماں اسماء بنت عمیس تھیں۔ بڑے بیٹے عبداللہ کی شادی حضرت امیر المومنینؑ کی بڑی بیٹی جناب زینب سے اور دوسرے بیٹے عون کی شادی جناب امیر المومنینؑ کی دوسری بیٹی حضرت ام کلثومؑ سے ہوئی تھی۔ جناب فقیر و مسکین کو بہت زیادہ

سلہ مذکورہ بالا حالات سے کئی مفید باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) کسی شہید کی شہادت کا ذکر کر کے رونا جائز بلکہ پیروی رسول ہے کیونکہ آنحضرت صلعم خود جناب جعفر کی شہادت ذکر کرتے اور روتے جاتے تھے اور جناب سیدہ سے آپ کا فرمانا کہ جعفر جیسے شخص پر رونے والیوں کو رونا ہی چاہیئے ثابت کرتا ہے جو شخص خدا کی راہ میں شہید ہو اس پر رونے کی تاکید رسولؐ نے فرما دی پس شہدائے کربلا پر مسلمانوں کا رونا بھی قول رسولؐ کی پیروی اس پر اعتراض کرنا غلطی ہے (۲) شہید پر نوحہ کرنا دلیل وغیرہ کہنا بھی قابل اعتراض نہیں کیونکہ خود جناب رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جناب سیدہ یا عماہ یا عماہ کہہ کر روتی رہیں اور آنحضرت صلعم نے اس کو منع نہیں فرمایا (۳) اہل عزا کے گھر کھانا بھجوانے کی رسم جو بعض مقامات پر رائج ہے غالباً یہ بھی حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل کی پیروی ہے جو بہترین اخلاقی تعلیم تھی۔

دوست رکھتے۔ ان کے پاس جا کر اکثر بیٹھا کرتے اور ان کی ہر قسم کی خدمت کیا کرتے اسکے ساتھ آپ کی ہمت کی یہ حالت تھی کہ غزوہ موتہ میں آپ کے جسم میں نیزے اور تلوار کے نوے سے زیادہ زخم لگے تھے مگر آپ نے منہ نہیں موڑا۔ جناب جعفر کی شہادت پر لوگوں نے آپکے بہت سے مرثیے کہے ہیں جنکے نقل کرنے میں طول ہوگا

حضرت رسولخدا محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

تاریخ ولادت

حضرتؐ قریش کے معزز ترین قبیلہ بنی ہاشم سے تھے والد کا نام جناب عبداللہ بن عبدالمطلب اور والدہ کا نام جناب آمنہ بنت وہب تھا آپکی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے اور آج تک مسلمان اس کو بھی طے نہیں کر سکے کہ حضرت کس تاریخ کو پیدا ہوئے۔ کوئی ۲ ربیع الاول کہتا ہے کوئی ۱۲ اور کوئی ۷ اور کوئی ۹ ربیع الاول۔ اہلسنت میں زیادہ مشہور ۱۲ ربیع الاول اور شیعوں میں گویا طے شدہ تاریخ ولادت ۱۷ ربیع الاول عام الفیل ہے مگر مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے تاریخ ولادت کے متعلق مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپکی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی (سیرۃ النبیؐ جلد اول صفحہ ۱۷۴) حضرتؐ کا نام محمدؐ رکھا گیا اور عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جناب عبدالمطلب نے یہ نام رکھا تھا پہلے آنحضرتؐ کو آپکی والدہ نے پھر ثوبیہ نے دودھ پلایا تھا۔ ایک روایت کے مطابق حضرتؐ کے پیدا ہونے سے پہلے اور دوسری کے موافق آپ دو ماہ کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آپ کے والد عبداللہ نے انتقال کیا۔ ثوبیہ کے بعد جناب حلیمہ سعدیہ آپ کو دودھ پلانے کو مقرر ہوئیں وہ حضرت کو اپنے گھر طائف سے جنوب کی طرف لے گئیں۔ وہاں آپ قبیلہ بنی سعد میں پانچ برس کی عمر تک پرورش پاتے رہے۔ درمیان میں کبھی کبھی حلیمہ آپ کی والدہ سے ملانے کیلئے مکہ میں بھی آپکو لایا کرتی تھیں۔ جب آپ پانچ برس کے ہو گئے تو اپنی والدہ کے پاس رہنے لگے۔ جب چھ برس کے ہوئے تو آپ کی والدہ آپکو لیکر اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کیلئے مدینہ گئیں وہاں ایک مہینہ تک مقیم رہیں۔ واپس آتے ہوئے بمقام ابوا (جو جحفہ سے ۲۳ میل پر ایک گاؤں ہے) انتقال کر گئیں اور وہیں مدفون ہوئیں۔ والدہ کے بعد حضرت عبدالمطلب نے آپ کو پہلے سے زیادہ اپنے دامن تربیت میں رکھا ہمیشہ آپکو اپنے ساتھ رکھتے اور اپنی اولاد سے زیادہ سمجھتے تھے مگر آپ آٹھ سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ جناب عبدالمطلب کا سایہ بھی اٹھ گیا اور وہ آپکی پرورش اپنے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت ابوطالبؑ جو آپکے حقیقی اور باپ سے زیادہ شفیق چچا تھے سپرد کر گئے۔ حضرت ابوطالبؑ ہی اب خانہ کعبہ کے متولی ہوتے اور وہ اور انکی بیوی جناب فاطمہ بنت اسد حضرت کی پرورش میں اپنی حقیقی اولاد سے زیادہ محنت اور توجہ کرنے لگیں جب حضرت ۹ سال کے ہوئے تو حضرت رسولؐ جناب ابوطالبؑ کے ساتھ شام کو تشریف لے گئے جہاں وہ تجارت کی غرض سے گئے تھے بصرے سے ۶ میل ادھر قریہ کفر میں پہنچے تو ایک

عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام بحیرا تھا اس نے حضرت کو دیکھ کر اور آپ کے حالات واوصاف پر غور کر کے کہا یہ سید المرسلین ہیں پھر آپکے چچا حضرت ابوطالبؑ سے کہا کہ ایسے یہودیوں سے بچانا اور حضرت بصرے ہی میں اپنا مال تجارت فروخت کر کے مکہ واپس چلے آئے اسکے کچھ دنوں بعد قریش اور قبیلہ قیس میں ایک مشہور لڑائی حرب فجار ہوئی اسمیں حضرت رسولخدا صلعم بھی قریش کیطرف سے شریک ہوئے بالآخر صلح پر خاتمہ ہوگیا۔ جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو حلف الفضول ہوا جس میں بنو ہاشم وغیرہ نے معاہدہ کیا ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔ آنحضرت صلعم بھی اس معاہدہ میں شریک تھے۔ اس کے بعد تعمیر کعبہ کی تجویز ہوئی کہ موجودہ عمارت ڈھا کر نئے سرے سے زیادہ مستحکم بنائی جائے۔ تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی مگر جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا آخر یہ طے پایا کہ کل صبح کو جو سب سے پہلے حرم میں آئے وہی ثالث قرار دیا جائے۔ صبح ہوئی تو سب سے پہلے حرم میں رسولخدا پہنچے آپ نے فرمایا جو قبائل دعوے دار ہیں سب سے ایک ایک سردار منتخب کیا جائے پھر آنحضرتؐ نے چادر بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھائیں جب چادر موقع کے برابر آگئی تو حضرت نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرمادیا۔ اس طرح آپ کی ابتدائی زندگی میں آپکے حسن تدبیر سے ایک سخت لڑائی رک گئی اور آپ کا رحمۃ للعالمین ہونا اسوقت عملاً ثابت ہوگیا۔ سن رشد کو پہنچنے کے ساتھ آنحضرت صلعم کو جب فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی تو اپنے خاندانی شغل تجارت کو پسند فرمایا[1] کاروبار تجارت میں ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے تجارت کی غرض سے شام و بصرے اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کیئے تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی

حضرت خدیجہ قریش کی ایک معزز خاتون تھیں آپکا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرتؐ صلعم سے ملتا ہے چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں۔ جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ کے لقب سے پکارتے تھے۔ نہایت دولتمند تھیں جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔ آنحضرت کی عمر اب ۲۵ برس کی ہو چکی تھی۔ متعدد قومی کاموں میں آپ شریک ہو چکے تھے۔ اب آپ کے حسن معاملہ، راستبازی صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت تھی یہاں تک کہ زبان خلق نے آپ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ حضرت خدیجہ نے ان وجوہ سے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام جائیں جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس کا مضاعف دوں گی۔ آنحضرتؐ نے قبول فرمایا اور مال تجارت

[1] حضرت کا پورا خاندان شروع سے تجارت پیشہ رہا اور خود حضرتؐ نے بھی مدت دراز تک اس کو جاری رکھا پیغمبر ہونے کے بعد اس کی بڑی مدح کی۔ بار بار فرمایا کہ رزق کے دس حصوں سے نو حصے صرف تجارت میں ہیں۔ مگر افسوس ہے اس زمانہ میں کتنے مسلمان اس شریف پیشہ کو حقیر سمجھتے اور غلامی کو ترجیح دیتے ہیں کتنے ایسے ہیں جو موذی پیشہ اختیار کریں گے مگر تجارت نہیں کریں گے۔ کتنے ایسے ہیں کہ جائداد بیچ بیچ کر کھائیں گے مگر تجارت سے شرم کریں گے۔ ۱۲

لے کر بصرے تشریف لے گئے۔ قافلہ تجارت واپس آیا تو لوگوں نے جناب خدیجہ سے آنحضرتؐ کے حسن معاملہ امانت دیانت وغیرہ کی اسقدر مدح کی کہ تین مہینہ کے بعد جناب خدیجہ نے آنحضرت صلعم کو مکہ میں سب سے زیادہ لائق، معزز اور امین سمجھ کر حضرتؐ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ جناب ابوطالب اور آنحضرت صلعم نے اسے منظور کر لیا۔ تاریخ معین پر جناب ابوطالب اور تمام رؤسا خاندان جن میں حضرت حمزہ بھی تھے حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے۔ جناب ابوطالبؑ نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانچ سو طلائی درہم مہر قرار پایا یہ واقعہ غالباً سنہ ۵۹۴ عیسوی کا ہے۔

مراسم شرک سے اجتناب

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے ایکدفعہ قریش نے آپکے سامنے کھانا لا کر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا یہ جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا آپ نے کھانے سے انکار کیا۔ یہ امر واقعی طور سے ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی اور جن لوگوں پر آپ کو اعتماد تھا ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے۔

احباب خاص

نبوت سے پہلے آپ کے جو احباب خاص تھے سب نہایت پاکیزہ اخلاق بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے۔ حضرت خدیجہ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے معزز رئیس تھے وہ بھی احباب خاص میں تھے۔ ضماد بن ثعلبہ جو جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے یہ بھی احباب خاص میں تھے جو لوگ آنحضرتؐ کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شریک تھے۔ ان میں سے ایک قیس بن سائب مخزومی بھی تھے۔ انکا بیان ہے کہ شرکت کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا۔

گوشہ نشینی

جب حضرت ۳۸ سال کے ہوئے تو گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کا شوق پیدا ہوا۔ کوہ حرا پر جس کو جبل نور بھی کہتے ہیں اور جو کہ مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے تشریف لے جاتے اور ایک غار میں جو چار ہاتھ لمبا اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑا تھا۔ بیٹھ کر خانہ کعبہ کو دیکھا کرتے اور ذکر حق میں مشغول رہتے۔ وہیں کھانا لے جاتے دو دو چار چار شبانہ روز وہاں رہتے اور پورا ماہ رمضان تو وہیں گزارتے۔

بعثت

جب آپ کی عمر چالیس[40] سال کی ہو چکی تو ایک دن اسی عالم تنہائی میں حضرت جبرئیل آپ کے پاس آئے اور کہا بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اقراء باسم ربک الذی خلق الآیۃ قرآن مجید کا یہی سورہ سب سے پہلے نازل ہوا (یہ ۲۷ رجب (غالباً سنہ ۶۱۹ء) کا واقعہ ہے) پھر آپ کو وضو کرنا اور نماز پڑھنا بتایا گیا حضرت خدیجہ اور حضرت علیؓ نے بھی اسی روز اپنے ایمان کو ظاہر کر کے آپ کیساتھ نماز جماعت پڑھی۔ پھر زید بن حارثہ حضرت خدیجہ کے آزاد کردہ غلام مسلمان ہوئے پھر اور لوگ مسلمان ہونے لگے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "سب سے پہلا مرحلہ نہایت خطرناک یہ تھا کہ یہ پُر خطر راز کس کے سامنے پیش کیا جائے؟ اس غرض کیلئے وہ لوگ انتخاب کئے جا سکتے تھے جو فیض یاب

صحبت رہ چکے تھے جن کو آپ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا جو پچھلے تجربات کی بنا پر آپ کے صدق دعوی کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے یہ لوگ حضرت خدیجہ آپ کی حرم محترم تھیں حضرت علیؑ تھے جو آپ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ زید تھے جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندہ خاص تھے۔ حضرت ابوبکر تھے (سیرۃ النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۵۰) جس سے معلوم ہوا کہ ممدوح کو بھی اس کا اقرار ہے کہ حضرت علیؑ نے پہلے ایمان ظاہر کیا اس کے بعد جناب زید اور ان کے بعد خلیفہ اول صاحب مسلمان ہوئے۔ ممدوح لکھتے ہیں جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے [۱] نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرتؐ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے۔" (الفضاً صفحہ ۱۵۱) تین برس تک آنحضرت نے نہایت رازداری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا [۲] لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا صادق حکم آیا فاصدع بما تؤمر اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے واشگاف کر دے اور نیز حکم آیا وانذر عشیرتک الاقربین اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا تو آپ نے حضرت ابوطالبؑ کے گھر میں چالیس آدمیوں کی دعوت کی جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا میں تمہارے واسطے ایسی چیز لایا ہوں جو دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے لیے بہتر ہے جو کچھ میں تم سے کہوں گا تم اس کا یقین کرو گے۔ سب نے کہا ہاں ہم آپ کو سچا اور امین جانتے ہیں آپ نے فرمایا خدا نے مجھے پیغمبر کیا ہے اور تمام عالم کی ہدایت کیلئے بھیجا اور حکم دیا ہے کہ سب سے پہلے اپنے عزیزوں اور قریبوں کو اس امر کی دعوت کروں اور عذاب آخرت سے ڈراؤں۔ تم میں سے کون ایسا ہے جو پہلے میری بیعت کرے اور اس امر میں میرا معین و مددگار ہو اور میں اس کو اپنا بھائی۔ وصی۔ وزیر اور خلیفہ مقرر کردوں۔ یہ سن کر سب چپ ہو رہے مگر حضرت علیؑ جو اس وقت کم و بیش تیرہ سال کے تھے۔ اس خاموشی کی تاب نہ لا سکے اور نہایت جوانمردی سے بولے یا رسول اللہ میں آپ کا وزیر ہوں گا جو آپ حکم کریں گے میں اس کی تعمیل کروں گا آپ کی مدد کروں گا۔ آپ کے دشمنوں کی آنکھیں نکال ڈالوں گا اور ان کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا۔ آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ شاید جو لوگ تم سے بڑے ہیں قبول کرلیں۔ تین مرتبہ حضرت نے اپنے اسی قول کا اعادہ کیا مگر کسی نے کچھ جواب نہ دیا اور حضرت علیؑ اسی طرح کلمات اطاعت و فرمانبرداری دہراتے رہے۔ آخری مرتبہ حضرت رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ کو اپنے پاس بلایا بیعت لی ہاتھ پھیلا کر گلے سے لگایا اور فرمایا لوگو! دیکھو اب تم لوگوں میں یہی علیؑ میرے بھائی میرے وزیر میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں تم سب ان کی بات ماننا اور ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ قریش یہ سن کر قہقہہ مار کر ہنسنے لگے اور حضرت ابوطالبؑ سے کہا کہ علیؑ کو سلام کرو اور ان کا حکم مانا کرو۔ پھر سب چلے گئے۔ (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷، تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲، ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۶، تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ صفحہ ۱۰۵، تاریخ گبن جلد ۲ صفحہ ۹۹، کتاب بادکلی صفحہ ۱۵، کتاب کارلائل صفحہ ۶۱، کتاب ایرذنگ صفحہ ۳۷، کتاب گلمن صفحہ ۸۳، کتاب ڈیون پورٹ صفحہ ۵ وغیرہ)

[۱، ۲] یہ سب باتیں مانی جاتی ہیں پھر بھی تقیہ پر دھواں دھار اعتراض کیا جاتا ہے حالانکہ تقیہ بھی یہی ہے کہ انسان دشمن کے خوف سے اپنے دین کو پوشیدہ رکھے اور اس کے متعلق ایسی احتیاط کی جائے کہ مخالف کو خبر نہ ہونے پائے جسکا حکم خدا و رسولؐ برابر دیتے رہے

قریش کی مخالفت

"اعلان رسالت کا کرنا تھا اور قریش کا دشمن ہو جانا خصوصاً بنی امیہ کا سردار ابوسفیان بن حرب اور خود آپ کا چچا ابولہب آپ کے دشمن جان ہو گئے ابوسفیان کا خسر عتبہ بن ربیعہ اور عقبہ ابن ابی معیط اور ابوجہل بن ہشام بھی آپ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے۔ آپ کے دشمن طرح طرح سے آپ کو رنج و ایذا پہنچاتے۔ کبھی راستہ میں گندگی ڈال دیتے کبھی کانٹے بچھا دیتے۔ ساحر اور مجنون کہہ کر چھیڑتے۔ ایک دفعہ خانہ کعبہ میں گلے میں چادر ڈال کر گلا بھی گھونٹ دیا ہوتا۔ اسی طرح جو لوگ مسلمان ہوتے ان کو طرح طرح کے عذاب کرتے اور مارتے مگر حضرتؐ نے ان تمام مصائب کی کچھ پرواہ نہ کی۔ برابر وعظ اور دعوت اسلام کرتے رہے۔ جب کفار کا ظلم مسلمانوں پر حد سے گزر گیا اور جانوں کے لاگو ہو گئے۔ تو ۵ھ بعثت میں حضرت نے اپنے اصحاب کو ہجرت حبشہ کا حکم دیا جہاں کا بادشاہ نجاشی (اصحمہ) نہایت منصف و عادل اور نسطوری فرقہ کا ایک عیسائی تھا پس قریب ستر مرد عورتوں کے حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ کفار مکہ کو خبر ہوئی تو عمارہ بن ربیعہ اور عمرو عاص کو نجاشی کے پاس بھیجا اور تحائف پیش کر کے بکمال منت ان کو واپس کر دینے کی درخواست کی مگر نجاشی نے منظور نہ کیا اور خائب و خاسر واپس آئے۔ مسلمان حبشہ کیطرف مہاجرت کر گئے تو بھی رسول اللہ دعوت اسلام کرتے رہے اور نئے نئے لوگ مسلمان ہوتے رہے۔ اب تو قریش نے اور زیادہ ستانا شروع کیا یہاں تک آپ کوہ صفا پر ارقم کے مکان میں جا چھپے یہیں حضرت حمزہ اور پھر حضرت عمر مشرف باسلام ہوئے۔ یہ واقعہ ۶ھ بعثت کا تھا۔ انہیں دنوں میں حضرت ابوبکر کے اصرار پر آنحضرت مسجد کعبہ میں تشریف لائے اور ابوبکر خطبہ پڑھنے لگے۔ کفار نے حضرت ابوبکر کو لاتوں اور جوتوں سے خوب مارا۔ حضرتؐ دار ارقم میں واپس چلے آئے۔ اسی دن حضرت عمر مسلمان ہوئے۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد حضرت عمر نے بھی خانہ کعبہ کی طرف جانے پر مجبور کیا۔ حضرت گئے کفار مزاحم ہوئے۔ حضرت حمزہ حضرت علی اور اور حضرت عمر نے ان کو ہٹا دیا۔ اور آپ نے دار ارقم کی طرف مراجعت کی۔ مگر اس سے قریش کی آتش عداوت اور بھی بھڑکی۔ وہ ابوطالبؑ کے پاس آئے اور صاف لفظوں میں کہا محمدؐ ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے۔ اسے ہمارے حوالہ کر دو کہ ہم اسے قتل کریں یا ہم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاؤ۔ ابوطالبؑ نے آپ کو بلا بھیجا کہ ان کے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دو۔ آپ نے جواب دیا کہ اے چچا جو کچھ میں کرتا ہوں خدا کے حکم سے کرتا ہوں۔ کسی کے دھمکانے سے میں اس سے باز نہیں آسکتا۔ اگر آپ میری مدد کریں تو بہتر ورنہ نصرت آسمانی میرے لیے کافی ہے (تاریخ اسلام صفحہ ۱۴) حضرتؐ نے اس موقع پر جس توکل کو ظاہر کیا اس کی مثال ملنا مشکل ہے" آنحضرت نے دیکھا کہ ان (ابوطالبؑ) کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے آپ نے آب دیدہ ہو کر فرمایا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لاکر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدا یا اس کام کو پورا کرے گا یا خود میں اس پر نثار ہو جاؤں گا۔

آنحضرتؐ بدستور دعوت اسلام میں مصروف رہے۔ قریش اگرچہ آنحضرتؐ کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے۔
لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ راہ میں کانٹے بچھاتے تھے۔ نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست
ڈال دیتے تھے۔ بدزبانیاں کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے
آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب
سختیاں کیوں جھیلتے ہیں؟ انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام
نمود کے سوا اور کیا خیال کر سکتا ہے۔ قریش نے بھی یہی خیال کیا۔ اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے
آنحضرتؐ کے پاس آیا اور کہا محمدؐ کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت
کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب مہیا کر سکتے ہیں اور اس پر بھی راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان ہو جائے لیکن ان باتوں سے باز آؤ۔ عتبہ کی اس درخواست
کی کامیابی کا یقین تھا لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں قل انما انا بشر
مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد فاستقیموا الیہ واستغفروہ "اے محمدؐ کہہ دو کہ میں تمہیں
جیسا آدمی ہوں مجھ پر یہ وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے۔ پس سیدھے اس کی طرف جاؤ اور اسی سے معافی
مانگو۔ عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا۔ قریش نے جور و ظلم کے عبرت انگیز کارنامے شروع کیے۔ جب ٹھیک
دوپہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑتے عرب کی تیز دھوپ ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا تو ابنا دیتی ہے
وہ ان غریبوں کو اسی توے پر لٹاتے۔ چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ بدن پر گرم بالو بچھاتے
لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے پانی میں ڈبکیاں دیتے۔ مگر حضرت ابوطالبؑ آپ سے یہی کہتے رہے
جس کام پر تم مامور ہو گئے جاؤ۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہاری طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی دیکھ نہ سکے گا اور محرم سنہ ۷
بعثت (غالباً ۶۱۶ء) میں بنو ہاشم کے چالیس آدمیوں کے ساتھ آپ کو اپنے شعب میں لے گئے اور تین برس تک
وہیں رہے۔ سنہ ۱۰ بعثت (غالباً ۶۱۹ء) میں پانچ قریشیوں کو اپنے شعب کے عزیزوں پر ترس آیا اور انہوں نے
اس عہد کو توڑنے کا ارادہ کیا جس سبب سے یہ عہد توڑا گیا وہ حضرتؐ کا ایک زبردست معجزہ ہے کیونکہ اس
آپ پر وحی نازل ہوئی اور خدا کی طرف سے علم غیب حاصل ہونے کا یقین ہوتا ہے کہ حضرتؐ تو شعب میں مقید
باہر کے حالات کی خبر ظاہری طور سے پہنچنے کا کوئی سامان نہیں تھا مگر افسوس مولوی شبلی صاحب نے اس اہم
واقعہ کو بھی نظر انداز کر دیا ہم اس کو مختصر طور پر حضرت ابوطالبؑ کے حالات میں اوپر لکھ آئے ہیں۔ شعب کے
بطور سابق مکہ میں آکر رہنے لگے۔ اسکے کچھ دنوں بعد بعض مہاجرین حبشہ بھی واپس آ گئے۔ بعض چھپ کر داخل ہوئے اور
بعض کسی کی حمایت میں جا کر مقیم ہوئے شعب سے نکلے ہوئے نواں مہینہ تھا کہ حضرت ابوطالبؑ نے اور انکے تین دن بعد حضرت خدیجہؑ نے
انتقال کیا۔

قریش اب نہایت بے رحمی و بے باکی سے آنحضرتؐ کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ راہ میں جا رہے تھے
ایک شخص نے آکر فرق مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپ گھر میں تشریف لائے۔ آپ کی صاحبزادی

نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں۔ آپ کا سر دھوتی تھیں اور جوش محبت سے روتی جاتی تھیں آپ نے فرمایا کہ جان پدر
رو نہیں خدا تیرے باپ کو بچا لے گا۔ اہل مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف
لے جائیں اور وہاں دعوت اسلام فرمائیں کہ شاید وہاں کے بنی ثقیف خدا ترسی کر کے اس دین کو قبول کریں اور
حضرتؐ کی حمایت پر آمادہ ہو جائیں۔ زید بن حارثہ بھی آپ کے ساتھ تھے وہاں پہنچ کر حضرت نے وعظ فرمایا
مگر وہ لوگ بھی آپ کے درپے ایذا رسانی ہو گئے اور آپ کو پتھر مار کر نکال دیا۔ حضرت نہایت شکستہ دلی کی
حالت میں مکہ کی طرف واپس آئے اور معطم بن عدی نے آپ کو اپنی حمایت میں لے لیا۔ مگر پھر بھی یہاں اشاعت
اسلام کا موقع نہ ملتا تھا بلکہ صرف رجب اور ذی الحجہ میں لڑائیاں حرام تھیں حضرت ظاہر ہوتے اور وعظ فرماتے میلوں
میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ اسباب مذکورہ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرتؐ کی سخت مخالفت کی اور چاہا
کہ آپ کو اس قدر ستائیں کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائیں۔ آں حضرت کی راہ میں کانٹے
بچھاتے۔ نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے۔ سجدہ میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈال دیتے۔ گلے میں چادر
لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑ جاتیں۔ آپ کی روحانی قوت اثر کو دیکھ کر لوگ
جادوگر کہتے۔ دعوے نبوت سن کر مجنون کہتے۔ باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے۔ نماز جماعت
میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن۔ قرآن کے لانے والے رسول اور قرآن کے اتارنے والے خدا کو گالیاں دیتے
ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے رؤسائے قریش بھی موجود تھے ابوجہل نے کہا اس وقت کوئی جاتا اور
اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمدؐ سجدہ میں جاتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا۔ عقبہ نے کہا یہ
خدمت میں انجام دیتا ہوں۔ چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈال دی قریش مارے خوشی کے ایکدوسرے پر گرے
پڑتے تھے کسی نے جاکر حضرت فاطمہؑ کو خبر دی وہ اگرچہ اس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں۔ لیکن جوش محبت
سے دوڑی آئیں اور اوجھ کو ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بد دعائیں دیں (صحیح بخاری باب الطہارۃ) غور طلب یہ ہے
اس کے مقابلہ میں سرور عالم نے کیا کیا اصحاب نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں
عرض کی کہ آپ ان کے حق میں بد دعا کیوں نہیں فرماتے۔ تو آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ تم سے پہلے وہ لوگ گزرے
ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو
پورا کرے گا۔" (سیرت النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۸۸)

ایک روز موسم عمرہ رجب میں حضرت عقبہ منا میں کھڑے تھے۔ مدینہ کے چھ خزرجی آپ کا وعظ سن کر مسلمان
ہو گئے اور مدینہ پہنچ کر اپنے بھائی بندوں میں آپ کا اور اسلام کا چرچا پھیلا دیا (سنہ ۱۱ بعثت) انہیں میں کے
۵ خزرجی، ۷ دوسرے مدینہ والوں کو ساتھ لے کر دوسرے سال (سنہ ۱۲ بعثت) کے موسم حج میں آئے وہیں اسی
عقبہ پر مسلمان ہو گئے اور آپ کی حمایت کا وعدہ کیا۔ آپ نے معصب بن عمیر کو نماز پڑھانے اور ابن مکتوم کو قرآن
کی تعلیم کرنے کیلیے ان کے ساتھ کر دیا اور اسطرح مدینہ میں اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ اگلے سال (سنہ ۱۳ بعثت

ہیں، ۷۲ شخص حج کے زمانہ میں مکہ آئے اور اپنے ساتھیوں سے چھپ کر بمقام منیٰ آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت کی سلہ حضرتؐ سے مدینہ تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ آنحضرتؐ نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں شرک۔ چوری۔ زنا۔ قتل اولاد اور افترا کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہ اُن سے جو اچھی بات کہیں گے اس سے سرتابی نہ کریں گے۔

ہجرت

مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرتؐ نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے صرف آنحضرت صلعم حضرت ابوبکر اور حضرت علیؑ رہ گئے۔ جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جا سکے۔ ادھر قریش نے مسلمانوں کی ایذارسانی کا عہد واثق کر لیا۔ اور آپ کی جان کے خواہاں ہو گئے۔ نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق آں حضرتؐ نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے اس بنا پر انہوں نے دارالندوہ میں اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے روساء شریک تھے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ ایک نے کہا محمدؐ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے دوسرے نے کہا جلاوطن کر دینا کافی ہے ابوجہل نے کہا ہر قبیلہ سے ایک شخص کا انتخاب ہوا اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے اس صورت میں ان کا خون تمام قبائل میں بٹ جائیگا اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس خیر رائے پر عام اتفاق ہو گیا اور جھٹ پٹ سے کہ انہوں نے رسول اللہ کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے۔ اسلئے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرتؐ نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔ رسول اللہ سے قریش کو اس درجہ کی عداوت تھی تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں تھیں۔ آپ کو قریش کے ارادے کی پہلے ہی سے خبر ہو چکی تھی اس بنا پر جناب امیرؑ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤنگا تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا یہ سخت خطرہ کا موقعہ تھا۔ جناب امیر کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اور آج رسول اللہ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کیلئے قتل گاہ فرش گل تھا۔ (سیرۃ النبیؐ مولوی شبلی صاحب جلد ا صفحہ ۱۹۷)

حضرت علیؑ نے یہ حکم پا کر سجدہ شکر کیا اور یہ اسلام میں پہلا سجدہ شکر ہے۔ پھر حضرت رسول خدا صلعم نے ایک مٹھی خاک اپنے دست مبارک میں لے کر اور اس پر یسٓ تا فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ تک پڑھ کر ان کافروں کے سروں پر پھینکی اور مجمع میں سے صاف نکل گئے۔ کسی نے حضرت کو نہ پہچانا۔ آخر وہ لوگ دروازہ توڑ کر گھر میں

سلہ اس سے بھی تقیہ کی حقیقت ثابت ہے۔ ۱۲

گھسے اور آپ کی چارپائی کے پاس آئے حضرت علی فوراً چارپائی سے کود کر ان کے سامنے ہوئے۔ انہوں نے پوچھا محمدؐ کہاں ہیں۔ حضرت علیؑ نے گرج کر جواب دیا خدا بہتر جانتا ہے جہاں ہیں خدا کی پناہ میں ہیں یہ کہہ کر ان کے سامنے سے چل دیئے۔ کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ آپ کو روکتا یا آزار پہنچاتا۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت علی تلوار لے کر کھڑے ہو گئے مگر کوئی بھی مقابلہ کی جرأت نہ کر سکا۔ سب بھاگ گئے۔ (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۴۵) جب حضرت علیؑ بستر نبوی پر سوئے تو خدا نے جبرئیلؑ و میکائیلؑ کی جانب وحی کی کہ میں نے تم دونوں میں رشتہ برادری قائم کیا اور تم میں سے ہر ایک کی عمر کی بہ نسبت دوسرے کے زیادہ کی۔ پس تم دونوں میں کون ایسا ہے جو اپنے صاحب کی زندگی کو اپنی حیات پر ترجیح دے۔ یہ خطاب الٰہی سن کر جبرئیل و میکائیل نے اپنی اپنی زندگانی کو عزیز سمجھا اور ایثار بالحیوٰۃ کو گوارا نہ کیا۔ تب خدا نے پھر ان کی جانب وحی فرمائی کہ کیا تم دونوں علیؑ ابن ابی طالب کی طرح نہیں ہو سکتے! دیکھو میں نے محمدؐ اور علیؑ میں مواخات قائم کی اور علیؑ اس وقت بستر نبی پر اس غرض سے لیٹے ہیں کہ ایثار بالحیوٰۃ کر کے اپنی جان کو اپنے بھائی پر فدا کریں اب تم دونوں زمین پر جاؤ اور بستر اعداء سے علیؑ کی حفاظت کرو۔ پس بحکم الٰہی دونوں ملک مقرب نے نازل ہو کر حضرت علیؑ کے سرہانے اور پائتیں قرار لیا اور جبرئیل فرماتے تھے کہ مرحبا مرحبا کون ہے مثل تیرے اے ابوطالب کے بیٹے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ملائکہ پر خود فخر و مباہات فرماتا ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول مقبول پر جب کہ وہ مدینہ جا رہے تھے علیؑ کے شان میں یہ آیت نازل فرمائی: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ۔ یعنی لوگوں میں ایسے نیک بندے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کیلئے اپنی جان تک دے دیتے ہیں اور خدا اپنے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۳۶۷ و اسد الغابہ و احیاء العلوم و روضۃ الاحباب و حبیب السیر و مدارج النبوت وغیرہ) صبح کو کفار بارادہ قتل مکان میں گھسے تو حضرتؐ کی جگہ حضرت علی کو پایا۔ خائب و خاسر واپس آئے اور آپ کی تلاش میں مصروف ہوئے۔ غار تک پہنچے مگر پتا نہ ملا۔ آنحضرت کے جانے کے بعد حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کو تلاش کرتے پہنچے اور حضرت علیؑ سے حضرتؐ کو پوچھا آپ نے کہا حضرتؐ مدینہ کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ سن کر آپ بھی حضرت صلعم کے پیچھے دوڑے اور راستہ میں حضرتؐ کے قریب جا پہنچے۔ رسول اللہ نے اس اندھیری رات میں حضرت ابوبکر کی آہٹ سنی تو سمجھے کہ مشرکین سے کوئی آ رہا ہے۔ یہ سمجھ کر حضرت جلدی جلدی آگے چلنے لگے یہاں تک کہ بند نعل ٹوٹ گیا اور پاؤں کے انگوٹھے نے پتھر کی ٹھوکر سے بکثرت خون جاری ہوا پھر حضرتؐ اور زور سے دوڑنے لگے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے بلند آواز سے حضرت کو پکارا۔ حضرت کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر آ گئے اور پوچھا یا حضرتؐ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟ حضرتؐ نے اجازت دی تو آپ بھی چلنے لگے یہانتک غار میں پہنچ گئے یہ غار ثور مدینہ کی طرف مکہ سے ایک گھنٹہ کی راہ پر ڈھائی میل جنوب کو واقع ہے۔ جب حضرت ابوبکر حضرت رسول خدا صلعم کے پاس پہنچے ہیں تو حضرت کی خدمت میں دو اونٹنیاں پیش کیں کہ ان سے جو پسند ہو اپنی سواری

کے لیئے قبول فرمالیں۔ حضرتؐ نے فرمایا اس شرط سے کہ قیمت پر دو۔ حضرت ابوبکر فوراً راضی ہو گئے اور دو سو درہم کی ایک اونٹنی حضرتؐ کے ہاتھ ساٹھ سو درہم (نفع لیکر) نو سو درہم کو بیچ دی (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۷) الغرض دونوں بزرگ غار ثور میں داخل ہوئے۔ وہاں سانپ تھا جس نے حضرت ابوبکر کے پاؤں میں کاٹ کھایا۔ رسول خدا صلعم نے اپنا لعاب دہن لگا دیا تو اچھا ہو گیا۔ صبح ہوئی تو تعاقب کرنے والے کفار مکہ پاؤں کے نشان پہچانتے ہوئے آن پہنچے مگر اللہ کی قدرت غار کے منہ پر مکڑی کے جالے پیدا ہو گئے کفار یہ حالت دیکھ کر سمجھے کہ بھلا اس میں کوئی کیا چھپا ہوگا۔ وہاں سے مڑ کر دوسری طرف تلاش کرنے لگے۔ حضرت ابوبکر ان کفار کی آواز سن کر کانپنے لگے اور کہا اے رسولؐ خدا ہمارا تعاقب کرنے والے تو بہت اور ہم صرف دو ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ڈرتے کیوں ہو خدا ہمارے ساتھ ہے اور بہت کتابوں میں ہے کہ حضرت ابوبکر سانپ کے کاٹنے کی تکلیف سے رو رہے تھے۔ پنجشنبہ کا دن گزر کر رات کو یکم ربیع الاول تھی کہ قریش نے آنحضرتؐ کے گھر کا محاصرہ کیا تھا۔ صبح سے کچھ پہلے ۲ ربیع الاول کو جمعہ کے دن غار میں پہنچے۔ یکشنبہ ۴ ربیع الاول تک غار میں رہے۔ حضرت علیؑ آپ لوگوں کے لیے کھانا پانی پہنچاتے رہے۔ چوتھے روز ۵ ربیع الاول روز دوشنبہ کو عبداللہ بن اریقط اور عامر بن فہیرہ بھی حاضر ہوئے اور یہ چاروں اشخاص معمولی راستہ چھوڑ کر بحیرہ قلزم کے کنارے کنارے مدینہ کی روانہ ہوئے کفار مکہ نے انعام مقرر کر دیا کہ جو شخص آپ کو زندہ پکڑ کر یا سر لے کر آئے گا اسے سو اونٹ انعام دیئے جائیں گے۔ اس پر سراقہ بن مالک حضرتؐ کو کھوجتا ہوا پہنچا۔ اسے دیکھ کر حضرت ابوبکر رونے لگے تو حضرتؐ نے فرمایا روتے کیوں ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے سراقہ قریب آیا اس پر ایسی ہیبت چھائی کہ واپس گیا اور کہہ دیا کہ مجھے محمدؐ کا پتہ کہیں نہیں لگا۔

قبا میں حضرتؐ کا پہنچنا

حضرتؐ ۸ یا ۱۲ ربیع الاول کو مقام قبا میں پہنچے جو مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی ہے یہاں ایک مقام پہ حضرتؐ کا اونٹ خود بخود بیٹھ گیا اور آگے نہ چلا آپ اتر پڑے۔ وہاں کے رہنے والوں نے جوش مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا آنحضرتؐ کو قبا میں تین دن ہوئے تھے کہ حضرت علیؑ پا پیادہ مکہ سے (کل امانتیں وغیرہ واپس کرنے کے بعد) آ کر حاضر خدمت ہوئے آنحضرتؐ اپنے بھائی وزیر، وصی، اور خلیفہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور سینہ سے لپٹا لیا مگر پاؤں پر ورم اور حالت تباہ دیکھ کر بہت روئے۔ اس وقت حضرت علیؑ کے پاؤں سے لہو بہتا تھا حضرتؐ نے قبا میں ۴ دن قیام کیا۔ یہاں آپ کا پہلا کام مسجد کی تعمیر کرنا تھا کلثوم کی ایک افتادہ زمین تھی یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے بھاری بھاری پتھروں کے اٹھانے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا۔ عقیدت مند آ کر عرض کرتے کہ ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ چھوڑ دیں ہم اٹھالیں گے۔ آپ ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔ ۴ دن کے بعد آپ شہر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۶ ربیع الاول روز جمعہ کو اس میں داخل ہو گئے محلہ بنی سالم میں نماز کا وقت آگیا تھا جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نماز جمعہ تھی۔ جہاں اب مسجد نبوی ہے اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاری کا گھر تھا یہیں حضرتؐ اتر پڑے آنحضرتؐ نے سات مہینے تک یہیں قیام فرمایا۔ اس اثناء میں جب مسجد نبوی اور آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو آپؐ نے نقل مکان فرمایا اور زید بن حارثہ وابو رافع کو پانچ سو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا کہ حضرت فاطمہ وغیرہ کو مدینہ لے آئیں ان سب کے آنے پر حضرتؐ اپنے گھر میں رہنے لگے۔

مسجد نبوی

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی ایک زمین دو یتیموں کی تھی آپ نے فرمایا میں یہ زمین بقیمت لینا چاہتا ہوں یتیم بچوں نے اپنی کائنات مفت نذر کرنی چاہی لیکن حضرتؐ نے گوارا نہ کیا۔ حضرت ابوایوب انصاری نے قیمت ادا کی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی شہنشاہ دو عالم پھر مزدوروں کے لباس میں تھا۔ صحابہ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے آنحضرتؐ بھی ان کے ساتھ اٹھاتے۔ یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھے۔ کچی اینٹوں کی دیواریں، برگ خرما کا چھپر، کھجور کے ستون تھے قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا۔ لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کیطرف ہو گیا تو شمال جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا یہ ان لوگوں کیلئے تھا جو اسلام لاتے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے۔ مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج کیلئے مکان بنوائے یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپ مسجد میں اعتکاف کرتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازواج گھر میں بیٹھے بیٹھے آپ کے بال دھو دیتی تھیں (سیرت النبیؐ جلد ا ص ۲۰۹) یہ مکانات چھ چھ سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ چھت اتنی اونچی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا اور دروازوں پر کمل کا پردہ پڑا رہتا تھا راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔

بعض اصحاب کے دروازے مسجد نبوی کی جانب تھے۔ رسول مقبولؐ نے حضرت علیؑ کے سوا سب اصحاب کو حکم دیا کہ اپنے دروازوں کو بند کر دیں۔ اس پر کچھ اصحاب نے چہ می گوئیاں کیں تو آنحضرت صلعم نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ میں نے خدا کے حکم سے تم لوگوں کے دروازے بند کر دیئے اور علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا۔ لہذا اس باب میں تم کو چون وچرا کی گنجائش نہیں کیوں کہ جو کچھ خدا نے حکم دیا میں نے اس کی تعمیل کی۔ (خصائص نسائی وازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۲۶۲)

نماز و زکوٰۃ

آنحضرتؐ کے مدینہ میں داخل ہونے کے ایک ماہ بعد نماز پنجگانہ کی ۱۷ رکعتیں قرار پائیں۔ اس سے پہلے ہر وقت کی (سوائے مغرب کے) دو دو رکعتیں تھیں۔ ابن خلدون کے مطابق اسی سال زکوٰۃ بھی فرض ہوئی۔

اذان

اسی سنہ ہجری (۶۲۲ء) میں اذان بھی مقرر کی گئی کیونکہ کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ کافی میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ جب

جبرئیل اذان کا حکم لے کر رسول اللہؐ پہ نازل ہوئے تو اس وقت حضرت کا سر مبارک جناب امیرؑ کی گود میں تھا جناب جبرئیل نے اذان و اقامت کہی جب رسول اللہؐ بیدار ہوئے تو پوچھا اے علیؑ تم نے بھی سُنا۔ عرض کی ہاں۔ پوچھا یاد بھی کر لیا؟ عرض کی ہاں۔ فرمایا بلال کو بلا کر تعلیم کر دو۔ پس حضرت علیؑ نے بلال کو بلا کر اذان تعلیم کر دی اور اسی وقت سے بلال موذن مقرر ہو گئے۔

مسٹر چیمبر نے اپنی انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ "موذن کی آواز جو سادہ مگر نہایت متین اور دلکش ہوتی ہے اگرچہ شہر کے دن شور و غل میں بھی مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش گوار معلوم ہوتی ہے لیکن رات کے سناٹے میں اس کا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم ہوتا ہے یہاں تک کہ بہت سے اہل یورپ بھی پیغمبرؐ کو اس امر پر مبارک باد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس نے انسانی آواز کو موسائٹیوں کی ترہی اور عیسائیوں کے گرجا کی گھنٹی پر ترجیح دی"۔ (انسائیکلو پیڈیا جلد ۶ ذکر مذہب اسلام) ملہ

عقدِ مواخات ہجرت کے ۵ یا ۸ ماہ بعد حضرت رسول خداؐ صلعم نے مہاجرین مکہ کی دل بستگی اور تقویت کے لیے ایک عجیب تمدنی انتظام کیا۔ ایک ایک مہاجر (مکہ سے جو مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے) کا ایک ایک انصاری (جو لوگ مدینہ کے باشندے اور اب مسلمان ہو گئے تھے) سے بھائی چارہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ ۴۵ یا ۵۰ مہاجرین کا بھائی چارہ ۴۵ یا ۵۰ انصار کے ساتھ کر دیا جس نے دونوں جماعتوں کو ایک دوسرے کا ہر حال میں ہمدرد اور شریک بنا دیا۔ اگر غور کیا جائے تو اس واقعہ سے بھی معلوم ہو گا کہ خدا نے آنحضرت صلعم کو اعلیٰ انسانیت سکھانے اور دنیوی زندگی کو بہترین عنوان سے برتنے کی تعلیم دینے کا کس قدر زبردست اور بے مثل و نظیر سلیقہ مرحمت فرمایا تھا۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "اسلام تہذیب اخلاق و تکمیل فضائل کی شاہنشاہی ہے۔ جن لوگوں میں رشتۂ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحاد مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضرور ہے تفحص اور استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا دونوں میں یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت و فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شان نبوت کی خصوصیات میں سے ہے" (سیرت النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۸۱)

اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ حضرت علیؑ کے مذاق کا کوئی شخص آنحضرتؐ کو نہ مہاجرین میں ملا نہ انصار میں حضرت علیؑ نے عرض کی یا رسول اللہؐ اور میں کس کا بھائی بنایا گیا؟ فرمایا انت اخی فی الدنیا

ملہ حضرت رسول خدا صلعم کے زمانہ میں اذان میں کلمہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ نہیں تھا۔ ایک دن حضرت عمرؓ اپنے عہد خلافت میں سوتے تھے۔ موذن نماز صبح کے لیے جگانے کو آیا تو اپنے طور پر کہا الصلوٰۃ خیر من النوم (نیند سے بہتر نماز ہے) حضرت عمرؓ جاگ گئے اور آپ کو یہ کلمہ پسند آ گیا تو موذن کو حکم دیا کہ اس کلمہ کو نماز میں داخل کر دو۔ جب سے یہ بھی داخل اذان ہو گیا (ازالۃ الخفا صفحہ ۹۰)۔

والآخرۃ۔ اے علیؑ دنیا و آخرت میں تمہارا بھائی تو میں ہوں (کسی اور کو یہ وصف نہیں مل سکتا) حضرت علیؑ کوفہ میں منبر پر فرمایا کرتے تھے انا عبد اللہ و اخو رسول اللہ۔ میں خدا کا بندہ اور رسول خداؐ کا بھائی ہوں (ابو الفداء جلد ۱ صفحہ ۱۲۷) ملہ

ایرونگ لکھتا ہے کہ "اس دانائی اور سادگی کے اصول سے اس سلطنت کی بنیاد پڑی جو قلیل مدت میں نہایت عظیم الشان طاقت حاصل کرنے والی اور دنیا کی زبردست سلطنتوں کی ہلا دینے والی تھی" (تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۴۷)

اصحاب صُفّہ صُفّہ سائبان کو کہتے ہیں۔ مسجد نبوی کے کنارے مسجد سے ملا ہوا ایک سائبان تیار کر کے بعض نادار اور بے ساز و سامان اصحاب کو اسی سائبان میں آباد کر دیا گیا اسی سے وہ لوگ اصحاب صفہ کہے جاتے تھے آنحضرتؐ کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو اُن کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا کر ساتھ کھا لیتے۔ آنحضرتؐ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے کہ جب ایک دفعہ جناب سیدہؑ نے حضرتؐ سے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے ہیں مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو حضرتؐ نے فرمایا بیٹی ان کنیزوں سے تم کو کیسے دوں۔ اصحاب صفہ بھوکوں مر رہے ہیں بہتر ہے کہ تم ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ الحمد للہ ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہہ لیا کرو یہ تمہارے لیے لونڈی سے بہتر ہو گی۔ یہ تسبیح زہراؑ آج تک جاری اور ہر نماز کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اصحاب صفہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۴۰۰ تک پہنچی تھی۔

اوس و خزرج اس وقت مدینہ میں دو قسم کے مسلمان تھے ایک مہاجرین (جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے) دوسرے انصار جو مدینہ کے باشندے تھے اور اسلام قبول کر لیا تھا انصار زیادہ تر دو زبردست قبیلوں اوس و خزرج سے تھے جو اسلام سے پہلے بت پرست تھے۔ یہ اگرچہ دو بھائیوں کی اولاد سے تھے مگر ان میں مدت دراز سے شدید عداوت قائم تھی۔ اسلام نے ان میں اتحاد کر دیا اور ان کے فتنہ و فساد کو روک دیا۔

مدینہ کے یہود و نصاریٰ مدینہ کے اکثر عیسائی بھی آں حضرتؐ کی ہدایت سے مسلمان ہو گئے مگر یہودیوں نے جو مالدار اور قوی بھی تھے شدید مخالفت کی تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے صلح کر لی۔

ملہ ہجرت سے پہلے بھی مکہ میں ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے وہاں کے مسلمانوں میں عقد مواخات قائم کیا تھا اور اس میں (۱) حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کا (۲) طلحہ کو زبیر کا (۳) حضرت عثمان کو عبد الرحمٰن بن عوف کا اور (۴) جناب حمزہؓ کو زید بن حارثہؓ کا بھائی بنایا تھا۔ اس وقت بھی آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں یہی فرمایا تھا کہ اے علیؑ تمہارا بھائی میں ہوں دنیا میں بھی آخرت میں بھی (تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۹۸ و ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۰)

حضرت عائشہ کا زفاف

سنہ ۱۰ بعثت میں حضرت خدیجہ کی وفات کے ایک ماہ بعد آنحضرت صلعم نے سودہ بنت زمعہ سے نکاح کیا تھا اور اسی سال حضرت ابوبکر کی بیٹی عائشہ سے بھی نکاح ہوا مگر اس وقت زفاف کی نوبت نہیں آئی۔ مدینہ پہنچنے پر سنہ ۱ ہجری میں ان سے زفاف بھی ہوا۔

سنہ ۲ ہجری نکاح جناب سیدہ

۱۵ رجب سنہ ۲ ہجری مطابق سنہ ۶۲۳ء کو جناب امیر کا نکاح جناب سیدہ سے ہوا اور ۱۹ ذی الحجہ کی شب میں جناب سیدہ کی رخصتی جناب امیر کے گھر ہوئی۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت فاطمہ کی شادی کے پیغام آنے لگے تھے سب سے پہلے ابوبکر نے آنحضرت سے درخواست کی آپ نے فرمایا جو خدا کا حکم ہوگا۔ پھر حضرت عمر نے جرأت کی ان کو بھی آپ نے کچھ جواب نہیں دیا بلکہ وہی الفاظ فرمائے [۱] حضرت علی نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہ کی مرضی دریافت کی۔ وہ چپ رہیں یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپ نے علی سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے بولے کچھ نہیں آپ نے فرمایا اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی عرض کی وہ تو موجود ہے آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے۔ ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی ہوگی لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا روپیہ ۴۸۰ تو زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علی کا سرمایہ تھا۔ وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی۔ حضرت علی نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ کے نذر کیا۔ حضرت علی اب تک آنحضرت ہی کے پاس رہتے تھے۔ شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ گھر لیں حارثہ بن نعمان انصاری نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا تھا۔ حضرت فاطمہ اس میں اٹھ گئیں۔ شہنشاہ کونین نے سیدہ عالم کو جو جہیز دیا وہ بان کی چارپائی چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے۔ ایک چھاگل۔ ایک مشک۔ دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے۔ حضرت فاطمہ جب نئے گھر میں جا لیں تو آں حضرت ان کے پاس تشریف لے گئے دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا۔ پھر اندر آئے۔ ایک برتن میں پانی منگوایا۔ دونوں ہات اس میں ڈالے اور حضرت علی کے سینہ اور بازوؤں پہ پانی چھڑکا پھر حضرت فاطمہ کو بلایا وہ آئیں ان پر بھی

[۱] مولوی شبلی صاحب نے ترجمہ میں اختصار سے کام لیا۔ حضرت ابوبکر کے سوال پر آنحضرت کو اتنا غصہ ہوا کہ آپ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر حضرت ابوبکر حضرت عمر کے پاس گئے اور کہا میں تو ہلاک ہو گیا۔ حضرت عمر نے پوچھا کیوں؟ کہا میں نے فاطمہ سے شادی کا پیغام دیا تو حضرت نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمر نے بھی جا کر درخواست کی اس پر آنحضرت اس درجہ غضبناک ہوئے کہ ان کی طرف سے بھی منہ پھیر لیا (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۳) علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ حضرت نے صاف انکار بھی کر دیا (اسد الغابہ) مگر حضرت علی سے بغیر آپ کی درخواست کے خود فرمایا کہ اے علی خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ فاطمہ کی شادی تم سے کر دوں۔ تم کو بھی منظور ہے؟ حضرت علی نے کہا ہاں اور دونوں کی شادی ہو گئی
(ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ مطبوعہ مصر)

پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سب سے افضل ترشخص سے تمہارا نکاح کیا ہے [۲] پوری تفصیل طبقات ابن سعد اور اصابہ سے ماخوذ ہے" (سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۲۶۸)

اس وقت جناب سیدہ کی عمر دس سال اور حضرت علی کی ۲۴ سال کے قریب تھی۔

ہجرت کے دوسرے ہی سال (سنہ ۶۲۳ء) ماہ شعبان میں نماز کا رُخ کعبہ کی جانب کر کے اسی کو قبلہ قرار دے دیا گیا۔ اس سے پہلے مکہ معظمہ میں اور آنحضرت صلعم کے مدینے میں آنے کے بعد ڈیڑھ برس تک نماز بیت المقدس کی طرف پڑھی جاتی تھی۔

اسی سال (سنہ ۲ ہجری مطابق جنوری سنہ ۶۲۴ء) ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے بعد ختم عید الفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا۔ عید الفطر کی نماز بھی اسی سال سے جاری ہوئی۔

حکم جہاد

اسی سال آنحضرت کو حکم جہاد بھی ہوا۔ حفاظت خود اختیاری عقل کا ضروری حکم ہے۔ آنحضرت کو بھی حکم جہاد محض اسی اصول پہ ہوا۔ زمانہ حال کے ایک مؤلف نے سچ لکھا ہے۔ کوئی ہوس ملک گیری ان لڑائیوں کا باعث نہ تھی اور نہ مذہب اسلام کا بزور شمشیر پھیلانا ان سے مقصود تھا بلکہ ہر طرح اپنی حفاظت کرنا اور امن کا قائم رکھنا مدنظر تھا۔ مطالعہ کنندگان تاریخ کو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ کفار مکہ کو رسول کریم اور ان کے اصحاب سے کس قدر بغض اور عداوت تھی اور اس عداوت کے باعث کیا کیا تکلیفیں اور اذیتیں انہوں نے رسول خدا اور صحابہ کو پہنچائی تھیں۔ ہر چند ایک مرتبہ صحابہ کی جماعت کثیر نے حبشہ کو ہجرت کی اور پھر دوسری مرتبہ باقی ماندہ لوگ مدینہ کو ہجرت کر کے چلے آئے مگر کفار کا غصہ فرو نہ ہوا اور آخر کار وہ رسول کریم کے قتل کے درپے ہوئے اور مکہ سے نکل آنے پر بھی تلاش کی کوشش جاری رہی۔ ان حالات میں رسول کریم کا ان کے ہاتھ سے بچ کر مدینہ میں مع رفقا کے آجانا اور یہاں کے لوگوں کا آپ کی مدد کرنا ان کی سخت ناگواری کا باعث ہوا اور جو عداوت مہاجرین مکہ سے ان کو تھی۔ وہ مدینہ کے انصار کے ساتھ بھی ہو گئی اور سب سے بڑا خوف کفار مکہ کو یہ تھا اگر مسلمان زیادہ قوی ہو جائیں گے تو مکہ پر حملہ کریں گے۔ اس کے علاوہ مدینہ کے جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے۔ وہ بھی انصار سے ناراض ہو گئے۔ چنانچہ چند معزز لوگ مدینہ کو چھوڑ کر مکہ چلے گئے اور قریش سے جا ملے ایسی حالت میں رسول کریم اور مہاجرین انصار کو اپنی اور مدینہ کی حفاظت اور امن و امان قائم رکھنے کیلئے اسکے سوائے کوئی چارہ نہ تھا کہ امور ذیل کو اختیار کرتے (۱) اس بات کی خبر رکھنا کہ قریش مکہ کیا کرتے ہیں اور کس منصوبہ میں ہیں (۲) جو قومیں کہ مدینہ میں یا مدینہ کے ارد گرد رہتی ہیں ان سے امن کا اور قریش کی مدد نہ کرنے کا معاہدہ کرنا اور عہد شکنی کی حالت میں ان سے مقابلہ کرنا (۳) جو مسلمان مکہ میں بہ مجبوری رہ گئے تھے اور موقع پا کر وہاں سے بھاگ آنا چاہتے

[۲] یہ معلوم ہے کہ حضرت رسول خدا کا خاندان دنیا بھر کے خاندانوں سے افضل ہے لہذا آنحضرت کا مطلب یہ ہوا کہ اے فاطمہ میں نے تمہارا نکاح اس شخص سے کیا کہ جو دنیا بھر سے افضل ہے جس سے ثابت ہوا کہ اس وقت جس قدر صحابہ موجود تھے ان سب سے حضرت علی افضل تھے اور کیوں نہ ایسے ہوتے کہ حضرت علی آنحضرت کے نفس اور دونوں بزرگ ایک ہی نور کے دو ٹکڑے تھے۔

تھے ان کے بھاگ آنے پر جس قدر ہو سکے ان کی اعانت کرنا (۴) جو گروہ قریش کا مکہ سے مدینہ پر حملہ کرنے نکلے یا کسی طرح پر احتمال ہو کہ وہ مدینہ پر آنے والا ہے تو ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کرنا۔ غزوات و سرایا مابعد میں معلوم ہوگا کہ ہر لڑائی کے واسطے کوئی نہ کوئی وجہ ان امور چارگانہ سے ضرور تھی (المرتضیٰ از تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۷۹) جہاد دو قسم کا ہوتا تھا۔ ایک وہ جس میں آنحضرتؐ خود شریک ہوتے تھے وہ غزوہ ہے۔ دوسرا وہ جس میں آپ خود نہ جاتے تھے بلکہ کسی کو اپنا قائم مقام کر کے بھیجتے تھے اس کو سریہ کہتے ہیں

غزوہ ابواء صفر ۲ ہجری (۶۲۴ء)

ابواء مدینہ سے مکہ کی طرف تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں کا قبیلہ بنی ضمر مسلمانوں کو ایذا دینے میں قریش کے ساتھ متفق ہوا تھا۔ آپ نے دو سو آدمی سے چڑھائی کی۔ لڑائی نہیں ہوئی بلکہ اس قرار صلح ہو گئی کہ بنی ضمر نہ قریش کا ساتھ دیں گے نہ مسلمانوں کا یہ اول غزوہ ہے۔ حضرت حمزہ اس کے علمبردار تھے۔ قریباً ایک مہینہ کے بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤسا سے تھا۔ مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرتؐ کے مویشی لوٹ لیے۔ اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچ کر نکل گیا تھا۔

غزوہ ذوالعشیرہ جمادی الاخری ۲ ہجری (۶۲۴ء)

آپ دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذوالعشیرہ پہنچ کر بنو مدلج سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل پر ینبوع کے نواحی میں ہے۔

سریہ بطن نخلہ رجب ۲ھ (۶۲۴ء)

عبداللہ بن جحش کو ۱۲ آدمیوں کے ساتھ حضرت نے بطن نخلہ کی طرف بھیجا کہ قریش کے حالات کا پتا لگا کر آنحضرت کو اطلاع دیں۔ عبداللہ نے خود اُن پر حملہ کر دیا۔ اس میں ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے۔ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ عبداللہ نے واپس آ کر یہ حال بیان کیا اور مال غنیمت پیش کیا۔ آنحضرت نے سُنا تو نہایت غضبناک ہو کر فرمایا۔ میں نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی تھی اور مال غنیمت بھی واپس کر دیا۔ اس نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا۔ غزوہ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں۔ سب کا سبب حضرمی کا قتل ہے۔ مگر آنحضرت رسول خدا صلعم کی ذات اس سے بَری تھی۔ البتہ ایک صحابی اس کے مرتکب ہوئے اس کا الزام آنحضرت صلعم پر کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

غزوہ بدر ماہ رمضان ۲ھ (۶۲۴ء)

مدینہ منورہ سے تقریباً ۸۰ میل پر بدر ایک گاؤں ہے۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریش بڑی آمادگی کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور سننے میں آیا کہ ابوسفیان تیس سواروں کے ساتھ ہزار آدمیوں کے قافلے کے ہمراہ شام سے اسباب تجارت لا رہا ہے (اس طرح مسلمان دونوں طرف سے دشمنوں میں گھر جائیں گے۔ حضرت ۳۱۳ ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور مقام بدر پر جا اترے۔ قریش ۹۵۰ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ابوسفیان سے ملنے کو روانہ ہوئے لڑائی ہوئی مسلمانوں کو خدا نے مدد دی جس سے بر فتح یاب ہوئے۔ ۷۰ کفار مارے گئے۔ ۷۰ ہی اسیر ہوئے ۳۶ کافروں کو صرف حضرت علیؓ نے قتل کیا۔ اس لڑائی میں ابوجہل اور اس کا بھائی عاص (عتبہ، شیبہ، ولید ابن عتبہ نیز اسلام کے بہت سے پرانے دشمن مارے گئے۔ اس غزوہ کے علمبردار حضرت علیؓ تھے۔ قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط قتل کر دیئے گئے اور باقی لوگوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ مغربی مورخین کو حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیوں نے ایک ہزار پر جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا کیونکر فتح پائی لیکن تائید ایزدی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں۔ اس غزوہ میں مسلمان بہت کم اور کفار بہت زیادہ تھے۔ اس سبب سے آنحضرت صلعم گھبرا کر خدا سے دعا کرتے تھے۔ اس پر حضرت ابوبکر کہتے تھے۔ اے رسول کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ خدا اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ حضرت ابوبکر نے اس غزوہ میں جنگ نہیں کی۔ بلکہ حضرت کے ساتھ ایک عریشہ (سائبان) میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اس غزوہ میں ایک دفعہ آں حضرتؐ نے صحابہ سے فرمایا تم مشورہ دو۔ حضرت ابوبکر نے کہا مقام بدر تک ہمارے ان کے درمیان دو منزل کا فرق رہے گا پھر حضرت نے فرمایا اب کیا رائے ہے۔ حضرت عمر نے کہا یا حضرت یہ قریش ہیں اور ان کی عزت معلوم ہے۔ خدا کی قسم جب سے ان کو عزت ملی ہے کبھی ذلیل نہیں ہوئے اور جب سے کافر ہوئے کبھی ایمان نہیں لائے۔ خدا کی قسم آپ سے پورا مقابلہ کریں گے۔ حضرت عمر کے اس قول پر حضرت کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا مجھے مشورہ دو۔ تب جناب مقداد نے کہا کہ ہم تو وہ بات نہ کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی کہ جاؤ تم اور تمہارا خدا اور تم دونوں لڑو۔ ہم لوگ تو یہیں بیٹھے رہیں گے بلکہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو مبعوث بحق کیا ہے۔ ہم آپ کے سامنے رہیں گے اور آپ کے پیچھے رہیں گے اور آپ کی داہنی طرف اور بائیں طرف رہیں گے۔ یہاں تک کہ خدا آپ کو فتح دے (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۶۶) اس پر آنحضرت مسکرائے اور مقداد کو دعائے خیر دی (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۱۰۶) اسیران جنگ سے آنحضرتؐ نے نہایت اچھا سلوک کیا۔ ایک شخص سہیل عام مجمعوں میں آنحضرت کے خلاف تقریریں کرتا تھا۔ حضرت عمر نے کہا یا رسول اللہ اس کے دو نچلے دانت اکھڑوا دیجیے کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔ آنحضرت نے فرمایا میں اگر اس کے اعضاء بگاڑوں گا تو خدا اس کی جزا میں میرے اعضا بھی بگاڑے گا (سیرت النبی جلد ۱ صفحہ ۲۴۱)۔ غزوہ بدر کے بعد کفار کا گھر گھر ماتم کدہ تھا اور مقتولین بدر کے انتقام کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا اور احد کا معرکہ اسی جوش کا نتیجہ تھا۔

غزوہ سویق

غزوۂ بدر کی شکست اور کفار قریش کے مقتولین کا جو اثر ہوا کیونکر بیان ہو کفار مکہ کو نہایت صدمہ تھا۔ ان کا سردار ابوسفیان ایک فوج لے کر ذی الحجہ ۲ھ (۶۲۴ء) میں آنحضرت سے لڑنے کو نکلا مدینہ کے قریب آ کر ایک انصاری کو قتل کر کے کچھ مکانوں میں آگ لگا دی۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا تو تعاقب کیا مگر ابوسفیان بھاگ گیا۔

غزوہ احد شوال ۳ھ (۶۲۵ء)

جنگ بدر کا بدلہ لینے کیلئے ابوسفیان نے ۳ ہزار فوج سے مدینہ پر چڑھائی

...[illegible] ابو سفیان ابو جہل اور دوسرے کا خالد بن ولید سردار تھا۔ حضرت صلعم کیساتھ پورے ہزار آدمی بھی
نہیں تھے۔ احد پر لڑائی ہوئی جو مدینہ سے چند میل کے فاصلہ پر ہے۔ آنحضرتؐ صلعم نے مسلمانوں کو تاکید کردی تھی کہ لڑائی
فتح ہوجائے مگر پشت کے تیر اندازوں کا دستہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ مسلمانوں کو فتح ہونے کو تھی کہ تیر اندازوں کا
وہی دستہ خلاف حکم رسولؐ مال غنیمت کے لالچ میں وہاں سے ہٹ آیا غرض فتح کی شکست ہوگئی حضرت
حمزہ شہید ہوگئے سب مسلمان حضرتؐ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان تک فرار کر
گئے۔ اس اثناء میں ایک گوپئے کے پتھر سے آنحضرتؐ کے دو دندان مبارک شہید ہوگئے اور ایک پتھر سے
پیشانی مجروح ہوگئی تلواروں کے زخم بھی آئے اور آپ گڑھے میں جا پڑے۔ اس وقت حضرت علیؑ
جہاد میں معروف تھے اور کبھی کبھی حضرتؐ کو دیکھ بھی جاتے تھے۔ آخر مرتبہ کفار کو ہٹا کر حضرتؐ کو پہاڑ کی
کے اوپر لے گئے رات ہوگئی اور دوسرے دن صبح کو مدینہ روانہ ہوئے۔ ابوسفیان اس خوف سے کہ آنحضرتؐ
اہل مدینہ کے ساتھ دوبارہ حملہ نہ کریں مکہ کو واپس گیا اس جنگ میں ۷۰ مسلمان مارے گئے اور ۷۰ ہی زخمی ہوئے
کفار صرف ۲۰ یا ۲۲ مارے گئے۔ جن میں سے ۱۲ کو صرف حضرت علی نے قتل کیا اس جنگ میں بھی علمبردار
حضرت علی تھے۔ حضرت ابوبکر جب غزوہ احد کو یاد کرتے تو رو پڑتے اور کہتے تھے کہ غزوہ احد سے میں بھی
بھاگا اور سب سے پہلے لوٹ کر میں ہی آیا۔ (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۴۸۵ و کنز العمال جلد ۵ صفحہ ۲۷۵ وغیرہ)
اور حضرت عمر کہتے تھے کہ غزوہ احد میں ہم لوگ بھاگ گئے تو میں فرار کر کے پہاڑ پر چڑھ گیا۔ وہاں میں بکری
کی طرح اچکتا پھرتا تھا (تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۸۸ و طبری جلد ۴ صفحہ ۹۰ و کنز العمال جلد ا صفحہ ۲۳۸) مگر
حضرت علی برابر جانثاری میں مشغول رہے تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے علی تم کیوں نہیں بھاگے؟ عرض کی کیا میں
ایمان لانے کے بعد کافر ہوجاتا۔ مجھے تو حضور ہی کی پیروی سے کام ہے۔

اس جنگ میں حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضرت رسول خداؐ نے آپ کو ذوالفقار عطا کی تین دفعہ
ایسا ہی ہوا۔ جس وقت حضرت علیؑ نے یہ شجاعت دکھائی اور آنحضرت کی اس طرح مدد کی تو آں حضرتؐ
نے فرمایا اے علیؑ اپنی تعریف سنتے ہو کہ رضوان فرشتہ آسمان پر کہہ رہا ہے کہ لا فتیٰ الا علی لا سیف
الا ذوالفقار[1] اور اس کے بعد جبرئیل نے حضرت صلعم سے کہا اے محمدؐ یہ کمال مواسات و جوانمردی
ہے جو علی مرتضیٰ تم سے کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کیوں نہ ہو علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں۔ اس پر جبرئیل
بولے اور میں تم دونوں سے ہوں۔ صاحب مدارج النبوت لکھتے ہیں کہ اگرچہ ناد علیاً مظہر العجائب
تجدہ عوناً لک فی النوائب۔ کل ہم و غم سینجلی بنبوتک یا محمد و بولایتک یا علی (اے
محمدؐ تم علیؑ کو پکارو کہ وہ مظہر العجائب ہیں تم ان کو مصیبتوں کے وقت اپنا ناصر و غمگسار پاؤ گے قریب ہے
کہ ہر ہم و غم زائل ہوجائے بہ سبب تمہاری نبوت کے اے محمدؐ اور بہ سبب تمہاری ولایت کے اے علیؑ) بھی

[1] یہ غیبی آواز سنائی دی کہ لا سیف الا ذوالفقار ولا فتیٰ الا علی۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۵۸)

اس معرکہ میں نازل ہوئی ہے مگر مشہور یہ ہے کہ جنگ خیبر میں نازل ہوئی جب کہ حضرت علیؑ کی آنکھیں آئی ہوئی تھیں
اور مدینہ میں رہ گئے تھے آنحضرتؐ کے ناد علی پڑھتے ہی حاضر ہوئے۔ حضرت علیؑ نے حق مبارزت و محاربت و
جلادت و شجاعت ایسا ادا کیا کہ مافوق اس سے متصور نہیں ہوسکتا۔ اور حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ
فرمایا جنگ احد میں سولہ ضرب تلوار کی مجھے پہنچی کہ ان کی چار ضربوں سے زمین پر گر پڑا۔ اور ہر بار جب میں زمین
پر گرتا تھا کہ ایک مرد خوبصورت نیک خوشبو میرا بازو پکڑتا اور کہتا تھا کہ کافروں کی طرف متوجہ ہو کہ تم خدا اور
اس کے رسولؐ کی اطاعت میں ہو اور یہ دونوں تم سے راضی ہیں۔ جب بعد جنگ حضرت علیؑ نے آنحضرتؐ سے
یہ حال بیان کیا تو حضرت نے فرمایا اے علیؑ خدا تمہاری آنکھوں کو روشن رکھے وہ جبرئیل تھے (مدارج النبوت
جلد ۲ صفحہ ۱۵۳) حضرت علیؑ نے باوصف اس امر کے کہ آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا اور آپ زخمی ہوگئے تھے کفار پر
حملہ کر کے سب کو شکست دی اس وقت جبرئیل نازل ہوئے اور حضرت رسول خداؐ سے پوچھا یہ کس نے ابھی
کفار سے جنگ کی ہے جس کی وجہ سے خدا ملائکہ پر فخر و مباہات کر رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا وہ علیؑ تھے (تاریخ
خمیس جلد ا صفحہ ۴۳۶) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں [illegible] حضرت علیؑ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے
تھے۔ سیرت النبیؐ جلد ا صفحہ ۲۷۷ حضرت رسول خداؐ [illegible] کے زخمی ہونے سے شور ہوگیا تھا کہ حضرتؐ بھی شہید ہو
گئے "آپ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو [illegible] نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑے۔ جناب فاطمہ زہرا
نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرہ مبارک سے خون [illegible] حضرت علیؑ سپر میں پانی بھر کر لائے جناب سیدہ
دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا بالآخر [illegible] جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً تھم گیا"
(سیرت النبیؐ صفحہ ۲۷۹) "خاتون قریش نے [illegible] کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا ان
کے ناک کاٹ ڈالے۔ ہندہ امیر معاویہ کی ماں نے [illegible] کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا۔ حضرت امیر
حمزہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے [illegible] چبا گئی لیکن گلے سے اتر نہ سکا۔ اسلئے اگل دیا
پرانی تاریخوں میں ہندہ کا لقب جگر خوار لکھا جاتا [illegible] سیرت النبی صفحہ ۲۸۰) آنحضرتؐ مدینہ
میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا۔ آپ جس [illegible] تھے۔ گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔
آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب [illegible] کر رہے ہیں لیکن حمزہ کا کوئی نوحہ خواں نہیں
ہے۔ رقت کے جوش میں آپ کی زبان سے بے [illegible] لیکن حمزہ کا کوئی رونے
والا نہیں۔ انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے [illegible] اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر
حضرت حمزہ کا ماتم کرو۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو [illegible] انصار کی بھیڑ اور حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے
حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا میں تمہاری ہمدردی کا [illegible]
(سیرت النبیؐ جلد ا صفحہ ۲۸۳)

غزوہ حمراء الاسد شوال ۳ھ ۶۲۵ء

[illegible] بعد آنحضرت صلعم مدینہ واپس آئے تو پتا [illegible] مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں حضرتؐ اسی طرح

روانہ ہوئے۔ علم حضرت علی مرتضیٰ کو دیا۔ مقام حمراء الاسد میں تین دن قیام کیا۔ کفار حضرت کی خبر سن کر مکہ کو واپس گئے۔ (طبری جلدی ۳ صفحہ ۲۸)

سریہ ابوسلمہ محرم ۴ھ (۶۲۵ء)

خبر ملی کہ بنو اسد مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو آنحضرت ؐ نے ابوسلمہ کو کچھ آدمیوں کے ساتھ بھیجا۔ ابوسلمہ نے حملہ کر کے بنو اسد کو بھگا دیا

سریہ عبداللہ بن انیس

محرم ۴ھ میں سفیان بن خالد نے مدینہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ آنحضرت ؐ نے عبداللہ بن انیس کو مقابلہ پر بھیجا۔ انہوں نے سفیان کو قتل کیا۔

واقعہ رجیع

قبیلہ عضل و قارہ سے کچھ لوگوں نے آکر ہماری ہدایت کے لیے کسی کو بھیج دیجیئے۔ آنحضرت نے عاصم کے ساتھ نو آدمی بھیج دیئے۔ رستے میں ان لوگوں نے بدعہدی کر کے عاصم کو قتل کرنا چاہا۔ اس پر مسلمانوں کو ان سے لڑنا پڑا۔ چار مارے گئے اور تین مقید ہوئے۔

واقعہ بیر معونہ

صفر ۴ھ (۶۲۵ء) میں ابوبراء کلابی نے آکر حضرت ؐ سے عرض کی کہ کچھ لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجیئے کہ ہم لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت نے ستر انصار کو بھیج دیا ان لوگوں نے بیر معونہ پر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرت ؐ کا خط دے کر عامر بن طفیل سردار قبیلہ کے پاس بھیجا۔ عامر نے حرام کو قتل کر دیا۔ پھر بڑا لشکر لے کر آیا اور کل صحابہ کو قتل کر دیا۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۳۴)

غزوہ بنو نضیر

عمرو بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور ان کا خون بہا ابتک واجب الادا تھا اس کے مطالبہ کے لیے آنحضرت صلعم کچھ اصحاب کے ساتھ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ انہوں نے مطالبہ قبول کیا لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے کوٹھے پر چڑھ کر آنحضرت صلعم پر پتھر گرا دے۔ حضرت ؐ کو یہ راز معلوم ہو گیا۔ فوراً مدینہ کو واپس آ گئے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۳۷)

غزوہ ذات الرقاع

قبیلہ انمار و ثعلبہ نے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا تو آنحضرت ؐ جمادی الاولیٰ ۴ھ میں کئی سو صحابیوں کے ساتھ ذات الرقاع تک گئے لیکن وہ سب بھاگ گئے

غزوہ بدر ثانی

غزوہ احد سے واپسی کے وقت ابوسفیان کہتا گیا کہ آئندہ سال ہم لوگ پھر آئیں گے۔ تو اس نے ایک شخص کو مدینہ بھیجا کہ کفار قریش کے سامان سے مسلمانوں کو ڈرا دے۔ اس پر آں حضرت ؐ ایک جماعت کے ساتھ بدر تک گئے۔ اس غزوہ کے علمدار بھی حضرت علیؓ تھے۔ مگر کفار نہیں آئے نہ لڑائی ہوئی۔

غزوہ دومۃ الجندل

دومۃ الجندل کے سردار نے لوگوں کو جمع کیا جو آنے جانے والوں پر ظلم کرتے تھے آں حضرت ۵ھ میں انہیں منع کرنے کو نکلے تو وہ بھاگ گئے۔

غزوہ بنی مصطلق

ایک قبیلہ بنی مصطلق نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا تو ۲ شعبان ۵ھ ہجری کو آں حضرت ؐ

واقعہ افک

اسی غزوہ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت حضرت عائشہ کا (جو اس سفر میں آں حضرت ؐ کے ساتھ تھیں) گلوبند کہیں گر پڑا۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ حضرت رسول خدا سے کہتیں حضرت تلاش فرماتے مگر اس کے ڈھونڈھنے کو وہ بغیر کسی کو خبر کئے قافلہ سے خود پیچھے رہ گئیں۔ ایک شخص جو چیزوں کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے رہتا تھا وہ انہیں اپنے اونٹ پر بٹھا کر لایا۔ اس پر لوگوں نے حضرت عائشہ کو اس کے ساتھ متہم کر دیا حضرت رسول خدا صلعم بہت دنوں تک حضرت عائشہ کے پاس نہ گئے۔ پھر فرمایا مجھے جہاں تک معلوم ہے میں اپنی بیوی میں بجز نیکی اور بھلائی اور کوئی چیز نہیں پاتا۔ اور جس مرد یعنی صفوان بن معطل کی نسبت لوگ چرچا کرتے ہیں میں اس میں بھی کسی طرح کی خرابی نہیں دیکھتا۔ وہ بیشک میرے گھر میں آمد و رفت رکھتا تھا مگر ہمیشہ میرے حضور میں" (امہات الامہ صفحہ ۶۶)

غزوہ احزاب یا غزوہ خندق

یہود بنی نضیر جو خیبر میں جلا وطن ہوئے تھے آں حضرت ؐ سے انتقام لینے کے درپے تھے۔ ان میں سے ۲۰ شخصوں نے مکہ جا کر ابوسفیان کو ملا لیا اور پھر بنی غطفان اور بنی قیس وغیرہ بہت سے قبائل میں جا کر ان کو اپنا شریک کر لیا غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ حضرت ؐ مدینہ سے نکلے اور کوہ سلع کو پشت پر رکھ کر سامنے کی طرف پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق جناب سلمان فارسی کی صلاح سے کھدوائی۔ یہ ذیقعدہ ۵ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ سردی بڑی سخت تھی۔ ایک رات حضرت صلعم نے حضرت ابوبکر ؓ سے کہا کہ جا کر قریش کی خبر لاؤ۔ انہوں نے کہا استغفر اللہ و رسولہ مجھے معاف رکھیں۔ حضرت نے فرمایا اگر چاہو تو ضرور جا سکتے ہو مگر ممدوح نہیں گئے۔ پھر حضرت ؐ نے فرمایا اے عمر تم جا کر خبر لاؤ۔ انہوں نے بھی کہا کہ میں اللہ اور اس کے رسول ؐ سے معافی چاہتا ہوں۔ تب فرمایا اے حذیفہ تم جاؤ وہ فوراً چلے گئے (تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۱۸۵) کافروں نے ہر طرف سے محاصرہ کر لیا تو مسلمانوں کے ہوش جاتے رہے۔ خاصکر عمرو بن عبدود نامی پہلوان کی وجہ سے جس کو اہل عرب ہزاروں بہادروں کے برابر جانتے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے اس کی بہادری بیان کر کے مسلمانوں کو اور ڈرا دیا۔ ایک دن وہ خندق پھلانگ کر آ گیا۔ فوج اسلام میں سے باوجود مبارز طلبی عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں کوئی نہ نکلا صرف حضرت علیؓ بار بار اٹھے۔ مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور پکارا۔ مقابلہ کو کون آتا ہے۔ حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا میں لیکن آنحضرت صلعم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علی بیٹھ گئے لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری دفعہ جب آنحضرت نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؓ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے غرض آپ نے اجازت دی۔ خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی سر پر عمامہ باندھا۔ عمرو کا قول تھا کہ کوئی

شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا۔ حضرت علیؑ نے عمرو سے پوچھا کیا واقعی یہ تیرا قول ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حضرت علیؑ:۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔ عمرو:۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؑ:۔ لڑائی سے واپس جا۔ عمرو:۔ میں خاتونانِ قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علیؑ:۔ مجھ سے معرکہ آرا ہو۔ عمرو ہنسا اور کہا مجھ کو یہ امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی۔ حضرت علی پیادہ تھے۔ عمر کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ گھوڑے سے اتر آیا پوچھا تم کون ہو۔ آپ نے نام بتایا کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن میں چاہتا ہوں۔ عمرو اب غصہ سے بے تاب تھا۔ تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علی نے سپر پر روکا لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی۔ حضرت علیؑ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے۔ جسکی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخموں کے نشان تھے۔ ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علی نے وار کیا۔ انکی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی ساتھ ہی حضرت علیؑ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا (سیرت النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۴۳۱) جناب امیر عمرو بن عبدود کے مقابلہ کو نکلے تو آنحضرت نے فرمایا برز الایمان کله الی الشرك کله پورا ایمان پورے کفر کے مقابلہ کو نکل ٹھیک ہے (حیات الحیوان جلد ۱ صفحہ ۲۳۸) (سیرت محمدیہ جلد ۲ صفحہ ۱۲۳) غزوہ خندق میں حضرت علیؑ سے ایسی شجاعت۔ بہادری اور کارنامے ظاہر ہوئے جو حد قیاس سے خارج ہیں۔ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا یقیناً جنگ خندق میں علیؑ کا جہاد میری امت کے ان کل اعمال سے افضل ہے جو وہ قیامت تک کرتی رہے گی نیز حضرت رسول مقبول نے حضرت علیؑ کے حق میں دعائیں فرمائیں اور اپنی تلوار ذوالفقار آپ کو عطا فرمائی (مدارج النبوت ص ۲۱۳) حضرت علیؑ نے عمرو کو قتل کرکے دستور عرب کے مطابق اس کے اسباب نہیں لیے۔ اس کی بہن کی لاش پر آئی اور دیکھا تو کہا ماقتله الا کفو کریم میرے بھائی کا قاتل یقیناً کوئی اور بزرگ شخص ہے۔ پھر اس نے قاتل کا نام پوچھا لوگوں نے کہا علی۔ اس پر اس نے یہ شعر کہے ؎

لو كان قاتل عمرو غير قاتله　　　لكنت ابكى عليه آخر الابد

لكن قاتله من لا يعاب به　　　من كان يدعى قديما بيضة البلد

اگر عمرو کا قاتل علی کے سوا کوئی اور ہوتا تو میں اپنے بھائی پر زندگی بھر روتی رہتی مگر عمرو کا قاتل تو وہ ہے جس میں کوئی عیب نکل ہی نہیں سکتا اور جس کو لوگ ہمیشہ سے بیضۃ البلد (سردار عرب) کہتے آئے ہیں (تاریخ ... جلد ۱ صفحہ ۵۴۲) جب حضرت علیؑ معرکہ جنگ سر کرکے واپس آئے تو حضرت ابوبکر و عمر نے اٹھ کر حضرت کا سر چوم لیا (معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۱۶۳) اور روضۃ الصفاء جلد ۲ صفحہ ۱۵۵)

غزوہ بنو قریظہ خندق کے بعد آں حضرتؐ بنو قریظہ سے لڑنے کو ذیقعدہ ۵ھ ہجری میں گئے حضرت علیؑ کو علم عنایت کیا (طبری جلد ۳ صفحہ ۵۲)

سریہ سیف البحر ۸ھ ہجری میں ابو عبیدہ کی ماتحتی میں ایک لشکر سیف البحر کی طرف بھیجا۔

غزوہ بنو لحیان رجیع کے کچھ لوگوں سے قصاص لینے کیلئے آنحضرتؐ نے بنو لحیان پر چڑھائی کی مگر وہ بھاگ گئے

غزوہ ذی قرد ایک شخص آنحضرتؐ کی کچھ اونٹنیاں پکڑ لے گیا تو ربیع الاول ۶ھ ہجری میں آنحضرت چلے مگر وہ مل گئیں تو واپس آئے۔

سریہ دومۃ الجندل شعبان ۶ھ ہجری میں آں حضرتؐ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو ہدایت کے لیے بنو کلب کے پاس روانہ کیا۔

سریہ فدک شعبان ۶ھ ہجری میں خبر ملی کہ بنو بکر اور یہود ان خیبر مدینہ پر چڑھائی کرنی چاہتے ہیں حضرت نے حضرت علی کو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ فدک پر مقابلہ ہوا۔ دشمن کو شکست ہوئی اور مسلمان مال غنیمت لے کر پلٹے۔

سریہ وادی القریٰ جناب زید شام جاتے تھے۔ وادی القریٰ کے پاس بنو فزارہ نے لوٹ لیا تو وہ مدینہ واپس آکر مدد لے گئے اور کامیاب ہوئے۔

سریہ عرنیہ عرنیہ کے کچھ شریروں نے حضرت کے غلام یسار کو ہلاک کرکے بہت اونٹ بھگا لے گئے۔ آنحضرت نے لوگوں کو بھیج کر ان چوروں کو گرفتار کرا لیا۔

غزوہ حدیبیہ ذیقعدہ ۶ھ ہجری (۶۲۸ء) میں حج کے ارادہ سے آنحضرتؐ مکہ کی طرف چلے قریش کو خبر ہوئی تو روکا۔ حضرت ایک کنوئیں پر جس کا نام حدیبیہ تھا رک گئے اور مرنے مارنے پر اور کبھی جنگ سے نہ ہٹنے پر صحابہ سے بیعت لی۔ یہ بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہے اور بیعت کرنے والے اصحاب الشجرہ کے نام سے مشہور ہیں قریش کے ایلچی عروہ نے کہا اس سال آپ حج کو نہ جائیں۔ باتوں باتوں میں اس نے یہ بھی کہا خدا کی قسم میں ایسے چہرے اور ان اوباش لوگوں کو آپ کے ساتھ دیکھ رہا ہوں جن کی شان سے عیاں ہے کہ جنگ سے بھاگ جائیں گے اور آپ کو چھوڑ کر چل دیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر اس کو گالی دینے لگے کہ جا اپنے لات کا ... چاٹ۔ واہ کیا ہم بھاگ جائیں گے اور حضرت کو چھوڑ دیں گے (طبری جلد ۳ صفحہ ۷۵) آخر صلح ہو گئی۔ آنحضرت نے صلح نامہ حضرت علیؑ سے لکھوایا اور اس پر طرفین سے گواہیاں ہوئیں۔ اس صلح پر حضرت عمر کو غصہ آگیا اور حضرت کی نبوت میں شک کر بیٹھے خود کہتے تھے بخدا جب سے میں اسلام لایا اس کے سوا کبھی مجھے نبوت میں شک نہیں ہوا ایسے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرتؐ کی نبوت میں جیسا شک ہوا کبھی نہیں ہوا تھا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۵ و در منثور جلد ۱ صفحہ ۷) صلح نامہ مکمل ہو جانے پر آنحضرتؐ نے سب کو حکم دیا کہ قربانی کا جانور ذبح کرو مگر ایک صحابی نہیں اٹھا (طبری جلد ۳ صفحہ ۸۰) تب حضرت نے خود ابتدا کی پھر تمام اصحاب نے بھی ایسا ہی کیا اس صلح کے بعد قریش بے کھٹکے مسلمان ہونے اور مکہ میں بلا مزاحمت آنے جانے لگے کیوں کہ مسلمانوں کی ہر قسم کی مزاحمت مکہ سے جاتی رہی۔ امن ہو گیا ایک دوسرے سے ملنے لگے

اور اسلام کا نیا دور شروع ہوا۔

غزوہ خیبر

صفر ۷ھ ہجری (مطابق ۶۲۸ء) میں مشہور خیبر کی لڑائی ہوئی۔ سُنا گیا کہ خیبر کے یہودیوں نے جو مدینہ اور اس کے نواح سے جلاوطن ہوئے تھے مسلمانوں سے جنگ کی بڑی تیاری کی ہے حضرتؐ یہ سُن کر سولہ سو آدمی کے ساتھ چلے مگر جب مسلمان خیبر میں پہنچے تو وہاں کے یہودی اپنے قلعوں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ حضرت ابوبکر علَم لے کر گئے اور لڑائی کی مگر فتح نہ کر سکے تو واپس آئے پھر حضرت عمر گئے اور پہلے سے زیادہ لڑے مگر ان سے بھی فتح نہ ہو سکی بھاگ آئے۔ اب فوج آنحضرتؐ سے کہتی تھی کہ یا حضرت ہمارے سردار حضرت عمر نے نامردی کی اور حضرت عمر کہتے تھے کہ یا حضرت ہماری فوج نے نامردی کی (طبری جلد ۳ صـ۹۳) اس اختلاف کا فیصلہ کیوں کر ہوتا کہ کس نے واقعتاً نامردی کی اگر آنحضرتؐ حضرت عمر کو سچا سمجھتے تو ان کی سرداری قائم رکھ کر ان کے ماتحت دوسری فوج بھیج دیتے مگر حضرتؐ نے فوج نہیں بدلی بلکہ سردار کو بدل دیا۔ اس سے واضح ہوا کہ آنحضرتؐ نے حضرت عمر کے قول کو غلط اور ان کی فوج کے قول کو صحیح سمجھ کر حضرت عمر کو نامرد تسلیم کر لیا اور ارشاد فرمایا لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ یفتح اللہ علی یدیہ۔ کل میں یہ علَم اس بہادر شخص کو دوں گا جو بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے بھاگنے والا نہیں ہے۔ اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہیں۔ خدا اس کو دوست رکھتے ہیں۔ خدا اس کے ہاتھ پر ضرور اس قلعہ کو فتح کرے گا (تاریخ طبری جلد ۳ صـ۹۳ و صحیح بخاری کتاب المغازی پہلا باب غزوہ خیبر و روضۃ الاحباب جلد ۱ صـ۳۸۵) تمام رات بھر صحابہ اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہے کہ دیکھیں کل علَم کس کو ملتا ہے حضرت عمر فرماتے ہیں میں نے اس روز کے سوا کبھی امیر بننے کی آرزو نہیں کی جب صبح ہوئی تو اس علَم کی آرزو میں حضرت ابوبکر و عمر نے اپنے کو لمبا کر کے دکھانا شروع کیا (طبری جلد ۳ صـ۹۳) صبح کو دفعتہً یہ آواز کانوں میں آئی کہ علیؑ کہاں ہیں؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ مرحب یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا ؎

لقد علمت خیبر انی مرحب — شاکی السلاح بطل مجرب

خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، دلیر ہوں، تجربہ کار ہوں، اسلاح پوش ہوں۔ مرحب کے جواب میں حضرت علی علیہ السلام نے یہ رجز پڑھا ؎

انا الذی سمتنی امی حیدرہ — کلیث غابات کریہ المنظرہ

میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا۔ میں شیر نیستاں کی طرح مہیب و بدمنظر ہوں۔ مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؑ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اُتر آئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی (طبری صفحہ ۱۵۷۹ سیرت النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۵۸) حضرت علیؑ کی شجاعت کی ایسی

دھوم تھی کہ جب آنحضرتؐ نے آپ کو علَم دے کر روانہ کیا اور آپ قلعہ کے پاس پہنچے تو ایک یہودی نے پوچھا تم کون ہو؟ حضرت علیؑ نے اپنا نام بتایا جسے سنتے ہی وہ بول اٹھا اے قوم یہود توریت کی قسم ہے اب تم لوگ ضرور مغلوب ہو جاؤ گے کیونکہ یہ شخص بغیر قلعہ فتح کئے واپس نہیں جائے گا۔ وہ یہودی حضرت علیؑ کی شجاعت و صفات کی حالت سے واقف تھا۔ کیونکہ توریت میں حضرتؑ کے اوصاف پڑھ چکا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ صـ۸۳ و مدارج النبوت جلد ۲ صـ۳۰) حالت جنگ میں ایک یہودی نے حضرت علیؑ کے ہاتھ پر ایسی تلوار ماری کہ آپ کی ڈھال گر پڑی مگر آپ نے فوراً قلعہ کا ایک دروازہ اکھاڑ لیا اور اسے لے کر جہاد کرنے لگے وہ اس قدر وزنی تھا کہ اس کو ۸ آدمی اور دوسری روایت کے مطابق ستر آدمی بھی پلٹ نہیں سکے (طبری جلد ۳ صفحہ ۹۴، خمیس جلد ۲ صفحہ ۵۶) آنحضرت صلعم کو اس فتح سے ایسی خوشی ہوئی کہ حضرت علیؑ کا استقبال کرنے اور آپ کو مبارکباد دینے کیلئے خیمہ سے باہر نکل پڑے دوڑ کر آپ کو سینہ سے لپٹا لیا۔ آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا علی! تمہارا قابل شکر کارنامہ اور نہ بھولنے والا احسان مجھ تک پہنچا۔ خدا نے تمہاری اس خدمت کو بہت پسند کیا اور میں تم سے راضی ہوں۔ یہ سُن کر جناب امیرؑ رونے لگے آنحضرتؐ نے پوچھا یہ رونا خوشی کا ہے یا غم کا ہے۔ عرض کی خوشی کا اور میں کیوں نہ خوش ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہیں آنحضرتؐ نے فرمایا تنہا میں نہیں بلکہ خدا جبرئیل اور میکائیل اور سب فرشتے بھی راضی ہیں (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲)

بکثرت علماء نے لکھا ہے۔ کہ فتح خیبر کے بعد آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ سے فرمایا اے علیؑ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تمہارے بارے میں میری اُمت کے لوگ بھی وہ کہنے لگیں گے جو حضرت عیسیٰ کے بارے میں عیسائی کہتے ہیں تو یقیناً میں تمہارے بارے میں وہ بات بیان کر دیتا جس کی وجہ سے تمہاری اتنی شان نمایاں ہو جاتی کہ تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدموں کے نیچے کی مٹی اٹھا لیتے اور شفا حاصل کرنے کے لیے تمہاری طہارت کا بچا ہوا پانی لے جاتے لیکن اتنا بھی تمہارے لیے کافی ہے کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ تم ہی میرے وارث ہو اور میں تمہارا وارث ہوں اور تم مجھ سے اسی درجہ پر ہو جس پر جناب ہارون جناب موسیٰ سے تھے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اے علیؑ تم ہی میرے قرضوں کو ادا کرو گے۔ میری سنت پر جہاد کرو گے۔ آخرت میں سب لوگوں سے زیادہ میرے نزدیک ہو گے۔ قیامت میں حوض کوثر پر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھی تم ہی میرے خلیفہ ہو گے۔ تم ہی سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر پہنچو گے۔ منافقوں کو تم ہی حوض کوثر سے ہٹاؤ گے میری اُمت کے لوگوں میں سب سے پہلے تم ہی داخل جنت ہو گے۔ تمہارے دوست اور تمہارے شیعہ نور کے منبروں پر ہوں گے اور تمہارے دشمن سیاہ رو رہیں گے تا آخر حدیث۔ اور مسند احمد بن حنبل میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا اگر میری امت تمہارے بارے میں بھی وہی نہ کہنے لگتی جو عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں کہتے ہیں تو وہ باتیں کہہ دیتا کہ پھر تم مسلمانوں کے جس گروہ کے پاس سے گزرتے وہ تمہارے قدم کے نیچے کی خاک بطور تبرک

اٹھا لیا کرتے (ینابیع المودۃ صفحہ ۱۰۷) امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ حدیث رسولؐ ثابت کرتی ہے کہ جناب امیرؑ حضرات انبیاء کرام کے مساوی تھے اور یہ یقینی ہے کہ انبیاء کرام کل صحابہ سے افضل تھے پس حضرت علیؑ بھی کل صحابہ سے ضرور افضل تھے (کتاب اربعین فی اصول الدین)

رجعت شمس معتبر مورخین کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ خیبر سے واپس ہوتے وقت منزل صہبا میں پہنچے تو نماز عصر پڑھنے کے بعد جناب امیرؑ کے زانو پر سر رکھ کر سو گئے اسی حالت میں آنحضرت پر وحی نازل ہوئی۔ وحی کا زمانہ اتنا طویل تھا کہ آفتاب ڈوب گیا اور حضرت علیؑ نماز عصر نہ پڑھ سکے۔ ختم وحی پر آنحضرتؐ نے پوچھا علیؑ تم نے نماز عصر پڑھی؟ عرض کی نہیں یا رسول اللہ۔ آنحضرتؐ نے دعا کی کہ خداوندا علیؑ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے۔ آفتاب کو ان کے لیے واپس لا تاکہ یہ نماز عصر پڑھ لیں۔ فوراً آفتاب طالع ہو گیا اور جناب امیرؑ نے نماز عصر پڑھ لی۔ یہ حدیث بڑے معتمد علیہ راویوں سے بیان کی گئی ہے اور اس کی روایت بالکل ثابت ہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۶۷ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۱۳ وغیرہ)

اہل فدک سے صلح بعد فتح خیبر آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ کو دعوت اسلام کے لیے فدک والوں کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اس بات پر صلح کرنی چاہی کہ نصف زمین پر آنحضرتؐ کا قبضہ رہے۔ آنحضرتؐ راضی ہو گئے یہ فدک حضرت رسول خدا صلعم کی خاص جائداد قرار پایا۔ فکانت خیبر فیئا للمسلمین وکانت فدک خالصۃ لرسول اللہ لانہم لم یجلبوا علیہا بخیل ولا رکاب خیبر کل مسلمانوں کا مال غنیمت ہوا اور فدک صرف حضرت رسول خدا صلعم کی ملکیت قرار پایا کیوں کہ مسلمانوں نے نہ اس پر لشکر کشی کی نہ جہاد کیا (طبری جلد ۳ صفحہ ۹۵) اس صلح کے بعد جناب جبریل نازل ہوئے اور کہا خدا فرماتا ہے وآت ذا القربیٰ حقہ اے رسولؐ اپنے خاص قرابت والوں کا ان کا حق دے دیجئے۔ حضرتؐ نے پوچھا قرابت والے کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے؟ جواب دیا فاطمہؑ کو فدک دے دیجئے کہ یہ ان کا حق ہے اور جو کچھ فدک میں خدا اور رسول کا حق ہے وہ بھی ان کے حوالہ کر دیجئے۔ پس حضرتؐ نے جناب سیدہ کو بلا کر ان کے لیے ایک وثیقہ لکھ کر فدک حوالہ کر دیا (تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۱۷۷ وغیرہ) اس فدک کو بھی بعد وفات رسول خلیفہ اول نے لے لیا

غزوۂ وادی القریٰ مقام صہبا سے روانہ ہو کر آنحضرتؐ وادی القریٰ میں جمادی الآخریٰ ۷ھ ہجری میں پہنچے۔ یہودیوں سے لڑائی ہوئی۔ بہت مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا یہود نے جزیہ دینا قبول کیا اور ان سے صلح ہو گئی (خمیس جلد ۲ صفحہ ۶۴)

سریۂ موتہ آنحضرتؐ نے سلاطین اور روسا کو دعوت اسلام کے خطوط بھیجے تو شام کے حاکم بصرے شرحبیل کے نام بھی ایک خط روانہ کیا۔ شرحبیل نے حضرتؐ کے قاصد کو قتل کر دیا اس کے قصاص کے لیے آنحضرتؐ نے تین ہزار فوج شام کی طرف جمادی الاولیٰ ۸ھ ہجری میں روانہ کی۔ آنحضرتؐ

کے آزاد کردہ غلام زید سردار فوج بنائے گئے اور ارشاد ہوا کہ یہ شہید ہوں تو (آں حضرتؐ کے چچا زاد بھائی) جعفر طیار اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں۔ لوگوں کو تعجب ہوا کہ جناب جعفر و عبداللہ بن رواحہ کے ہوتے زید کو افسر کرنا کس بناء پر ہے؟ لیکن اسلام جس مساوات عام کے قائم کرنے کی غرض سے آیا تھا اس کے لیے اسی قسم کا ایثار درکار تھا شرحبیل نے کم و بیش لاکھ فوج سے مقابلہ کیا زید شہید ہوئے تو حضرت جعفرؑ نے علم ہاتھ میں لیا۔ گھوڑے سے اتر کر اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر اس بے جگری سے لڑے کہ چور ہو کر گر پڑے۔ تلواروں اور برچھیوں کے ۹۰ زخم تھے۔ لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے۔ پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا۔ آپ کی شہادت پر عبداللہ بن رواحہ نے علم لیا وہ بھی شہید ہوئے اور لشکر اسلام شکست کھا کر مدینہ آیا۔ اہل مدینہ ان واپس آنے والوں کے چہروں پر خاک پھینکتے اور کہتے تھے "او فرار یو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے" آنحضرتؐ کو اس شکست کا سخت صدمہ ہوا۔ حضرت جعفرؑ سے آپ کو خاص محبت تھی۔ ان کی شہادت کا نہایت قلق تھا۔

سریۂ ذات السلاسل جمادی الآخریٰ ۸ھ ہجری میں آنحضرتؐ نے تین سو سپاہیوں کے ساتھ عمرو عاص کو قبیلہ قضاعہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ عمرو کو کامیابی نہیں ہوئی۔ تو مدینہ سے کمک طلب کی۔ آپ نے ابوعبیدہ بن الجراح کے ماتحت دو سو مہاجرین و انصار کی ایک فوج بھیج دی اس فوج میں ابوعبیدہ کے ماتحت حضرت ابوبکر و عمر بھی تھے (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۰۴)

فتح مکہ قبیلہ بنو بکر و بنو خزاعہ میں لڑائی ہو گئی آنحضرتؐ کے حلیف بنو خزاعہ کثرت سے مارے گئے اور وہ عہد جو صلح حدیبیہ میں آنحضرتؐ نے قریش سے کیا تھا ٹوٹ گیا۔ تو ماہ رمضان ۸ھ (جنوری ۶۳۰ء) میں آنحضرتؐ دس ہزار فوج لے کر مکہ کی طرف چلے۔ ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرتؐ کی خدمت میں درخواست کی کہ اس عہد نامہ کی تجدید کر دی جائے۔ حضرتؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکر و عمر کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر وہ جناب سیدہؑ کے پاس آیا۔ امام حسنؑ پانچ برس کے بچے تھے۔ ابوسفیان نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا۔ اس پر امام حسنؑ اس کی طرف بڑھے اور ایک ہاتھ سے اس کی ناک دوسرے سے اس کی ڈاڑھی پکڑ کر کہا اے ابوسفیان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ کہہ دو تو میں فوراً تمہاری شفاعت اپنے جد بزرگوار سے کرتا ہوں اس پر جناب امیرؑ نے فرمایا اس خدا کا لاکھ لاکھ شکر جس نے آل محمدؐ میں بھی خاص ذریت محمد مصطفےٰ سے یحییٰ بن زکریا پیغمبر کا مثل و نظیر پیدا کیا اور بچپن ہی میں ان کو حکومت و شریعت عطا کی (سیرت النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۲۷۴ و سیرت ابن اسحٰق و مناقب جلد ۴ صفحہ ۴۶ و سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۲۸) غرض آنحضرتؐ روانہ ہو کر بلا مزاحمت مکہ میں داخل ہو گئے حضرت علیؑ سپہ سالار فوج تھے۔ وہاں پہنچ کر حضرتؐ نے مجسم رحم کا نمونہ پیش کیا۔

سب قدیم دشمنوں کا قصور معاف کر کے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ اس کے اندر داخل ہوئے بیچے کے بتوں کو توڑ دیا جو اونچے تھے ان کے توڑنے کے لیے حضرت کو اپنے کاندھے پر چڑھایا۔ حضرت علیؑ نے سب بتوں کو توڑ کر گرا دیا۔ پہلے آنحضرتؐ ہی جناب امیرؑ کے کاندھے پر چڑھے تو ضعف محسوس ہوا۔ آنحضرتؐ فوراً اتر گئے اور فرمایا اے علیؑ تم کو بار نبوت اٹھانے کی طاقت نہیں اب تم اپنا پاؤں میرے کاندھے پر رکھ کر چڑھو۔ جناب امیرؑ نے حکم رسولؐ کی تعمیل کی اور بتوں کو توڑ کر نیچے گرا دیا۔ آنحضرتؐ نے پوچھا علیؑ تم اپنے کو کیسا پاتے ہو۔ عرض کی ایسا دیکھتا ہوں گویا تمام حجابوں کے پردے ہٹ گئے اور میرا سر ساق عرش تک پہنچ گیا ہے۔ فرمایا اے علیؑ کیا اچھا نصیب تمہارا ہے کہ خدا کا کام کرتے ہو اور کیسا اچھا نصیب میرا ہے کہ بار حق اٹھانے ہوں۔ بتوں کو گرا کر جناب امیرؑ کود پڑے اور تبسم کرنے لگے آنحضرتؐ نے پوچھا علیؑ کس بات پر خوش ہوتے ہو۔ عرض کی اس پر کہ میں اتنی بلندی سے کودا اور مجھے کوئی زحمت نہیں ہوئی۔ فرمایا زحمت کیسے ہوتی کہ محمدؐ نے تم کو اٹھایا اور جبرئیلؑ نے اتارا۔ ایک شاعر نے ان اشعار میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

قیل لی قل فی علی مدحا ... ذکرہ یخمد نارا موصدۃ
قلت لا اقدم فی مدح امرء ... ضل ذو اللب الی ان عبدہ
والنبی المصطفی قال لنا ... لیلۃ المعراج لما صعدہ
وضع اللہ بظہری یدہ ... فاحس القلب ان قد بردہ
وعلی واضع اقدامہ ... فی محل وضع اللہ یدہ

مجھ سے فرمائش کی گئی کہ حضرت علیؑ کی مدح کروں کیونکہ حضرتؑ کا ذکر جہنم کی بند آگ تک کو بجھا دیتا ہے۔ میں نے کہا جس بزرگ کے بارے میں بڑے صاحبان عقل تک اس قدر گمراہ ہو گئے کہ حضرتؑ کی عبادت کرنے لگے (جیسے نصیری فرقہ یا امام شافعی وغیرہ) اس کی مدح کی جرأت میں نہیں کر سکتا اور نبی مصطفیٰؐ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ جب میں شب معراج میں آسمان پر گیا اور خدا نے میری پشت پر ہاتھ رکھا تو میرے دل نے اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور حضرت علیؑ نے فتح مکہ میں آنحضرتؐ کی پشت مبارک پر اپنے قدم اسی جگہ رکھے جہاں خدا نے اپنا ہاتھ رکھا تھا (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۹۶)

دعوت بنو خزیمہ

فتح مکہ کے بعد آنحضرتؐ نے خالد بن ولید کے ساتھ کچھ لوگوں کو اِدھر اُدھر اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے روانہ کیا۔ یہ سلسلہ بنو خزیمہ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اسلام کا اظہار کیا مگر خالد نے ان لوگوں پر بہت ظلم کیا۔ آنحضرتؐ نے سنا تو فرمایا اے خدا میں خالد کے افعال سے بری الذمہ ہوں۔ پھر حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تم اس قوم کے پاس جاؤ ان کے واقعہ کی تحقیق کرو اور جاہلیت کی رسموں کو اپنے پاؤں سے روند ڈالو۔ حضرت علیؑ وہاں پہنچے۔ ہر مقتول کا خون بہا اور جو مال لوٹا گیا تھا اس کا تاوان اور معاوضہ بھی ادا کر دیا یہاں تک کہ اس برتن کی قیمت بھی دے دی جس میں کتا پانی پیتا تھا جب اُن لوگوں کا مطالبہ باقی نہ رہا اور جناب امیرؑ کے پاس کچھ مال بچ گیا تو فرمایا اب میں یہ بقیہ مال بھی تم لوگوں کو دے دیتا ہوں کہ احتیاطاً بھولا ہوا کاری بھی ہو جائے۔ یہ سب عادلانہ بلکہ رحیمانہ انتظام کر کے جناب امیرؑ آنحضرتؐ کے پاس واپس تشریف لائے اور پورا حال بیان کر دیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا تم نے بالکل ٹھیک اور بہت خوب کیا (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۱)

غزوہ حنین

مکہ سے تین میل پر طائف کی طرف ایک وادی کا نام حنین تھا۔ فتح مکہ کی خبر اطراف عرب میں پھیلی تو بنی ہوازن۔ بنی ثقیف و بنی سعد وغیرہ قبائل نے آں حضرتؐ سے لڑنے پر اتحاد کر لیا۔ اس کی خبر سن کر حضرتؐ ۱۲ ہزار آدمیوں کے ساتھ ۶ شوال ۸ھ ہجری (مطابق ۶۳۰ء) کو ان کے مقابلہ پر نکلے۔ حضرت علیؑ حسب معمول علمبردار تھے۔ راستہ میں مشرکین کے ایک درخت ذات انواط کو دیکھ کر صحابہ کہنے لگے اے رسولؐ ہمارے لیئے بھی ایک ذات انواط بنا دیجئے۔ حضرتؐ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو ویسی ہی بات ہوئی جیسی حضرت موسیٰؑ سے ان کی قوم نے فرمائش کی تھی کہ اے موسیٰؑ جیسے کافروں کے معبود ہیں ویسا ہی ایک معبود ہمارے لیے بھی بنا دیجئے۔ خدا کی قسم تم لوگ ان (کفار یہود وغیرہ) کا طریقہ اختیار کر رہے ہو جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۶۵) غرض آنحضرتؐ وادی حنین میں داخل ہوئے۔ مسلمانوں کی بڑی فوج دیکھ کر حضرت ابوبکر نے کہا آج ہم لوگ کسی طرح شکست نہیں پا سکتے۔ مگر جب زور سے جنگ ہوئی تو مسلمان بکثرت مارے گئے۔ بہت سے زخمی ہوئے اور زیادہ تر بدحواس ہو کر بھاگے۔ آں حضرتؐ نے ان کو بہت پکارا کہ اے بیعت رضوان والو تم اپنے رسول کو تنہا چھوڑ کر کہاں جاتے ہو مگر ان لوگوں نے ایک نہ سنی۔ صرف چار شخص حضرتؐ کے ساتھ جمے رہے۔ حضرت علیؑ۔ حضرت عباس ابن الحارث اور ابن مسعود (سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹) علامہ ابن الحدید نے حضرت ابوبکر کے متعلق لکھا ہے ؎

ولیس ینکر فی حنین فرارہ ... ففی احد قد فر خوفا وخیبرا

حضرت ابوبکر کا جنگ حنین سے فرار ناقابل انکار واقعہ ہے وہ اس سے قبل غزوہ احد اور خیبر سے بھی کفار کے خوف سے بھاگ گئے تھے۔ ابوقتادہ صحابی بیان کرتے تھے کہ غزوہ حنین میں صحابہ بھاگ گئے تو میں بھی ان کے ساتھ بھاگا۔ ناگاہ دیکھا کہ حضرت عمر بھی بھاگے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا۔ تو حضرت عمر نے کہا کیا کیا جائے۔ خدا کی مشیت یہی تھی پھر سب لوگ رسولؐ کے پاس آ گئے (صحیح بخاری پ۱۷ صفحہ ۵۰ کتاب المغازی) مگر جناب امیرؑ اور حضرت رسول خدا اسی طرح ثابت قدم رہے یہاں تک کہ بھاگے ہوئے مسلمان پھر واپس آئے اور کافروں سے جنگ ہوئی اب مسلمان کامیاب ہو گئے۔ اس جنگ میں ۷۰ کافر اور چار مسلمان مارے گئے۔ کافروں کو زیادہ تر حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا (سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ وغیرہ)

جنگ اوطاس

فتح حنین کے بعد آنحضرتؐ نے حنین ہی میں قیام کر کے ابوعامر اشعری کے ماتحت ایک فوج اوطاس کی طرف بھیجی جو حنین اور طائف کے درمیان ہے۔ مسلمان کامیاب

ہوئے۔

غزوہ طائف

حنین کی بقیہ فوج طائف میں جاکر پناہ گزین ہوئی۔ آنحضرتؐ نے محاصرہ کرلیا اور کے بعد محاصرہ اٹھاکر حضرت واپس تشریف لے گئے۔ اسی زمانہ میں حضرت کا کچھ اصحاب آنحضرتؐ سے اجازت لے کر گئے۔ اس نواح کے بتوں کو توڑ لاؤ اور ایک نامی پہلوان حضرتؑ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حضرت علیؑ اس کامیابی کے بعد آنحضرتؐ کے پاس واپس آئے تو آنحضرتؐ نے تکبیر کہی تنہائی میں دیر تک جناب امیرؑ سے باتیں کرتے رہے۔ اس رازداری کی گفتگو میں تاخیر ہوئی تو صحابہ بگڑ گئے رسولؐ ایسے دور دراز کے راز اپنے چچا زاد بھائی سے کہتے ہیں جو دوسرے سے نہیں کہتے آنحضرتؐ نے میں خود راز نہیں کہتا بلکہ خدا حکم دیتا ہے۔ تب علیؑ سے سرگوشی کرتا ہوں۔ بعض کتابوں میں ہے کہ یہ حضرت عمر نے کیا تھا۔ اور بعض میں حضرت ابوبکر کا نام بھی ہے (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۹) (مشکوٰۃ مصر وغیرہ) شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ اس سفر طائف میں حضرت رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے معاملہ کیا جو خلافت کے امیدوار سے کیا جاتا ہے۔ اس طرح کہ قریش کے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ کے ہمسایہ اور حلیف ہیں۔ ہمارے غلام حضور ہمیں واپس کردیں۔ حضرتؐ نے حضرت ابوبکر کی رائے کی انہوں نے کفار کی تصدیق کی جس سے آں حضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ پھر حضرت عمر کی رائے پوچھی انہوں نے بھی حضرت ابوبکر کی تائید کی جس سے پھر حضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور حضرتؐ نے فرمایا خدا کی قسم اللہ تم پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جس کے قلب کا اس نے ایمان کے متعلق امتحان کیا ہے اور وہ دین کی میں تم لوگوں سے لڑے گا۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا یا حضرتؐ وہ میں ہوں؟ فرمایا نہیں۔ حضرت عمر نے پوچھا کیا میں ہوں؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ شخص ہے جو جوتی میں پیوند لگا رہا ہے۔ اور اس وقت آنحضرتؐ نے علیؑ کو اپنی جوتی پیوند لگانے کے لیے دے رکھی تھی (ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۵۶ و خصائص) پھر جب حضرتؐ نے حنین کا مال غنیمت تقسیم کرنا چاہا اور مکہ کے نومسلم رؤسا کو اچھی طرح حصہ دیا تو اعتراض کیا واہ آپ نے قریش کو انعام دیا اور ہمیں محروم رکھا (صحیح بخاری غزوہ طائف) بعض لوگ میں ہماری یاد ہوتی ہے اور مال غنیمت دوسروں کو ملتا ہے (صحیح بخاری صفحہ ۱۴۱) مگر آنحضرتؐ نے ان مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں میں نے ان کی تالیف قلب کے لیئے انہیں دیا ہے۔ ایک شاعر عباس کر آنحضرتؐ کی مذمت میں اشعار لکھ ڈالے۔ حضرتؐ نے سُنا تو فرمایا اسے یہاں سے لے جاؤ اور قطع کردو۔ اس پر حضرت عمر وہیں اس کی زبان کاٹنے کو تیار ہوگئے۔ لیکن حضرت علیؑ اسے اونٹوں کے گئے اور فرمایا ان میں سے جتنے اونٹ چاہو لے لو۔ وہ بولا کیا آنحضرت نے اسی طرح میری زبان دیا تھا؟ اگر ایسا ہے تو اپنے حصہ پر راضی ہوں (روضۃ الاحباب جلد ا صفحہ ۴۷۰) اعتراض کرنے ایک شخص ذوالخویصرہ بھی تھا جس نے کہا اے محمدؐ اس مال کی تقسیم میں آپ نے انصاف نہیں

کیا۔ حضرتؐ رنجیدہ ہوا اور فرمایا اگر میں ہی انصاف نہیں کروں گا تو کون کرسکتا ہے! حضرت عمر اس کی گردن اڑا دینے کو آمادہ ہوئے مگر حضرتؐ نے روکا اور فرمایا عنقریب اس سے ایک گروہ (خوارج) کا پیدا ہوگا جو دین سے اس طرح نکل جائے گا جس طرح کمان سے تیر (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۲۷) انہیں مؤلفۃ القلوب نومسلموں میں ابوسفیان اور اس کا بیٹا معاویہ بھی تھا (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۸۷) تقسیم مال کے بعد آنحضرتؐ ۸ ذیقعدہ کو مدینہ واپس آئے اور عمرہ بجا لاکر ۲۷ ذی الحجہ کو مدینہ پہنچ گئے۔

بنو تمیم

۹ سنہ ہجری میں مسلمان خاندانوں سے مال زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے تحصیلدار مقرر کیئے اور ادھر ادھر بھیجے گئے مگر بنو تمیم کے بہکانے سے بنو کعب نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرتؐ کا تحصیلدار ڈر کر واپس آیا تو حضرتؐ نے عیینہ بن حصین فرازی کو پچاس سواروں کے ساتھ مناسب ادب دینے کے لیے بھیج دیا۔

بت شکنی کے لیے سرایا

فتح مکہ کے بعد بُت شکنی کے لیے بہت سے سرایا اطراف ملک میں روانہ کیئے گئے۔ انہیں میں سریہ حضرت علیؑ بھی تھا جو بتخانہ فلس توڑنے کے لیے روانہ کیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر و عمر اس کام کے لیئے کہیں نہیں بھیجے گئے۔

غزوہ تبوک

حضرت کو معلوم ہوا کہ نصارٰے شام نے ہرقل بادشاہ روم سے ۴۰ ہزار فوج منگا کر مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ حفظ ماتقدم کی نظر سے تیس ہزار فوج لے کر اور حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر کر کے شام کی طرف چلے۔ حضرت علیؑ نے کہا حضور مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ فرمایا الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لیس نبی بعدی کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت قائم رہے جو ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا (صحیح بخاری پ ۱۸ صفحہ ۸۹ کتاب المغازی) حضرتؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ضروری ہے یہاں یا میں رہوں یا تم رہو۔ اس پر حضرت علیؑ رہ گئے۔ اس حدیث منزلت سے ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت رسولؐ کی خلافت کا حق صحابہ کو نہیں۔ بلکہ صرف حضرت علیؑ کو تھا اس لیے کہ حضرت ہارونؑ بھی حضرت موسیٰؑ کے خلیفہ ہی تھے (فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۸۷) معلوم ہوا کہ علمائے اسلام یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اس حدیث سے صاف طور پر حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل ثابت ہوتی ہے بعض کتابوں میں اسی حدیث میں حضرتؐ نے یہ بھی فرمایا انہ لا ینبغی ان اذھب الا وانت خلیفتی یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ میں جاؤں اور تم میرے خلیفہ نہ ہو (ازالۃ الخفاء جلد ۲ صفحہ ۲۶۱) بعض کتابوں میں ہے کہ الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا النبوۃ وانت خلیفتی اے علیؑ کیا تم اس سے خوش نہیں ہوتے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو جناب ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ سے تھی مگر نبوت نہیں ملے گی اور میرے خلیفہ تم ہی رہو گے (تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۱۲) اور بعض کتابوں

میں تم کو چھوڑے جاتا ہوں تاکہ تم ہی میرے خلیفہ رہو اس لیے کہ مدینہ کی حالت یا میرے رہنے سے درست رہے گی یا تمہارے رہنے سے (مستدرک و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۰۴) یہ کل عبارتیں صاف طور پر بتاتی ہیں کہ حضرت رسولؐ اپنی خلافت کا اہل و مستحق صرف حضرت علیؑ کو سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض یوروپین مورخین مثلاً ایرونگ وغیرہ نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث منزلت کا مطلب یہی تھا اور اکثروں نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت صلعم نے طے کر لیا تھا کہ حضرت علی ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کریں۔

غرض حضرت رسولؐ خدا مصائب سفر اٹھاتے ہوئے بمقام تبوک پہنچے جو مدینہ اور دمشق کے درمیان نصف راہ میں مدینہ سے ۱۴ منزل پر تھا۔ یہاں بیس روز حضرتؐ نے قیام کیا اور گرد و نواح میں دعوت اسلام کے لیے سریئے روانہ کئے مگر کوئی رومی فوج مقابلہ میں نہ آئی ناچار حضرتؐ نے مراجعت کی یہ واقعہ رجب سنہ ۹ ہجری (سنہ ۶۳۰ء) کا ہے۔

واقعہ عقبہ تبوک سے واپسی کے وقت ایک رات عقبہ ذی فتق پر سے آنحضرت کا اونٹ گزر رہا تھا۔ تو منافقوں نے اس کو بھڑکا کر آنحضرت کو ہلاک کر دینا چاہا۔ حذیفہ اور عمار یاسر اونٹ کے ساتھ تھے انہوں نے ان کو ڈانٹا تو وہ بھاگ گئے یہ سب صحابہ سے تھے۔ مگر خدا نے جبرئیل کو بھیج کر آں حضرتؐ کو ان کے دشمنوں کے ارادہ سے مطلع کر دیا۔ اور حضرتؐ ان کے شر سے محفوظ رہے (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۴۲ وغیرہ) آں حضرتؐ نے ان منافقین کے نام حذیفہ کو بتا دیئے تھے۔ مگر تاکید کر دی تھی کہ ان کو پوشیدہ رکھنا لیکن حضرت عمر کو اس کی خاص فکر ہوئی کہ ان کے نام معلوم کریں۔ آپ ڈرے کہ حضرت نے ان کو بھی انہیں منافقین میں نہ رکھا ہو۔ اسی وجہ سے وہ بار بار حذیفہ کے پاس جاتے اور پوچھتے کہ ان منافقین میں حضرت نے میرا نام بھی لیا تھا (مدارج النبوت رکن ۴ صفحہ ۳۰۲) وغیرہ مگر حذیفہ برابر ٹالتے رہے آخر حضرت عمر نے خود ہی کہہ دیا یا حذیفہ بالله انا من المنافقين اے حذیفہ خدا کی قسم میں بھی منافقین سے ہوں (میزان الاعتدال ترجمہ زید بن وہب مطبوعہ لکھنؤ جلد ۱ صفحہ ۳۳۶) وكان عمر يسأل حذيفة عن حديث العقبة ويسأله من علامات النفاق هل يرى عليه شيئاً منها حضرت عمر جناب حذیفہ صحابی سے عقبہ کی حدیث پوچھا کرتے اور یہ بھی کہتے تھے اے حذیفہ مجھ میں تم نفاق کی کوئی علامت پاتے ہو؟ (اسماء الرجال مشکوٰۃ از محقق دہلوی صفحہ ۹۴) یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عمر اس قدر اصرار کرتے رہے مگر حذیفہ نے کبھی ان سے یہ نہیں کہا کہ اے عمر رسول خدا نے ان منافقین میں آپ کا نام نہیں لیا تھا یا یہ کہ آپ میں منافقین کی کوئی علامت نہیں ہے۔ ایک اور موقع کی حالت حضرت عمر بیان کرتے تھے کہ غدیر خم میں جب رسول نے علی کو امام و پیشوا مقرر کر کے اعلان کر دیا کہ جس کا میں مولا ہوں اس کے مولا علیؑ بھی ہیں۔ اس وقت میری بغل میں ایک خوبصورت اور خوشبودار جوان تھا۔ اس نے مجھ سے کہا اے عمر رسول خدا نے ایسی گرہ باندھ دی ہے جسکو (وہی) شخص کھولے گا جو منافق ہوگا۔ تم ڈرو کہ کہیں تم ہی اس خلافت کی گرہ کھولنے کا بار نہ اٹھاؤ۔ یہ سن کر میں حضرت رسولؐ کی خدمت میں گیا اور وہ واقعہ بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا اے عمر وہ کوئی آدمی نہیں بلکہ جناب جبرئیل تھے۔ انہوں نے چاہا کہ میں نے علیؑ کی خلافت کے بارے میں جو کہا ہے اس کے متعلق تم پر تاکید کر دیں (مودۃ القربیٰ سید علی ہمدانی صفحہ ۱۶)

مسجد ضرار کا ہدم ایک شخص ابو عامر نے منافقین مدینہ کو آمادہ کیا کہ مسجد قبا کے مقابلہ میں ایک مسجد بناؤ کہ ہم لوگ اپنے امور اس میں انجام دیا کریں اس پر ان لوگوں نے ایک مضبوط مسجد تیار کر لی۔ جب آنحضرتؐ غزوہ تبوک کے لیے جانے لگے۔ تو ان منافقین نے دھوکے کے طور پر عرض کی کہ آپ اس نئی مسجد میں نماز پڑھا دیں تو یہ مقبول ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا اس وقت میں ایک مہم پر جا رہا ہوں۔ واپسی پر پھر منافقین نے درخواست کی مگر اسی وقت جبرئیل امین یہ آیت لائے۔ والذين اتخذوا مسجدا ضرارا۔ اس پر آنحضرت نے دو شخصوں کو بھیج کر اس مسجد ضرار کو منہدم کرا دیا اور وہ جگہ برباد کر دی گئی۔

سریہ وادی الرمل[1] آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ وادی الرمل میں کچھ لوگ اکٹھے ہوئے ہیں جو مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ایک فوج تیار کی۔ حضرت ابوبکر نے علم لیا اور گئے۔ قریب پہنچے تو مخالفین دفعۃً نکل پڑے اور اس زور سے لڑے کہ حضرت ابوبکر کو شکست ہو گئی۔ بہت مسلمان مارے گئے اور باقی مدینہ بھاگ آئے۔ تب حضرت عمر علم لے کر گئے۔ پھر دشمنوں نے کمین گاہ سے نکل کر زور کا حملہ کیا اور حضرت عمر مع فوج واپس آئے۔ اب عمرو عاص نے خواہش کی کہ میں جاؤں۔ آنحضرتؐ نے اجازت دے دی مگر یہ بھی حضرت اول و دوم کی طرح شکست کھا کر واپس آئے۔ اس سے آنحضرتؐ کو بڑا تردد ہوا اور حضرتؐ نے جناب امیرؑ کو علم دے کر مسلمانوں کا لشکر آپ کے ساتھ روانہ کیا۔ پھر خدا سے دعا کی اور مسجد احزاب تک آپ کو رخصت کرنے تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر و عمر و عمرو عاص بھی جناب امیرؑ کے ماتحت بھیجے گئے اور ان سب کو حکم ہوا کہ علیؑ کی اطاعت کرنا جناب امیرؑ نئی راہ سے چلے۔ جب وادی الرمل قریب ہوا تو اس طرف مڑ گئے۔ کمال احتیاط برتی کہ دشمن قابو سے باہر نہ ہو جائے۔ رات بھر چلتے اور دن کو آرام کرتے۔ دشمنوں کے قریب پہنچ کر حکم دیا کہ فوج بہت آہستہ آہستہ چلے اور خود آگے بڑھے۔ عمرو عاص کو اندازہ مل گیا کہ اب مسلمان ضرور فتح پائیں گے اور حضرت علیؑ کی کامیابی سے ہم لوگوں کی پوری ذلت ہو گی۔ یہ خیال کر کے حضرت ابوبکر کو عمر کو بہکانا شروع کیا کہ اس راہ میں بڑے بڑے خطرے ہیں بہتر ہے کہ ہم لوگ وادی کے اوپر سے دشمنوں پر رات کے وقت حملہ کر دیں۔ یہ دونوں صاحب بھی عمرو عاص کے ہم خیال ہو گئے اور سب نے جناب امیرؑ سے یہ رائے پیش کی مگر حضرت ان کی چالاکی سمجھ گئے اور انکار کر دیا۔ غرض جناب امیر نے جو راہ اختیار کی تھی۔ اسی پر جاتے رہے اور صبح ہوتے ہی دشمنوں کے سر پر پہنچ کر ان کو زیر کر لیا۔

[1] مورخین نے لکھا ہے کہ یہ وہی سریہ ذات السلاسل ہے جو ۸ ہجری میں ہوا تھا اسکا ذکر پہلے ہو چکا ۱۲

سب شکست کھا کر بھاگے اور جناب امیرؑ مدینہ کو لوٹے۔ آں حضرتؐ کو جناب امیرؑ کی فتح کی خوشخبری... آپ کے استقبال کے لیے نکلے۔ جناب امیرؑ نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو سواری سے اُتر پڑے گر... نے فرمایا اے علیؑ سوار ہو کر خدا اور رسولؐ تم سے راضی ہیں۔ اس پر جناب امیرؑ خوشی سے رو... موقع پر بعض مؤرخین نے یہ اشعار لکھے ہیں ؎

چنین گفت آں روز خیر الانام — کہ اندیشہ دارم ز بعضے مہام
دگر نہ حدیثے ز قدر علی — ہمی گفتم از غایت یک دلی
کہ بر ہر کہ کردے زامت گزر — نہادے بجائے قدمہاش سر
زخاک قدمہاش برداشتے — ازاں آبرو دے وگر داشتے

(حبیب السیر و معارج النبوت وغیرہ)

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بعد غزوہ تبوک عمرو بن معدی کرب نے یمن میں فساد کیا تو آ... نے اس کی سرکوبی کے لیے ایک فوج جناب امیرؑ کی ماتحتی میں بھیج دی اور خالد کے ساتھ ایک لشکر اور... روانہ کر کے فرما دیا کہ جب دونوں لشکر یک جا ہوں تو دونوں کے سردار علیؑ ہی رہیں۔ آگے بڑھے... لوگ جن کے لیے خالد کے ساتھ لشکر بھیجا گیا تھا۔ دو فرقے ہو گئے۔ ایک یمن کی طرف چلا گیا۔ دوسرا... سے مل گیا۔ حضرت علیؑ نے سُنا تو خالد بن ولید کے ہاں کہلایا کہ جہاں تک پہنچے ہو وہیں ٹھہر جاؤ۔ مگر... نے انکار کیا تو پھر حضرت نے خالد بن سعید کو حکم دیا کہ خالد بن ولید کی طرف بڑھو۔ یہ ادھر بڑھے... میں حضرت علیؑ بھی آ گئے اور خالد بن ولید کو نافرمانی پر ملامت کی پھر عمرو بن معدی کرب پر حملہ کیا... وہ حضرت کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا اور جناب امیرؑ مدینہ واپس آئے تو آں حضرت... نے فرمایا انت منی وانا منک — علیؑ مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں (... الاحباب و حبیب السیر وغیرہ)

سریہ جناب امیرؑ

سنہ ہجری میں آں حضرتؐ نے خالد بن ولید کو بھیجا تھا کہ اہل یمن کو اسلام کی... بلائیں وہ گئے، چھ مہینہ تک وہاں رہے مگر کسی نے کچھ نہیں سُنا تو آنحضرت... علیؑ کو بھیجا۔ آپ پہنچے تو یہ اثر ہوا کہ ایک ہی دن میں پورا قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا پھر تو اہل یمن... اسلام میں داخل ہونے لگے۔ آں حضرتؐ نے یہ سب سُنا تو خوشی میں سجدۂ شکر ادا کیا اور بار بار... ہمدان پر سلام ہو (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ وغیرہ)، کعب الاحبار کہتے تھے کہ حضرت علی یمن تشریف... نے کہا آپ مجھ سے رسول اللہ کی فضیلت بیان کریں۔ وہ بیان کرتے جاتے اور میں مسکراتا جاتا... نے پوچھا تم مسکراتے کیوں ہو؟ میں نے کہا یہ دیکھ کر کہ آپ جو بیان کرتے ہیں یہ سب ان اوصاف... ہے جو ہماری کتابوں میں حضرتؐ کے متعلق لکھے ہوئے ہیں پھر میں نے حلال و حرام باتیں پوچھ...

...انہوں نے کہا یہ سب بھی بالکل اس کے مطابق ہیں جو ہماری کتابوں میں ہیں۔ اس کے بعد میں... (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۶۱) آں حضرت صلعم کے مشہور غزوات وسرایا اسی قدر تھے۔ ان سب کے دیکھنے... ہوتا ہے کہ حضرتؐ نے خود کبھی کسی سے لڑنا پسند نہیں کیا۔ جنگ کی ابتدا نہیں کی۔ تلوار کے زور... پھیلانے کا خیال نہیں کیا۔ حکومت قائم کرنے کا کبھی ارادہ نہیں کیا بلکہ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے... غرض سے تشریف لائے تھے کہ اطمینان سے بیٹھ کر صلح و امن کے ساتھ لوگوں کو سچے مذہب کی... ...ایں اور امر حق کی طرف ہدایت کرتے رہیں البتہ یہاں بھی کفار مکہ نے آنحضرت کو چین سے بیٹھنے... دیا تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں کی حفاظت کے لیے ان کا مقابلہ کیا۔ بعد میں کفار مکہ کی دیکھا دیکھی دوسرے... ...وں نے بھی مسلمانوں سے لڑنا چاہا تو حضرتؐ نے مجبور ہو کر اہل اسلام کے بچانے کے لیے جنگ کی اور عقلاً... ...آپ کا فرض تھا۔ غرض حضرت نے اپنے کو بادشاہ یا حاکم نہیں بنایا بلکہ صرف ہادی رہے۔

...ان اطراف کے نام خطوط

صلح حدیبیہ سے کچھ اطمینان ہوا تو ۶ ہجری یا ۷ ہجری میں آنحضرت نے ایک مہر تیار کرائی جس پر محمد رسول اللہ... کندہ کرایا اور نجاشی بادشاہ حبش، قیصر ہرقل بادشاہ روم، مقوقش گورنر مصر، خسرو پرویز بادشاہ ایران، باذان... ...یمن اور حارث والی دمشق کے نام دعوت اسلام کے خطوط روانہ کیے۔ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا۔ قیصر... ...خط ملا تو اتفاق سے ابوسفیان اور کچھ عرب تاجر اسی طرف تھے وہ سب قیصر کے پاس بلائے گئے... ...دربار منعقد کر کے اور اہل عرب کی طرف مخاطب ہو کر حسب ذیل گفتگو کی۔

قیصر: تم میں سے اس مدعی نبوت کا رشتہ دار کون ہے!

ابوسفیان: میں۔

قیصر: مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان: بہت معزز اور شریف۔

قیصر: اس خاندان میں اور کسی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان: کمزور لوگ ہیں۔

قیصر: ان کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان: بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر: کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے -!

ابوسفیان: نہیں۔

قیصر: وہ کبھی عہد اور اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان: ابھی تک تو نہیں کی لیکن اب جو نیا معاہدہ صلح ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں -

قیصر: تم لوگوں نے اس سے کبھی جنگ بھی کی!

ابوسفیان: ہاں۔

قیصر: نتیجۂ جنگ کیا رہا!

ابوسفیان: کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔

قیصر: وہ تم سے کیا کہتا ہے!

ابوسفیان: کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پڑھو۔ پاک دامنی اختیار کرو سچ بولو۔ صلہ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا۔ پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس بادشاہت کی ہوس ہے تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کیا۔ جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیوں کر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے پیروی کی ہے پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا۔ پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ و عفاف کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔

خسرو پرویز شاہ ایران نے حضرتؐ کا خط چاک کر ڈالا۔ مقوقس نے بہت سے تحائف اور ایک کنیز ماریہ قبطیہ حضرتؐ کی خدمت میں ارسال کی جو حضرت کی زوجیت سے مشرف ہوئیں اور حارث نے آپ کا نامہ پھینک دیا۔

آنحضرتؐ کا اپنی ازواج سے ایک ماہ تک علیحدہ رہنا

۹ھ ہجری کا یہ بھی مشہور واقعہ ہے کہ ایک دن کئی دن تک آنحضرتؐ اپنی بیوی حضرت زینب کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا انہوں نے حضرت کے سامنے پیش کیا حضرتؐ کو شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ نے نوش فرمایا اس میں وقت مقررہ سے دیر ہوگئی حضرت عائشہ کو رشک ہوگیا حضرت حفصہ سے کہا کہ رسول ہمارے تمہارے گھر آئیں تو کہنا آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ بات طے ہوگئی اور حضرتؐ سے اس کی شکایت کی گئی تو آپ نے قسم کھائی کہ میں اب شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر یہ آیت اتری لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک اے پیغمبر اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو۔ اسی زمانہ میں آں حضرت نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہ سے فرمائی اور تاکید کردی کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انہوں نے حضرت عائشہ سے کہہ دیا اس پر یہ آیت اتری واذا سر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا فلما نبات بہ واظھرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نباھا بہ قالت من انباک ھذا قال نبانی العلیم الخبیر اور جب پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کردی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کردی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔ پھر جب ان سے کہا تو انہوں نے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی۔ پیغمبر نے کہا مجھ کو خدائے علیم و خبیر نے خبر دی غرض شکر رنجیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عائشہ و حفصہ نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں۔ اس پر عائشہ و حفصہ کی شان میں یہ آیتیں اتریں ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ و جبریل وصالح المومنین والملئکۃ بعد ذلک ظھیرا عسیٰ ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن مسلمات مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات ثیبات وابکارا۔ اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو بہتر ہے کیوں کہ تم دونوں کے دل گمراہ ہو چکے ہیں اگر پیغمبرؐ کے خلاف میں سازشیں تم رکھو گی تو کچھ پرواہ نہیں۔ خدا اور جبریل اور نیک مومنین (حضرت علیؑ) اور فرشتے رسولؐ کے مددگار ہیں۔ اگر پیغمبرؐ تم لوگوں کو طلاق دے دیں تو عجب نہیں کہ ان کا پروردگار ان کے لیے تم سے بہتر بیبیاں ان کو بہم پہنچا دے جو فرمانبردار۔ ایماندار۔ نمازی۔ توبہ کرنے والیاں۔ عبادت گزار۔ روزہ دار۔ بیوہ اور کنواریاں ہوں گی۔ (پ ۲۸ ع ۱۹)

العرض جب آنحضرتؐ کو اللہ نے حضرت حفصہ کے راز افشا کر دینے کی خبر دی تو حضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ میں نے منع کیا تھا مگر تم نے میرا راز فاش کر ہی دیا۔ انہوں نے کہا آپ نے کیوں کر جانا۔ فرمایا مجھے خدا نے خبر دی ہے اور بروایت استیعاب و تاریخ خمیس حضرت حفصہ کو طلاق رجعی دے دی۔ پھر ازواج سے تنگ آکر قسم کھائی کہ ایک ماہ تک ان بیویوں سے نہیں ملیں گے (سیرت النبی صفحہ ۱۰۸ وغیرہ) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "ایلا۔ تخییر۔ مظاہرہ حفصہ و عائشہ یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ گویا مختلف زمانوں کے واقعات ہیں اور ان سے ایک ظاہر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ ازواج مطہرات

حاضرین ہیں۔ مطاہرہ سے جس جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرر رساں سازش تھی جس کا اثر بہت پُرخطر تھا اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں (حضرت عائشہ وحفصہ) کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ کی مدد کو خدا۔ اور جبریل اور نیک مسلمان موجود ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لئے تیار ہیں" (سیرت النبیؐ جلد ا صفحہ ۴۰۵)

تبلیغ سورۂ برات

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذی الحجہ ۹ھ ہجری میں آنحضرتؐ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ سے حج کے لیے روانہ کیا اور حضرت ابوبکر کو حاجیوں کا امیر مقرر کرکے سورۂ برأت دی کہ مکہ میں اس کی تبلیغ کر دیں۔ ان کے روانہ ہونے کے بعد جناب جبریل نازل ہوئے اور کہا یا حضرتؐ آپ کی طرف سے سوائے آپ کے یا اس شخص کے جو آپ ہی سے ہو اور کوئی شخص یہ کام نہیں کر سکتا۔ اس پر آنحضرتؐ نے حضرت علی کو حضرت ابوبکر کے پیچھے بھیجا کہ جلد ابوبکر سے ملو اور انہیں میرے پاس واپس کرکے خود جاؤ اور اس سورہ کی تبلیغ کرو۔ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا۔ جس کے بعد حضرت ابوبکر آنحضرتؐ کے پاس آکر رونے لگے۔ پھر پوچھا کیا میرے متعلق کوئی امر حادث ہوگیا؟ فرمایا مجھے حکم خدا پہنچا کہ اس حکم کی تبلیغ یا میں کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ ہی سے ہو۔ صحیح بخاری پ۲ صفحہ ۲۳۸ و فتح الباری پ۱۹ صفحہ ۱۹۴) و کنز العمال جلد ا صفحہ ۱۴۶ در منثور جلد ۳ صفحہ ۲۱۰ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۵۶ وغیرہ)، شاہ ولی اللہ صاحب کی تحقیق ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر و عمر (دونوں) کو سورۂ برات دے کر بھیجا تھا اور پھر دونوں کو اس خدمت سے معزول کرکے حضرت علیؑ کے سپرد یہ کام کیا (قرۃ العینین صفحہ ۲۴) اس معزولی سے حضرت ابوبکر و عمر کو نہایت صدمہ ہوا مگر خدا یا رسولؐ نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

حجۃ الوداع

۱۰ھ ہجری (غالباً ۶۳۲ء) میں ۲۵ ذیقعدہ کو حضرت رسول خدا صلعم ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کے ساتھ آخری حج کرنے مکہ کی طرف تشریف لے چلے اور ۴ ذی الحجہ کو وہاں پہنچ گئے کل بیبیاں اور جناب سیدہ بھی ساتھ تھیں۔ اس کے قبل حضرت علیؑ کو یمن کی طرف بھیج چکے تھے جو وہاں لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے بعد مکہ واپس آئے تو آں حضرت سے ملاقات ہوئی جو کچھ یمن میں گزرا آپ نے بیان کیا۔ آنحضرتؐ ان حالات اور حضرت علیؑ کی ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور پوچھا تم نے کیا نیت باندھی ہے۔ عرض کی یہ کہ "اے خدا جو نیت رسول اللہ نے باندھی ہے وہی میری نیت بھی ہے۔ اور ۳۴ اونٹنیاں لایا ہوں۔ حضرتؐ نے فرمایا اللہ اکبر ۶۶ میں لایا ہوں (اس طرح ۱۰۰ ہوگئیں)، اے علیؑ تم حج قربانی اور مناسک حج میں میرے شریک ہو۔ غرض حج و قربانی سے فارغ ہوکر آں حضرت ۱۴ ذی الحجہ کو مکہ سے مدینہ کو چلے راستے میں قریب جحفہ مقام خم پر پہنچے جہاں ایک تالاب غدیر تھا تو یہ آیت اتری یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمک من الناس اے رسولؐ جو حکم تمہیں بھیج دیا گیا ہے اسے اب پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو سمجھا جائے گا کہ رسالت کا کوئی کام نہیں کیا اور اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچائے گا پ۶ ع ۱۴) حضرتؐ فوراً اتر پڑے اور زمین صاف کرا کے اونٹ کے پالانوں کا ایک منبر تیار کرایا۔ پھر اس پر حضرت علیؑ کو لے جا کر ایک خطبہ فرمایا جس میں یہ بھی ارشاد کیا کہ میں تمہارے درمیان دو امر عظیم چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن دوسرے میرے اہلبیت۔ اگر تم لوگ ان دونوں کی پیروی کرتے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ان میں ایک دوسرے سے بزرگ ہے۔ دیکھنا ہے کہ میرے بعد تم لوگ ان دونوں سے کس طرح پیش آتے ہو اور ان کی رعایت حقوق کس طرح کرتے ہو۔ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں پھر فرمایا لوگو! کیا میں تمہارے نزدیک تمہارے نفسوں سے اولیٰ نہیں ہوں؟ سب نے کہا بے شک ہیں۔ تب آپ نے فرمایا جس کے نفس سے میں اولیٰ ہوں علیؑ بھی اس کے نفس سے اولیٰ ہیں اور حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اتنا بلند کیا کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگی پھر فرمایا من کنت مولاہ فهذا علی مولاہ اللهم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذله وادر الحق معه حیث دار جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ بھی اس کے مولا ہیں۔ اے اللہ جو ان کو اپنا مولا سمجھے تو اس کو دوست رکھ اور جو ان سے دشمنی رکھے اس کو تو بھی دشمن رکھ۔ جو ان کی مدد کرے اس کی تو بھی مدد کر اور جو ان کو چھوڑے تو بھی اسے چھوڑ دے اور یہ جدھر پھریں ادھر ہی تو حق کو بھی پھیر تارہ۔ تین مرتبہ یہ کہہ کر ارشاد فرمایا کہ تم حاضرین کو چاہیئے کہ غائبین تک اس کو خبر پہنچا دو یہ فرما کر منبر سے اتر آئے اور حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ ایک خیمہ میں بیٹھیں تاکہ لوگ آپ کو مبارک باد دیں۔ بہت کثرت سے لوگوں نے تہنیت ادا کی حضرت عمر نے بھی کہا بخ بخ یا هنیئالک یابن ابی طالب اصبحت مولای ومولیٰ کل مومن ومومنة مبارک ہو آپ کو اے فرزند ابوطالبؑ کہ آپ میرے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کے مولا ہوگئے اکثر اصحاب یہاں تک کہ ازواج رسولؐ نے بھی حضرت علیؑ کو مبارک باد دی اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ اب میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ اکبر دین کے کامل نعمت کے تمام اور میری رسالت اور علیؑ کی ولایت سے خدا کے خوشنود ہونے پر (تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ وغیرہ) اس موقع پر ایک شخص حارث بن نعمان فہری نے آں حضرتؐ پر اعتراض کیا اور بیان کیا کہ آں حضرتؐ نے بغیر حکم خدا اپنی خواہش نفسانی سے صرف حضرت علیؑ کی محبت میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ - فرمایا ہے یہ خیال کرکے اس نے خدا سے دعا کی اے اللہ اگر حقیقت رسول اللہ نے تیرے حکم سے ایسا کیا ہے تو مجھ پر آسمان سے پتھر برسا۔ اگر

وقت اس کے سر پر ایک پتھر آ کر پڑا جو اس کے پائخانہ کے مقام سے ہوتا ہوا نکل گیا اور وہ ہلاک ہو گیا پھر اس کے بعد یہ آیت بھی نازل ہوئی سال سائل بعذاب واقع سوال کرنے والے نے واقع ہونے والے عذاب کی خود دعا مانگی (سیرت حلبیہ جلد ۳ صفحہ ۲۷۴، نور الابصار صفحہ ۸، وغیرہ) ان واقعات سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ خدا اور رسول نے پھر حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کا عام اعلان کر دیا اور اب اس میں کوئی سمجھدار شخص شک و شبہ نہیں کر سکتا۔

کثرت وفود فتح مکہ کے بعد ۹ھ ہجری سے قبائل عرب کے وفود کثرت سے آنحضرتؐ کے پاس آنے اور عرب گروہ در گروہ مسلمان ہونے لگے یہاں تک کہ حضرتؐ کی وفات سے پہلے تقریباً پورا عرب مسلمان ہو گیا۔

مباہلہ آں حضرتؐ نے نجران کے عیسائیوں کے پاس دعوت اسلام کا خط بھیجا ان میں سے ۱۴ با اثر شخص آں حضرتؐ کے پاس آئے اور مناظرہ کرنے لگے آنحضرتؐ نے جواب دیئے اور بہت سمجھایا جب وہ نہ مانے تو آنحضرتؐ پر یہ آیت اتری فمن حاجك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءكم ونساءنا ونساءكم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنت الله على الكاذبين جو شخص علم آئے پیچھے تم سے جھگڑا کرتا ہے اس سے کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے فرزندوں اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلالیں پھر مباہلہ کر کے خدا سے دعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ (سورۂ آل عمران) ۲۴ ذی الحجہ تاریخ مباہلہ قرار پائی۔ حضرت رسول خداؐ قرار داد کے مطابق اپنے دونوں فرزندوں حسنؑ و حسینؑ بیٹی فاطمہؑ اور اپنے نفس حضرت علیؑ کو گھر سے لے کر نکلے اور ان سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ نصاریٰ نجران کے سردار نے ان پانچ مقدس حضرات کو دیکھا تو پوچھا کہ محمدؐ کے ساتھ چار آدمی کون ہیں۔ جب معلوم ہوا کہ داماد اور خلیفہ حضرت علیؑ اور بیٹی فاطمہؑ اور نواسے حسنؑ و حسینؑ ہیں تو بہت گھبرایا اور مباہلہ سے انکار کر دیا۔ علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے۔ فلما راٰهم قالوا هذه وجوه لو اقسمت على الله ان يزيل الجبال لازالها ولم يباهلوه وصالحوه۔ جب نصاریٰ نجران نے ان پنجتن پاک کو دیکھا تو کہنے لگے یہ تو وہ چہرے ہیں جو اگر خدا سے کہیں کہ پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دے تو خدا ضرور ہٹا دے گا اور مباہلہ سے انکار کر کے آنحضرتؐ سے صلح کر لی۔ یہ واقعہ ۱۰ھ ہجری کا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۱۲) اسی آیۃ ندع ابناءنا الآیۃ کے نازل ہونے پر حضرت رسول خداؐ صلعم نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو بلا کر فرمایا اللهم هؤلاء اهل بيتي اے اللہ یہی میرے اہلبیتؑ ہیں (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸) حبیب السیر نے اس موقع پر یہ اشعار لکھے ہیں ؎

چوں چشم نصارے واہل عباد برآں پنج عالی گہر اوفتاد

چنیں گفت اسقف کہ ایں پنج فرق کہ مانند آں نیست در غرب و شرق
چو خواہند از کردگار جہاں کہ ایں کوہ را بر کنند از میاں
شود آں دعا در زماں مستجاب زنفریں ایشاں کنید اجتناب
شنیدم کہ در گرد آں پنج شمع کہ در سایہ پرور دہ بودند جمع
چو پروانہ می گشت روح الامیں کہ اے بادشاہان دنیا و دیں
دریں سایہ گر جائے باشد مرا کنم سرفرازی بہر دو سرا

اور تفسیر کشاف میں لکھا ہے یہ آیت ایسی دلیل ہے کہ اس سے قوی تر کوئی دلیل فضیلت آل عبا پر نہیں ہے۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

مدعیان نبوت حجۃ الوداع سے واپس آ کر آنحضرت صلعم علیل ہو گئے اس کی خبر اطراف و جوانب میں پہنچی تو بعض لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور بغاوت پھیلا دی۔ مثلاً بنی حنیفہ میں مسیلمہ کذاب، بنو اسد میں طلیحہ بن خویلد اور اسود عنسی اور ایک عورت سجاح بنت حارث مگر رفتہ رفتہ سب کا جھوٹ کھل گیا اور اپنے اپنے مذہب کے ساتھ ختم ہو گئے

تجہیز جیش اسامہ حضرت رسول خدا صلعم کی آخری زندگی کا مشہور واقعہ لشکر اسامہ کا بھیجنا ہے صفر ۱۱ھ ہجری میں ایک دن آں حضرتؐ نے حکم دیا کہ روم سے جنگ کرنے کے لیے لشکر تیار ہو۔ دوسرے دن اسامہ بن زید بن حارث کو طلب کیا اور فرمایا کہ میں تجھ کو اس لشکر کا امیر بناتا ہوں پھر اپنے ہاتھ سے ایک علم اس کے لیے ترتیب دیا۔ آنحضرتؐ نے یہ بھی حکم دیا کہ اعیان و مہاجرین و انصار مثل حضرت ابوبکر، حضرت عمر و حضرت عثمان و سعد بن ابی وقاص و ابو عبیدہ بن جراح و سعد بن زید و قتادہ وغیرہ اسامہ کی ماتحتی میں روانہ ہوں۔ مگر حضرت علیؑ کو آپ نے اس لشکر کے ساتھ جانے کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ آپ کو اپنے پاس ہی رکھا۔ مگر یہ بات ان لوگوں کو ناگوار ہوئی کہ ایک غلام زادے کو اکابر مہاجرین و انصار کا سردار بنا دیا گیا۔ لوگ مجمعوں میں اس کا چرچا اور غیظ و غضب کا اظہار کرتے تھے۔ جب یہ خبر آں حضرت کو ہوئی تو کمال رنجیدہ اور غضبناک ہوئے اور باوجود ناسازی مزاج کے عصابہ سر مبارک پر باندھ کر گھر سے باہر تشریف لائے اور منبر پر جا کر فرمایا میں نے اسامہ کو تم لوگوں پر امیر بنایا تو تم لوگ اس سے انحراف کرتے ہو۔ اس کے قبل بھی جب میں نے اسامہ کے باپ زید کو جنگ موتہ میں افسر بنایا تھا تو تم لوگوں نے اسی طرح انحراف کیا تھا اس کی کیا وجہ ہے۔ خدا کی قسم اسامہ اس سرداری کا مستحق ہے اس کا باپ بھی اس کا سزاوار تھا۔ زید مجھے بہت محبوب تھا اور اسامہ کو بھی میں بہت دوست رکھتا ہوں۔ تم لوگ اس کے بارے میں میری وصیت کو نیکی اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کرو پھر حضرت اندر آگئے۔ مگر حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ اب بھی اس کے ساتھ نہیں گئے۔ بلکہ مدینہ ہی میں رہ گئے (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۸۵، تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۰، طبری جلد ۳ صفحہ ۱۸۸ وغیرہ) جب صحابہ نے اسامہ کے

ماتحت ہو کر جانے میں تامل کیا تو آنحضرتؐ اس درجہ غضبناک ہوئے کہ نہ جانے والوں پر صاف صاف لعنت کی علامہ شہرستانی نے لکھا ہے۔ الخلاف الثانی فی مرضہ انہ قال جہزوا جیش اسامہ لعن اللّٰہ من تخلف عنہا دوسرا اختلاف حضرت رسول خدا صلعم کے مرض موت میں یہ پیدا ہوا کہ حضرت نے فرمایا اسامہ کے لشکر کو جلد روانہ کرو۔ خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو اسامہ کے ساتھ جانے سے رُک گئیں۔ انتہا! سخت تعجب ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر جو اسامہ کے ماتحت قرار دیئے گئے تھے۔ اور ان کو بھی اس کے ساتھ مدینہ سے چلے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ کا یہ غضب ناک کلام لعن اللّٰہ من تخلف عن جیش اسامہ سننے کے بعد کیوں کر اپنی بات پر قائم رہے اور آنحضرتؐ کے غیظ و غضب کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔ ان دونوں حضرات کا بھی اس لشکر میں ماتحت اسامہ کیا جانا اور آں حضرت کا لعن اللّٰہ من تخلف عن جیش اسامہ فرمانا بکثرت معتبر کتابوں میں موجود ہے (مثلاً علامہ شہرستانی کی کتاب ملل و نحل مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۲، شرح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۰، شرح مواقف میرزاہد کتاب تذئیل فی ذکر الفرق کتاب افکار الابکار آمدی فصل ۶ قاعدہ ۷۔ وسائل عقائد ملا یعقوب تنہائی وغیرہ)

آنحضرتؐ کا مرض موت

حجۃ الوداع سے واپس آکر وفات کے ایک ماہ قبل سے آنحضرت اپنی وفات کی خبر دیتے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک دن آپ نے صحابہ کو جمع کر کے وعظ فرمایا۔ اس میں یہ بھی ارشاد کیا کہ مجھے یہ خوف نہیں کہ تم لوگ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے[1] مگر یہ خوف ضرور ہے کہ تم لوگ دنیا پرستی میں مشغول ہو جاؤ گے اور اسی طرح ہلاک ہو گے جس طرح وہ لوگ ہلاک ہوئے جو تم سے پہلے تھے۔ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۷۹) حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ اواخر ماہ صفر میں ایک دفعہ رات کو میری باری میں گھر سے آنحضرتؐ قبرستان بقیع کی طرف استغفار کرنے تشریف لے گئے۔ اسی وقت میری آنکھ بھی کھل گئی۔ میں سمجھی حضرت کسی دوسری بیوی کے پاس چلے گئے مجھے رشک ہوا تو اس کی تحقیق کے لیے چپکے سے میں بھی پیچھے روانہ ہوئی جاکر دیکھا کہ حضرت اہل بقیع کے لیے دعا کر رہے ہیں۔ حضرتؐ پھرے تو میں بھی دوڑی اور حضرتؐ سے پہلے آکر بستر پر لیٹ رہی۔ مگر سانس پھولنے اور میرے گھبرانے سے

[1] مگر نہ معلوم آں حضرت صلعم نے حضرت ابوبکر کے بارے میں کیوں فرمایا تھا کہ تم میں شرک موجود ہے قال ابوبکر یا رسول اللّٰہ وھل الشرک الا ما عبد من دون اللّٰہ او ما دعی مع اللّٰہ۔ قال ثکلتک امک یا ابابکر للشرک فیکم اخفی من دبیب النمل۔ حضرت ابوبکر نے پوچھا اے رسول خدا شرک یہی تو ہے کہ اللہ کے سوا کسی ذات کی عبادت کی جائے یا دوسری ذات سے دعا مانگی جاوے۔ فرمایا تمہاری ماں تمہارے ماتم میں بیٹھے شرک تم لوگوں میں چیونٹی کی چال سے زیادہ پوشیدہ موجود ہے (ازالۃ الخفا مقصد ۱ صفحہ ۱۹۹ و تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۳۶۴ وغیرہ)

حضرت سمجھ گئے کہ میں کہیں گئی تھی۔ آپ نے دریافت کیا تو میں نے اقرار کر لیا۔ اس پر حضرتؐ نے میرے سینہ پر زور سے ہاتھ مار کر فرمایا اے عائشہ تیرے دل میں شیطان نے یہ شبہ پیدا کیا کہ میں تیری باری میں دوسری بیوی کے پاس چلا گیا ہوں اور خدا اور رسول تیرے حق میں ظلم کر رہے ہیں حالانکہ خدا نے مجھے حکم دیا تھا کہ گورستان بقیع پر جاکر دعا کروں۔ میں نے کہا ہاں حضرتؐ ایسا ہی ہے کیا کروں۔ میری طبیعت کی افتاد نے مجھے ایسی بدگمانی پر آمادہ کر دیا۔ پھر میں اپنا درد سر ظاہر کر کے کہہ رہی تھی کہ ہائے سر پھٹا جاتا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے عائشہ بلکہ مجھے درد سر ہے۔ اے عائشہ اس میں تیرا کیا نقصان ہے کہ تو میرے سامنے مر جائے اور میں تیری تجہیز و تکفین کروں اور تیرے جنازے پر نماز پڑھ کر تجھے زمین میں دفن کر دوں۔ میں نے جواب دیا آپ چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں۔ اگر میں مر جاؤں تو آپ اسی روز بیاہ رچائیں گے اور میرے گھر میں نئی دلہن لاکر رکھیں گے۔ اس پر حضرتؐ نے تبسم فرمایا اور کہا اے عائشہ تیرا درد اچھا ہو جائے گا مگر میرا اس درد سے بچنا مشکل ہے (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۴۹۴ وغیرہ) آں حضرتؐ کی تیمارداری آپ کے اہلبیت کرتے تھے۔ (مدارج النبوت صفحہ ۴۹۵) آپ کو حضرت فاطمہ زہراؑ سے بے حد محبت تھی۔ شدت مرض میں حضرتؐ نے آپ کے کان میں کچھ فرمایا جس پر جناب سیدہ رونے لگیں۔ پھر کچھ کہا تو آپ خوش ہو گئیں۔ حضرت عائشہ نے رونے اور ہنسنے کا سبب پوچھا تو کہا میں ابھی رسولؐ کا بھید نہیں بتا سکتی۔ حضرتؐ کی وفات کے بعد جب عائشہ نے دوبارہ پوچھا تو فرمایا پہلی مرتبہ حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا اے فاطمہؑ اب میری موت قریب آگئی تو میں رونے لگی۔ دوسری مرتبہ فرمایا اے فاطمہؑ کیوں روتی ہو۔ تھوڑے ہی دنوں میں تم بھی میرے پاس آجاؤ گی اور جنت کی کل عورتوں کی سردار ہو گی۔ اس پر میں خوش ہو گئی تھی۔

(سیرۃ النبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۰)

واقعہ قرطاس

وفات سے پہلے آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ میرے پاس قلم دوات لاؤ تاکہ ایسی بات لکھ دوں جس کے بعد تم لوگ گمراہ نہ ہو۔ حضرت عمر نے کہا ان الرجل لیہجر حسبنا کتاب اللّٰہ یہ شخص ہذیان بک رہا ہے ہمیں کتاب خدا کافی ہے۔ آنحضرتؐ کو اس کا نہایت صدمہ ہوا اور فرمایا تم سب لوگ میرے سامنے سے چلے جاؤ (صحیح بخاری پ ۲۳ صفحہ ۱۰ وغیرہ) مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں: بیماری کا مشہور واقعہ قرطاس کا واقعہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ اپنے وفات سے تین دن پہلے قلم اور دوات طلب کیا کہ میں تمہارے لیے ایسی چیز لکھدوں گا کہ آئندہ تم گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمر نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرتؐ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللّٰہ بہکی باتیں کر رہے ہیں نعوذ باللّٰہ۔ روایت میں ہجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہذیان کے ہیں۔ یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک معترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہو گی کہ جناب رسول اللّٰہ بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غمخواری کے لحاظ

فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھدوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لیے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لیئے اس میں سہو وخطا کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ باوجود اس کے حضرت عمر بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ہی نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا - نعوذ باللہ" (الفاروق صفحہ ۶۱) اور مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں" جن کے دل میں تمنائے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی انہوں نے تو دھینگا مشتی سے منصوبے ہی کو چٹکیوں میں اڑا دیا اور مزاحمت کی تاویل یہ کی ہماری ہدائیت کے لیے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس بر جا نہیں کاغذ قلم دوات کا لانا کچھ ضروری نہیں خدا جانے کیا کا کیا لکھوا دیں گے" (امہات الامہ صفحہ ۹۲) حضرت ابن عباس اس دن کو یاد کر کے اس قدر روتے تھے کہ سنگریزے انکے آنسوؤں سے تر ہو جاتے تھے اور کہتے ہائے وہ کیسا دن تھا کہ لوگوں نے رسولؐ اللہ کو وصیت نہیں لکھنے دی - یہ کیسی سخت مصیبت ہے اور کل مصائب کی جڑ یہی ہے (صحیح بخاری پ صفحہ ۱۰۶ مشکوٰۃ جلد ۲ صفحہ ۵۳۲ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۳ وغیرہ) کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرتؐ نے اپنی آخری حالت میں حکم دیا کہ حضرت ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھائیں - مگر یہ بات خلاف عقل ہے کیونکہ آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر کو اسامہ کی ماتحتی میں مدینہ سے باہر چلے جانے کا حکم دیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ جو اسامہ کے ماتحت ہو کر نہ جائے اس پر خدا کی لعنت ہو۔ پھر حضرتؐ آپکو نماز پڑھانے کا حکم کیسے دیتے (اسکی تفصیل خلیفۂ اول کی سوانح عمری میں بیان ہو چکی ہے)۔ بیماری میں آنحضرتؐ نے فرمایا علی کو میرے قریب کر دو حضرت عائشہ نے کہا آپ ابوبکر کو بلا لیئے اور حضرت حفصہ نے کہا آپ حضرت عمر کو بلا لیجیے۔ حضرتؐ نے اجازت نہیں دی مگر وہ لوگ بلا لیئے گئے تو حضرتؐ نے فرمایا تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ! مجھے تم لوگوں کی ضرورت ہو گی تو خود بلا لوں گا مجبوراً وہ لوگ نکل گئے (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۵) حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ جب رسولؐ کی وفات کا وقت پہنچا تو فرمایا میرے حبیب کو میرے پاس کر دو۔ لوگوں نے حضرت ابوبکر کو بلا دیا مگر حضرتؐ نے ان کی طرف دیکھ کر اپنا سر ٹیک دیا۔ پھر فرمایا میرے حبیب کو پاس بلا دو۔ لوگوں نے حضرت عمر کو بلا دیا مگر حضرتؐ نے اُن کی طرف دیکھ کر بھی حضرتؐ اپنا سر ٹیک دیا۔ پھر فرمایا میرے حبیب کو میرے قریب کر دو تب لوگوں نے حضرت علیؑ کو قریب کر دیا۔ حضرت نے آپ کو دیکھ کر اپنی چادر میں لے لیا اور اسی طرح آخر وقت تک اپنے سینہ سے لپٹائے رہے حضرتؐ کی روح جب نکلی تو اس وقت بھی حضرت کا ہاتھ حضرت علیؑ ہی پر تھا (ریاض نضرہ صفحہ ۱۸۰) آنحضرت نے وقت احتضار میں جناب سیدہؑ سے فرمایا میرے فرزندوں کو قریب کر دو حسنینؑ قریب ہوئے تو آنحضرتؐ کو اس حال میں دیکھ کر اتنا روئے کہ دیکھنے والے رونے لگے۔ امام حسنؑ نے اپنا منہ حضرتؐ کے منہ پر اور امام حسینؑ نے اپنا سر آنحضرتؐ کے سینہ پر رکھ دیا۔ حضرتؐ نے آنکھیں کھول دیں۔ ان کے بوسے لیے۔ خوشبو سونگھی اور انکی تعظیم واحترام کے باب میں سب کو وصیت کی۔ پھر فرمایا میرے بھائی علیؑ کو قریب کر دو۔ آپ قریب ہوئے تو آنحضرتؐ نے اپنا سر آپ کے بازو پر رکھ دیا اور فرمایا اے علیؑ فلاں یہودی کا مجھ پر اتنا قرضہ ہے۔ جو تجہیز جیش اسامہ کے لیے اس سے لیا تھا۔ خبردار اس کو ادا کر دینا اور اے علیؑ تم ہی وہ شخص ہو جو سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہو گے اور میرے بعد تم کو سخت صدمات پہنچیں گے۔ چاہیے کہ دل تنگ نہ ہونا تحمل اور صبر کا طریقہ اختیار کرنا اور جب دیکھنا کہ ان لوگوں نے دنیا اختیار کی تو تم آخرت اختیار کئے رہنا۔ (روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۵۵۹ ومدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۵۱۱)

وفات رسولؐ

۲۸ صفر یا ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری کو حضورؐ نے وفات پائی۔ حضرت ابوبکر اس وقت اپنی بیوی کے ہاں دوسری جگہ گئے ہوئے تھے۔ بعد کو پہنچے جب تک وہ پہنچ نہیں گئے حضرت عمر کہتے تھے خدا کی قسم رسول مرے نہیں ہیں جو شخص ان کے مرنے کو کہے گا اس کی گردن اڑا دوں گا۔ مگر حضرت ابوبکر کے پہنچ جانے پر آپ کا جوش ٹھنڈا ہو گیا اور دونوں صاحب آنحضرتؐ کی لاش چھوڑ کر خلافت کا انتظام کرنے سقیفہ بنی ساعدہ میں چلے گئے مشہور ہے کہ مولانا روم نے یہ شعر کہا ہے ؎

اہل دنیا کار دنیا ساختند
مصطفےٰ را بے کفن انداختند

ان لوگوں کے چلے جانے پر مردان اہلبیتؑ نے حجرہ مبارک کا دروازہ بند کر کے یمنی چادر کا ایک پردہ ڈالا اور حضرت علیؑ وعباس وفضل وقثم واسامہ وشقران جسد مطہر کو اٹھا کر پردہ کے اندر لے گئے اور غسل دینے میں مشغول ہوئے۔ حضرت علی غسل دیتے تھے فضل بن عباس حضرتؐ کا پیراہن اونچا کرتے عباس وقثم کروٹ بدلتے اور اسامہ وشقران پانی ڈالتے جاتے تھے۔ ان چھ آدمیوں کے سوائے کوئی اور شخص حضرتؐ کے غسل دینے میں شریک نہ تھا۔ بعد غسل حضرتؐ کو ایک تخت پر لٹایا اور لوگوں نے نماز پڑھی۔ دفن کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہوا تو حضرت علیؑ کی رائے سے جس جگہ حضرت کی روح قبض ہوئی تھی ابوطلحہ نے قبر کھودی اور انتقال سے دوسرے روز آدھی رات کو حضرت علیؑ وعباس وفضل وقثم وعقیل واسامہ وشقران قبر میں اترے اور حضرت کو دفن کیا۔ سب سے آخر شخص جو قبر سے باہر آیا وہ حضرت علیؑ تھے۔ آنحضرتؐ کے دفن ہونے کے بعد حضرت ابوبکر آئے (کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۵۴ وفتح الباری جزو ۶ صفحہ ۴۴ وغیرہ) آنحضرتؐ نے دوشنبہ کو انتقال کیا اور شب چہارشنبہ کو مدفون ہوئے بعضوں کا قول ہے کہ حضرتؐ تین دن تک مدفون نہیں ہوئے (ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۵۲) وفات کے وقت حضرتؐ ۶۳ سال کے تھے۔ عقل اور رائے کے اعتبار سے سب سے افضل تھے۔ فقراء ومساکین کو بہت دوست رکھتے۔ نہ فقیر کو اس کے فقر کی وجہ سے حقیر جانتے۔ نہ بادشاہ کا اس کی بادشاہت کی وجہ سے خوف کرتے۔ اپنے ملنے والوں اور اہل شرف کی تالیف قلوب کا خیال رکھتے تھے۔ جب کوئی شخص کسی درجہ کا آپ سے ہاتھ ملاتا تھا تو اس وقت تک آپ اپنا ہاتھ اس سے نہیں چھڑاتے تھے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے۔ بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھ سے دوہ لیتے تھے زمین پر بلا تکلف بیٹھنے کو عار نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے شکستہ جوتوں اور پھٹے کپڑوں کی خود مرمت

فرماتے تھے آپ نے کبھی کسی خادم اور عورت کو نہیں مارا انتقال کے وقت تک کبھی جَو کی روٹی بھی پیٹ نہیں کھائی۔ اکثر اوقات آپ بھوک سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ مہینوں آپ کے گھر کھانے پکانے کو آگ تک نہیں روشن ہوتی تھی۔ صرف کھجور اور پانی پر آپ بسر کر لیتے تھے (ازالۃ جلد ا صفحہ ۴۰۳)

ازواج علاوہ ماریہ اور ریحانہ اور چند کنیزوں کے آپ کے ۱۱ بیویاں تھیں۔ جن میں سے ۹ آپ کے بعد تک زندہ رہیں۔

(۱) حضرت خدیجہ بڑی فاضلہ، عاقلہ، عالی نسب بہت مالدار اور معزز تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کو طاہرہ کہتے تھے۔ آپ کی تجارت بڑے پیمانہ پر قائم تھی۔ حضرت رسولِ خدا صلعم ۲۵ سال کے ہوئے تو آپ نے حضرت سے شادی کی۔ آنحضرتؐ کی کل اولاد سوائے حضرت ابراہیمؑ کے جو ماریہ قبطیہ سے تھے آپ ہی سے ہوئی۔ حضرت علیؑ کے ساتھ سب سے پہلے آپ آنحضرت پر ایمان لائیں اور اپنا کل مال آنحضرتؐ کو دے کر اس سے اسلام اور مسلمانوں کی بے حد مدد کی۔ سچ تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی محنت اور حضرت خدیجہ کی دولت سے آنحضرتؐ کو اتنی قوت ملی کہ حضرتؐ دینِ اسلام پھیلانے میں اچھی طرح کامیاب ہوئے۔ حضرت رسولِ خدا صلعم فرماتے تھے کہ چار عورتیں بہشت میں سب سے بزرگ ہیں۔ مریم بنت عمران مادرِ حضرت عیسیٰؑ۔ آسیہ بنت مزاحم زنِ فرعون۔ خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمدؐ۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں مجھے کسی عورت پر اتنا حسد نہیں ہوا جتنا خدیجہ پر ہوتا تھا۔ ان کے مرنے کے بعد آنحضرتؐ ان کو اکثر یاد کرتے۔ گوسفند ذبح کر کے اس کے پارچے خدیجہ کی سہیلیوں کو بھیجا کرتے اور میں مارے حسد کے کہتی تھی۔ گویا دنیا میں سوائے خدیجہ کے کوئی عورت ہے ہی نہیں۔ جواب میں آنحضرتؐ فرماتے خدیجہ میں بہت خوبیاں تھیں۔ میری اولاد انہیں سے ہوئی۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے خدیجہ کو یاد کیا تو میں نے حسد سے کہا کب تک اس بڈھی کو یاد کیے جاؤ گے جس کے بڑھاپے سے اس کے منہ میں دانت بھی نہیں رہے تھے۔ خدا نے اس سے بہتر بیوی تم کو عنایت کر دی۔ یہ سن کر حضرتؐ اس درجہ غضب ناک ہوئے کہ آپ کی پیشانی کے بال ہلنے لگے اور فرمایا خدا کی قسم ان سے بہتر کوئی عورت مجھے نہیں ملی وہ مجھ پر اس وقت ایمان لائیں۔ جب اور لوگ کافر تھے۔ اس وقت میری تصدیق کی جب دوسرے لوگ مجھے جھٹلاتے تھے اور اپنے مال سے میری اس وقت مواسات اور مدد کی جب سب لوگ مجھے محروم رکھتے تھے اور خدا نے مجھے انہیں سے فرزند عطا کیے۔ حضرت عائشہ کہتی تھی کہ اس وقت سے میں نے ارادہ کر لیا کہ آئندہ خدیجہ کو برائی سے نہیں یاد کروں گی (صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۴۱۹)۔ حضرت خدیجہ نے ۱۰/ ماہ رمضان سنہ ۱۰ نبوی میں وفات پائی اور مقبرہ حجون میں دفن ہوئیں۔ اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ ان کی وفات آنحضرتؐ کو نہایت صدمہ ہوا۔

سودہ یہ ایک شخص سکران کی بیوہ تھیں اور اس کے ساتھ حبشہ میں ہجرت کی تھی پھر مکہ آ کر رہیں۔ جب ان کا شوہر مرگیا تو سنہ ۱۰ بعثت میں حضرت خدیجہ کے بعد آنحضرتؐ نے ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت عائشہ حضرت ابوبکر کی بیٹی تھیں سنہ ۱۰ بعثت میں جب حضرت خدیجہ انتقال کر چکی تھیں تو ان کی جدائی پر آں حضرتؐ کو بڑا صدمہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر جناب عائشہ کو آں حضرتؐ کی خدمت میں لائے اور کہا یا رسول اللہ یہ بچی آپ کے صدمہ کو کچھ کم کرے گی۔ غرض حضرتؐ نے حضرت عائشہ سے نکاح کر دیا مگر زفاف کی نوبت نہیں آئی جب حضرت ہجرت کر کے مدینہ آئے اور حضرت ابوبکر بھی وہاں پہنچ گئے تو آپ نے آں حضرتؐ سے پوچھا اے رسولِ خدا آپ اپنی بیوی سے صحبت کیوں نہیں فرماتے؟ فرمایا ابھی مہر کا روپیہ نہیں ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ ابا جان نے آنحضرت کو ساڑھے بارہ اوقیہ (میرا مہر ادا کرنے کو دیا۔ تب حضرتؐ نے اُسے ہمارے ہاں بھیجا اور میں جس گھر میں اس وقت ہوں اسی میں حضرتؐ نے میرے ساتھ جماع کیا (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۵۱ و مستدرک جلد ۴ صفحہ ۵ وغیرہ) شاہ عبدالحق صاحب لکھتے ہیں حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ ہم لوگ مدینہ میں پہنچے تو ایک روز آں حضرتؐ میرے گھر آئے اس وقت میری اماں جان نے مجھے پکڑ کر میرے بالوں میں کنگھی کر دی۔ مانگ نکال دی۔ میرا منہ دھویا۔ مجھ کو کھینچتی ہوئی آنحضرتؐ کے پاس پہنچا کر حضرت کی گود میں بٹھا دیا اور کہا یا حضرت یہ آپ کی بیوی ہے۔ اس کے بعد لوگ وہاں سے ہٹ گئے اور حضرت نے میرے ساتھ وہیں زفاف کیا (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۸۰) آپ میں رشک کا مادہ بہت تھا۔ جناب سیدہ اور جناب عائشہ کے مکانوں کے درمیان ایک کھڑکی تھی۔ ایک دفعہ جناب عائشہ اس کھڑکی سے جناب سیدہ کے ہاں آئیں اور لڑنے لگیں۔ اس پر آں حضرتؐ نے وہ کھڑکی بند کرا دی۔ جناب رسولِ خدا صلعم کے بعد بھی جناب عائشہ اور جناب سیدہ و جناب امیرؑ میں کبھی میل نہیں رہا جناب سیدہ کو تو ان سے اس قدر صدمہ پہنچا کہ مرتے وقت وصیت کی کہ عائشہ کو میرے جنازے پر نہ آنے دینا (شرح مشکوٰۃ جلد ۳ صفحہ ۲۴۶) اور حضرت علیؑ کا آپ نام تک لینا پسند نہیں کرتی تھیں آنحضرت اپنی علالت میں حضرت عائشہ کے گھر تشریف لائے اس کو حضرت عائشہ نے اس طرح بیان کیا کہ حضرت دو آدمیوں پر تکیہ کر کے نکلے ایک جناب عباس تھے اور دوسرا شخص کوئی اور تھا۔ ان کی یہ حدیث جناب عباس سے کسی دوسرے نے ذکر کی تو انہوں نے اس شخص سے پوچھا جانتے ہو وہ دوسرا شخص جس کا نام حضرت عائشہ نے نہیں لیا کون تھا؟ اس نے کہا نہیں انہوں نے بتایا کہ وہ حضرت علیؑ تھے (صحیح بخاری پ ۳ صفحہ ۲۷۳) اس کی شرح میں علماء نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کا نفس حضرت علی کی کسی بھلائی سے خوش ہوتا ہی نہیں تھا بلکہ ان سے ممکن ہی نہ تھا کہ وہ حضرت علی کو کسی بھی بھلائی سے یاد کر سکیں (فتح الباری پ ۳ صفحہ ۲۷۳ و تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۱) جب حضرت عائشہ حضرت علی کا ذکر تک نہیں کر سکتی تھیں تو آپ کی خلافت کیسے پسند کرتیں۔ اسی وجہ سے حضرتؐ کو ظاہری خلافت

ملی تب بھی آپ گوارا نہ کرسکیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی لکھتے ہیں "عائشہؓ علیؓ کو نیچا دکھانے کی تاک میں تھیں۔ علیؓ مسند خلافت پر جم کر بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ قاتلان عثمان کا قصاص لینے کی غرض سے علیؓ پر فوج کشی کر بیٹھیں۔ گویا علیؓ نے عثمان کو قتل کیا یا کرایا ہے۔ ہمارے ملک میں عورتوں کا ایک طبعی خاصہ زنانا اور ایک تریا چرتر بھی مانا گیا ہے۔" (امہات الامہ صفحہ ۹۹) غرض بصرہ میں جنگ جمل ہوئی جس کی کیفیت حضرت علیؓ کے حال میں آتی ہے۔ اس میں حضرت عائشہ کو شکست ہوئی آپ مدینہ واپس آئیں پھر بھی حضرت علیؓ پر آپ کی مہربانی کم نہ ہوئی۔ جب حضرتؑ کی وفات کی خبر سنی تو خوشی میں یہ شعر پڑھا ؎

فالقت عصاها فاستقربها النوی کما قرعینا بالایاب المسافر

اس نے اپنا عصا رکھ دیا اور اطمینان سے اقامت کی جس طرح گھر پلٹ آنے سے مسافر کی آنکھ کو ٹھنڈک مل جاتی ہے۔ اس سے یہ مطلب تھا کہ سب پریشانیاں اور تردد زائل ہوگیا (حیات الحیوان جلد ا صفحہ ۱۹۴) اسی طرح امام حسنؑ کا جنازہ روضۂ رسول کے پاس لایا گیا تو آپ ایک خچر پر سوار ہو کر وہاں پہنچیں اور کہنے لگیں کہ گھر میرا ہے۔ میں دفن ہونے نہیں دیتی (ابو الفداء جلد ا صفحہ ۱۸۳ وغیرہ) اسوقت امام حسنؑ کے جنازے کی طرف کثرت سے تیر بھی پھینکے گئے یہاں تک کہ چند تیر جنازے میں پیوست ہوگئے آنحضرتؐ نے ایک عورت اسماء سے عقد کرنا چاہا وہ خوبصورت تھی۔ بیویوں کو تردد ہوا کہ ہمارا اثر گیا تو حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ تم ان کے مہندی لگاؤ ہم کنگھی چوٹی کرتے ہیں۔ اسی وقت بطور ہمدردی کہا "بی بی جب رسول تمہارے پاس آئیں تو اعوذ باللہ منک کہہ دینا۔ اس سے حضرت بہت خوش ہو کر تم پر فریفتہ ہو جائیں گے۔ اس بیچاری نے اسی طرح کہہ دیا تو حضرتؐ نے فرمایا تو نے بڑی پناہ مانگی اور اس کے گھر بھیج دیا (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۱۷۵)۔ آپ باوجودیکہ یزید سے ۳۶ سال بڑی تھیں مگر یزید نے آپ سے نکاح کی طمع کی (مدارج النبوت جلد ا صفحہ ۱۷۵) ۵۶ھ ہجری میں معاویہ مدینہ میں آیا اور ایک مکان میں گڈھا کھدوا کر اس کو خس پوش کرکے آبنوس کی کرسی بچھائی اور حضرت عائشہ کو دعوت کے بہانے سے بلا کر اس پر بٹھایا۔ حضرت عائشہ بیٹھتے ہی گڑھے میں جا پڑیں۔ معاویہ نے اس گڑھے کو پتھر اور چونے سے مضبوط کرا دیا اور مکہ کی طرف روانہ ہوگیا (حدیقہ حکیم سنائی قلمی و حبیب السیر طبع بمبئی و مناقب مرتضوی طبع بمبئی)

حضرت حفصہ خلیفہ دوم کی صاحبزادی اور خنیس کی بیوی تھیں۔ خنیس کے مرنے پر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر و عثمان سے درخواست کی کہ میری بیٹی سے آپ لوگ نکاح کرلیں مگر کسی نے منظور نہیں کیا تو آنحضرتؐ نے ۳ھ ہجری میں ان سے نکاح کرلیا۔ آپ میں اور حضرت عائشہ میں بڑا ہی میل رہتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے ان کے ساتھ آنحضرتؐ کے خلاف ایکا بھی کرلیا تھا جس کی تفصیل ہے

گزری۔ ۵۴ھ ہجری میں انتقال کیا۔

زینب بنت خزیمہ حضرت رسول خدا صلعم کے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش کی بیوی تھیں۔ وہ شہید ہوگئے تو آنحضرتؐ نے ان سے نکاح کیا مگر ۴ھ میں مرگئیں۔ ان کا لقب ام المساکین تھا۔

حضرت ام سلمہ آں حضرت صلعم کی پھوپھی جناب عاتکہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ پہلے ابوسلمہ سے شادی ہوئی ان سے کئی بچے بھی ہوئے۔ آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور وہاں سے واپس آکر مدینہ ہجرت کرکے چلی آئیں۔ ابوسلمہ جنگ احد میں زخمی ہونے کے بعد انتقال کر گئے۔ تو حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے ان سے نکاح کرنا چاہا مگر ام سلمہؓ نے منظور نہیں کیا۔ پھر ۴ھ ہجری میں آنحضرت صلعم سے نکاح کرلیا۔ بعد وفات رسولؐ بھی آپ کا برتاؤ جناب سیدہ و حضرت علیؑ و حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ کے ساتھ بہت اچھا رہا۔ حضرت امام حسینؑ تو آپ کو یا امّاہ (اے ماں) کہتے تھے۔ حضرت رسول خدا نے کربلا کی مٹی کی شیشی آپ ہی کو دی تھی اور فرمایا تھا کہ جب یہ خون ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا فرزند حسینؑ ذبح کر دیا گیا اور جب حضرت شہید ہوگئے تو آپ نے آں حضرت صلعم کو خواب میں دیکھا کہ حضرتؐ کا سر اور داڑھی غبار میں بھری ہے۔ وجہ پوچھی تو فرمایا میں اس جگہ سے آرہا ہوں جہاں میرا فرزند حسینؑ قتل کردیا گیا (جامع ترمذی صفحہ ۲۳۹ وغیرہ) پھر آپ نے اہل عراق پر لعنت بھیجی۔ آپ کو حضرت امام حسینؑ سے اس درجہ محبت تھی کہ حضرتؑ کی شہادت کے بعد لوگ آپکے پاس رسم تعزیت ادا کرنے آتے تھے۔ ۶۱ھ ہجری میں انتقال کیا اور بقیع میں دفن کی گئیں۔ عمر ۸۴ سال کی ہوئی۔

زینب بنت جحش حضرت رسول خدا صلعم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ آپ کی ماں کا نام امیمہ تھا جو آنحضرتؐ کے دادا جناب عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ آپ کا پہلا نکاح زید بن حارثہ سے ہوا جو آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام تھے مگر زوجہ اور شوہر میں میل نہیں رہتا تھا۔ تو زید نے ان کو طلاق دے دی۔ جس کے بعد ذیقعد ۵ھ ہجری میں آنحضرتؐ نے ان سے نکاح کرلیا۔ چونکہ زید کو آنحضرتؐ نے شروع میں اپنا متبنّیٰ کرلیا تھا۔ اس وجہ سے جب زید کے طلاق دینے پر آنحضرتؐ نے ان سے نکاح کیا تو دشمنوں نے اعتراض کیا کہ رسولؐ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کی۔ مگر قرآن مجید نے سمجھا دیا کہ منہ بولے بیٹے کا حکم وہ نہیں ہے جو حقیقی بیٹے کا ہے اور زینب سے آنحضرتؐ کا نکاح کسی طرح قابل اعتراض نہیں آپ نے ۲۰ھ ہجری انتقال کیا۔ آپ بڑی مخیّر اور متقی تھیں۔

جویریہ بنت الحارث ان کا شوہر مسافع ایک غزدہ میں قتل ہوا تو یہ گرفتار ہو کر لونڈی بنائی گئیں پھر آزاد کر دی گئیں اور ان سے آنحضرتؐ نے نکاح کرلیا۔ ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

اُمِّ حبیبہ ابوسفیان کی بیٹی عبیداللہ بن جحش کی بیوی تھیں۔ ۶ھ ہجری میں ان کا شوہر مرگیا۔ اس وقت یہ حبشہ میں تھیں۔ آں حضرتؐ نے نجاشی بادشاہ حبشہ کی معرفت نکاح کا پیغام بھیجا اور ۷ھ ہجری میں یہ مدینہ آکر آں حضرتؐ کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ ۴۴ھ میں وفات پائی۔

صفیہ بنت حیی ایک یہودی سردار کی بیٹی اور سلام یہودی کی بیوی تھیں مگر میاں بیوی میں میل نہ رہا تو سلام نے ان کو طلاق دے دی تب دوسری شادی کنانہ سے ہوئی۔ جنگ خیبر میں کنانہ مارا گیا اور صفیہ قید ہوکر مسلمانوں میں آئیں تو آں حضرتؐ نے اپنی بیوی بنالیا۔ آپ بڑی نیک دل اور معزز بیوی تھیں مگر حضرت عائشہ حفصہ ان کو بہت ستاتی تھیں۔ آں حضرتؐ عائشہ سے پوچھتے کہ صفیہ کیسی ہیں تو کہتیں ایک یہودن ہے جس پر آنحضرتؐ کو بہت رنج ہوتا کیوں کہ آں حضرتؐ کو ان سے نہایت محبت تھی ایک مرتبہ انہوں نے آں حضرتؐ سے شکایت کی کہ عائشہ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ ہم تمام ازواج میں افضل ہیں۔ تو حضرتؐ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون میرے باپ۔ موسیٰ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں۔ اس لیے تم لوگ مجھ سے افضل کیوں کر ہوسکتی ہو؟ ۵۰ھ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں

میمونہ حارث کی بیٹی اور مسعود کی بیوی تھیں۔ مسعود نے طلاق دے دی تو ابورہم سے شادی ہوئی۔ پھر ابورہم کے مرنے پر آں حضرتؐ نے ان سے نکاح کرلیا۔ ۵۱ھ ہجری میں وفات پائی۔ ان گیارہ عورتوں سے حضرت نے نکاح کیا ان میں سے حضرت خدیجہ اور زینب بنت خزیمہ نے حضرتؐ کی حیات میں اور باقی ۹ بیویوں نے آنحضرتؐ کے بعد انتقال کیا۔

حضرت رسولؐ خدا کی اولاد آں حضرتؐ کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ سوائے جناب ابراہیمؑ کے جو ماریہ قبطیہ سے تھے۔ سب اولاد حضرت خدیجہ سے تھی۔

(۱) **قاسم** آں حضرتؐ کے پہلوٹھی کے لڑکے تھے۔ بعثت سے پہلے مکہ میں پیدا ہوئے دو سال کی عمر میں مرگئے۔ اُنہیں کی نسبت سے آنحضرت کی کنیتؐ ابوالقاسم ہوئی۔

(۲) **عبداللہ**۔ جو طیب و طاہر کے نام سے مشہور ہوئے۔ مکہ میں قبل بعثت پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں انتقال کرگئے۔

(۳) **ابراہیم**۔ آں حضرتؐ کی سب سے آخری اولاد ماریہ قبطیہ کے بطن سے ذی الحجہ ۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آں حضرتؐ کو ان کی پیدائش سے بڑی خوشی ہوئی۔ ساتویں دن عقیقہ کرایا۔ اور بال برابر چاندی خیرات کی۔ ڈیڑھ سال کے تھے کہ ۱۰ھ ہجری میں انتقال کیا۔ نزع کی حالت میں آں حضرتؐ نے گود میں اٹھالیا اور بے اختیار رونے لگے۔ پھر چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ دفن کیے گئے تو آنحضرتؐ قبر کے کنارے کھڑے تھے۔ آپ کی قبر پر پانی چھڑکا گیا۔ اسلام میں یہ پہلی قبر ہے۔ جس پر پانی چھڑکا گیا۔

(۴) **حضرت فاطمہ زہرا**۔ سیدۃ النساء۔ آنحضرتؐ کی سب سے پیاری اور عزیز اولاد۔ شرف ذات

محاسن صفات اور اسلامی خدمات میں سب سے بڑھی ہوئی تھیں۔ حدیہ ہے کہ آنحضرتؐ ان کی تعظیم کرتے آتیں تو کھڑے ہوجاتے اور آپ کی کنیت ام ابیہا (اپنے باپ کی ماں) رکھی تھی۔ ۲۰ جمادی الآخری ۵ سنہ بعثت میں پیدا ہوئیں (تاریخ خمیس جلد ا صفحہ ۳۱۳ وغیرہ) آپ کی عزت و شرف کی کوئی دوسری بیوی دنیا میں نہیں ہوئیں کہ آپ کے والد حضرت رسول خدا صلعم والدہ حضرت خدیجہ شوہر حضرت علیؑ۔ فرزندان امام حسن و امام حسینؑ اور بقیہ ۹ امام آپ کو خدا نے یہ عزت دی کہ مسلمانوں میں جو لوگ آپ کی اولاد میں ہیں وہ سب سادات (سردار) کہے جاتے ہیں۔ اور دوسرے کل اہل اسلام آپ کی اولاد سے ادنیٰ سمجھے جاتے ہیں اور مذہبی حیثیت سے کسی مسلمان کی جرأت نہیں ہوسکتی کہ اپنے کو سید سے افضل کیا برابر تک کہہ سکے جناب خدیجہ کے بعد حضرت رسولؐ خدا صلعم کو آپ سے جس قدر محبت بڑھ گئی۔ اس کی حد کا بیان کرنا دشوار ہے۔ ۸ سال تک آنحضرتؐ کے ساتھ مکہ معظمہ میں رہنے کے بعد مدینہ چلی آئیں۔ ۲ھ ہجری میں آپ کی شادی حضرت علیؑ سے کی گئی۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس وقت آپ کی عمر تقریباً ۱۰ سال کی تھی۔ حضرت رسول خدا صلعم نے آپ کے بارے میں فرمایا فاطمۃ بضعۃ منی من اذاھا فقد آذانی ومن اغضبھا فقد اغضبنی فاطمہؑ میرا جزو بدن ہے جو ان کو اذیت پہنچا دے گا وہ مجھے بھی اذیت پہنچائے گا اور جو ان کو غضب ناک کرے گا وہ مجھے بھی غضب ناک کرے گا اور بعض حدیثوں میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: یا فاطمۃ ان اللّٰہ یغضب بغضبک ویرضیٰ برضاک اے فاطمہ تیرے غضب سے خدا بھی غضب ناک ہوتا اور تیری خوشی سے وہ بھی خوش ہوتا ہے۔ آں حضرتؐ کی زندگی میں جناب سیدہؑ نے حضرتؐ کی اتنی خدمت کی کہ عام طور پر بیٹے بھی نہیں کرتے اور آں حضرتؐ صلعم بھی آپ کو فرزند نرینہ سے زیادہ مانتے تھے۔ جب کسی سفر میں تشریف لے جاتے تو سب سے آخر جناب سیدہ سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے جناب سیدہ سے ملتے حضرت رسول خدا صلعم کے بعد جب تک زندہ رہیں حضرت رسول خدا صلعم پر روتی رہیں اور کبھی خوش نہیں دیکھی گئیں آپ کے رونے کی شکایت اہل مدینہ نے حضرت علیؑ سے کی تو آپ نے جواب دیا کہ اے ابوالحسنؑ آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ فاطمہ دنیا میں زیادہ دن تک نہیں رہے گی۔ آں حضرتؐ کے انتقال کے بعد جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا وہ جناب سیدہ کے گھر پہنچے تو حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو بھیجا کہ جو لوگ خانہ سیدہ میں ہیں ان کو وہاں نہ رہنے دیں۔ اور وہ نکلنے سے انکار کریں تو بزور شمشیر وہاں سے نکالیں۔ اس پر حضرت عمر آگ لکڑی لے کر وہاں اس قصد سے پہنچے کہ گھر میں آگ لگادیں۔ یہ سن کر جناب سیدہ نے کہا اے پسر خطاب کیا تو میرا گھر جلانے آیا ہے؟ حضرت عمر نے کہا بے شک اسی ارادے سے آیا ہوں ورنہ جو لوگ اس گھر میں ہیں وہ سب چل کر ابوبکر کی بیعت کریں۔ دوسری روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر نے گھر میں آگ لگانے کے لیے قسم کھائی تو لوگوں نے کہا اس گھر میں تو فاطمہؑ

بھی ہیں۔ حضرت عمر نے کہا ہو اکریں (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸۱ و کتاب الامامت والسیاست جلد ۱ صفحہ ۱۰ وغیرہ) بعد وفات رسولؐ جناب سیدہ نے ابوبکر سے اپنی اس میراث کا سوال کیا جو رسول خداؐ صلعم سے آپ کو پہنچتی تھی اور جو آنحضرت کو خدا نے بلا حرب و ضرب عطا فرمائی تھی۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول خدا کا ارشاد ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے یہ سن کر حضرت فاطمہؑ حضرت ابوبکر پر اس درجہ غضب ناک ہوئیں کہ مرتے دم تک حضرت ابوبکر سے ناراض رہیں اور جب بعد چھ مہینے کے حضرت فاطمہؑ نے وفات پائی تو حضرت علیؑ نے نماز جنازہ پڑھ کر رات ہی کے وقت دفن کر دیا اور حضرت ابوبکر و عمر کو جنازے پر آنے نہیں دیا۔ صحیح بخاری کتاب المغازی صفحہ ۴۵۳ و صحیح مسلم کتاب الجہاد صفحہ ۹۱ وغیرہ) خلیفہ اول کے مقابلہ میں جناب سیدہ کا استدلال بتاتا ہے کہ آپ علم دین میں کیسی ماہر تھیں۔ فرمایا افی اللہ ان ترث اباک و لا ارث ابی اما قال رسول اللہ المرء یحفظ ولدہ فبکی ابوبکر بکاءً شدیداً۔ کیا خدا کے نزدیک یہ جائز ہے کہ تم اپنے باپ کے وارث بنو اور میں اپنے والد کی میراث نہ پاؤں۔ کیا رسولؐ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ ہر شخص اپنی اولاد کی حفاظت کرتا ہے یہ سن کر حضرت ابوبکر بشدت سے روئے۔ شاہ عبدالحق صاحب دہلوی نے خوب لکھا ہے "کل مصیبتوں سے زیادہ سخت اور مشکل قضیہ جناب فاطمہؑ زہرا کا ہے۔ اس لئے کہ اگر کہیں کہ وہ اس سنت سے ناواقف تھیں یعنی اس حدیث سے جس کو حضرت ابوبکر نے بیان کیا تو یہ خلاف عقل ہے کہ آپ بالکل بے خبر رہیں اگر مان لیں کہ شاید رسولؐ سے فاطمہ کو اس حدیث کے سننے کا موقع نہیں ملا ہو تو اور زیادہ مشکل پڑتی ہے کہ جب آپ نے اس حدیث کو حضرت ابوبکر سے سن لیا اور باقی صحابہ نے گواہی بھی دی پھر کیوں نہ اس کو صحیح جانا اور غضب ناک ہو گیئں اور اگر آپ کا غصہ حدیث مذکورہ کے سننے سے پہلے ہوا تھا اور سننے کے بعد کیوں غصہ کو ترک نہیں کیا جس نے اس قدر طول کھینچا کہ جب تک زندہ رہیں ابوبکر سے مہاجرت ہی رکھی" (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ فصل ۳ جلد ۳ صفحہ ۴۴۶) (یہ واقعات زیادہ تفصیل سے حضرت ابوبکر کی سوانح عمری میں لکھے گئے ہیں۔

سیدہ جانتی تھیں کہ قرآن کے خلاف آنحضرتؐ کوئی جملہ ارشاد ہی نہیں فرمائیں گے۔ خدا صاف فرماتا ہے۔ و لکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون۔ اور جو ترکہ ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ مریں تو ہم نے ہر ایک مرنے والے کی میراث کے حق ٹھہرا دیئے ہیں (پ ۵ ع ۲) اس سے ثابت ہوا کہ خدا نے ہر والدین کی اولاد کو ان کا وارث قرار دیا ہے اور کسی کو اس سے مستثنیٰ نہیں فرمایا لہٰذا اس میں انبیاء و غیر انبیاء سب داخل رہیں گے اور اس حکم کے سبب سے اولاد انبیاء کو بھی ان کے والدین کی میراث اسی طرح ملے گی۔ جس طرح غیر انبیاء کی اولاد کو ملتی ہے۔ علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے کہ جب جناب سیدہ نے حضرت

ابوبکر سے اپنی میراث طلب کی تو انہوں نے جناب معظمہ کو اس سے محروم کر دیا۔ اور دلیل یہ پیش کی کہ آنحضرت نے فرمایا ہے اگر وہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا بلکہ ہمارا متروکہ صدقہ ہو جاتا ہے۔ اس پر جناب سیدہ نے قرآن مجید کی آیت للذکر مثل حظ الانثیین مرد کے لیے عورتوں سے (دوہرا حصہ ہے) کے عموم سے استدلال کیا اور گویا آپ نے اس بات کیطرف اشارہ کیا کہ قرآن مجید کا عام حکم ایک شخص کی بیان کی ہوئی حدیث سے خاص نہیں قرار پایا جا سکتا ہے۔ تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۷۱۵۔ غرض جناب سیدہ نے بتا دیا کہ جو قول قرآن مجید کے خلاف ہو اس کے بارے میں یقین کرنا ہوگا کہ آں حضرت نے نہیں فرمایا۔ قرآن پکار پکار کر کہتا ہے کہ انبیاء کی میراث ان کے وارثوں کو ملتی تھی مثلاً و ورث سلیمان داؤد حضرت سلیمان پیغمبر جناب داؤد پیغمبرؐ کے وارث ہوئے (پ ۱۹ ع ۱۷) جناب زکریا پیغمبر نے دعا کی فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من آل یعقوب اے اللہ تو مجھے ایک جانشین عطا فرما جو میرا وارث ہو اور نسل یعقوب کی میراث بھی پائے (پ ۱۶ ع ۴) پس اگر حضرت ابوبکر کی بیان کی ہوئی حدیث صحیح مان لی جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان قرآن کو چھوڑ دے۔ صرف جناب سیدہ ہی نے اس حدیث کو غلط نہیں کہا بلکہ حضرت رسولؐ خدا صلعم کے شاگرد حضرت علیؑ اور عباس بھی اس کو غلط سمجھتے تھے جس کی شکایت بھی حضرت عمر نے دونوں صاحبوں سے کی چنانچہ آپ نے دونوں صاحبوں سے کہا کہ جب رسولؐ خدا نے انتقال کیا تو ابوبکر نے کہا میں رسول خداؐ کا قائم مقام ہوں۔ اس پر تم دونوں ان کے پاس آئے۔ تم (عباس) اپنے بھتیجے کی اور تم (علیؑ) اپنی زوجہ کی میراث طلب کرتے تھے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ رسول خدا نے فرمایا ہے ہماری میراث کسی کو نہیں ملتی ہم نے جو چھوڑا وہ صدقہ ہے۔ اس پر تم دونوں نے ابوبکر کو جھوٹا، گنہگار، دھوکے باز اور خائن سمجھا (صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۷۱)۔ غرض جناب سیدہ نے اپنے قول اور فعل سے قرآن مجید کی عظمت کا سکہ بٹھا دیا اور امت کو تعلیم دے دی کہ قرآن مجید کے خلاف کسی شخص کا کوئی قول بھی سننا تو اس کو باطل سمجھنا اور جو شخص دعویٰ کرے کہ آں حضرتؐ نے کوئی بات قرآن کے خلاف فرمائی ہے اس کو کاذب جاننا عجیب لطیفہ ہے کہ حضرت ابوبکر تو قول رسولؐ نقل کریں کہ ہم انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں نہ میراث چھوڑتے ہیں مگر واقعہ یہ ہو کہ خود حضرت رسولؐ خدا کا وارث ہوئے ہیں۔ علماء سیرت و تاریخ نے تصریح کی ہے کہ آں حضرتؐ کے والد جناب عبداللہ نے انتقال کے وقت پانچ اونٹ اور کچھ دنبیاں چھوڑیں اور حضرت رسول خدا صلعم نے ان کل چیزوں کو اپنے والد کی میراث میں پایا (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۵۶) زمانہ حال کے نامور مصنف مولوی شبلی صاحب نے بھی لکھا ہے "عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی جس کا نام ام ایمن تھا یہ سب چیزیں رسول کو ترکہ میں ملیں (طبقات ابن سعد سیرت النبیؐ جلد ۱ صفحہ ۱۲۲)

جناب سیدہ نے اپنے عمل سے اس کو بھی ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے ۷۳ فرقوں سے فرقہ شیعہ یقیناً ناجی اور بہشت میں جانے والا ہے۔ اسلئے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے من مات ولم یعرف امام زمانہ

فقد مات میتۃ جاہلیۃ جو شخص اس طرح مرجائے کہ اپنے زمانہ کے امام کو نہیں [illegible]
(کفر) کی موت مرے گا (مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۴۸) اور معلوم ہے کہ جناب سیدہ نے آنحضرتؐ کے بعد
ابوبکر کو اپنا امام نہیں مانا۔ پس اگر حضرت ابوبکر واقعاً اس وقت امام تھے تو ماننا پڑے گا کہ معاذ اللہ
سیدہ جاہلیت کی موت مریں۔ پھر وہ سب حدیثیں غلط ہوجاتی ہیں جن میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے
بہشت کی عورتوں کی سردار ہوں گی جن سے یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ جناب سیدہ ضرور بہشت میں
گی۔ غرض جناب سیدہ جنہوں نے آں حضرت کے بعد خلیفہ اول کو اپنا امام نہیں مانا بلکہ حضرت علیؑ
حضرت کا خلیفہ بلافصل جانتی ہیں۔ مذہب حق پر ہیں اور ضرور بہشت میں جائیں گی۔ تو شیعہ
خلیفہ اول کو اپنا امام نہیں مانتے بلکہ حضرت علیؑ ہی کو آں حضرتؐ کا خلیفہ بلافصل جانتے ہیں یقیناً
حق پر ہیں اور ضرور بہشت میں جائیں گے۔ اگر انسان غور کرے اور انصاف سے کام لے تو اس پر
حق کسی طرح پوشیدہ نہ رہے اور تسلیم کرے کہ جناب سیدہؑ نے صراط مستقیم کو مثل آفتاب روشن
اب مسلمانوں کی دو جماعت کھلی ہوئی ہے ایک طرف وہ لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر کو آنحضرتؐ کا
ہیں لیکن ان میں جناب سیدہؑ نہیں کیونکہ ممدوحہ نے ایک منٹ کے لیے بھی انہیں خلیفہ نہیں مانا
خلافت کی کسی بات کو پسند کیا دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو حضرت ابوبکر کو آں حضرتؐ کا خلیفہ نہیں
بلکہ جناب امیرؑ ہی کو حضرتؐ کا خلیفہ بلافصل تسلیم کرتے ہیں اور انہیں لوگوں میں جناب سیدہ بھی
جس کا جی چاہے ان دو سے ایک جماعت میں داخل ہوجائے مگر یہ سمجھ لے کہ حضرت رسول خدا
پیشینگوئی کے مطابق جناب سیدہ تو یقیناً بہشت میں جائیں گی۔ اور آپ کے ساتھ ساتھ آپ
بھی وہاں پہنچے گی۔ رہی دوسری جماعت اس کا انجام معلوم کرلینا دشوار نہیں ہے جناب سیدہ
بلاغت میں بھی اعلیٰ درجہ پر فائز تھیں۔ اپنے مصائب کو ایسے اشعار میں ذکر کیا ہے جن کا
دیوان عرب پیش کرنے سے عاجز ہے فرماتی تھیں ؎

ماذا علی من شم تربۃ احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انہا صبت علی الایام صرن لیالیا

جو شخص حضرت رسول خدا کے روضہ کی مٹی ایک مرتبہ سونگھ لے پھر اگر وہ زندگی بھر اعلیٰ درجہ
نہ سونگھے تو اس کا کیا نقصان ہوگا (کیونکہ اب اس کو کسی خوشبو کی حاجت ہی نہیں رہی
کے بعد میرے اوپر اتنی اور ایسی سخت مصیبتیں پڑیں جو اگر دنوں پر پڑتیں تو وہ رات ہوجاتے
(نور الابصار صفحہ ۴۶ و مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۵۲۴ وغیرہ) جس طرح حضرت رسول خدا کو جناب خدیجہ
امیرؑ کی جانی و مالی قربانیوں کی وجہ سے اسلام کی جڑ مضبوط ہوئی اسی طرح اسلام کی اشاعت میں
سیدہ نے بھی بڑا احسان کیا۔ آپ کی والدہ نہایت دولت مند تھیں۔ انہوں نے اسلام کے

[illegible] سول دیا تھا اور جب ان کا انتقال ہوگیا تو ان کی بچی ہوئی دولت کی وارث جناب سیدہ ہوئیں [illegible]
[illegible] اس کو اسی سیر چشمی سے مذہب حق کی ترویج میں صرف کرنے دیا اور خود ہر قسم کی تنگی گوارا کی
[illegible] اور کار و کرنا کبھی پسند نہیں کیا۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ سوائے حضرت رسول خدا کے
[illegible] فضل میں نے کسی کو نہیں پایا۔ آں حضرتؐ نے چار خط کھینچ کر کہا کہ بہشت کی عورتوں سے
[illegible] عورتیں ہیں۔ خدیجہؓ، فاطمہؑ، آسیہؑ اور مریمؑ۔ حضرت ام سلمہ کہتی تھیں کہ [illegible] میرے گھر یہ
[illegible] ہوئی انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت [illegible]
[illegible] اے اہلبیت رسول خدا کا برابر یہی ارادہ رہتا ہے کہ تم لوگوں سے ہر برائی کو دور رکھے اور
[illegible] درجہ کا پاک و پاکیزہ بنائے رہے) تو حضرت رسول خداصلعم نے جناب فاطمہؑ و علیؑ [illegible] کو بلا کر
[illegible] فرمایا میرے اہلبیت بس یہی چار ہیں۔ حضرت عائشہ کہتی تھیں کہ جناب سیدہ بالکل اسی طرح چلتیں
حضرت رسول خدا چلتے۔ حضرت رسول خداصلعم نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے بارے میں
[illegible] لوگ ان چاروں میں کسی سے لڑیں گے۔ ان سے میں بھی لڑوں گا اور جو ان چاروں سے صلح رکھیں
[illegible] سے میں بھی صلح رکھوں گا۔ جناب سیدہ حضرت رسول خداصلعم کی ایسی اطاعت گزار [illegible] تھیں
[illegible] کی مثال نہیں مل سکتی۔ ایک مرتبہ حضرت امیرؑ نے جناب سیدہ سے فرمایا کہ ہم لوگوں کو گھر کے کاموں سے
[illegible] کلفت ہے۔ اس وقت آں حضرت کے پاس بہت سے قیدی آگئے ہیں۔ حضرتؐ سے تم بھی کسی
[illegible] نوکر کام میں آسانی ہو۔ آپ گئیں اور اپنا مطلب بیان کیا۔ آں حضرتؐ نے فرمایا اہل صفہ
[illegible] غریب بے کس۔ نادار مسلمان بڑی مصیبتوں میں ہیں اور ان کا خرچ چلانا [illegible] بیان
[illegible] کر ان صفہ والوں کی ضروریات میں خرچ کرنا چاہتا ہوں اور تم کو [illegible] بتاتا ہوں جس کا
[illegible] غلام سے زیادہ ہوگا۔ جناب سیدہؑ نے خوشی سے عرض کیا [illegible] آں حضرتؐ نے
[illegible] ۳۴ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کی تسبیح پڑھا کرو۔ [illegible] خوش
[illegible] اور برابر تسبیح کو پڑھتی رہیں (اصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۹) آج تک [illegible] مسلمان جو
[illegible] ہر نماز کے بعد پڑھتے ہیں وہ یہی ہے۔ جناب سیدہ نے [illegible]
[illegible] کیا۔ آپ کو پردہ کا اس قدر خیال تھا کہ اس بات تک کو [illegible]
[illegible] لوگوں کی نظر پڑے۔ انتقال کے پہلے اسماء سے فرمایا عورتوں کی [illegible] ہے کہ اس
[illegible] ایک کپڑا ڈال دیا جاتا ہے۔ وہ ایک تختہ پر رکھ دی جاتی ہے [illegible] اٹھا لے جاتے
[illegible] سے عورت کا دبلی یا موٹی۔ لانبی یا ناٹی۔ بھاری یا ہلکی ہونا معلوم ہوتا ہے [illegible] پسند نہیں
[illegible] سے تو عورت کا بدن بالکل بے پردہ ہوجاتا ہے۔ اسماء نے کہا [illegible] کہا میں
[illegible] چیز بتادوں جسے میں نے ملک حبشہ میں دیکھا ہے۔ [illegible]

منگائیں اور ان سب کو موڑ کر ان پر ایک کپڑا ڈال دیا۔ جس سے تابوت کی شکل ہو گئی۔ جناب سیدہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور فرمایا واہ واہ۔ کیا اچھی چیز ہے کہ اس کے اندر عورت کی لاش رکھی جائے گی تو باہر کسی کو نظر نہیں آسکتی۔ اسی طرح اپنے بیتے بنوانے کی فرمائش کی اور انتقال کر گئیں۔ اسماء حضرت علیؑ نے ان کو غسل دے کر رات ہی کو جنت البقیع میں دفن کر دیا؎۱ آج شریف مسلمانوں کی عورتوں کا جنازہ اسی طرح اٹھایا جاتا ہے کہ یا وہ کسی صندوق یا تابوت میں رکھا جاتا ہے یا چارپائی پر لاش کو رکھ کر اس پر پتلی یا نرم لکڑیاں ڈال کر ایک طرف سے دوسری طرف موڑ دی جاتی ہے اور ان پر کپڑا ڈال دیا جاتا ہے جس سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کے اندر کیا ہے اور یہ جناب سیدہ کا وہ احسان ہے جو قیامت تک مسلمانوں عورتوں پر رہے گا۔ اس سے ہماری بہنوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ جناب سیدہ کو جب پردہ کا یہ خیال تھا کہ اپنے بدن پر نامحرم لوگوں کی نظروں کا پڑنا گوارا نہ کر سکیں۔ تو اپنی شیعہ عورتوں کا بے پردہ ہونا کیسے پسند کر سکتی ہیں اور ایسی عورتوں سے بروز قیامت وہ کس درجہ شکایت کریں گی۔ حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ ہم حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر تھے تو حضرت نے پوچھا بتاؤ عورتوں کے لیے اچھی بات کیا ہے مگر کسی نے حضرتؐ کا جواب نہیں دیا۔ جب ہم سب وہاں سے اٹھے تو میں سیدہؑ کے پاس آیا اور کہا آج تمہارے پدر بزرگوار نے لوگوں سے یہ بات پوچھی مگر کسی نے جواب نہ دیا جناب سیدہؑ نے فرمایا مجھے اس کا جواب معلوم ہے۔ عورتوں کے لیے اچھی بات یہ ہے کہ نہ وہ نامحرم مردوں کو دیکھیں اور نہ نامحرم مرد اُن کو دیکھنے پائیں۔ فاطمہؑ کا جواب پاکر میں پھر حضرت رسول کی خدمت میں واپس گیا اور عرض کی یا حضرت آپ نے جو بات پوچھی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ عورتوں کے لیے اچھی بات یہ ہے کہ وہ نامحرم مردوں کو نہ دیکھنے پائیں اور نہ ان کو نامحرم مرد دیکھ سکیں آنحضرتؐ نے پوچھا اے علیؑ یہ بات کس نے کہی؟ کیوں کہ جب پہلے میں نے پوچھی تو تم نے نہیں بتائی۔ میں نے عرض کی سیدہؑ نے بتایا ہے اس جواب سے جناب رسولؐ خدا بہت خوش ہوئے اور فرمایا کیوں نہ ہو فاطمہؑ میرے بدن کا ٹکڑا ہے (وسائل الشیعہ جلد ۳ صفحہ ۶۱) ایک دفعہ جناب جابر صحابی حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ جناب سیدہ

؎۱ شمس العلماء دہلوی نے لکھا ہے کہ جناب فاطمہؑ نے ابوبکر وغیرہ سے بات چیت کرنی چھوڑ دی۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا اور یہ لوگ میرے جنازے پر نہ آنے پائیں (امہات الامہ صفحہ ۹۹) حضرت عائشہؓ کو جانے کی اجازت نہیں دی۔ آپ کے انتقال پر انہوں نے جانا چاہا تو اسماء نے کہا خبردار یہاں نہ آنا۔ جب اُن روٹھی ہوئی حضرت ابوبکر کے پاس گئیں اور شکایت کی یہ خثعمیہ عورت (اسماء) مجھے فاطمہؑ کے جنازے پر جانے نہیں دیتی۔ ابوبکر نے آکر سبب پوچھا تو اسماء نے کہا فاطمہؑ نے وصیت کی ہے کہ میں نہ آنے دوں۔ حضرت ابوبکر آئے (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۷۷۲) پھر شیخین نے حضرت علیؑ سے شکایت کی کہ آپ نے ہم لوگوں کو جنازے میں کیوں نہیں آنے دیا۔ حضرت نے جناب سیدہ کی وصیت کا عذر بیان کر دیا کہ میں مجبور تھا۔ ۱۲

ہاں آئے تو دروازے پر پہنچ کر آنحضرتؐ نے فرمایا السلام علیک۔ جناب سیدہ نے جواب دیا وعلیک السلام یارسول اللہ۔ آنحضرتؐ نے پوچھا اے فاطمہؑ میں اندر آسکتا ہوں۔ عرض کی ہاں ضرور تشریف لائیے حضرت نے فرمایا میرے ساتھ جو صحابی ہیں وہ بھی آئیں؟ عرض کی یا حضرت میں برقع نہیں اوڑھے ہوں حضرت نے فرمایا چادر اوڑھ کر اپنا سب بدن چھپا لو۔ جب سیدہ ایسا کر چکیں تو پھر حضرتؐ نے پوچھا اب آؤں عرض کی ہاں آپ تشریف لائیں۔ پوچھا میرے ساتھ جو صحابی ہیں وہ بھی آئیں عرض کی اور کون ہے؟ فرمایا جابر ہیں۔ تب جناب سیدہؑ نے عرض کی ہاں اب وہ بھی آ سکتے ہیں۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۶) آپ کی یہ حالت قدر تھی کہ جس طرح حضرت رسولؐ خدا صلعم نے جناب خدیجہ کی زندگی میں اور کسی سے عقد کرنا جائز نہیں جانا اسی طرح جناب سیدہؑ کی زندگی بھر جناب امیرؑ کے لیے بھی کسی عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں تھا۔ (مناقب صفحہ ۸) آپ کے اخلاق کی یہ حالت تھی کہ اپنی لونڈی سے گھر کا اتنا ہی کام لیتیں جس قدر خود کرتیں۔ بلکہ آپ نے تقسیم کر دی تھی کہ ایک روز فضہ خدمت انجام دیتیں اور دوسرے روز فضہ آرام کرتیں اور جناب سیدہؑ خود گھر کا کام کرتیں (اصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۱) آپ کی سادہ زندگی اور دنیوی زہد کی یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ آں حضرتؐ صلعم آپ کے ہاں تشریف لائے دیکھا کر فاطمہؑ گود میں اپنے بچے کو لیے ہیں اور اسی حالت میں دونوں ہاتھوں سے چکی بھی پیس رہی ہیں۔ اُف کیسے کرب کی وہ زندگی تھی مگر سیدہؑ اس پر راضی تھیں۔ جناب رسولؐ خدا صلعم نے یہ حالت دیکھی تو دونوں آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا اے بیٹی دنیا کی تلخی اور تکلیف پر صبر کرو اس کے عوض خدا تم کو آخرت کی شیرینی اور راحت بہت زیادہ دے گا۔ یہ سنتے ہی آپ نے کس خوشی سے فرمایا ابت الحمد للہ علی نعمائہ والشکر لہ علی آلائہ اے بابا خدا کی ہر نعمت پر وہ قابل حمد اور آرام و لذت پر وہ مستحق شکر ہے (مناقب صفحہ ۱۴) آپ کو آں حضرت صلعم کی خوشی اس درجہ منظور رہتی کہ ایک دفعہ جب آپ نے اپنے دروازے پر کوئی پردہ لگا دیا تھا ایک ہار اور دو گُندے پہن لیے تھے اس وقت آنحضرتؐ مدینہ سے باہر کہیں تشریف لے گئے تھے۔ جب واپس آئے اور یہ سب دیکھا تو ناراض ہو کر گھر چلے آئے۔ جناب سیدہؑ کو معلوم ہوا تو فوراً وہ پردہ۔ ہار اور گُندے اتار کر آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیج دیئے اور عرض کی حضور ان سب کو راہ خدا میں خرچ کر ڈالیں۔ آنحضرتؐ نے تین مرتبہ فرمایا فاطمہؑ کا باپ ان پر فدا ہو جائے۔ آل محمدؐ کو دنیا سے کیا واسطہ یہ لوگ آخرت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اور دنیا ان کے غیروں کے لیے ہے (مناقب صفحہ ۱۵) جناب سیدہؑ کا مہر بھی اتنا کم رکھا گیا جس سے نادار عورتوں کے نکاح میں بہت سہولت ہو گئی یعنی پانچ سو درہم جس کا اس وقت تقریباً ایک سو سات روپیہ ہوتے ہیں۔ جب جناب سیدہ کی شادی جناب امیرؑ سے ہوئی آپ کی خوش دامن جناب فاطمہؑ بنت اسد زندہ تھیں۔ انہوں نے خانہ داری کی خدمتیں اس طرح تقسیم کر دیں کہ جناب فاطمہ بنت اسد گھر

کے باہر کی خدمتیں مثلاً اعزہ و اقربا کے ہاں آمد و رفت - برادری کے امور وغیرہ ضروریات انجام دیتیں اور جناب سیدہ گھر کے اندر کی خدمتیں - مثلاً آٹا پیسنے روٹی پکانے وغیرہ امور کو انجام دیتیں اور جس طرح جناب رسول خدا و جناب امیر تمام کاموں کو اپنے ہاتھوں سے انجام دے کر مردوں کے لیے نمونہ بنے اسی طرح جناب فاطمہ بنت اسد و جناب سیدہ نے اپنی طرز روش سے عورتوں کے لیے نظیریں قائم کردیں۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے آنحضرت کی اولاد کا حال لکھتے ہوئے جناب سیدہ کے متعلق لکھا ہے "حضرت فاطمۃ الزہرا - فاطمہ نام زہرا لقب تھا - سن ولادت میں اختلاف ہے - ایک روایت ہے کہ سلہ بعثت میں پیدا ہوئیں - ابن اسحق نے لکھا ہے کہ ابراہیمؑ کے علاوہ آپ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی - آں حضرتؐ کی بعثت چالیس سال کی عمر میں ہوئی تھی - اس بناء پر بعضوں نے دونوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ سلہ بعثت کے آغاز میں حضرت فاطمہؑ پیدا ہوئی ہوں گی - اور چوں کہ دونوں کی مدت میں بہت کم فاصلہ ہے اس لیے یہ اختلاف روایت ہو گیا ہوگا۔ حضرت فاطمہؑ اگر ان کا سال ولادت سلہ بعثت صحیح تسلیم کرلیا جائے) جب پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینہ کی ہوئیں تو سنہ ۲ھ میں آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کے ساتھ نکاح کردیا۔ اس وقت حضرت علیؑ کا سن ۲۱ برس پانچ مہینہ کا تھا۔ حضرت فاطمہؑ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے ابوبکر اور ان کے بعد حضرت عمر نے کی لیکن آں حضرت صلعم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ جب حضرت علیؑ نے خواہش کی تو آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہے - بولے ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہیں آپ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لیے ضروری ہے۔ زرہ کو فروخت کر ڈالو۔ حضرت عثمان نے ۴۸۰ درہم پر خریدی اور حضرت علیؑ نے قیمت لاکر آں حضرت صلعم کے سامنے لاکر ڈال دی آنحضرتؐ نے بلال کو حکم دیا کہ بازار سے خوشبو لائیں - عقد ہوا اور آں حضرت صلعم نے جہیز میں ایک پلنگ اور ایک بستر دیا - اصابہ میں لکھا ہے کہ آپ نے ایک چادر دو چکیاں اور ایک مشک بھی دی اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں عمر بھر ان کی رفیق رہیں - نکاح کے بعد رسم عروسی کا وقت آیا تو آں حضرت صلعم نے حضرت علیؑ سے کہا کہ ایک مکان لے لیں - چنانچہ حارثہ بن نعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہ کے ساتھ اس میں قیام کیا۔ حضرت فاطمہؑ کے پانچ اولاد ہوئیں حسنؑ - حسینؑ - محسنؑ - اُم کلثوم - زینب - محسنؑ نے بچپن ہی میں انتقال کیا - حضرت زینب امام حسنؑ امام حسینؑ علیہ السلام اور اُم کلثوم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں مشہور ہیں"

(سیرت النبیؐ جلد ۲ صفحہ ۲۴۴)

حضرت رسول خدا صلعم کے اصحاب

مشہور ہے کہ آں حضرت کے اصحاب ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھے۔ سب کے حالات تو کہیں نہیں ملتے چند ہزار صحابہ کے حالات مصنفین لکھ سکے - ان میں حسب ذیل حضرات قابل قدر ہیں

(۱) جناب ابوذر - آپ کا نام جُندُب تھا - آپ کے والد جنادہ بن سفیان قبیلہ غفار کے ایک شخص تھے - جب آنحضرتؐ مکہ میں تھے تب ہی آپ مسلمان ہوئے - مسلمان ہونے میں آپ کا چوتھا یا پانچواں نمبر تھا - مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "حضرت ابوذرجن کا اسلام لانے والوں میں چھٹا یا ساتواں نمبر تھا - ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بُت پرستی چھوڑ چکے تھے اور غیر متعین طریقہ سے جس طرح ان کے ذہن میں آتا تھا خدا کا نام لیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے - جب آں حضرتؐ کا حال سُنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائیں - وہ مکہ میں آئے اور آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن مجید کی سورتیں سُنیں - واپس جاکر ابوذر سے کہا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کو لوگ مرتد کہتے ہیں وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہے اور جو کلام سُناتا ہے وہ شعر نہیں کوئی اور چیز ہے - تمہارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے - ابوذر کو تسکین نہیں ہوئی - خود مکہ میں آئے - زبان مبارک سے آپ کا ارشاد سُنا اور اسلام قبول کرلیا - وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے الگ رہے - ان کا عقیدہ تھا کہ جو شخص زر و مال جمع کرتا ہے وہ مسلمان نہیں چنانچہ اس بناء پر حضرت عثمان نے اپنے زمانہ میں ان کو مدینہ سے دور بھیج دیا تھا" (سیرت النبیؐ جلد ا صفحہ ۱۵۲) یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسولؐ کو اسلامی سلام کیا۔ جب یہ مسلمان ہو چکے تو اپنی قوم کے پاس لوٹ آئے اور وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ نبی صلعم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو جنگ بدر و احد و خندق کے بعد پھر یہ آنحضرت کے پاس چلے گئے اور وہیں رہے - انہوں نے نبی صلعم سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ خدا کی راہ میں ان کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ ہوگا - اور یہ کہ حق بات کہہ دیا کریں گے گو وہ تلخ ہو۔ آپ کے فضائل کے لیے یہ کافی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے آسمان نے سایہ نہیں کیا ہے اور زمین نے اپنے اوپر نہیں اٹھایا کسی ایسے شخص کو جو ابوذر سے زیادہ راست گفتار ہو - نبیؐ نے فرمایا کہ ابوذر دنیا میں حضرت عیسٰی بن مریم کے زہد پر چل رہے ہیں خلیفہ اول کے مرنے پر ملک شام چلے گئے اور وہیں رہے - جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو انہوں نے معاویہ کی شکایت پر جناب ابوذر کو بلالیا اور ربذہ میں رہنے کی جگہ دی یہاں تک کہ وہیں آپ کی وفات ہوئی جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ کی بی بی رونے لگیں - جناب ابوذر نے وجہ پوچھی تو کہا تمہارا کفن کہاں سے آئے گا - آپ نے کہا نہ روؤ - میں نے رسول خدا صلعم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے تم میں سے ایک شخص ویران زمین میں مرے گا - اس کی تجہیز و تکفین میں مومنین کی ایک جماعت شریک ہوگی وہ میں ہی ہوں تم راستے میں جاکر انتظار کرو - واللہ میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ مجھ سے جھوٹ بیان کیا گیا ہے - بی بی جاکر راہ میں کھڑی ہوگئیں تو دیکھا کہ لوگ سواریاں دوڑاتے آرہے ہیں - بی بی نے جناب ابوذر کے انتقال کی خبر دی - وہ سب وہاں پہنچے اور غسل و کفن دے کر دفن کردیا - یہ واقعہ سنہ ۳۲ ہجری کا ہے - جناب ابوذر گندمی رنگ کے دراز قامت تھے - سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۱۴۵ کتاب تذکرہ میں

جناب ابوذر کی جلاوطنی کو بہت مختصر کر کے لکھا ہے ۔ جناب ابوذر شام میں رہنے لگے تھے۔ معاویہ کی دنیا پسندی مشہور ہے جناب ابوذر برابر سمجھاتے کہ یہ روش اسلام اور خدا اور رسولؐ کے خلاف ہے۔ غرض وہ برابر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے تھے۔ معاویہ سے یہ باتیں برداشت نہ ہو سکیں۔ حضرت عثمان کو لکھ بھیجا کہ ابوذر کو کسی طرف بھیج دیجئے۔ حضرت عثمان نے معاویہ کو لکھا کہ ابوذر کو فوراً ایک بدرفتار ننگی پیٹھ والے اونٹ پر سوار کر کے کسی سخت مزاج رہبر کے ساتھ جو رات دن اونٹ کو دوڑاتا لائے اور کسی جگہ بھی نہ ٹھہرنے دے تاکہ ابوذر پر نیند کا ایسا غلبہ ہو کہ اس کی اذیت سے وہ میرا اور تمہارا ذکر کرنا بھول جائیں میرے پاس بھیج دو۔ معاویہ نے ایسا ہی کیا۔ جناب ابوذر بلند قامت کمزور، دبلے پتلے شخص تھے اور اتنے بوڑھے ہو گئے تھے کہ پورے ڈاڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے پھر آپ ایک ایسے اونٹ پر سوار کئے گئے جس پر نہ کوئی زین تھا۔ نہ ساز نہ کپڑا۔ غرض رہبر بہت بری طرح نہایت سختی سے اونٹ کو ہنکاتا لایا۔ جناب ابوذر کو ایسی اذیت ہوئی ان کی ران کا گوشت چھل چھل کر جدا ہو گیا تھا۔ اور بری حالت ہو گئی تھی۔ جب آپ اس تباہ حالی میں حضرت عثمان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا اے جندب تجھے دیکھ کر کوئی آنکھ روشن نہ ہو اور دیر تک سخت کلامی کی جناب ابوذر نے کہا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو کوئی گناہ نہیں ہے۔ حضرت عثمان نے پوچھا کیا تم نے لوگوں سے رسول اللہ کی یہ حدیث بیان کی ہے کہ جب بنی امیہ کی تیس اولاد ہو جائے گی تو وہ مال خدا کو اپنی دولت اور مال غنیمت قرار دے لیں گے۔ خدا کے بندوں کو لونڈی غلام بنا لیں گے اور خدا کے دین کو فریب مکاری کر ڈالیں گے۔ حضرت ابوذر نے کہا ہاں میں نے ضرور سنا ہے کہ رسولؐ اسی طرح فرماتے تھے۔ حضرت عثمان کو بہت غصہ آیا اور جناب ابوذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن کر دیا جو مدینہ سے ۳ منزل پر جنگل میں ایک مقام تھا۔ یہ بھی حکم دیا کہ ربذہ سے باہر کہیں جانے نہ پائیں اور مروان سے کہا ان کو ایک اونٹ پر بٹھا کر مدینہ کے باہر نکال دو اور کسی کو ان کے مشایعت کرنے کے لیئے مدینہ سے باہر نہ جانے دینا۔ غرض آپ اس سختی سے نکال دیئے گئے۔ اصحاب رسولؐ کو بس کا نہایت صدمہ ہوا اور باوجود خلیفہ کے حکم کے بعض جناب ابوذر کو رخصت کرنے آ گئے۔ مثلاً حضرت علیؑ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ جناب عبداللہ ابن عباس۔ جناب عمار یاسر۔ جناب مقداد وغیرہ ان لوگوں نے جناب ابوذر کو تسلی دی اور صبر کی فرمائش کی۔ جناب ابوذر ۳۰ھ ہجری میں جلاوطن کئے گئے اور ۳۲ھ ہجری تک ربذہ ہی میں رہے۔ آپ کے انتقال کے وقت آپ کے پاس آپ کی بیوی تھیں یا بیٹی اس میں اختلاف ہے۔ اسد الغابہ۔ اصابہ۔ استیعاب وغیرہ میں بی بی کو لکھا ہے مگر تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱ و طبری و یعقوبی وغیرہ میں بیٹی لکھا ہے اور یہی صحیح تر معلوم ہوتا ہے۔ جب وقت وفات قریب ہوا تو ان کی لڑکی نے کہا اے بابا میں اس جگہ اکیلی ہوں اور ڈرتی ہوں کہ آپ کو درندوں سے کس طرح بچا سکوں گی۔ جناب ابوذر نے کہا خوف نہ کرو بہت جلد چند دین دار مرد یہاں آیا چاہتے ہیں۔ دیکھو کوئی نظر آتا ہے یا نہیں صاحبزادی نے

کہا نہیں۔ جناب ابوذر بولے شاید ابھی میرا وقت نہیں آیا ہے۔ کچھ دیر کے بعد پوچھا اب کوئی دکھائی دیتا ہے۔ صاحبزادی بولیں ہاں کچھ سوار اسی طرف چلے آ رہے ہیں۔ جناب ابوذر جوش میں بولے اللہ اکبر۔ خدا اور اس کے رسولؐ کیسے سچے ہیں۔ اب میرا منہ قبلہ کی طرف کر دے اور جب وہ سواریاں پہنچیں تو ان سب سے میرا سلام کہنا اور جس وقت وہ میری تجہیز و تکفین اور دفن سے فارغ ہو جائیں تو ان کے لیے یہ بکری ذبح کرنا اور میری جانب سے قسم دیکر کہنا کہ بغیر کھائے ہوئے تم لوگ یہاں سے نہ جاؤ۔ اتنا کہہ کر جناب ابوذر انتقال کر گئے۔ اس کے بعد وہ سوار وہاں پہنچے تو صاحبزادی نے ان لوگوں سے کہا کہ ابوذر صحابی رسولؐ کا انتقال ہو گیا ہے اور وہ بے گور و کفن پڑے ہیں یہ سن کر وہ سوار جو تعداد میں سات تھے۔ سواریوں سے اتر پڑے ان میں مالک اشتر بھی تھے۔ جناب ابوذر پر سب بہت روئے اور ان کو غسل و کفن دینے کے بعد نماز جنازہ پڑھ کر سب نے دفن کیا۔ جب اس سے فارغ ہوئے تو لڑکی نے کہا میرے باپ نے آپ لوگوں کو قسم دی ہے کہ بغیر کھانا کھائے ہوئے یہاں سے تشریف نہ لے جایئے۔ ان لوگوں نے بکری ذبح کی اور کھانا کھانے کے بعد اس لڑکی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جناب ابوذر کا ایک قصور یہ بھی تھا کہ وہ حضرت علیؑ کو حضرت رسولؐ خدا کا خلیفہ بلا فصل جانتے تھے۔ مسجد رسولؐ میں بیٹھ کر تقریر کرتے تھے "اے لوگو جو مجھے جانتا ہے وہ تو وہ جانتا ہے اور جو نہ جانتا ہو وہ اب جان لے کہ میں ابوذر غفاری ہوں۔ میرا نام جندب بن جنادہ ربذی ہے۔ خدا نے حضرت آدمؑ و نوحؑ و آل ابراہیمؑ و آل عمران کو تمام عالم والوں پر برگزیدہ کیا ہے۔ حضرت آدمؑ کے علم بلکہ کل فضائل کے وارث حضرت محمد مصطفیٰؐ تھے جن سے انبیاء کو فضیلت حاصل ہوئی تھی اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے وصی اور وارث علم حضرت علی ابن ابی طالب ہی ہیں۔ اے وہ امت جو اپنی نبی کے بعد حیران و سرگرداں ہو رہی ہے اگر تم اپنے نبیؐ کے بعد (خلیفہ بنانے میں) اسی شخص کو مقدم کرتے جس کو خدا نے مقدم کیا اور اس شخص کو موخر کرتے جسے خدا نے مؤخر کیا ہے اور اسلام کی حکومت اور حضرت رسول خدا صلعم کی میراث کو اپنے نبی کے اہلبیت ہی میں قرار دیتے تو خدا کی نعمتیں تمہارے سروں کے اوپر اور قدموں کے نیچے سے بے حد و حساب حاصل ہوتیں اور خدا کا کوئی دوست فقیر و محتاج نہیں رہتا اور فرائض خدا کا کوئی حصہ بے کار نہ جاتا اور کبھی دو شخص حکم خدا میں اختلاف نہیں کرتے اسلیئے کہ ہر امر کا حکم ان لوگوں کو اپنے نبی کے اہلبیتؑ کے پاس مطابق کتاب خدا و سنت رسول موجود ملتا ہے لیکن جب تم لوگوں نے اس امر کی پرواہ نہیں کی اور جو کچھ اپنے نفس کی پیروی میں کرنا تھا کر چکے تو اب اپنے کرتوت کے وبال کا مزہ چکھو اور بہت جلد وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے جان لیں گے کہ انکی جائے بازگشت کسطرف ہے" اور حضرت عثمان کو یہ خبر بھی پہنچی کہ انہوں نے سنت رسولؐ اور اور سنت شیخین میں جو تغیر و تبدل کیا ہے جناب ابوذر انکی شکایت لوگوں سے کرتے رہتے ہیں (تاریخ یعقوبی صفحہ ۔ مجالس المومنین صفحہ ۹۷) جناب ابوذر کی عظمت و جلالت کو کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا

صاحب استیعاب نے لکھا ہے وہ علم کے خزانہ تھے۔ حضرت امیر المومنینؑ سے لوگوں نے آپ کے متعلق پوچھا تو فرمایا ابوذر ایسے شخص ہیں انہوں نے جس قدر دینی علوم اور مذہبی مسائل کو سمجھا اور یاد کیا ہے۔ دوسرے لوگ ان کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔ حضرت رسول خدا صلعم کے بعد اکثر صحابہ نے حضرات اہلبیتؑ کا ساتھ چھوڑ دیا مگر جو مقدس اور خدا رسیدہ تھے حق پر قائم رہے ان میں جناب ابوذر بھی تھے۔ اسی وجہ سے حضرات اہلبیتؑ ان کو بہت مانتے تھے۔ خدا نے اپنے رسولؐ کے ذریعے سے مسلمانوں کو آپ کی محبت کا تاکیدی حکم دیا ہے (دیکھو تاریخ ائمہ)

جناب سلمان فارسیؓ

آپ کی کنیت ابو عبداللہ اور لقب سلمان خیر تھا۔ حضرت رسول خدا صلعم کے خاص غلام تھے آپ سے آپ کا نسب دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ میں سلمان ابن اسلام ہوں ... آپ اصل فارس (ایران)، رام ہرمز سے ہے اور بعض کہتے ہیں جیّ سے ہیں جو اصفہان کا ایک شہر ہے ... اسلام سے پہلے مابہ بن بوذخشان بن مورسلان تھا۔ شاہ آبہ کی اولاد سے تھا آپ پہلے ایران میں ... آگ کے پوجنے والے تھے۔ مسلمان ہونے کا سبب آپ خود اس طرح بیان کرتے تھے کہ میں اہل فارس ... اصفہان کے شہر جیّ کے ایک زمیندار کا لڑکا تھا۔ میرے باپ مجھ کو بہت زیادہ چاہتے تھے یہاں تک ... مجھ کو گھر میں مثل لڑکیوں کے بٹھایا تھا میں فارسی زبان حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ میرے والد صاحب ... اور مکان والے تھے اور اسی کے انتظام میں رہتے تھے انہوں نے مجھ سے ایک دن کہا بیٹا تم دیکھتے ... میں یہاں مشغول ہوں۔ تم باہر کھیتوں پر چلے جاؤ لیکن رک نہ جانا کہ میں جائداد کا خیال چھوڑ کر تمہاری فکر ... میں چلا جاؤں۔ غرض میں کھیتوں کے دیکھنے کو نکلا اور نصرانیوں کے گرجا کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ وہ لوگ ... پڑھ رہے ہیں۔ میں ان کی طرف جھکا کیوں کہ مجھ کو ان کی عبادت اچھی معلوم ہوئی اور میں نے کہا خدا کی قسم ... یہ میرے دین (مجوسیت) سے بہتر ہے۔ غرض میں انہیں کے پاس کھڑا رہ گیا یہاں تک کہ آفتاب ڈوب ... گیا اور نہ میں کھیتوں پر گیا اور نہ گھر لوٹا۔ جب میرے واپس جانے میں دیر ہوئی تو میرے والد نے کئی قاصد ... میرے ڈھونڈنے کو بھیجے۔ جب نصاریٰ کا فعل مجھ کو پسند آیا تو میں نے ان سے پوچھا کہ اس دین کی اصل کہاں سے ہے ... لوگوں نے بتایا شام میں اس کے بعد میں والد صاحب کے پاس پلٹ آیا۔ انہوں نے پوچھا بیٹا ... کہاں تھے۔ میں نے تمہاری تلاش میں قاصد روانہ کئے ہیں۔ میں نے کہا میں ... قوم کے پاس سے گزرا جو ... میں نماز پڑھتے تھے۔ مجھ کو ان کا یہ دین پسند آیا اور میں نے جان لیا کہ ان کا دین میرے (موجودہ) دین مجوسیت سے بہتر ہے میرے والد نے کہا۔ نہیں تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا دین ان (نصاریٰ) کے ... سے بہتر ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ اس پر ان کو میرے متعلق اندیشہ ہوا کہ کہیں ... نہ ہو جاؤں انہوں نے مجھ کو قید کر دیا مگر میں نے نصاریٰ کے ہاں کہلا بھیجا ... ان سے خواہش کی کہ جو شام جانے کا ارادہ رکھتا ہو اس سے ... موافقت کریں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا تو میں نے بیڑیوں کو اپنے پاؤں سے نکالا اور ان کے ساتھ شام چلا گیا اور وہاں

اسقف (پادری) کے ساتھ رہنے لگا۔ جب وہ پادری مرنے لگا تو مجھے موصل کی طرف ایک بڑے پادری کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ بھی مرنے لگا تو کہا اب اس نبی کا زمانہ قریب ہے جو دین حنیف ابراہیمؑ پر مبعوث ہوگا اس کی ہجرت کی جگہ کھجوروں والی زمین (مدینہ) ہے جب وہ مرگیا تو عرب کا ایک قافلہ میری طرف سے گزرا۔ میں اس کے ساتھ مکہ چلا آیا اور اس قافلہ نے مجھے ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ اس یہودی سے قبیلہ بنو قریظہ کے ایک شخص نے مجھے خرید لیا اور مدینہ میں لایا۔ جب حضرت محمد مصطفےٰ مدینہ میں تشریف لائے تو میں حضرت سے ملا اور مسلمان ہوگیا اور اپنے مالک سے تین سو درخت لگانے اور چالیس اوقیہ سونا دینے پر مکاتب کرلی۔ غرض میں نے آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب کی مدد سے تین سو درخت لگا دیئے۔ پھر حضرت نے سونے کے انڈے سے میری مدد کی تو میں اپنی دونوں شرطیں پوری کرکے آزاد ہوگیا۔ سب سے پہلے آپ آنحضرت کے ساتھ غزوہ خندق میں شریک ہوئے تھے اس کے بعد کسی جہاد میں حضرتؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ آنحضرتؐ نے ان کے اور ابو درداء کے درمیان مواخات کی تھی۔ جناب سلمان فارسی بڑے مقدس اور خدا رسیدہ صحابی تھے۔ حضرت رسولؐ خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جنت تین شخصوں حضرت علیؑ، عمار یاسر۔ اور سلمان فارسی کی مشتاق ہے آپ بہترین صحابہ اور زاہد اور فضلاء میں سے تھے۔ اور آنحضرتؐ صلعم کے نہایت مقرب تھے۔ حضرت عائشہ بیان کرتی تھیں کہ سلمان رسولؐ خدا صلعم کے پاس رات کو بیٹھتے یہاں تک کہ قریب ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے رسول خدا صلعم کے بارے میں سبقت لے جائیں۔ حضرت علیؑ سے جناب سلمان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ان کو اولین و آخرین (سب) کا علم حاصل ہے وہ ایسے دریا ہیں جو خشک نہیں ہوتا سلمان منا اھل البیت (سلمان ہم اہلبیت سے ہیں)، ابو درداءؓ شام میں چلے گئے اور جناب سلمان عراق میں رہے ابو درداءؓ نے جناب سلمان کو خط لکھا کہ خدا نے مجھے تمہارے بعد مال اور لڑکے عنایت کیے اور میں پاک زمین پر فروکش ہوا اس کے جواب میں جناب سلمان نے ابو درداءؓ کو کیسی اچھی بات لکھی کہ اے ابو درداءؓ اس کو خوب یاد رکھو کہ مال اور اولاد کی زیادتی خیر نہیں ہے خیر یہ ہے کہ تمہارا حلم زیادہ ہو اور تمہارا علم تم کو نفع دے اور تم نے مجھے لکھا ہے کہ تم پاک زمین پر فروکش ہو حالانکہ زمین کسی کے واسطے عمل نہیں کرتی۔ تم خود اس طرح عمل کرو کہ گویا خدا کو دیکھ رہے ہو اور اپنے آپ کو مُردوں سے شمار کرو۔ حذیفہ نے جناب سلمان سے کہا میں تم کو ایک گھر بنوا دوں۔ آپ نے پوچھا کیوں کیا میرے لیے ایسا مکان بنانا چاہتے ہو جیسا مدائن میں تمہارا گھر ہے انہوں نے کہا نہیں بلکہ پھوس کا مکان جس کی چھت چٹائی کی ایسی ہو کہ جب تم کھڑے ہو تو وہ تمہارے سر پر گرنے کے قریب ہو اور جب تم سو رہو تو وہ تمہارے شکم پر گرنے کے قریب ہو جناب سلمان نے جواب دیا کہ گویا تم میرے دل میں تھے اور میری جو خواہش تھی اسی کو تم نے بیان کیا آپ کا وظیفہ پانچ ہزار تھا۔ مگر آپ ایسے زاہد تھے کہ جب وظیفہ ملتا سب کو تقسیم کر دیتے اور اپنے ہاتھ سے کما کر خود کھاتے تھے آپ نے غزوہ احزاب میں حضرت

رسولِ خدا صلعم کو خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔ ایک دفعہ مہاجرین و انصار میں اختلاف ہوا مہاجرین کہتے تھے کہ سلمان ہم میں سے ہیں اور انصار کہتے تھے کہ وہ ہم میں سے ہیں تو آں حضرتؐ نے فرمایا سلمان منا اھل البیت (سلمان ہم اہلبیتؑ میں سے ہیں)۔ آپ کی وفات خلیفۂ سوم کی آخری خلافت ۳۵ھ ہجری (غالباً ۶۵۶ء) میں ہوئی۔ اہل علم بیان کرتے ہیں کہ سلمان ساڑھے تین سو برس زندہ رہے۔ لیکن ڈھائی سو میں کسی کو شک نہیں ہے۔ آپ کی تین لڑکیاں تھیں۔ ایک اصفہان اور دو مصر میں (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۴۴۱) علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ آپ کو آپ کے یہودی مالک سے حضرت رسول خدا صلعم نے خرید لیا تھا۔ جس زمانہ میں آپ مدائن کے حاکم تھے اپنے ہاتھ سے کھجور کے پتے بنتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ حاکم ہیں اور مشاہرہ پاتے ہیں پھر کیوں مزدوری کرتے ہیں؟ تو کہا میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اپنے ہاتھ کی مزدوری سے اپنی غذا کا سامان کروں آپ کی ایک چادر تھی جس کی آدھی کو آپ بطور لباس پہنتے اور آدھی کو بطور فرش بچھاتے تھے آپ کا کوئی گھر نہیں تھا۔ دیواروں اور درختوں کے سایہ میں بسر کر لیتے تھے ایک شخص نے پوچھا بھی آپ کے رہنے کو مکان بنوا دوں تو کہا مجھے حاجت نہیں۔ حضرت رسول خدا صلعم نے آپ کی مدح میں فرمایا ہے اگر دین ثریا پر ہوگا تب بھی اس کو سلمان پالیں گے۔ حضرت رسولؐ خدا فرماتے تھے کہ میرے پروردگار نے مجھے چار شخصوں کے دوست رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ وہ (خدا) بھی ان چاروں کو دوست رکھتا ہے وہ حضرت علیؑ۔ ابوذر۔ مقداد اور سلمان ہیں۔ آپ انجیل اور قرآن دونوں کے عالم تھے۔ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ سلمان مثل لقمان حکیم کے ہیں۔ کعب الاحبار کہتے تھے کہ سلمان علم و حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ جناب سلمان کے پاس صہیب و بلال وغیرہ کچھ لوگ موجود تھے وہاں ابوسفیان آیا تو ان لوگوں نے کہا اللہ کی تلوار نے ابھی تک (اس ابوسفیان) کی گردن نہیں اڑائی اس پر حضرت ابوبکر بولے ایں! تم لوگ قریش کے بزرگ اور سردار (ابوسفیان) کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو۔ اس کے بعد وہ حضرت رسول خدا صلعم کے پاس آئے اور کہا یا حضرت میں نے سلمان وغیرہ سے ایسی بات کہی ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اے ابوبکر غالباً تم نے اپنی اس بات سے ان لوگوں کو غضب ناک کر دیا۔ یاد رکھو اگر ان لوگوں کو تم نے غضب ناک کیا تو یقیناً تم نے پروردگار تعالیٰ کو غضب ناک کر دیا۔ یہ سن کر ابوبکر ان لوگوں کے پاس آئے اور گویا ان سے معافی مانگ لی۔ آپ احکام خدا کی ہر طرف پر نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ ابو درداء کے گھر ان سے ملنے کے لیے تو دیکھا کہ ابو درداء کی بیوی میلے لباس پہنے میلی صورت بنائے ہیں۔ پوچھا کیوں؟ کہا تمہارے بھائی دنیا کی کوئی راحت نہیں ہے (نہ ان کو مجھ سے کچھ کام ہے پھر کیوں زینت کروں) اتنے میں ابو درداء آئے اور جناب سلمان کے لیے کھانا پیش کیا۔ آپ نے کہا تم بھی تو کھاؤ۔ انہوں نے کہا میں روزے سے ہوں۔ کہا جب تک تم نہ کھاؤ گے میں بھی نہ کھاؤں گا۔ اس رات کو جناب سلمان وہیں رہے۔ دیکھا کہ ابو درداء

رات کو بھی عبادت شروع کی تو آپ نے ان کو اس سے روکا اور کہا جسطرح تم پر خدا کا حق ہے تمہارے اہل و عیال کا بھی حق ہے اور تمہارے بدن کا بھی حق ہے۔ ہر حق دار کو اس کا حق پہنچنا چاہیے (یہی عبادت بھی کرو۔ بیوی سے مباشرت بھی کرو اور آرام بھی کرو) دوسرے دن دونوں شخص رسول کی خدمت میں گئے اور یہ سب واقعہ بیان کیا تو حضرت نے فرمایا سلمان نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ بغرض آپ کے فضائل و مناقب بے حد و حساب ہیں۔ آپ کی وفات مدائن میں ہوئی (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۳۰۷) اوپر لکھا گیا کہ اہل علم آپ کی عمر ڈھائی سو سال بتاتے ہیں مگر علامہ ذہبی لکھتے ہیں ظہرلی انہ مازاد علی الثمانین مجھے ظاہر ہوا کہ ان کی عمر ۸۰ سال سے زائد نہیں تھی (اصابہ جلد ۳ صفحہ ۱۱۳) آپ کے متعلق کیسا اچھا شعر کسی نے کہا ہے ؎

کانت مودۃ سلمان لہ نسبا ولم یکن بین نوح وابنہ رحما

جناب سلمان کی محبت کی وجہ سے ان کو نسب حاصل ہو گیا اور حضرت نوحؑ اور ان کے فرزندوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں رہا (یعنی حضرت سلمان خدا اور رسولؐ سے محبت کر کے ان کی اطاعت کی تو اسلام میں آپ کا یہ درجہ ہو گیا کہ حضرت رسولؐ خدا صلعم نے اپنے خاندان میں شامل کر کے فرمایا سلمان منا اھل البیت اور فرزند نوحؑ نے خدا اور رسول کی مخالفت کی تو اس سے رشتہ الگ کر کے نکال دیا گیا) باوجود آپ کے اس درجہ تقرب کے خلفاء وقت نے آپ کو بیعت کرنے کے لیے اس قدر مارا کہ آپ کی گردن ٹیڑھی ہو گئی جو آپ کی وفات تک ویسی ہی رہی کتاب کامل بہائی میں ہے کہ جب جناب سلمان نے آل پیغمبر کی پیروی میں خلیفہ اول کی بیعت نہیں کی تو خلیفہ دوم نے ان سے کہا کہ بنی ہاشم نے تو اس وجہ سے بیعت نہیں کی (کہ وہ اپنے کو ہم لوگوں سے افضل کہتے ہیں مگر تم کو کیا ہوا کہ بیعت سے تخلف کرتے ہو) جناب سلمان نے جواب دیا انا شیعتہم فی الدنیا والاخرۃ اتخلف تخلفہم وابایع ببیعتہم۔ میں ان حضرات کا شیعہ ہوں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ حضرات بیعت سے تخلف کریں گے تو میں بھی تخلف کروں گا۔ اور اگر یہ حضرات بیعت کریں گے تو میں بھی کر لوں گا۔ جناب سلمان یہ بھی فرماتے تھے انا بایعنا النبی علی نصح المسلمین والائتمام بعلی بن ابی طالب ہم نے رسولؐ کی بیعت اس بات پر کی تھی کہ مسلمان کی بھلائی کروں گا اور حضرت علیؑ کو اپنا امام سمجھوں گا مختصر یہ کہ آپ ہر امر میں جناب امیر کی پیروی کرنا اور ہر حالت میں جناب امیرؑ سے مخصوص رہنا بالکل واضح ہے (مجالس المومنین صفحہ ۱۱۴)

جناب عمار بن یاسر

مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں "عمار یمن کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد یاسر مکہ میں آئے۔ ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سُمیّہ تھا شادی کر دی عمار اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا۔ سمیّہ حضرت عمار کی والدہ تھیں۔ ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور ہلاک ہو گئیں۔ یاسر حضرت عمار کے والد تھے۔ یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے (سیرۃ النبی جلد ۱ صفحہ ۱۶۸)

اور علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں عمار کی کنیت ابوالیقظان تھی یہ ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اسلام کی طرف سبقت کی تھی۔ ان کی والدہ سمیہ تھیں اور وہ پہلی خاتون ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید کی گئیں۔ جناب عمار تیس سے کچھ زیادہ آدمیوں کے بعد اسلام لائے تھے یہ اللہ کی راہ میں بہت ستائے گئے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۶۱)

مسئلہ تقیہ

جناب عمار کا واقعہ اسلام کے مشہور مسئلہ تقیہ کو اچھی طرح واضح کرتا ہے تمام مؤرخین ومفسرین لکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی یہ آیہ مبارکہ من کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان جو شخص کفر کی طرف مجبور کیا جائے مگر دل اس کا ایمان کی طرف سے مطمئن ہو اس سے کچھ مواخذہ نہیں (پ۱۴ ع ۲۰) جناب عمار ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ان کو مشرکوں نے پکڑ کر مارنا شروع کیا اور کسی طرح نہیں چھوڑا یہاں تک کہ انہوں نے نبی صلعم کی برائی کی اور ان کے معبودوں کی تعریف کی اس وقت کافروں نے ان کو چھوڑ دیا۔ پھر جب یہ رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ نے پوچھا کیا خبر لائے ہو۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ بہت ہی بری خبر ہے۔ میں اس سبب سے زندہ بچ کر آیا کہ میں نے آپ کی برائی بیان کی اور ان کے معبودوں کی تعریف کی۔ حضرت نے پوچھا کہ تم اپنے دل کی کیا کیفیت پاتے ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ دل تو ایمان پر قائم ہے حضرت نے فرمایا کہ پھر کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر اب بھی وہ تم سے ایسا کریں تو تم پھر ایسا ہی کرنا (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ و استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۳۵) علامہ ابن عبد البر نے اس واقعہ کے متعلق لکھا ہے کہ ھذا مما اجتمع اھل التفسیر علیہ یہ وہ امر ہے جس پر کل علماء علم تفسیر کا اجماع ہے۔ مؤرخین بھی بالاتفاق لکھتے ہیں کہ جناب عمار کو اس طرح تقیہ کرنے کا حکم حضرت نے دیا تھا (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۴) وطبری وخمیس وسیرت حلبیہ وسیرت ابن ہشام وغیرہ) مگر ان حضرات کی قوت ایمانیہ قابل ملاحظہ ہے کہ کانوا یخرجون عمارا وابا ہ وامہ الی الابطح اذا حمیت الرمضاء یعذبونہم بحر الرمضاء فمر بہم النبی فقال صبرا آل یاسر فان موعدکم الجنۃ فمات یاسر فی العذاب واغلظت امرأتہ سمیۃ القول لابی جہل فطعنہا فی قبلہا بحربۃ فی ید یہ فماتت وھی اول شہید فی الاسلام وشددوا العذاب علی عمار بالحرارۃ وبوضع الصخر احمر علی صدرہ اخری واخری لوگ جناب عمار اور ان کے باپ ماں کو جلتے ہوئے پتھر پر لٹاتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت رسول ادھر سے گزرے تو فرمایا اے آل یاسر صبر کرو دیکھو کہ تم لوگوں کی وعدہ گاہ جنت ہے یاسر تو اسی عذاب میں مر گئے اور سمیہ نے ابوجہل کو برابر کا جواب دیا تو اس نے آپ کی اندام نہانی میں برچھا مارا جس سے وہ فوراً بحق تسلیم ہو گئیں اور یہ اسلام میں پہلی شہیدہ بی بی ہیں۔ اور جناب عمار پر لوگوں نے اور زیادہ سختی کی ان کو جلتی دھوپ میں لٹاتے اور کبھی ان کے سینے پر پتھر کو خوب گرم سرخ کر کے رکھ دیتے اور کبھی الگ دیتے (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۴۴) ایک مرتبہ رسول خدا صلعم کا گزر عمار بن یاسر کی طرف ہوا وہ رو رہے تھے اور

آنکھیں مل رہے تھے۔ رسول خدا نے پوچھا کہ کیا حال ہے کیا کافروں نے تمہیں پکڑ کر پانی میں غوطہ دیا اور تم نے ایسا ایسا کہا۔ اگر اب پھر وہ ایسا کریں تو تم پھر ایسا ہی کہہ دینا۔ سعید بن جبیر کہتے تھے میں نے ابن عباس سے پوچھا کہ کیا مشرکین مسلمانوں کو ایسا ستاتے تھے کہ مسلمان اپنے دین کے چھوڑ دینے میں معذور سمجھے جاتے تھے؟ انہوں نے کہا اللہ کی قسم بہت مارتے تھے۔ بھوکا رکھتے تھے۔ پیاسا رکھتے تھے کہ اٹھ کر بیٹھنا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ کہتے تھے جو کچھ ہم چاہتے ہیں اس کو منظور کرو اور کہو لات وعزیٰ ہمارے معبود ہیں اللہ ہمارا معبود نہیں ہے۔ جب وہ ایسا کہہ دیتے تھے تو چھوڑے جاتے تھے یہاں تک کہ اگر کوئی جانور اس طرف سے نکلتا تو کہتے کہ یہی تیرا معبود ہے اللہ تیرا معبود نہیں۔ جان بچانے کیلئے اس کا بھی ۱ـــــہ اقرار کرنا پڑتا تھا (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۶۲) حضرت عمار نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی اور غزوہ احد وخندق وبیعت الرضوان میں رسول خدا صلعم کے ساتھ شریک تھے اور بعض لوگوں کا بیان ہے کہ جناب عمار بن یاسر غزوہ بدر واحد وغیرہ میں بھی شریک تھے۔ آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ اے لوگو عمار کی روش دیکھو مسلمانوں میں خالد بن ولید کا بڑا درجہ مانا جاتا اور ان کو سیف اللہ کا لقب دیا جاتا ہے مگر جناب عمار کے مقابلہ میں خالد بھی کوئی چیز نہیں تھے۔ خود خالد کہتے تھے کہ میرے اور عمار کے درمیان کچھ گفتگو ہو گئی تو میں نے ان کو سخت بات کہی اس پر عمار میری شکایت کرنے حضرت رسول خدا کے پاس گئے۔ اس کے بعد میں بھی آنحضرت کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت عمار میری شکایت کر رہے تھے۔ وہاں بھی میں نے ان کو سخت باتیں کہیں ۲ـــــہ حضرت رسول خدا صلعم چپ بیٹھے ہوئے تھے کچھ بولتے نہیں تھے۔ میری گالی دینے پر عمار رونے لگے اور عرض کی یا رسول اللہ آپ خالد کا ظلم ملاحظہ نہیں فرماتے۔ تب حضرت رسول خدا نے سر اٹھایا اور فرمایا جو شخص عمار سے دشمنی رکھے جو شخص عمار سے بغض رکھتا ہو اللہ بھی اس کو اپنا مبغوض بنا دے خالد کہتے تھے اس وقت مجھ کو دنیا میں اس سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں تھی کہ کسی طرح عمار مجھ سے راضی ہو جائیں۔ چنانچہ میں وہاں سے نکل کر عمار سے ملا تو وہ راضی ہو گئے حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ عمار ایک مرتبہ رسولؐ کی خدمت میں گئے اور اندر جانے کی اجازت مانگی تو آنحضرتؐ نے انکو یہ الفاظ کہکر اجازت دی مرحبا بالطیب المطیب (میں پاک اور پاکیزہ کئے

۱ـــــہ سمجھدار مسلمان آج بھی اسی اصول پر عمل کرتے ہیں کہ جان بچانے کے لیے اپنے ایمان کو چھپا کر قومی دشمن کی خواہش کے مطابق کوئی بات زبان سے کہہ دیتے ہیں اور اسی کو تقیہ کہتے ہیں جس کا حکم قرآن مجید میں بھی خدا نے کئی مقام پر دیا ہے۔ مگر افسوس بعض لوگ ایسے ہیں کہ تقیہ پر اعتراض کر کے اس کا خوب مضحکہ اڑاتے ہیں اور قرآن مجید کے حکم اور رسول خدا صلعم کی احادیث سے بالکل آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو سمجھ دے۔ ۱۲۔

۲ـــــہ معلوم نہیں بعض صحابہ کی تہذیب کیسی تھی کہ حضرت رسول خدا صلعم کے سامنے بھی وہ اپنے برے اخلاق سے باز نہیں آتے تھے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تو خالد کو اپنا عیب پوشیدہ رکھنا چاہیئے تھا۔ مگر یہ وہاں بھی اسی طرح بدزبانی کرتے رہے افسوس! ۱۲۔

گئے صحابی کے لیے جگہ بہت کشادہ ہے وہ خوشی سے آئیں، رسول خدا نے فرمایا کہ عمار کے سامنے جب کبھی دو باتیں پیش کی جاتی ہیں تو وہ اسی کو اختیار کرتے ہیں جس میں نیکی اور خوبی زیادہ ہوتی ہے۔ جناب عمار کا ایک کان کسی لڑائی میں کٹ گیا تھا۔ اس وجہ سے ایک شخص نے حضرت عمار سے کہا اے کن کٹے غلام انہوں نے کہا میرے کان کی خبر اس قدر مشہور ہو گئی؟ جناب عمار پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے مسجد بنائی کیوں کہ جب آں حضرت مدینہ تشریف لائے تو آپ نے چند پتھر جمع کئے اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔ پس یہ سب سے پہلی مسجد ہے۔ جو بنائی گئی۔ جناب عمار مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں شریک تھے۔ آپ کے مناقب بہت زیادہ ہیں سب کے بیان کرنے میں طول ہوگا۔ خلیفہ دوم ان کے بارے میں لکھتے ہیں ھو من نجباء اصحاب محمد عمار حضرت رسول خدا صلعم کے برگزیدہ اصحاب سے تھے۔ یہ حضرت علی کی خدمت میں رہنے لگے تھے حضرت کے ساتھ جنگ جمل و صفین میں شریک ہوئے جن میں آپ نے بڑے کارنمایاں انجام دیئے۔

جنگ صفین میں جناب عمار کے کارنامے

ایک شخص بیان کرتا تھا کہ ہم جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے ہم نے دیکھا کہ جس طرف عمار جھکتے تھے تمام اصحاب نبی اسی طرف جھک پڑتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا عمار ان سب کے رہنما ہیں۔ ہم نے اس دن عمار سے یہ بھی سُنا کہ ایک شخص سے کہہ رہے تھے تم جنت سے بھاگتے ہو۔ دیکھو جنت تلوار کی باڑھ کے نیچے ہے (کیونکہ یہ حضرت علی کی حمایت میں جہاد ہو رہا ہے) آج میں جا کر اپنے دوستوں (حضرت رسول خدا صلعم وغیرہ) سے ملوں گا۔ واللہ اگر یہ لوگ ہم کو ماریں اور مقام ہجر تک مارتے ہوئے چلے جائیں تب بھی میں یہی سمجھوں گا کہ میں حق پر ہوں اور یہ لوگ باطل پر ہیں۔ جناب عمار نے جنگ صفین میں کہا کہ پینے کی چیز میرے واسطے لے آؤ۔ لوگ دودھ لے گئے جناب عمار دیکھ کر کہنے لگے حضرت رسول خدا صلعم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ دنیا میں تمہارے پینے کی آخری چیز دودھ ہوگا اس کے بعد انہوں نے لڑائی کیا اور شہید ہو گئے اس وقت عمر ان کی ۹۴ سال کی تھی خزیمہ بن ثابت جنگ جمل میں شریک تھے۔ مگر انہوں نے تلوار نہیں چلائی۔ وہ صفین میں بھی شریک تھے مگر لڑے نہیں اور یہی کہتے رہے کہ جب تک عمار شہید نہیں ہو جائیں گے میں نہیں لڑوں گا۔ میں دیکھ لوں کہ ان کو کون قتل کرتا ہے کیوں کہ میں نے رسول سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے ویح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم الى الجنة يدعونه الى النار (افسوس کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ عمار اس گروہ کو جنت کی طرف بلاتے ہوں گے اور وہ گروہ عمار کو جہنم کی طرف بلاتا ہوگا۔ جب عمار شہید ہو گئے تو خزیمہ نے کہا کہ اب مجھ کو ان کی گمراہی ظاہر ہو گئی۔ اس کے بعد وہ آگے بڑھے اور لڑ کر شہید ہو گئے۔ جناب عمار زخمی ہوئے تو مرتے وقت وصیت کی مجھ کو انہیں کپڑوں میں دفن کر دینا انہیں کپڑوں کے ساتھ خدا کے سامنے جاؤں گا اور آپ کے قتل کے بارے میں دو شخص اختلاف کرنے لگے ایک کہتا تھا میں نے قتل کیا دوسرا کہتا تھا میں نے قتل کیا عمرو عاص نے سُنا تو کہا خدا کی قسم یہ دونوں ہی دوزخ کے لیے لڑتے ہیں (کیونکہ عمار کا قاتل یقیناً دوزخی ہے)

واللہ میں اس وقت آرزو کرتا ہوں کہ کاش آج سے بیس برس پہلے میں مر گیا ہوتا تا کہ میں بھی معاویہ کی طرف ہونے کی وجہ دوزخ میں نہ جاتا) جناب عمار یاسر ربیع الثانی ۳۷ھ میں شہید ہوئے۔ حضرت علی نے انہیں کپڑوں میں آپ کو دفن کر دیا جناب عمار کا رنگ گندمی، قد لانبہ، سینہ کشادہ تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ بال سفید ہو گئے تھے۔ (از تجرید اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۶۵) جناب عمار کی زندگی شروع سے آخر تک مصائب ہی میں بسر ہوئی۔ کفار آپ پر جو مصیبتیں ڈھاتے تھے وہ پہلے بیان ہو چکیں۔ حضرت عثمان خلیفہ سوم نے بھی اپنے زمانہ میں آپ کو اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہو گئے اور ان کے پیٹ اور پیڑو پر خود اتنی لاتیں ماریں کہ عارضہ فتق لاحق ہو گیا۔

معاویہ اور حضرت علی میں جنگ تھی تو معاویہ والوں کا بیان تھا کہ ہم پر حق ہیں۔ مگر حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی زندگی ہی میں پیشینگوئی فرما دی جس سے معاویہ کا باطل پر ہونا یقینی تھا۔ مؤرخین نے تصریح لکھا ہے وفی الصحیح المتفق علیہ ان رسول اللہ قال یقتل عمارا لفئة الباغیة صحیح حدیث میں جس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا عمار کو گمراہ جماعت والے قتل کریں گے (تاریخ ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۷۶ و تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۴۷ وغیرہ)۔ صحیح بخاری و مسلم میں بھی حضرت رسول خدا صلعم کی یہ حدیث موجود ہے۔

جناب عمار سے ہم لوگوں کو حمایت حق کا پورا سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ ہاتھوں میں رعشہ تھا اور نوے برس کے تھے کہتے تھے هذه حربة قاتلت بها مع رسول اللہ ثلاث مرات وهذه الرابعة یہ وہ حربہ ہے جس سے میں نے حضرت رسول خدا صلعم کی حمایت میں تین مرتبہ جہاد کیا ہے اور اب یہ چوتھی مرتبہ ہے (ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۷۶)، جس سے معلوم ہوا کہ آپ حضرت علی کو حضرت رسول خدا کی طرح اور حضرت علی کی حمایت میں لڑنے کو حضرت رسول خدا کی حمایت میں لڑنا سمجھتے تھے اس روز آپ یہ رجز پڑھتے تھے ؎

قتلنا کم علی تاویله　　کما قاتلنا کم علی تنزیله

ضربا یزیل الهام عن مقیله　　ویذهل الخلیل عن خلیله

اے معاویہ والو اب بھی ہم تم لوگوں سے قرآن مجید کی تاویل پر اسی طرح جہاد کر رہے ہیں جس طرح تم لوگوں سے قرآن مجید کی تنزیل پر پہلے بھی جہاد کرتے تھے۔ ہم ایسی جنگ کریں گے کہ سر اپنے ٹھکانے سے اڑتے نظر آئیں گے اور ایک دوست دوسرے دوست کو بھول جائے گا۔ (ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۷۶) جناب عمار یاسر کے شہید ہونے پر حضرت علی کو نہایت صدمہ ہوا کیوں کہ آپ کو حضرت بہت مانتے تھے۔ اس کے بعد حضرت نے اپنی فوج کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ ان ائمہ کفر سے لڑو یقیناً ان کے ایمان نہیں ہیں جناب عمار کی شہادت نے بہت سے غافلوں کو ہوشیار کر دیا اور متعدد اعیان مہاجرین و انصار وغیرہ نے کہا کہ جب عمار یاسر مارے گئے تو جو تھوڑا بہت شبہ ہم لوگوں کو تھا وہ بھی زائل ہو گیا اور ہمیں یقین ہو گیا کہ معاویہ اور اس کے ہمراہی باغی ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ بالکل ثابت قدم ہیں [1]

[1] لطف یہ ہے کہ جب معاویہ سے لوگوں نے کہا کہ عمار کی شہادت سے ہم لوگ پریشان ہیں (دیکھو حاشیہ صفحہ ۱۷۰)

مقداد بن عمرو حضرت رسول خدا صلعم کے مقدس صحابی تھے آپ کو مقداد کندی بھی کہتے ہیں۔ آپ ان لوگوں میں ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے تھے۔ آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی۔ پھر حبشہ سے مکہ واپس آئے اور جب رسول خدا صلعم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی تو مقداد ہجرت نہ کر سکے۔ بلکہ مکہ ہی میں رہے اس وقت تک کہ رسول نے علیدہ بن حارث کو ایک سریہ کا افسر کرکے بجانب مکہ روانہ فرمایا یہ لوگ مشرکوں کی اس جماعت سے ملے جن کا سردار عکرمہ بن ابوجہل تھا اور مقداد و عتبہ بھی مشرکوں کے ساتھ نکلے تھے ان کا یہ ارادہ تھا کہ کسی حیلہ سے مسلمانوں کی جماعت تک پہنچ جائیں بہرحال دونوں فریق ملے مگر لڑائی سے باز رہے پھر موقع پاکر مقداد و عتبہ مسلمانوں کی جماعت میں مل گئے۔ مقداد غزوہ بدر میں شریک ہوئے اور اس غزوہ میں ان سے کارنمایاں ظاہر ہوئے جب رسولؐ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور حضرتؐ کو یہ خبر پہنچی کہ قریش روانہ ہو چکے ہیں اور ان کا قصد ہے کہ قافلہ کو سفر سے روک دیں تو آپ نے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ کیا۔ اس مشورہ میں جناب مقداد نے حضرت رسول خدا صلعم کی اطاعت و رضا جوئی کا حضرت ابوبکر سے زیادہ ثبوت دیا کیونکہ ان دونوں صاحبوں کے مشورہ سے حضرت رسول خدا صلعم کو رنج پہنچا۔ دونوں حضرات نے کفار کی تعریف کی جس سے آں حضرتؐ کا چہرہ سرخ ہو گیا علامہ سید احمد زینی وحلان نے لکھا ہے کہ فتکلم ابوبکر فاعرض عنہ ثم تکلم عمر فاعرض عنہ — آنحضرتؐ کے سوال پر حضرت ابوبکر بولے تو آنحضرتؐ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا پھر حضرت عمر بولے تو آنحضرتؐ نے ان کی طرف سے بھی منہ پھیر لیا (سیرت محمدیہ مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۳۷۳) اور بار بار آپ فرماتے رہے کہ پھر تم لوگ مشورہ دو۔ آخر جناب مقداد نے کہا انا لا نقول لک کما قال اصحاب موسیٰ اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون و لکن اذھب انت و ربک فقاتلا انا معکم متبعون۔ یا حضرت ہم تو وہ بات نہ کہیں گے جو حضرت موسیٰ کے اصحاب نے ان سے کہی تھی کہ اے موسیٰ آپ اور آپ کے اللہ جائیں اور آپ دونوں جہاد کریں ہم لوگ یہیں بیٹھے رہیں گے۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ آپ تشریف لے چلیں اور جہاد کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں (تفسیر در منثور جلد ۳ صفحہ ۱۶۶) جناب مقداد نے یہ بھی کہا قسم اس ذات پاک کی جس نے آپ کو نبی بنا کر دین حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اگر آپ ہم سب کو برک غماد تک لے چلیں گے تب بھی ہم آپ کے ساتھ ہو کر تندہی اور جانفشانی سے ان لوگوں کا مقابلہ کریں گے جو برک غماد سے اس طرف ہیں اور آپ وہاں تک باآسانی پہنچ جائیں گے۔ آپ کی اس تقریر پر حضرت رسول خدا کا وہ صدمہ زائل اور غیظ و غضب دور ہو گیا جو حضرت ابوبکر و عمر کے جواب سے پیدا ہو گیا تھا اور آپ نے جناب مقداد کی تعریف کی اور ان کے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۹: کہ ہم لوگوں کا کیا حشر ہوگا کیونکہ یہ وہ شخص تھے جن کے قاتل کو رسول اللہ نے بدر جادی کی کیا بات بنائی کہ عمار کو ہم نے قتل نہیں کیا پوچھا گیا پھر کس نے قتل کیا۔ جواب دیا علیؑ نے۔ کیونکہ وہی ان کو جنگ کے اسکا جواب کیا خوب دیا گیا کہ پھر حمزہ کو بھی رسول خدا ہی نے قتل کیا کیونکہ حضرتؐ ہی ان کو جنگ کیلئے غزوہ احد

دعا فرمائی راوی کہتا ہے کہ اس بات پر رایئت رسول اللہ تشرق وجھہ بذلک وسر وا عجبہ میں نے دیکھا کہ حضرت رسولؐ خدا کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا آپ کو بڑی مسرت ہوئی۔ اور اس بات کو آپ نے نہایت درجہ پسند کیا۔ جناب مقداد حضرت رسول خداؐ کے ساتھ جنگ بدر و احد اور کل غزوات میں شریک رہے حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے چار شخصوں سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے اور اللہ نے مجھے یہ خبر دی کہ وہ خود بھی ان چاروں کو دوست رکھتا ہے۔ کسی نے سوال کیا کہ یا حضرت ان کے نام بتا دیجئے فرمایا وہ علیؑ۔ ابوذر۔ سلمان اور مقداد ہیں۔ جناب مقداد فتح مصر میں شریک تھے۔ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں تو آپ نے بمقام جرف اپنی زمین میں ۳۳ھ میں وفات پائی۔ اور مدینہ میں آپ کی لاش آئی اور وہیں آپ دفن کیے گئے۔ آپ کی عمر ۷۰ سال کی ہوئی۔ جناب مقداد کی یہ جلالت قدر تھی ایک مرتبہ وہ اور عبدالرحمٰن بن عوف بیٹھے ہوئے کچھ باتیں کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا اے مقداد تم شادی کیوں نہیں کرتے مقداد نے کہا تم اپنی بیٹی سے کر دو تو میں کر لوں۔ عبدالرحمٰن نے اس بات کو اپنی شان کے خلاف سمجھا اور نہایت درجہ غضبناک ہو کر مقداد کو بہت کچھ گالیاں دے دیں۔ مقداد نے اس کی شکایت حضرت رسول خدا صلعم سے کی تو حضرتؐ نے فرمایا گھبراؤ نہیں تمہاری شادی میں کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرتؐ نے اپنی چچازاد بہن ضباعہ دختر زبیر بن عبدالمطلب سے ان کی شادی کر دی (اصابہ جلد ۶ صفحہ ۱۳۴) آپ کی موت کا واقعہ بڑا دردناک ہے۔ آپ بلغمی موٹے آدمی تھے۔ پیٹ بھی نکلا ہوا تھا۔ آپ کے پاس ایک رومی غلام تھا اس کمبخت نے کہا میں آپ کا پیٹ چاک کرکے چربی نکال دیتا ہوں اس سے آپ کا بلغم نکل جائیگا اور آپ ہلکے ہو جائیں گے آپ نے اس کی بات مان لی۔ اس نے آپ کا پیٹ چاک کرکے پھر سی دیا جس سے آپ انتقال کر گئے اور غلام بھاگ گیا (اصابہ جلد ۶ صفحہ ۱۳۴) پہلے سات شخص جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے ان میں آپ بھی تھے۔ وکان من الفضلاء النجباء والکبار والخیار من اصحاب النبیؐ جناب مقداد حضرت رسول خدا صلعم کے فاضل نجیب عظیم الشان اور نیکوکار صحابہ سے تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ ہر پیغمبر کو سات شریف وزیر اور رفیق ملتے تھے اور مجھے چودہ ملے ہیں۔ جن میں حمزہ۔ جعفر۔ علیؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ۔ سلمان۔ عمار۔ ابوذر۔ مقداد و بلال بھی ہیں جب آپ مدینہ میں پہنچے تو حضرتؐ کے ساتھ ساتھ ہی رہتے تھے (استیعاب جلد ا صفحہ ۲۹۰) جناب مقداد اور حضرت علیؑ میں بڑے اچھے مراسم تھے اور آپ حضرتؐ کے مخصوص اصحاب میں تھے۔ ملا ابوالقاسم دمشقی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ ایک روز جناب امیرؑ نے حضرت سیدہؑ سے دوپہر کا کھانا طلب کیا۔ جناب سیدہ نے قسم کھائی کہ گھر میں کچھ نہیں ہے اور حیا کی وجہ سے آپ سے ذکر نہ کر سکیں۔ حضرتؐ اسی فکر میں باہر نکلے اور ایک دینار کسی سے قرض لے کر بازار کی طرف چلے دیکھا کہ مقداد با حال پریشان چلے آ رہے ہیں۔ دھوپ کی شدت سے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے اور صورت بدل گئی ہے۔ حضرتؐ نے سبب پوچھا تو کہنے لگے اس وقت کچھ نہ پوچھئے اور مجھے جانے دیجئے۔ حضرت امیرؑ نے فرمایا بھائی تم کو تو یہ مناسب نہیں

کر اپنا حال مجھ سے چھپاؤ۔ تب جناب مقداد نے عرض کی مولا! میں کیا کہوں۔ میرے بچے اس وقت بھوک سے بے چین ہیں اور مجھ سے ان کا حال تباہ دیکھا نہیں جاتا۔ اسی پریشانی میں گھر سے نکلا ہوں آپ نے فرمایا اے بھائی جو باعث تمہارے گھر سے نکلنے کا ہے وہی مجھے بھی درپیش ہے مگر میں اپنے اوپر تم کو ترجیح دیتا ہوں یہ کہہ کر وہ دینار ان کے حوالہ کیا اور خود خالی ہاتھ گھر واپس آئے یہاں خدا نے حضرت علیؑ کی مدح میں یہ آیت نازل فرمائی ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصہ یہ اہلبیتؑ خود بھوکے رہتے ہیں مگر دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے ہیں (پ ۲۸ ع ۴) جامع صغیر علامہ سیوطی میں ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ان الجنۃ تشتاق الی اربعۃ علیؑ وعمار وسلمان ومقداد۔ یقیناً بہشت چار شخصوں کی مشتاق ہے۔ علی عمار سلمان اور مقداد کی (مجالس المومنین مطبوعہ ایران ورق ۱۴۱)

جناب جابر بن عبداللہ انصاری

آپ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہایت جلیل القدر اور مشہور صحابی ہیں۔ اور خوش قسمت ایسے کہ آنحضرتؐ کے علاوہ حضرتؐ کے پانچ جانشین (جناب امیرؑ حضرت امام حسنؑ۔ حضرت امام حسینؑ۔ حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام محمد باقرؑ) کا زمانہ پایا اور ان حضراتؑ کی صحبت میں رہ کر ارشاد وہدایات سے مستفیض ہوتے رہے۔ سلسلہ نسب جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن اسلمہ۔ آپ انصاری ہیں۔ آپ کی جائے ولادت مدینہ منورہ ہی ہے۔ آپ بیعت عقبہ ثانیہ میں بحالت صغر سن اپنے والد کے ہمراہ شریک تھے۔ آپ بیان کرتے تھے کہ میں حضرت رسول اللہؐ کے ساتھ ۱۹ غزدے میں شریک ہوا مگر غزوہ بدر واحد میں شریک نہیں ہو سکا کیونکہ میرے والد نے مجھے روک لیا تھا۔ جب غزوہ احد میں شہید ہو گئے تو پھر میں کسی جہاد میں آنحضرتؐ سے جدا نہیں ہوا آپ کہتے تھے کہ رسولؐ خدا نے میرے لیے اونٹ والی رات میں ۲۵ بار استغفار کیا۔ اونٹ والی رات سے مراد وہ رات ہے جس میں انہوں نے رسولؐ خدا کے ہاتھ ایک اونٹ بیچا تھا[1] اور یہ شرط کر لی تھی کہ مدینہ تک میں اس پر سوار ہو کر چلوں گا۔ یہ واقعہ ایک جہاد کا ہے غرض آپ برابر آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ اس سبب سے آنحضرت کی حدیثیں بھی بکثرت نقل کیں۔ آپ جنگ صفین میں جناب امیرؑ کے ساتھ بھی تھے (استیعاب جلد ۱ صفحہ ۸۶) امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ جابر آخر شخص ہیں جو اصحاب پیغمبرؐ سے رہ گئے تھے اور ان کی بازگشت ہم اہلبیتؑ کی طرف ہوئی۔ فضل بن شاذان سے روایت ہے کہ جابرؓ ان صحابہ سابقین سے تھے جو آنحضرت کے بعد جناب امیرؑ کے شیعوں میں داخل ہوئے اور ابن عقدہ نے بھی جو اکابر محدثین اہلسنت سے ہیں تصریح کر دی ہے کہ جابر نے خلفائے ثلثہ کو ترک کر کے دامن اہلبیتؑ سے تمسک کیا اور انہیں حضراتؑ کی متابعت میں عمر بسر کر دی۔ آپ کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ کربلا کے خونی واقعہ کے بعد حضرت امام حسینؑ کے روضہ منورہ کی زیارت کا

---

[1] اس کا مختصر واقعہ اس طرح پر ہے کہ ان کے پاس ایک اونٹ تھا جو کسی طرح چلانے نہ چلتا تھا آنحضرت صلعم نے اپنے دست مبارک سے مارا وہ ایسا تیز ہو گیا کہ سبحان اللہ پھر حضرت نے وہ اونٹ ان سے مول لے لیا اور مدینہ پہنچ کر اس کی قیمت انہیں دے دی اور وہ اونٹ بھی ان کو بخش دیا۔ ۱۲

شرف سب سے پہلے جناب جابر ہی کو حاصل ہوا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے "جب حضرات اہلبیتؑ قید سے چھوٹ کر چلے تو رہبر سے کہا ہم کو کربلا کی طرف سے لے چلو اس طرح یہ حضرات دوبارہ کربلا میں داخل ہوئے تو جابر بن عبداللہ انصاری اور بنی ہاشم کی ایک جماعت اور آل رسول کے ایک گروہ کو کربلا میں پایا جو سب کے سب روضہ امام حسینؑ کی زیارت کو حاضر ہوئے تھے دونوں قافلے جس وقت ملے ہیں شور وگریہ کا نعرہ بلند کیا ہر شخص اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگا اور ایسا کہرام برپا ہوا کہ اس کو سن کر عزیزوں کے جگر بھی ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگے (بحار جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۹) اور زیارت اربعین کی تاکید میں چند وجوہ کو لکھ کر اور سب کو ضعیف قرار دیکر تحریر فرمایا ہے حدیثوں سے دو معقول وجہیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ سب سے پہلے جو بزرگ آنحضرت صلعم کے صحابہ سے جناب امام حسینؑ کے روضہ کی زیارت کیلئے آئے اور اس شرف کو حاصل کیا وہ جناب جابر بن عبداللہ انصاری تھے اور وہ اسی روز اربعین کو کربلا میں پہنچے اور دوسرے شہیدوں کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کی زیارت بھی کی اور چونکہ جناب جابر بزرگ صحابہ سے تھے اور اس عظیم الشان عبادت (زیارت امام حسینؑ) کی بنیاد انہیں نے قائم کی اس سبب سے ہو سکتا ہے کہ آج کے روز حضرت امام حسینؑ کی زیارت کا پڑھنا زیادہ ثواب کا باعث ہو (زاد المعاد اعمال اربعین) اس بیان سے آپ کی جلالت قدر منتہائے کمال پر پہنچ گئی کہ محض آپ کے سبب سے خدا نے حضرت امام حسینؑ کی زیارت بروز اربعین کا خاص شرف وفضل مقرر کیا۔ غرض خاندان رسالت مآب صلعم سے آپ کی خصوصیات بہت زیادہ ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ واقعہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب کربلا سے لٹ کر مدینہ میں جناب زینبؑ اپنے بھائی کے غم میں زندگی بسر کرنے لگیں تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ آپ کے بھتیجے سید سجاد عبادت خدا میں ہلاک ہوئے جارہے ہیں اور کسی طرح اس سے آپ کو سیری نہیں ہوتی تو آپ کی حالت پر بے چین ہو کر خود جناب جابر بن عبداللہ کے گھر تشریف لے گئیں اور ان سے کہلایا یا جد بزرگوار کے جلیل القدر صحابی آپ جانتے ہیں کہ آپ پر ہمارے خاندان کے کتنے حقوق ہیں ان سے یہ بھی ہے کہ جب آپ دیکھیں کہ ہم میں کا کوئی شخص عبادت خدا میں ہلاک ہو رہا ہے تو اس کو خدا کا واسطہ دیکر اپنی حالت پر رحم کرنے کے لیے آمادہ کریں۔ دیکھئے سید سجاد عبادت خدا میں کس قدر متغیر ہو گئے ہیں۔ جابر آپ جانتے ہیں کہ اب میرے بھائی کی نشانی روئے زمین پر یہی فرزند رہ گیا ہے جو تمام خاندان کا ملجا وماویٰ ہے آپ ان سے کہیے کہ وہ اپنی حالت پر رحم کریں (امالی ومناقب ابن شہر آشوب علیہ الرحمہ صفحہ ۱۷۱) ابو الزبیر مکی کا بیان ہے کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے دریافت کیا کہ علی ابن ابی طالب کیسے شخص تھے۔ جناب جابر کی بھویں بڑھاپے سے آنکھوں پر لٹک آئی تھیں ان کو الٹ کر انہوں نے کہا خدا کی قسم وہ خیر البشر تھے خدا کی قسم ہم لوگ جناب رسالت مآب صلعم کی زندگی میں منافقوں کو حضرت علیؑ کے بغض وعداوت سے پہچان لیتے تھے (جو شخص حضرت علیؑ سے بغض رکھتا تھا وہ سچا مسلمان نہیں۔ بلکہ منافقوں کی جماعت سے ہوتا تھا جو اسلام کے مٹانے کے درپے رہتے تھے[1]) حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ اصحاب

---

[1] رجال کشی مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۷۔ اس مضمون کی حدیثیں حضرات اہلسنت کی کتابوں میں بھی بکثرت (باقی صفحہ ۱۷۴)

رسولؐ سے جو لوگ مدینہ میں باقی رہ گئے تھے ان سب کے آخر جابر بن عبداللہ انصاری تھے وہ ہم اہلبیتؑ سے متمسک رہے۔ دورِ آخر میں ان کی یہ حالت تھی کہ مسجد رسول صلعم میں سیاہ عمامہ باندھے ہوئے بیٹھے رہتے اور یَا بَاقِرَ الْعِلْمِ یَا بَاقِرَ الْعِلْمِ ۔ اے علم کے باقر اے علم کے باقر پکارا کرتے۔ مدینہ والے یہ سن کر کہتے کہ یہ جابر کیا مہملات بکا کرتے ہیں۔ جسکا جواب جناب جابر دیتے کہ خدا کی قسم میں لغو نہیں بکتا ہوں، بلکہ مجھ سے جناب رسالت مآب صلعم نے فرمایا تھا کہ انک ستدرک رجلا من اھل بیتی اسمہ اسمی و شمائلہ شمائلی یبقر العلم بقرا اے جابر تم میرے اہلبیت کے ایک فرزند سے ملوگے جسکا نام میرا نام اور جسکی صورت و سیرت میری صورت و سیرت ہوگی۔ وہ کل علموں کا باقر ہوگا اسی قول رسول کی وجہ سے میں اس باقر علوم کو پکارتا ہوں۔ چنانچہ اسی انتظار میں جابر ایک روز مدینہ کی گلیوں میں گھومتے تھے کہ دفعتہً اس گلی میں پہنچ گئے جس میں مدرسہ تھا وہاں حضرت محمدؐ باقر ابن علیؑ زین العابدین ابن حسینؑ تشریف فرما تھے۔ جناب جابر نے آپ کو دیکھا اور رسالت مآب صلعم کے حلیہ سے مشابہ پایا تو کہا صاحبزادے ذرہ میری طرف رُخ کیجیے۔ حضرتؑ نے ایسا ہی کیا، پھر انہوں نے کہا اب ذرہ پشت ادھر کیجیے۔ جب رُخ اور پشت دیکھ لی تو کہا خدا کی قسم ہو بہو یہ شمائل رسول خدا صلعم ہیں اور پوچھا صاحبزادے آپ کا اسم گرامی! فرمایا محمد بن علیؑ یہ سن کر جناب جابر دوڑ پڑے اور حضرتؑ کی پیشانی پر بوسہ دیکر کہا یا حضرت میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ حضرت رسول خدا صلعم نے آپ کا ذکر کیا تھا اور مجھ سے فرمایا تھا کہ آنحضرتؐ کا سلام آپ کو پہنچا دوں اس کا جواب حضرتؑ نے دیا کہ آنحضرت کی خدمت میں بھی سلام پہنچے اور آپ بھی میرا سلام قبول کیجیے اس کے بعد جناب جابر نے عرض کی یا حضرت میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ بروز قیامت آپ میری شفاعت کی ضمانت فرمالیں۔ حضرت نے جواب دیا ہاں جابر میں ضامن ہوتا ہوں (رجال کشی صفحہ ۲۹) اس کے بعد جناب جابر نے عادت کر لی کہ ہر روز بلاناغہ صبح و شام حضرت باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ جس پر اہل مدینہ تعجب اور مضحکہ کرتے کہ جابر کو کیا ہو گیا۔ جو اس بچے کی خدمت میں اس کثرت سے حاضر ہوتے ہیں وکان جابر واللہ یاتیہ یتعلم منہ خدا کی قسم جابر امام محمد باقرؑ سے علم حاصل کرتے تھے۔ (ابو الزبیر بیان کرتے تھے کہ میں نے دیکھا جناب جابر ہاتھ میں عصا لیے ہوئے مدینہ کی گلیوں اور لوگوں کے مجمعوں میں گھومتے پھرتے اور کہتے جاتے تھے علیؑ خیر البشر

بقیہ صفحہ ۳۷۱: ہیں ازالۃ الخفا صفحہ ۲۷۲ سنن نسائی میں ہے قال رسول اللہ لعلی لا یحبک الا مومن و لا یبغضک الا منافق ۔ حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علی سے فرمایا جو مومن ہوگا وہ تم کو ضرور دوست رکھے گا اور جو منافق ہوگا وہی تم کو دشمن رکھے گا اور امام ترمذی نے ابو سعید خدری سے اور امام احمد بن حنبل نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ قال کنا نعرف المنافقین ببغضھم علیا۔ انہوں نے کہا ہم لوگ منافقوں کو اس سے پہچان لیتے تھے کہ وہ حضرت علی کو دشمن رکھتے تھے۔ ۱۲ ــــه یہ حضرات خدا کے ہاں سے پڑھا کر بھیجے جاتے اور بزرگوں کے ساتھ رہتے تھے مگر ممکن ہی دلبستگی کیلئے کبھی کبھی مدرسوں میں بھیج دیئے جاتے ہوں تاکہ لڑکوں کیساتھ جی سے گھبرائیں نہیں ۱۲

من ابی فقد کفر۔ معاشر الانصار ادبوا اولادکم علی حب علی فمن ابی فلینظر فی شان امہ حضرت رسول خدا صلعم کے بعد لوگوں سے بہتر حضرت علیؑ ہیں جو شخص اس سے انکار کرے گا وہ کافر ہے۔ اے انصار رسولؐ تم لوگ اپنی اولاد کو حضرت علیؑ کی محبت سکھاؤ۔ اور اگر کوئی بچہ حضرت کی محبت سے انکار کرے تو اس کی ماں کی عفت کی تحقیق کرو کیونکہ یہ اسی کے سبب سے ہے۔ جناب جابر اگرچہ معرفت و یقین کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ لیکن پھر بھی صحابی ہی تھے امام نہ تھے اس سبب سے معرفت کا وہ درجہ حاصل کرہی نہیں سکتے تھے جو انبیاء و ائمہ طاہرینؑ سے مخصوص ہے چنانچہ جناب جابر آخر عمر میں بہت ضعیف ہو گئے تو حضرت امام محمد باقرؑ آپ کی عیادت کو تشریف لے گئے اور حال پوچھا تو جناب جابر نے کہا میں ایسے حال میں ہوں جس میں پیری کو جوانی سے بہتر، بیماری کو تندرستی سے اچھی اور مرنے کو زندہ رہنے سے افضل جانتا ہوں یہ سن کر حضرت امام محمد باقرؑ نے تنبیہ اور ارشاد کے طور پر بیان فرمایا اے جابر! لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ اگر خدا ہمیں بوڑھا کردے بڑھاپے ہی کو جوانی سے بہتر سمجھیں اور جوان کردے تو جوانی کو خوب سمجھیں اور اگر بیمار رکھے تو بیماری کو پسند کریں اگر شفا عطا فرمائے تو شفا ہی میں راضی رہیں اگر موت دے تو موت ہی کو گوارا کریں اور اگر زندہ رکھے تو زندگی ہی کو اختیار کریں۔ غرض خدا ہمیں جس حالت میں رکھے اسی حالت کو اپنے لیے سب سے بہتر اور مناسب و نفع بخش سمجھیں۔ جناب جابر نے یہ سنا تو فرط مسرت سے اٹھے اور حضرت کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر فرمایا صدق رسول اللہ فانہ قال لی ستدرک ولدا من اولادی اسمہ اسمی یبقر العلوم بقرا کما یبقر الثور الارض حضرت رسول خدا صلعم نے کس قدر سچ فرمایا تھا کہ اے جابر تم میری اولاد سے ایک لڑکے سے ملوگے جس کا نام میرا نام ہوگا اور وہ علوم و معارف کو اس طرح شگافتہ کرے گا جس طرح زمین کو بیل زراعت کے لیے شگافتہ کر دیتا ہے۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ جناب جابر مرتبہ صبر پر فائز تھے اور جناب امام محمد باقرؑ مرتبہ رضا پر (مجالس المومنین صفحہ ۱۱) علامہ ابن حجر وغیرہ نے لکھا ہے مسجد نبوی صلعم میں لوگ جابر کو حلقہ کیے رہتے اور آپ سے علوم و معارف حاصل کرتے تھے آخر میں آپ کی آنکھ کی بصارت جاتی رہی تھی۔ آپ اپنی داڑھی اور سر میں زرد خضاب لگاتے تھے اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ ۹۴ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اصحاب رسولؐ سے مدینہ میں جن لوگوں نے انتقال کیا ان سب کے آخر جناب جابر تھے۔ آپ نے ۷۸ھ (غالباً ۶۹۷ء) میں انتقال کیا اور وصیت کی کہ حجاج بن یوسف ثقفی آپ کے جنازے کی نماز نہ پڑھانے پائے (اصابہ جلد ا صفحہ ۲۲۲)۔

حذیفہ بن یمان انصاری حضرت رسول خدا صلعم کے مقدس صحابی تھے ان کا نام اس طرح لیا جاتا ہے۔ حذیفہ صاحب سر رسول اللہ فی المنافقین منافقوں کے حالات رسول خدا صلعم نے سوائے حذیفہ کے اور کسی کو نہیں بتائے حضرت عمر کی عادت تھی کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو جناب حذیفہ سے پوچھتے تھے کہ اس کی نماز میں شریک ہو گئے۔ اگر وہ اس کی نماز میں شریک ہوتے تو حضرت عمر اس کے جنازے کی نماز پڑھتے ورنہ ہٹ جاتے لوگوں نے حذیفہ سے پوچھا کہ آپکو منافقین کا حال کیسے معلوم ہو گیا حالانکہ ابوبکر و عمر کو بھی معلوم نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا شب عقبہ میں رسول کی سواری کے پیچھے چلتا تھا حضرت کو نیند آگئی تھی تو میں نے سنا کہ کچھ صحابہ کہتے ہیں آؤ ہم لوگ رسولؐ کو اونٹ سے گرا دیں کہ ان کی گردن ٹوٹ جائے اور ہم لوگوں کو ان کے ہاتھ سے نجات ملے یہ سُن کر میں ان کے درمیان پہنچ گیا اور زور زور سے باتیں کرنے لگا جس سے حضرت بیدار ہو گئے اور پوچھا کون؟ میں نے عرض کی حذیفہ پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ میں نے سب کے نام بتائے۔ حضرتؐ نے

فرمایا یہ سب منافق ہیں مگر تم کسی کو ان کے نام نہ بتانا وکان عمر یسال حذیفة عن حدیث و العقبة وی من علامات النفاق هل یری فیه شیئا منها حضرت عمر جناب حذیفہ سے عقبہ کی حدیث پوچھا کرتے اور یہ بھی دریافت کرتے اے حذیفہ مجھ میں بھی نفاق کی کوئی علامت پاتے ہو (اسماء الرجال قلمی ورق ۷۴ و معارج النبوة رکن ۴ صفحہ ۲۰۲ وغیرہ) مگر حذیفہ برابر ٹالتے رہتے آخر حضرت عمر نے خود ہی اس بات کو کہہ دیا۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں عن روایته قول عمر حذیفة بالله انا من المنافقین زید بن وہب جو تابعین کے سب سے جلیل الشان لوگوں اور ان کے معتمد علیہ میں ہیں روایت کرتے تھے کہ حضرت عمر نے خود فرمایا اے حذیفہ خدا کی قسم میں بھی منافقین سے ہوں (میزان الاعتدال جلد صفحہ ۲۴۴) جناب حذیفہ حضرت رسول خدا سے فتنہ کے حالات بہت پوچھا کرتے تھے تاکہ اس سے بچیں جب ان پر موت کی کیفیت طاری ہوئی تو انہوں نے بہت جزع کی اور روئے۔ کسی نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں، کہا دنیا کے چھوٹنے پر نہیں روتا بلکہ اس پر کہ مجھے معلوم نہیں۔ خدا کی رضامندی کیطرف جا رہا ہوں یا ناخوشی کیطرف وانکی وفات ۳۰ھ (۶۵۰ء) میں ہوئی

سعد بن عبادہ

انصاری۔ قبیلہ انصار کے شریف اور سردار بزرگ تھے۔ تمام مشاہد میں انصار کا علم انہیں کے ہاتھ رہتا تھا اور یہ انصار میں صاحب وجاہت و ریاست تھے رسول کے پاس ہر روز ایک بڑا پیالہ ثرید اور گوشت سے بھرا ہوا لاتے تھے۔ ایک دفعہ سعد آنحضرت کو اپنے گھر میں لائے اور ایسی خصوصیت برتی کہ آنحضرت نے دعا فرمائی اے اللہ اپنا درود اور رحمت سعد بن عبادہ کی آل پر نازل فرما۔ سعد بہت غیرت مند آدمی تھے۔ آنحضرت نے انکی غیرت کی بھی مدح فرمائی ہے جب رسول خدا صلعم کی وفات ہو گئی اور حضرت ابوبکر و عمر سقیفہ میں جمع ہو کر خلافت کا انتظام کرنے لگے تو جناب سعد کو بہت رنج ہوا کیونکہ تمام انصار یہی کہتے رہے کہ لانبایع الا علیا ہم لوگ حضرت علی کے سوا کسی کی بھی بیعت نہیں کریں گے (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸) آپ نے نہ حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور نہ حضرت عمر کی بلکہ شام کیطرف چلے گئے یہانتک کہ ۱۴ یا ۱۵ھ میں بمقام حوارن انتقال کیا۔ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ انکا مزار مشہور ہے جس کی زیارت آج تک ہوتی ہے (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۹۴) جب آپ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تو آپ پر بڑی سختیاں کی گئیں اور اس تک کا لحاظ نہیں کیا گیا کہ آپ صحابی رسول ہیں خود حضرت عمر بیان کرتے تھے سقیفہ میں بیعت کا جھگڑا شروع ہوا۔ آوازیں بلند ہو گئیں۔ تو مجھے اختلاف کا خوف ہوا۔ یہ خیال کرکے میں نے ابوبکر سے کہا ہاتھ بڑھاؤ تمہاری بیعت کر لوں انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا میں نے جھٹ بیعت کر لی اور پھر لوگوں نے بیعت کی پھر لوگ سعد بن عبادہ پر ٹوٹ پڑے ان کے کسی طرفدار نے کہا تم لوگوں نے سعد کو قتل کر ڈالا۔ حضرت عمر نے کہا اللہ سعد کو قتل کرے بیچارے سعد اس وقت نہایت کمزور اور بیمار تھے۔ اس سبب سے ان لوگوں کو موقع مل گیا اور جسطرح ممکن ہوا کی سزا کی صرف اس غصہ میں کیوں انصار ان کی بیعت کرنی چاہتے ہیں کیونکہ جب انصار نے دیکھا کہ یہ لوگ حضرت علی کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ پھر انصار ہی میں سے کوئی شخص کیوں نہ خلیفہ مقرر کیا جائے اور کہنے لگے

ؔ یہ عجیب اور نہایت حیرت ناک بات ہے کہ جناب حذیفہ سے اس قدر اصرار کرنے پر بھی انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اے عمر رسول خدا نے منافقین میں آپ کا نام نہیں لیا تھا اور آپ میں منافقین کی کوئی علامت نہیں ہے۔ ۱۲

کہ ایک حاکم تم لوگوں میں سے ہو ایک انصار سے ہو۔ موٴرخین نے لکھا ہے کہ جب لوگ حضرت ابوبکر کی بیعت کرنے لگے تو قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کو روند ڈالیں جس پر ان کے ساتھیوں نے انہیں روکا۔ مگر حضرت عمر بولے سعد کو قتل کر ڈالو خدا بھی اس کو قتل کر دے پھر ان کے سر پر چڑھ گئے اور کہنے لگے میں نے ٹھان لیا ہے کہ تم کو اس طرح کچل ڈالوں کہ تمہارا بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اس پر سعد نے حضرت عمر کی داڑھی پکڑ لی اور کہا خدا کی قسم اگر تم نے میرا ایک بال بھی اکھاڑا تو میں تمہارے کل دانت توڑ ڈالوں گا۔ اور تم اپنے گھر اس طرح واپس جاؤ گے کہ تمہارے منہ میں کوئی دانت نہیں ہوگا۔ تب حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر اپنے کو روکو یہ موقع نرمی کا ہے۔ تب حضرت عمر سعد کے اوپر سے اترے۔ اس وقت سعد نے کہا خدا کی قسم اگر میں بیمار نہ ہوتا اور مجھ میں اتنی قوت بھی ہوتی کہ خود سے اٹھ سکتا تو تم مدینہ کی سڑکوں اور گلیوں میں وہ میری ہیبت ناک آواز سنتے جس پر تم اور تمہارے سب ساتھی خوف سے زمین کے سوراخوں میں گھس جاتے۔ خدا کی قسم اگر میری صحت درست رہتی تو میں تم کو ان لوگوں میں ملا دیتا جن کے تم رعیت بن کر رہتے اور سردار نہیں بننے پاتے مگر میرے مرض نے مجھے بے بس کر دیا ہے۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے اس سے جگہ اٹھائے چلو (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۱۰) آپ اس زمانہ میں عربی رسم الخط میں لکھتے تھے اور تیر نے نیز تیراندازی میں بھی بہت ماہر تھے۔ آپ ایسے سخی تھے کہ ایک عالیشان محل پر ہر روز آپ کی طرف سے منادی کی جاتی تھی کہ جس کو گوشت اور چربی کھانا ہو وہ چلا آئے۔ اہل صفہ سے ہر رات میں اسی آدمیوں کو آپ ساتھ جا کر کھلاتے پلاتے تھے (اصابہ جلد ۳ صفحہ ۸۰)

حجر بن عدی

آپ بھی حضرت رسول خدا صلعم کے مشہور اور جلیل القدر صحابہ سے تھے۔ مگر آپ کے حالات حضرت امیر المومنین کے مخصوص صحابہ کے حالات میں لکھے جائیں گے کیوں کہ آپ کے واقعات زیادہ تر حضرت ہی کے زمانہ یا بعد کے عہد سے متعلق ہیں۔ آپ کا قتل بھی دردناک عنوان سے ہوا

جناب عبداللہ بن عباس

حضرت رسول خدا اور جناب امیر کے چچازاد بھائی اور جناب امیر کے خالص شاگرد بھی تھے۔ ان کو لوگ بحر اور حبر الامة بھی کہتے ہیں آپ حضرت رسول خدا کی حدیثوں خدا اور رسول کے احکام۔ شعر۔ عربیت۔ تفسیر قرآن۔ حساب وغیرہ کے بڑے علامہ تھے۔ صحابہ میں جب اختلاف ہوتا کہ کس کی بات صحیح ہے تو لوگ آپ ہی کیطرف رجوع کرتے آپ حدیث قرطاس یاد کرکے بہت رویا کرتے اور کہتے افسوس رسول کو لوگوں نے وصیت نہیں لکھنے دی آپ کو حضرت علی نے بصرہ کا حاکم بنایا تھا۔ حضرت علی کے ساتھ آپ جنگ صفین میں شریک تھے آپ نے ۶۸ھ میں بمقام طائف انتقال کیا آپ کے جنازے کی نماز محمد بن حنفیہ نے پڑھائی۔ ان کی وفات پر جناب محمد حنفیہ کہتے تھے۔ واللہ اس امت کا عالم مر گیا۔ آپ آخر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم کی حدیثوں کا بہت بڑا ذخیرہ آپ ہی کی روایت سے ہے جو صحیح بخاری۔ مسند احمد۔ کنز العمال وغیرہ میں بھرا ہوا ہے۔

پہلا باب (۱)

حضرت امیر المومنین علیہ السلام

نسب جناب عبدالمطلب تک حضرت علیؑ کا نسب وہی ہے جو حضرت رسول خدا صلعم کا ہے۔ جناب عبدالمطلب کے دو بیٹے (ایک ہی بیوی سے) جناب عبداللہ اور جناب ابوطالب ہوئے جناب عبداللہ کے صاحبزادے حضرت محمدؐ مصطفیٰ صلعم اور جناب ابوطالب کے فرزند حضرت علیؑ ہیں۔ آپ کی مادرِ گرامی جناب فاطمہ بنت اسد تھیں۔

آپ کا نور کب خلق ہوا حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ کنت انا و علی نوراً بین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق آدم باربعۃ عشر الف عام فلما خلق آدم قسم ذالک النور جزئین جزء انا و جزء علی جب خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا اس سے چودہ ہزار برس پہلے میں اور علیؑ خدا کے سامنے ایک نور میں تھے۔ پھر جب خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا تو اس نور کے دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ میں ہوں اور دوسرا حصہ علی ہیں۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۴)

تاریخ ولادت ۳۰ عام الفیل (غالباً ۵۹۸ء یا ۶۰۰ء) میں جب کہ حضرت رسول خدا صلعم کی عمر مبارک ۳۰ سال کی تھی۔ ۱۳ رجب کو جمعہ کے دن حضرتؑ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ حضرتؑ کے والد یا والدہ نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ اور حضرتؑ نے بھی کبھی بت کو نہیں مانا۔ اسی وجہ سے جب حضرت علیؑ کا نام آتا ہے تو کرم اللہ وجہہ (خدا نے ان کے منہ کو ہمیشہ بتوں کے سجدے سے پاک رکھا) کہتے ہیں۔ (نور الابصار صفحہ ۷۶) اور علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے واخرج ابن سعد عن الحسن بن زید قال لم یعبد الاوثان قط لصغرہ اى ومن ثم یقال فیہ کرم اللہ وجہہ۔ حضرت علیؑ نے کبھی بھی کسی بت کو نہیں پوجا اسی وجہ سے آپ کا نام لے کر لوگ کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۷۲)

جائے ولادت یہ حضرت علیؑ کی عظیم الشان اور مخصوص فضیلت ہے کہ خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۱۷۵ ازالۃ الخفاء مقصد ۲ صفحہ ۲۵۱ و مطالب السئول صفحہ ...)

نام نامی آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کا نام حیدر و اسد جناب ابوطالب نے زید اور خدا نے علیؑ رکھا۔

کنیت آپ کی کنیتیں متعدد ہیں۔ مثلاً ابوالحسن، ابوالحسین، ابوالسبطین، ابوالریحانتین، ابوتراب، ابومحمد۔

القاب القاب بھی بہت ہیں مثلاً صدیق اکبر، فاروق اعظم، امیر المومنین، امام المتقین، یعسوب المسلمین، قائد الغر المحجلین، المرتضیٰ، اسد اللہ، ولی اللہ، حجۃ البلد، الوصی، سید الوصیین، قسیم النار والجنۃ، حیدر کرار، خاتم الوصیین، امام البررہ، قاتل الفجرہ، حجۃ اللہ، وارث رسول اللہ، خلیفۂ رسول اللہ، صالح المومنین۔ مولی المومنین، قاتل الناکثین والقاسطین والمارقین، الصفی، نفس الرسول، سیف اللہ، خیر البشر، الساقی، ساقی کوثر، ید اللہ، احب الخلق الی اللہ وغیرہ۔

پرورش علامہ زمخشری نے خصائص عشرہ میں لکھا ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم ہی نے حضرت علیؑ کا یہ نام رکھا۔ اور آپ ہی اپنے لعاب دہن سے حضرت علیؑ کو بہت دنوں تک غذا دیتے رہے چنانچہ حضرت علیؑ کی ماں جناب فاطمہ بنت اسد بیان کرتی تھیں کہ جب علیؑ پیدا ہوئے تو حضرت رسول خدا صلعم نے ان کو لیا ان کا نام علیؑ رکھا۔ ان کے منہ میں دہن مبارک کا لعاب دیا پھر آپ کے منہ میں اپنی زبان مبارک دے دی جس کو حضرت علیؑ چوستے چوستے سو گئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو ہم لوگوں نے علیؑ کے لیے دایہ کی تلاش کی مگر علیؑ نے کسی عورت کا پستان منہ میں نہیں لیا۔ تب پھر ہم لوگوں نے حضرت محمدؐ کو بلایا۔ آپ نے پھر اپنی زبان مبارک علیؑ کے منہ میں دی جس کو چوستے چوستے علیؑ سو گئے۔ اسی طرح بہت دنوں تک ہوتا رہا (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۸ وغیرہ) اس طرح حضرت علیؑ کی پرورش جناب رسول خدا صلعم ہی کے نور سے ہوتی رہی۔

بچپن کا زمانہ حضرتؑ کے بچپن کا زمانہ بھی حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ ہی گزرا۔ جس کا واقعہ مورخین و محدثین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت علیؑ پر خدا کی جو نعمتیں تھیں۔ اور اس نے آپ کو جو فضیلتیں مرحمت فرمائیں ان میں یہ بھی تھی کہ جب آپ بالکل بچے تھے قریش میں سخت قحط پڑا جناب ابوطالب کے عیال ماشاءاللہ کثرت سے تھے۔ یہ خیال کر کے حضرت رسولؐ خدا نے اپنے چچا جناب عباس سے جو اس وقت خاندان بنی ہاشم میں سب سے زیادہ خوش حال اور فارغ البال تھے فرمایا کہ آپ کے بھائی ابوطالب کے عیال بہت ہیں اور اس وقت لوگوں پر قحط کی جو مصیبت پڑی ہے آپ دیکھتے ہیں اس سبب سے میری رائے ہے کہ میں اور آپ ان کے پاس چلیں اور ان کے عیال کا بوجھ ان سے کچھ ہلکا کر دیں اس طرح ان کے بیٹوں سے ایک کو میں اپنے ذمہ لے لوں اور ایک کو آپ لے لیں اور ان دونوں کے بارے ہم لوگ ان کو ہلکا کر دیں۔ جناب عباس نے کہا تمہاری رائے بہت مناسب ہے۔ غرض دونوں بزرگ گئے اور جناب ابوطالب کے پاس پہنچ کر کہا کہ جب تک لوگوں میں قحط کی مصیبت رہے ہم چاہتے ہیں آپ کے بوجھ کو کچھ تقسیم کر لیں۔

جناب ابوطالب نے کہا اچھا میرے پاس عقیل کو چھوڑ دو اور جس کو چاہو تم لے جاؤ۔ حضرت رسولؐ خدا صلعم نے حضرت علیؑ کو لے کر اپنے سے ملا لیا اور جناب عباس نے جناب جعفر طیار کو لیا اور اپنے ساتھ رکھا۔ اس زمانے سے حضرت علیؑ برابر رسول خدا صلعم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ خدا نے حضرتؐ کو پیغمبر بنایا تو حضرت علیؑ

فوراً حضرتؐ کے پیرو ہو گئے آپ پر ایمان ظاہر کر دیا اور آپ کی پوری تصدیق کی اور جناب جعفر برابر جناب عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ مسلمان ہوئے اور اپنا بار خود اٹھانے لگے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ و تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۰ و سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۸ وغیرہ)

اظہار اسلام عام مسلمانوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ سب سے پہلے کون شخص مسلمان ہوا مگر تحقیق کی جائے تو حضرت علیؑ کو اس میں رکھنے کی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔ کیوں کہ یہ بحث تو ان لوگوں میں ہے جو پہلے کافر تھے بعد کو آنحضرتؐ پر ایمان لائے یا اسلام ظاہر کیا لیکن حضرت علیؑ تو کبھی کافر تھے ہی نہیں۔ کبھی کسی بت کو پوجا ہی نہیں۔ چنانچہ اوپر مورخین کی عبارت نقل کی گئی کہ جس وقت حضرت رسول خدا صلعم کو خدا نے پیغمبر مقرر کیا اسی وقت حضرت علیؑ نے اپنا ایمان ظاہر کر دیا اور چوں کہ اس وقت آپ کی عمر دس برس کی تھی۔ اس سبب سے اس کے قبل کسی دوسرے مذہب کے اختیار یا ظاہر کرنے کا موقع ہی نہیں پیدا ہوا۔ علماء محققین نے بتصریح لکھا ہے کہ واما علی ابن ابی طالب فلم یکن مشرکا باللہ ابدا لانہ کان مع رسول اللہ فی کفالتہ کاحد اولادہ یتبعہ فی جمیع امورہ فلم یحتج ان یدعی للاسلام فیقال اسلم۔ حضرت علی تو کبھی بھی کافر رہے ہی نہیں۔ کیونکہ آپ شروع سے حضرت رسول خدا صلعم کی کفالت میں اس طرح رہے جس طرح خود حضرت کی اولاد رہتی کہ کل امور میں حضرتؐ کی پیروی کرتے رہتے تھے۔ اس سبب سے اس کی ضرورت ہی نہیں ہوئی کہ آپ کو اسلام کی طرف بلایا جائے جس کے بعد کہا جائے کہ آپ مسلمان ہوئے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۹) نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم کبھی کافر نہیں تھے۔ حضرت علیؑ بھی کافر نہیں رہے اور جس طرح حضرت رسول خدا صلعم کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ مسلمان ہوئے اسی طرح حضرت علیؑ کے بارے میں بھی یہ نہیں کہنا چاہیئے کہ مسلمان ہوئے۔ محمد بن کعب قرظی سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلے کون اسلام لایا۔ حضرت علیؑ یا حضرت ابوبکر انہوں نے کہا سبحان اللہ! حضرت علیؑ سب سے پہلے اسلام لائے۔ لوگوں کو شبہ صرف اس سبب سے ہوا کہ حضرت علیؑ نے اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۷ صفحہ ۲۴۳) یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ آپ اسلام کے سوا کبھی کسی دین پر تھے ہی نہیں۔ اس وجہ سے ظاہر ہی نہیں کیا کہ میں بھی مسلمان ہوا جو لوگ پہلے سے مسلمان نہیں تھے وہ کہتے تھے کہ میں مسلمان ہو گیا لیکن جو لوگ بچپن سے مسلمان ہی تھے وہ یہ بات کیسے کہتے۔ اسی وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے کہ فرشتے میرے اور علیؑ کے لیے سات برس تک دعا مانگا کئے اور وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں سوائے علیؑ کے کسی نے نماز نہیں پڑھی۔ علامہ محقق و مورخ جلیل مسعودی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ کے اسلام کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ اکثر لوگوں کا تو یہ قول ہے کہ حضرت علیؑ نے کبھی شرک کیا ہی نہیں۔ پھر وہ نیا اسلام کیوں قبول کرتے کیوں کہ وہ تو شروع سے اسلام پر تھے اس لیے کہ آپ اپنے کل کاموں میں حضرت رسول خداؐ

کے تابع اور پیرو تھے۔ اور ایسی حالت میں حد بلوغ تک پہنچے اور خدا نے آپ کو معصوم بنایا اور سیدھی راہ پر قائم رکھا۔ اور آپ کو اس بات کی توفیق دی کہ برابر حضرت رسول خدا صلعم کی پیروی کرتے رہیں۔ کیوں کہ دونوں بزرگ (حضرت رسولؐ خدا اور حضرت علیؑ) اس دین کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کئے گئے تھے۔ نہ ان سے کوئی زبردستی کی گئی تھی کہ خدا کی اطاعت ہی کے کام کریں بلکہ ان حضرات کو پورا اختیار اور ہر طرح کی قدرت دی گئی تھی کہ جو راہ چاہیں اختیار کریں۔ تو دونوں حضرات نے خدا کی اطاعت اور اس کے احکام کی پابندی اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے بچتے رہنے ہی کو اختیار کیا۔ اور بعض علماء کی تحقیق ہے کہ حضرت علیؑ سب سے پہلے ایمان لائے اور حضرت رسولؐ نے آپ کو ایمان کی طرف دعوت دی تھی (مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۶۸) خود حضرت امیر المومنینؑ فرماتے تھے کہ میں اس امت میں کسی کو نہیں جانتا جس نے مجھ سے پہلے خدا کی عبادت کی ہو۔ بیشک میں نے پانچ یا سات سال پہلے سے خدا کی عبادت کی اور میں ہی سب سے پہلا شخص ہوں جس نے رسول خدا صلعم کے ساتھ نماز پڑھی (استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۷۱) حضرت کا مشہور شعر ہے ؎

سبقتکم الی الاسلام طراً   غلاما ما بلغت اوان حلمی

میں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا جب میں لڑکا تھا اور حد بلوغ تک نہیں پہنچا تھا۔ (ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۲) اور حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے ثلاثۃ ما کفروا باللہ قط مومن آل یٰسین وعلی ابن ابی طالب وآسیۃ امراۃ فرعون والذی فی العرائش روی عن النبیؐ انہ قال سباق الامم ثلثۃ لم یکفروا باللہ طرفۃ عین حزقیل مومن آل فرعون وحبیب النجار صاحب یٰسین وعلی ابن ابی طالب وھو افضلھم حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے تین آدمی کبھی کافر رہے ہی نہیں۔ مومن آل یٰسین، علی ابن ابی طالب اور آسیہ زوجہ فرعون اور عرائش میں حضرت رسول خدا صلعم سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کل امتوں پر سبقت کرنے والے تین آدمی ہوئے ہیں جنہوں نے کبھی خدا کا انکار نہیں کیا۔ نہ ایک سیکنڈ کو کافر ہوئے۔ ایک حزقیل مومن آل فرعون۔ دوسرے حبیب النجار صاحب یٰسین۔ تیسرے حضرت علیؑ اور یہ سب سے افضل ہیں (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۰ وغیرہ) اور علامہ رازی نے لکھا ہے عن رسول اللہ انہ قال الصدیقون ثلاثۃ مومن آل یٰسین ومومن آل فرعون والثالث علی وھو افضلھم حضرت رسول خدا صلعم فرماتے تھے صدیق تین ہیں۔ مومن آل یٰسین و مومن آل فرعون اور علیؑ اور ان سب میں افضل علیؑ ہی ہیں (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۳۷) حضرت امیر المومنین فرماتے تھے۔ انا عبد اللہ واخو رسولہ انا الصدیق الاکبر لا یقولھا بعدی الا کاذب مفتر صلیت مع رسول اللہ قبل الناس بسبع سنین۔ میں بندہ خدا و برادر رسول ہوں میں ہی صدیق اکبر ہوں۔ اس بات کو میرے سوائے کوئی نہیں کہے گا۔ مگر وہ شخص جو بڑا جھوٹا اور مفتری ہوگا۔ میں نے

سب لوگوں سے سات برس پہلے نماز پڑھی۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۲۰) حضرتؑ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور رسولؐ خدا کا بھائی ہوں۔ میں ہی صدیق اکبر ہوں یہ دعویٰ نہ مجھ سے پہلے کسی نے کیا اور نہ میرے بعد کوئی کر سکتا ہے جو ایسا دعویٰ کرے وہ جھوٹا مفتری ہے میں نے سب لوگوں سے سات برس قبل نماز پڑھی ہے (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۱) مگر کسی شخص نے حضرتؑ کے بارے میں آپ کے سامنے یا غیبت میں یہ نہیں کہا کہ حضرت علیؑ (معاذ اللہ غلط فرماتے ہیں۔ البتہ بندہ خدا و برادر رسولؐ ہونے کا غلط دعویٰ ایک شخص نے کیا تو خدا کی طرف سے سزا بھی پا گیا۔ علامہ علی متقی وغیرہ نے لکھا ہے "ابو یحییٰ کہتے تھے کہ میں نے حضرت علیؑ کو سنا کہ فرماتے تھے میں خدا کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں۔ میرے بعد اس دعویٰ کو کوئی نہیں کرے گا مگر وہ جھوٹا ہوگا لیکن ایک شخص نے ایسا کر دیا تو فوراً پاگل ہو گیا" (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۶)

حلیہ

علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ "حضرت علیؑ کا رنگ گندمی تھا۔ آنکھیں بڑی اور کشادہ تھیں۔ شکم پر بال نہ تھے۔ میانہ قد تھے۔ خضاب نہیں لگاتے تھے۔ داڑھی بڑی تھی۔ دونوں شانے پر گوشت تھے۔ جو دور سے دیکھتا کہتا کہ کھلتا ہوا گندمی رنگ ہے اور جو قریب سے دیکھتا کہتا کہ گندمی رنگ سے کچھ روشن رنگ ہے۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ حضرتؑ کی کہنیاں اور پنڈلیاں بھی پر گوشت تھیں۔ میں نے حضرتؑ کو جاڑے میں خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا اس وقت حضرت ایک قمیص اور ایک قطری پہنے اور کسی بُنے ہوئے کپڑے کا عمامہ باندھے تھے۔ ابو الحجاج نے بیان کیا کہ میں نے حضرت علیؑ کو خطبہ پڑھتے ہوئے سنا۔ حضرتؑ نہایت حسین تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرتؑ کی صورت خوب اچھی طرح کمال صنعت سے بنائی گئی ہے۔ سفید بالوں میں خضاب نہیں لگاتے تھے۔ بہت ہلکی چال چلتے تھے۔ دانتوں پر مسکراہٹ سی تھی (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۵۲) بڑھاپے سے آپ کی ہیئت میں کچھ بھی تغیر نہیں ہوا تھا۔ بڑے ہنس مکھ اور خوبصورت تھے سینہ پر بال بہت۔ ہاتھ پاؤں کے پٹھے زبردست، کندھوں کی ہڈیاں چوڑی اور شیر کے کندھوں کی ہڈیاں ایسی تھیں ہتھیلیاں سخت تھیں۔ گردن مثل ایک چاندی کی صراحی کے تھی۔ داڑھی اس قدر گھنی کندھوں کے دونوں طرف جھکی ہوئی تھی۔ کسی کی کلائی پکڑ لیتے تو اس کا دم گھٹنے لگتا۔ جنگ کو جاتے تو نہایت دل اطمینان سے دوڑ کر ایسے بہادر تھے کہ جس سے لڑتے ضرور فتح یاب ہوتے۔ (تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ و استیعاب جلد ۲ صفحہ ۴۸۲)

دین اسلام کی حمایت

حضرت ابھی ۱۳ سال کے ہونے پائے تھے کہ اسلام کو ایک حامی یا رسول خدا کو ایک ناصر کی ضرورت ہوئی اور آپ اس کے لیے تن من سے آمادہ ہو گئے جس کی تفصیل پہلے (صفحہ میں) گزر گئی۔ آپ نے اس موقع پر جو کہا تھا عمر بھر دیا

کرتے رہے۔ شب ہجرت آپ نے جو جانثاری کی اس کی مثال پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ عاجز ہے حضرت رسول خداؐ نے دو مرتبہ صحابہ میں مواخات کرائی اور دونوں مرتبہ اپنے کو حضرت علی ہی کا اور حضرت علیؑ کو اپنا بھائی قرار دیا۔ ۲ھ میں جناب سیدہ سے آپ کی شادی خود خدا کے حکم سے کی گئی۔ اس وقت حضرتؑ کی والدہ جناب فاطمہ بنت اسد کے سوائے کوئی قریبی رشتہ دار حضرت کے گھر میں نہ تھا نہ کوئی لونڈی غلام خدمت کرنے والا تھا۔ حضرت علیؑ نے یہ انتظام کیا کہ باہر کے کام مثلاً پانی لانا وغیرہ خود انجام دیتے اور کچھ آپ کی والدہ کرتیں اور گھر کا کام مثلاً چکی پیسنا۔ آٹا گوندھنا۔ روٹی پکانا وغیرہ جناب سیدہ کرتیں۔ اس زہد اور سادگی کو حضرتؑ نے زندگی بھر نباہا۔ جب غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو ہر جنگ میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقریباً ہر جنگ آپ ہی کی وجہ سے فتح ہوئی۔ ان سب کی تفصیل حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں گزر چکی ہے۔

کسب حلال کی کوشش

حضرت امیر المومنینؑ ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کسب کر کے رزق مہیا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے ایک مرتبہ مدینہ میں مجھے بھوک لگی تو مزدوری کی تلاش میں نکلا۔ دیکھا کہ ایک عورت کو گارا بنانے کے لیئے پانی کی ضرورت ہے میں نے اس کام کو قبول کر لیا۔ ایک ڈول پانی کی اجرت ایک دانہ کھجور قرار پائی۔ میں نے ابھی سولہ ڈول پانی نکالے تھے کہ ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔ مجبوراً کام چھوڑ دیا۔ اس عورت نے سولہ کھجوریں دے دیں۔ میں لے کر حضرت رسول خدا صلعم کے پاس واپس آیا اور واقعہ بیان کیا۔ حضرتؐ نے بھی وہ کھجوریں میرے ساتھ تناول فرمائیں (ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۶۱) حضرتؑ کی زندگی میں ایسے واقعات بہت کثرت سے ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس کوئی مشکل مسئلہ آیا۔ آپ نے بہت کوشش کی کہ اس کا جواب کسی طرح آپ کو معلوم ہو جائے اور آپ سائل کو بتا دیں مگر کامیاب نہیں ہوئے تو حضرت علیؑ کو تلاش کرنے نکلے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ایک زمین کی طرف گئے ہیں۔ آپ وہیں پہنچے دیکھا کہ حضرت علیؑ اپنے ہاتھ سے زمین کی مٹی برابر کر رہے ہیں خلیفہ دوم نے اس مسئلہ کو پیش کر کے حضرت سے اس کا حکم دریافت کیا۔ حضرتؑ نے فوراً اس کا جواب دے دیا۔ خلیفہ دوم صاحب وہاں سے خوش خوش واپس آئے اور کہتے آتے تھے اللهم لا تنزل بی شدیدة الا و ابو حسن الی جنبی۔ اے خدا تو میرے اوپر کوئی مصیبت نازل نہ کرنا مگر اس وقت جب حضرت علیؑ میرے پاس ہوں تاکہ اس کو دفع کر دیں۔ (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۴) ایک مرتبہ حضرت رسول خدا صلعم نے کسی ضروری کام کے لیے فرمایا کہ میں ایسے شخص کو بھیجوں گا جس کو خدا کبھی رسوا نہیں کرے اور وہ اللہ و رسول کو دوست رکھتا ہے۔ آنحضرتؐ کی اس بات پر صحابہ نے گردن اونچی کر کے حضرت کو دکھانا شروع کیا۔ اس مطلب سے کہ حضرتؐ انہیں کو بھیج دیں، مگر آں حضرتؐ نے پوچھا علیؑ کہاں ہیں۔ لوگوں نے

کہا ہے تو محنت [illegible] رہے ہیں۔ حضرتؐ نے آپ کو بلایا اور وہ کام آپ کے سپرد کر دیا (ریاض نضرہ
جلد صفحہ [illegible]) علامہ محب طبری لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نے کسی کا باغ سینچنے کی مزدوری لی
اور [illegible] حضرت پھر حضرتؑ اس کو سینچیں گے تو باغ کا مالک جَو کی ایک مقدار اس کی اجرت حضرت
کو [illegible] حضرت رات بھر اس میں پانی چلاتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو جَو لے کر گھر آئے اور
اس کو [illegible] کے ایک ثلث کی روٹی پکائی۔ جب روٹی تیار ہوئی تو ایک مسکین آیا اور سوال کیا حضرتؑ
نے [illegible] دیں۔ پھر دوسرے ثلث کی روٹیاں پکائیں۔ جب وہ تیار ہوئیں تو ایک یتیم آیا
اور سوال [illegible] حضرت نے وہ روٹیاں بھی اس یتیم کو دے دیں۔ پھر تیسرے ثلث کی روٹیاں پکائیں۔ وہ
جب تیار ہوئیں تو ایک اسیر آیا اور سوال کیا۔ ان حضرتؑ نے وہ روٹیاں بھی اس کو دے دیں۔ اور
[illegible] ہے۔ جس کے بعد ان حضرتؑ کی شان میں خدا نے یہ آیت نازل کی ویطعمون الطعام
علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا۔ یہ لوگ خدا کی محبت میں مسکین ویتیم واسیر کو کھانا کھلاتے ہیں
(ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۴۲) اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ حضرتؑ اپنے ہاتھ سے باغ سینچا کرتے تھے

لہ حضرت [illegible] کی فضیلت کا یہ مشہور واقعہ ہے۔ علامہ محب طبری نے اس کو مختصر کر کے لکھا۔ پورا واقعہ یہ ہے
کہ جناب [illegible] سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسن و امام حسین علیہما السلام بیمار ہوئے تو حضرت
رسول خدا صلعم [illegible] لوگوں کے ساتھ عیادت کو تشریف لائے۔ اور جناب امیرؑ سے فرمایا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے لڑکوں
کی صحت [illegible] نذر کرتے۔ یہ سنتے ہی جناب امیرؑ۔ فاطمۂ زہرا اور فضہ نے تین روزوں کی نذر کی۔ غرض جب
دونوں [illegible] اچھے ہوئے اور نذر کے پوری کرنے کا وقت آیا تو گھر میں کچھ تھا نہیں۔ جناب امیرؑ نے شمعون
[illegible] صاع جَو قرض لیے کہ اس کے عوض فاطمۂ اون کات دیں گی۔ پھر جناب سیدہؑ نے ایک صاع جَو پیسا
پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کو ان روٹیوں سے روزہ افطار کرنا ہی چاہتے تھے کہ ایک سائل نے آواز دی اَلسَّلَامُ
عَلَيْكُمْ یَا اَهْلَ بَیْتِ مُحَمَّدٍ میں ایک مسلمان مسکین ہوں مجھے کھانا دو۔ خدا تمہیں جنت کے خوان عطا
کرے [illegible] سنتے ہی سب نے اپنے اپنے آگے کی روٹیاں دے دیں اور فقط پانی پی کر سو رہے۔ دوسرے دن پھر
[illegible] دستور جناب سیدہؑ نے ایک صاع آٹے کی پھر پانچ روٹیاں پکائیں اور سب حضراتؑ روزہ افطار
کرنے بیٹھے ہی تھے کہ ایک یتیم نے آواز دی اور سب نے اپنی اپنی روٹی اس کو دے دی اور صرف پانی
[illegible] کیا۔ تیسرے روز پھر باقی آٹے کی روٹیاں پکائیں اور کل حضرات روزہ افطار کرنے بیٹھے تھے کہ ایک
[illegible] تیسرے دن پھر سب بزرگوں نے اپنی اپنی روٹی اس سائل کو دے دی اور خود پانی سے افطار کر کے
[illegible] سو رہے۔ چوتھے دن صبح کو جناب امیرؑ نے صاحبزادوں کے ہاتھ پکڑے اور حضرت رسول کی خدمت
[illegible] ہوئے۔ جب آنحضرتؐ کی نظر ان پر پڑی کہ بھوک کی شدت سے کانپ رہے ہیں تو فرمایا میں تم لوگوں
[illegible] کی حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ پھر خود اٹھے اور سب کے ساتھ جناب سیدہ کے گھر تشریف لائے تو

اور اس میں کچھ بھی شرم نہیں کرتے تھے۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اپنے ہاتھ سے اپنی اور حضرت
رسول خدا صلعم کی جوتی بھی ٹانک لیتے تھے (دیکھو اس کتاب کا صفحہ

خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کے ذریعہ سے حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان صاف صاف شروع
بعثت ہی میں کرا دیا تھا اور اس کے بعد حضرت رسول خدا صلعم شب ہجرت میں غزوۂ تبوک کے وقت اور
غدیر خم میں بھی اس کی تاکید کرتے رہے۔ مگر حضرتؐ کے انتقال کے وقت حضرت علیؑ آں حضرت صلعم کے
غسل دینے۔ کفن پہنانے اور دفن کرنے میں مشغول رہے اور حضرت ابوبکر عمر وغیرہ نے سقیفہ بنی ساعدہ
میں پہنچ کر نئی خلافت کا انتظام کر لیا اور حضرت علیؑ کو اس سے علیحدہ کر دیا۔ چوں کہ حضرت رسول خدا صلعم نے
رحلت کے قبل حضرت علیؑ سے وصیت کر دی تھی کہ میرے بعد تم کو سخت صدمات پہنچیں گے چاہیئے کہ
تم دل تنگ نہ ہونا اور صبر کا طریقہ اختیار کرنا اور جب دیکھنا کہ میرے صحابہ نے دنیا اختیار کر لی تو تم آخرت
اختیار کئے رہنا" (روضۃ الاحباب جلد ۱ صفحہ ۵۵۹ و مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۵۱۱ وغیرہ) اس سبب سے
حضرت علیؑ صبر کئے رہے اور فتنہ و فساد کو پسند نہیں کیا۔ نہ خلافت کی کوئی کوشش کی۔

حضرت علیؑ کی خلافت بلا فصل کے متعلق بعض عیسائی محققین کی رائیں

مصر کے مشہور عیسائی مؤرخ علامہ جرجی زیدان نے لکھا ہے "علیؑ کی حالت کیا بیان ہو۔ زہد و تقویٰ کے متعلق آپ کی حکایتیں
اور واقعات بہت کثرت سے ہیں۔ اصول اسلام کی پابندی کرنے میں آپ بہت سخت اور اپنے ہر قول
و فعل میں نہایت شریف اور آزاد تھے۔ جعل فریب۔ دھوکا۔ مکر کو آپ جانتے تک نہیں تھے اور اپنی زندگی
کے مختلف زمانوں سے کسی حالت میں بھی آپ نے چال۔ حیلہ۔ غداری وغیرہ کی طرف ذرہ برابر بھی رُخ
نہیں کیا۔ آپ کی تمام تر ہمت محض دین کے متعلق رہتی تھی اور آپ کا کل اعتماد اور بھروسہ صرف سچائی
اور حق پر تھا۔ چنانچہ آپ کے زہد اور فقیرانہ زندگی کی مثالوں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے جس وقت رسول
کی بیٹی فاطمہؑ سے شادی کی تو آپ کے پاس فرش کی قسم سے کوئی چیز نہیں تھی۔ سوائے دُنبہ کی ایک کھال کے کہ اسی پر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۴: فاطمہ زہرا محراب عبادت میں کھڑی ہیں اور ان کی پیٹھ پیٹ سے مل گئی ہے اور آنکھیں دھنس
گئی ہیں۔ آنحضرت صلعم چیخ اٹھے اور فرمایا واغوثاہ یا اللہ اہل بیت محمد یموتون جوعا۔ اُف وہ۔ کیسی مصیبت
ہے۔ اے اللہ کیا محمدؐ کے اہل بیت بھوک سے مر جائیں گے! اسی وقت جناب جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا یا حضرت
اس تحفہ کو قبول فرمائیے جسے خدا نے آپ کے اہل بیتؑ کی شان میں بھیجا ہے۔ حضرتؐ نے پوچھا وہ کون سا تحفہ ہے
جبریلؑ نے سورہ هَلْ اَتٰی پڑھی کریہ ہے (تفسیر کشاف مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۲۳۹ و تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ
۲۷۲) اس سورہ سے حضرات اہلبیتؑ کی وہ عظیم الشان فضیلت ثابت ہوتی ہے اور ان کے خالص اعمال خصوصاً
سخاوت کا وہ کارنامہ ظاہر کرتا ہے جو قیامت تک کے لیے یادگار ہوگا۔ ۱۲ منہ

دونوں میاں بیوی حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ شب کو پڑ کر سو رہتے اور دن کے وقت اسی چمڑے پر اپنے اونٹ کو دانہ کھلاتے تھے۔ آپ کے پاس ایک ملازم بھی نہیں تھا جو آپ کی خدمت کرتا۔ آپ کی خلافت کے زمانہ میں ایک دفعہ اصفہان سے (خراج کا) کچھ مال آیا تو آپ نے اس کو سات حصوں پر تقسیم کر دیا پھر اس میں ایک روٹی ملی تو اس کے بھی سات ٹکڑے کئے (اور خراج کے ہر حصے پر اس روٹی کا ایک ٹکڑا بھی رکھ دیا) آپ ایسے کپڑے کا لباس پہنتے تھے جو کچھ بھی سردی سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا۔ بعض لوگوں نے آپ کو دیکھا کر اپنے اوڑھنے کی چادر میں کھجوریں اٹھا کر خود لا رہے ہیں جن کو ایک درہم (۴ر پیسہ) میں خریدا تھا تو عرض کی اے امیر المومنین یہ ہمیں دے دیں کہ پہنچا دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس کے عیال ہیں بہتر ہے کہ وہی انکے بوجھ کو اٹھائے آپ کے زرّیں اقوال سے یہ جملہ بھی ہے جس میں آپ نے بتایا ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہیئے۔ فرماتے ہیں۔ چاہیئے مسلمان اتنا کم کھائیں کہ بھوک سے انکے پیٹ ہلکے رہیں اور اتنا کم پئیں کہ پیاس سے انکے ہونٹ سوکھے رہیں اور خدا کے خوف سے اتنا روئیں کہ ان کی آنکھیں زخمی رہیں۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۲۰۴) اور آپ کے عدل و انصاف کے واقعات سے یہ بھی ہے کہ آپ نے (ظاہری خلافت کے زمانہ میں) اپنی زرہ کسی کے پاس دیکھی تو اس کو اس سے نہ لیا بلکہ آپ اور وہ شخص قاضی شریح کے پاس اس کا فیصلہ کرانے کے لیئے گئے۔ وہاں آپ صرف اصول انصاف کی پابندی اور مساوات کا لحاظ کرانے کیلئے اس عدالت میں اس شخص کا مقابلہ میں کھڑے رہے (اور بہ حیثیت خلیفہ ہونے کے بیٹھنے کی خواہش نہیں کی حالانکہ اسوقت بھی کہ علم و تہذیب کا زمانہ کہا جاتا ہے اگر کوئی معزز شخص عدالت میں جاتا ہے تو اسے کرسی ملتی ہے جس پر وہ بیٹھتا ہے مگر حضرت علی وہاں بیٹھے نہیں اور اس طرح ہر فعل سے لوگوں کو عدل و مساوات برتنے کی تعلیم دیتے رہے) حضرت کا معمول یہ تھا کہ جب اپنی فوج کو لڑائی میں بھیجتے تو ہر شخص کو وصیت فرماتے کہ بھائی! دیکھو فریق مقابل سے نرمی اور نیکی کا برتاؤ کرنا عورتوں کی پوری حفاظت کرنا اور ان کو اذیت و پریشانی سے بچانا۔ باوجود اس رحمدلی کے آپ مسلمانوں کے مال کی نگرانی کرنے میں ایسے سخت تھے کہ اپنے ماتحت کام کرنے والوں۔ تحصیلداروں اور عاملوں سے ایک ایک پیسہ کا حساب لیتے اور اس میں بہت شدت کرتے صرف اسوجہ سے کہ آپ کو عدل اور حق قائم کرنے کی بڑی فکر تھی۔ اگر حضرت عمر کے زمانے میں جب لوگوں کے دلوں میں نبوت کی دہشت اور رسالت کی ہیبت قائم تھی یہاں تک باقی تھا۔ حضرت علی ہی خلیفہ اور مسلمانوں کے حاکم مقرر ہوتے تو آپ کی حکومت اور سیاست کہیں اور اعلیٰ ثابت ہوتی اور آپ کے کاموں میں ذرہ برابر بھی ضعف ظاہر نہیں ہوتا لیکن (افسوس) آپکے پاس خلافت کی خدمت اس وقت آئی جب لوگوں کی نیتیں فاسد ہو گئی تھیں اور انتظامات ملکی و اصول حکمت سے متعلق آپ کے والیوں اور ماتحتوں کے دلوں میں حرص و طمع پیدا ہو گئی تھی۔ اور ان سب سے زیادہ اور مکار معویہ بن ابوسفیان تھا۔ کیوں کہ اس نے اپنی حکومت جمانے کیلئے لوگوں کو دھوکا فریب دیا ان کے ساتھ مکر و حیلہ کر کے اور مسلمانوں کا مال بے دریغ لٹا کر لوگوں کو اپنی طرف کر لیا تھا۔ اس کے

حضرت علیؑ کی یہ حالت تھی کہ اپنے اعمال اور سرداران فوج سے چھوٹی چھوٹی رقم تک کا باقاعدہ حساب لینے اور دین کی پابندی عدل و حق کی محافظت اور امور تقویٰ و تقدس کی تاکید کرتے رہنے کی وجہ سے لوگوں کو اپنے سے علیحدہ کرتے جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر صحابہ نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا یہاں تک کہ آپ کے چچا زاد بھائی (اور شاگرد) عبداللہ بن عباس بھی آپ سے الگ ہو گئے۔ یہ حضرت علیؑ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے ابوالاسود نے حضرت علیؑ کے پاس انکی شکایت لکھ بھیجی کہ (ابن عباس خیانت کر رہے ہیں) حضرت علیؑ نے جناب ابن عباس کو لکھا کہ مجھ تک تمہاری شکایت پہنچی ہے۔ مگر اس خبر دینے والے کا نام نہیں ظاہر کیا۔ ابن عباس نے حضرت کو جواب دیا کہ آپ کو جو شکایت پہنچی ہے وہ سب غلط ہے اور میں اپنے فرائض بہت پابندی اور خوبی سے انجام دے رہا ہوں اور ہر بات کی پوری نگرانی کرتا ہوں آپ بد گمانوں کے کہنے اور افترا پردازوں کی بات کا کوئی خیال نہ کریں۔ لیکن حضرت علیؑ نے اس کو نہیں مانا بلکہ ان کو پھر لکھا کہ مجھے تفصیلاً مطلع کرو تم نے جزیہ کی کسقدر رقم وصول کی ہے کہاں کہاں سے لی ہے اور اس کو کہاں رکھا یا کن کاموں میں خرچ کیا ہے اس کے جواب میں ابن عباس نے حضرتؑ کو لکھا کہ آپ کا خط پہنچا۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ اس طرف والے میری مخالفت میں جو شکایتیں آپ کو لکھتے ہیں ان کو آپ بہت اہمیت دے رہے ہیں۔ اس وجہ سے میں اب یہاں رہ نہیں سکتا۔ آپ صوبہ کی حکومت کیلئے اور جس شخص کو پسند کریں بھیج دیں کہ میں اب یہاں سے روانہ ہو جاتا ہوں والسلام یہ خط لکھ کر ابن عباس نے اپنے ننہال کے قبیلہ بنی ہلال بن عامر والوں کو بلا بھیجا۔ جب یہ ان کے پاس پورا قبیلہ قیس جمع ہو گیا۔ تب ابن عباس کثرت مال لے کر وہاں سے روانہ ہو گئے اور ظاہر کیا کہ یہ سب وہ مال ہے جو میرے مشاہرہ سے بچتا گیا تھا۔ بصرہ والوں نے مکہ تک ان کو پہنچایا اور ان سے اور ان کے ساتھیوں سے حضرت علیؑ کوئی نفع نہیں اٹھا سکے کیونکہ باقاعدہ حساب کی گرفت کرنے سے ابن عباس بھی چھوٹ گئے۔ اگر حضرت علیؑ اُن سے مسلمانوں کے مال کے متعلق باز پرس نہ کرتے اور خوف خدا کو بالائے طاق رکھ دیتے تو ابن عباس بھی برابر آپ کے ساتھ ہی رہتے یہ امر قابل لحاظ ہے کہ حضرت علی نے اپنے چچا زاد بھائی کیساتھ وہی کیا جو حضرت عمر اپنے اعمال کے ساتھ کرتے تھے۔ لیکن زمانہ بدل گیا تھا۔ حالتیں متغیر ہو گئی تھیں اور دوسری طرف معویہ خزانہ کا منہ کھولے ہوئے اور منہ بند کر کے روپیہ اشرفی لٹا کر لوگوں کو اپنی طرف کرتا جاتا اور لشکروں کے سرداروں کو بھی اپنے مکر و فریب سے اپنی جانب کھینچتا جاتا تھا۔ (اس حالت میں حضرت علیؑ کی حکومت کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا ظاہر ہے) (تاریخ التمدن الاسلامی مطبوعہ مصر جلد ۴ صفحہ ۳)

مسٹر کارلائل نے لکھا ہے کہ یہ نوجوان علی ایسا شخص تھا کہ ضرور ہے ہر شخص اُس کو پسند ہی کرے وہ ایک صاحب اخلاق فاضلہ اور محبت سے بھرپور اور ایسا بہادر شخص جس کی آگ جیسی تیز و تند جرأت کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی اس شخص کی طبیعت میں عجیب طور کی جواں مردی تھی۔ شیر سا تو بہادر تھا مگر باوجود اسکے مزاج میں ایسی ہمدردی۔ بھائی اور محبت تھی کہ ایک عیسائی دیندار جواں مرد کے شایان ہونی چاہیئے (کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ لکچر دوم

مصنف انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی رائے "علیؑ تقریباً ۶۰۰ء میں بمقام مکہ پیدا ہوئے۔ علیؑ لڑکپن ہی میں اوّل وہ شخص تھے جنہوں نے پیغمبر صاحب کی غرض اور غایت کی اعانت و نصرت میں ناموری حاصل کی۔ جسکے عوض پیغمبر صاحب نے علیؑ کو اپنا جانشین کیا اور چند سال کے بعد اپنی دختر فاطمہؑ کا نکاح علی کیساتھ کر دیا۔ علیؑ نے اپنے کو ایک بہادر اور وفادار سپاہی ثابت کر دیا۔ جب محمدؐ صاحب نے انتقال فرمایا تو علی میں مذہب اسلام کے مسلم الثبوت سردار ہونے کے حقوق معلوم ہوتے تھے۔ لیکن دوسرے تین صاحب ابوبکر و عمر و عثمان نے جائے خلافت پر قبضہ کر لیا اور علی عقب بہ خلیفہ نہ ہوئے مگر بعد عثمان ۶۵۶ء میں (علیؑ کے عہد خلافت میں سب سے پہلا کام طلحہ و زبیر کی بغاوت کا فرو کرنا تھا جنہیں بی بی عائشہ نے بہکایا تھا۔ عائشہ علی کی سخت دشمن تھیں اور خاص انہیں کی وجہ سے علی اب تک خلیفہ نہ ہو سکے تھے۔ علیؑ ایک بہادر، شریف، سخی اور سابقین میں مذکور ہیں اور ان سب میں لائق ترین اب فقط علیؑ ہی تھے جو کہ خود پیغمبر صاحب کی صحبت سے جوش مذہبی حاصل کر کے آخر عمر تک آنحضرت کے سادہ خیال کی پیروی کرتے رہے۔ علیؑ علم اور عقل میں مشہور تھے اور اب تک کچھ مجموعے ضرب الامثال اشعار کے ان سے منسوب ہیں۔ خصوصاً مقالات علیؑ جسکا انگریزی ترجمہ ولیم یول نے ۱۸۳۲ء میں بمقام اڈنبرا شائع کرایا ہے۔"

مسٹر ڈیون پورٹ نے لکھا ہے "محمد صاحب نے مخالفین کی مخالفت کا کچھ خوف نہیں کیا اور دوبارہ لوگوں کو جمع کر کے اپنی تقریر اس درخواست کے ساتھ ختم کی کہ تم میں سے کون شخص میرے پاس بار گراں کے برداشت کرنے میں میری مدد کریگا تاکہ وہی میرا وزیر اور خلیفہ ہو جسطرح ہارونؑ موسیٰ کے وزیر و خلیفہ تھے کل مجمع تعجب کیساتھ سکوت میں ہوگیا اور کسی کو اس مجوزہ خطرناک عہدے کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ لیکن نوجوان بہادر علیؑ نے اٹھ کر اور للکار کر کہا اے رسولؐ میں آپ کی مدد کروں گا اگرچہ میں درحقیقت ان لوگوں سے کم سن ہوں اور میری طاقتیں ان لوگوں کے برابر میں کمزور معلوم ہوتی ہیں۔ اے رسولؐ میں ان لوگوں پر آپ کا خلیفہ ہونگا یہ سنکر محمد صاحب نے اپنا ہاتھ اس نوجوان علیؑ کی گردن پر رکھ کر اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر با آواز بلند کہا کہ دیکھو میرے بھائی وزیر اور خلیفہ کو۔ اسطرح آغاز کر کے محمدؐ صاحب نے عام طور پر کہتے ہیں وعظ کہنا شروع کیا اور روز بروز اپنے معتقدوں کی تعداد کو زیادہ کرتے رہے۔ (کتاب اپالوجی فرام محمدؐ اینڈ دی قرآن مؤلفہ ڈیون پورٹ)

مسٹر واشنگٹن ایرونگ نے لکھا ہے "محمد صاحب نے باوجود اپنی پہلی کوشش میں ناکامیاب ہونے کے دوبارہ لوگوں کو جمع کیا اور کہا جس خدا نے تم لوگوں کو افضل ترین نعمتیں عطا کی ہیں اسی کے نام سے میں تم لوگوں کے پاس دنیا کی برکتیں اور آئندہ کی خوشیاں لایا ہوں۔ تم میں سے کون شخص میرا بھائی میرا خلیفہ اور وزیر ہوگا سب لوگ خاموش رہے۔ بعض تعجب کرتے تھے اور بعض بے اعتقادی اور تمسخر سے ہنستے تھے۔ آخر کار علیؑ نے اپنی جوانانہ دلیری کے ساتھ پیغمبر کے حضور میں عرض کیا کہ میں موجود ہوں۔ محمد صاحب نے اپنا ہاتھ اس نوجوان کی گردن میں ڈالا اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر با آواز بلند فرمایا کہ میرے بھائی میرے وزیر اور میرے خلیفہ کو تم سب لوگ دیکھ لو۔ اور تم لوگ اس کی ہر بات سننا اور اس کی فرمانبرداری کرتے رہنا۔ نوجوان علیؑ کی

جرأت اور مستعدی پر قریشیوں نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگا کر اس کم سن خلیفہ کے باپ (ابو طالب) کو اپنے لڑکے کے سامنے جھکنے اور اس کی فرمانبرداری کرنے پر چوٹ کی (کتاب محمد اینڈ ہز سکسیسرس مؤلفہ واشنگٹن ایرونگ)

مشہور مورخ ایڈورڈ گبن نے لکھا ہے۔ محمد صاحب اعلان دعوت میں تامل کرتے رہے لیکن چوتھے برس انہوں نے باعلان اپنی رسالت کی طرف عام دعوت فرمائی اور تصدیق وحدانیت کا نور پھیلانے کے خیال سے انہوں نے چالیس۴۰ آدمیوں کو مدعو کیا اور ان کے کھانے کیلئے سامان ضیافت مہیا فرمایا۔ بعدہٗ ان لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد کیا کہ اے دوستو۔ اے عزیزو۔ میں تم لوگوں کے لیے افضل ترین نعمتیں اور دنیا و آخرت کا خزانہ لایا ہوں جس کو میرے سوا دوسرا شخص نہیں دے سکتا۔ خدا نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو اس کی عبادت کیطرف بلاؤں۔ پس کون تم میں سے میرے اس کام میں میرا رفیق و وزیر ہوگا؟ مگر آپ کی اس بات کا جواب کچھ نہ دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہ حقارت، رشک اور تعجب کا سکوت حضرت علی کی جرأت سے دفع ہوا جو ایک چہاردہ سالہ جوان تھے۔ انہوں نے عرض کی اے نبی میں ہر طرح اس کام میں آپ کی نصرت و رفاقت کے لیے حاضر ہوں۔ میں مخالفین کی آنکھیں نکال لوں گا۔ ان کے دانت توڑ ڈالوں گا۔ ان کے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا اے نبیؐ میں حضور کی وزارت کے لیئے حاضر ہوں۔ محمدؐ صاحب نے علیؑ کی درخواست کو جوش کیساتھ قبول فرمایا اور حاضرین نے ابو طالب کو اپنے لڑکے کے اس اعلیٰ عزت پانے پر طنزیہ کلمات کہے "ڈکلائن آف رومن ایمپائر از مسٹر گبن

مسٹر ٹامس لائل سابق اسسٹنٹ ڈائرکٹر ٹاپوڈ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بغداد نے لکھا ہے "وفات رسول پر اس بزرگ ہستی کیساتھ جس میں نبرد آزمائی کے جوہر موجود تھے۔ قدیم اختلاف اور رشک و عناد جلد ظاہر ہونے لگے ابوبکر کا خلیفہ ہو جانا۔ اتحاد کو قائم نہ رکھ سکا۔ وہ خود اور ان کے جانشین لوگوں میں یک جہتی پیدا نہ کر سکے۔ ان کی خلافت میں کوئی غیبی مدد شامل نہیں تھی اور ان میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کی وجہ سے وہ معمولی انسانوں سے زیادہ سمجھے جاتے سوائے ان کے بعض خاص واقعات کے۔ اب ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو سب سے الگ ہو اور بلاشبہ عام طور پر ہادی تسلیم کر لی جائے اور جس پر ہر گروہ کی نظر پڑے۔ بالآخر ایسا ہادی امام علیؑ کی صورت میں ان کو مل گیا۔ یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا کہ ایک امت جس کو خدا نے کامل وحی کے ساتھ مخصوص کیا جو انہیں ایک خدائی پیغمبر کے ذریعہ سے پہنچتی رہی ہو۔ اب بالکل کس مپرسی کے عالم میں چھوڑ دی جائے اور معمولی آدمی ان کی ہدایت کر سکے۔ علاوہ بریں سیاسی اختلافات اور باہمی بغض و عناد کی وجہ سے ضرورت تھی کہ کوئی ہادی خدا کا منتخب کردہ ان لوگوں کو ملے۔ لیکن بالآخر اس خواہش کا خاتمہ ان واقعات نے کر دیا جو قتل علیؑ و حسن اور میدان کربلا میں شہادت حسینؑ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر اسلام کا پیشوا حسب ہدایت خدا کام کرنے والا ہو تو وہ پیغمبر خاندان کا ممبر ہونا چاہیئے۔ علی کی ذاتی شہرت، میدان کارزار میں بہادری پیغمبر کی اطاعت اور سب سے بالاتر پیغمبر سے رشتہ داری (کیونکہ وہ پیغمبرؐ کے داماد اور چچا زاد بھائی تھے) ان تمام باتوں نے ظاہر کر دیا کہ وہ خدائی منتخب کردہ امام بعد رسولؐ۔ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ تھے اور ان کے جانشین اسی قسم کے خدا داد ہونے چاہئیں۔ اس

اصول کی ترقی قابل ذکر تھی۔ اس کا تدریجاً پتا لگانا ناممکن نہیں تھا۔ لیکن امام کی جو وقعت آج شیعوں کے نزدیک ہے اس سے یہ مطلب بخوبی واضح ہوسکتا ہے" مسٹر موصوف کی کتاب الس اینڈ واٹس آف میسوپوٹیمیا مطبوعہ ۱۹۲۳ء مسٹر واشنگٹن ایرونگ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے "فریب کی فتح نے عائشہ کی سازش یا اتفاق کو توڑ دیا اور مملکت مصر عرب و فارس پر بالکل علیؓ کا قبضہ ہوگیا۔ تاہم اسکا نہایت مہیب دشمن غیر مغلوب باقی رہا۔ معویہ بن ابوسفیان نے شام کے دولتمند اور آباد صوبہ پر اپنی حکومت قائم رکھی اور اس کے پاس بے انتہا خزانہ تھا اور اس کے زیر حکم قوی فوج تھی۔ اہل شام اس کے طرفدار تھے۔ کیونکہ معویہ نے ان کو یہ تعلیم دی کہ قتل عثمان علیؓ کی اشارے سے ہوا علیؓ کی خلافت سے انکار کردیا تھا تاہم اپنے آپ کو سلطنت کے زور سے مستحکم کرنے کے علاوہ اس نے عمرو عاص سے عہد و پیمان کرلیا جس کو کہ علیؓ نے صوبہ مصر سے معزول کردیا تھا اور ناراض ہوکر اس وقت وہ فلسطین میں مقیم تھا یہ امر قرار پاگیا کہ علیؓ کی معزولی میں عمرو عاص معویہ سے متفق رہے تو انعاماً اپنے سابق عہدہ پر بحال کیا جاوے۔ عمرو عاص نے ایک جاں نثار فوج کے ساتھ دمشق جانے میں جلدی کی اور عوام الناس کو موافق مقصد بچشم دل پاکر فوجی مجمع کے روبرو معویہ کی اطاعت قبول کرلی اور ہجوم کی آوازوں سے اس کو خلیفہ مشہور کیا۔ علیؓ نے جب اس کے عہد و پیمان کو سنا اسے جلد دل پسند ذرائع سے (یعنی رضامندی سے) بے فائدہ معویہ کے حسد کو روکنے کا قصد کیا اور کچھ کامیابی نہیں ہوئی اب نوے ہزار فوج کے ساتھ لڑائی کیواسطے شام کیطرف روانہ ہوئے۔ عرب جو کہ عادتاً عجائب و غرائب کے شائق ہوتے ہیں حسب عادت شگون لیکر حدود شام میں داخل ہوتے۔ علیؓ نے اپنی فوج کو جائے بے آب میں ٹھہرا کر ایک عیسائی راہب کو جو قریب کے دیر میں رہتا تھا حکماً بلایا اور اس سے پانی کا کنواں بتانے کی استدعا کی۔ راہب نے بیان کیا یہاں صرف ایک حوض ہے جس میں تین ڈولچی آب باراں بھی نہیں رہتا ہے۔ علیؓ نے بیان کیا کہ یہاں زمانہ سابق میں چند انبیاء بنی اسرائیل کے مکان میں تھے اور انہوں نے یہاں ایک کنواں کھودا تھا۔ راہب نے جواب دیا کہ بیشک یہاں ایک کنواں موجود ہے مگر مدت دراز سے بند ہے اور اس کے تمام نشان غائب ہوگئے ہیں اور اب وہ اس کے ہاتھ سے کھولا جائے گا۔ جس کو خاص خدا نے مقرر کیا ہے اور ید اللہ سے ظاہر ہوگا۔ عرب کی حکایت یہاں بیان کرتی ہے کہ اس کے بعد اس نے ایک لپٹی ہوئی چمڑے کی وصلی نکالی جس میں کہ شمعون بن صفا نے جو کہ جیسس کرائسٹ (حضرت عیسیٰ) کے بارہ حواریین میں سے تھا۔ یہ پیشین گوئی لکھی تھی کہ محمدؐ آخری پیغمبر تشریف لائیں گے اور ان کا شرعی وارث اور حقیقی خلیفہ اس کنوئیں کو پھر کھول کر ظاہر کرے گا۔ علیؓ نے مناسب تعظیم پیشین گوئی کو سنا۔ اس کے بعد حضار کیطرف متوجہ ہوکر اور ایک جگہ کا نشان دیکر کہا کہ یہاں کھودو۔ ان لوگوں نے کھودا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑا پتھر برآمد ہوا جس کو بمشکل علیٰحدہ کیا گیا اور وہ کنواں معجزہ سے ظاہر ہوا جس فوج نے برمحل کافی ذخیرہ پانی کا مہیا کیا اور چونکہ جائز خلافت (رسول اللہ) کے دعویٰ کا ایک بلا اعتراض ثبوت تھا۔ معزز راہب کو اعتقاد ہوگیا وہ علیؓ کے قدموں پر گر پڑا اور انکے زانوں سے لپٹ گیا اور اسکے بعد علیؓ سے جدا نہ ہوا" (تاریخ سکسرز آف محمدؐ مطبوعہ لندن ولیم کلوز اینڈ سنس لمیٹڈ اسٹام فورڈ اسٹریٹ اینڈ چارنگ کراس صفحہ ۱۸۱)

مسٹر اوکلی نے لکھا ہے "محمدؐ تین سال تک لوگوں کو مخفی طور پر حلقہ اسلام میں داخل کرتے رہے لیکن اس عرصہ کے بعد انہیں حکم ملا (آیہ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوا) کہ اپنی قوم کے لوگوں کو سمجھائیں۔ چنانچہ آپ نے علیؓ سے ارشاد کیا کہ اپنے رشتہ داروں کو جن کی تعداد قریب چالیس کے تھی۔ دعوت میں بلائیں اور ان کے سامنے ایک بھنا ہوا بھیڑی کا بچہ اور دودھ کا برتن رکھیں۔ جب وہ لوگ کھانے پینے سے فارغ ہوئے تب محمدؐ نے وعظ فرمانا شروع کیا لیکن ابولہب کے بات کاٹ دینے پر آپ نے پھر سب کو دوسرے روز ویسی ہی ضیافت کیلئے دعوت دی اور جب اس سے فراغت ہوئی تو آپ نے ان الفاظ میں ان لوگوں کو مخاطب کیا مجھے نہیں معلوم کہ جو تحفہ میں تمہارے لیے لایا ہوں عرب میں کوئی شخص اس سے بہتر ہدیہ پیش کرسکتا ہے میں تمہارے سامنے (دنیا و آخرت) دونوں کی بہتری پیش کرتا ہوں۔ خدا نے مجھے حکم دیا کہ تمہیں اس کی طرف بلاؤں۔ بتاؤ تم میں سے کون شخص اس کام میں میرا وزیر بھائی اور میرا خلیفہ ہوتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ایک مہر سکوت تھی جو سب کے لبوں پر لگی رہی کہ دفعتہً علیؓ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا اس خدمت کو میں انجام دونگا۔ جو لوگ آپ کی مخالفت کریں گے میں ان سب کے دانت اکھاڑ ڈالوں گا۔ ان کی آنکھیں نکال لوں گا۔ انکے پیٹ پھاڑ ڈالوں گا انکے پاؤں توڑ ڈالوں گا۔ ان زحمات میں آپ کا وزیر (ہاتھ بٹانے والا) میں ہونگا۔ اس جواب پر خدا کے رسولؐ نے علیؓ کو گلے سے لگالیا اور پکار کر کہہ دیا کہ دیکھو یہی میرا بھائی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہوگا۔ تم سب لوگ اس کی اطاعت کرنا" (تاریخ عرب از مسٹر اوکلی صفحہ ۵۰، ۵۱)

مورخ گلمن نے لکھا ہے۔ اب محمدؐ نے جیسا کہ حدیث اور سیرۃ کی کتابوں میں مرقوم ہے اپنے حلقہ اثر کو وسیع کرنے کی غرض سے اہل قریش کو کھانے پر بلایا جس سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے انہیں مخاطب فرماکر یہ ارشاد کیا کہ کسی عرب نے کبھی اپنے لوگوں کو ایسے بیش بہا فوائد عطا نہیں کئے ہیں جیسے میں تمہیں پیش کرتا ہوں۔ یعنی اس دنیا میں مسرت اور آخرت کی دائمی عافیت۔ اللہ نے مجھے مامور کیا ہے کہ لوگوں کو اس کی طرف بلاؤں۔ اب تم میں سے کون ہے جو اس مقدس کام میں میری شرکت کرے گا اور وہی میرا بھائی اور خلیفہ ہوگا۔ تمام مجمع میں ایک سناٹا چھا گیا۔ یہاں تک کہ علیؓ جو ان سب میں چھوٹے تھے جوش میں بول اٹھے۔ اے اللہ کے رسولؐ میں حاضر ہوں میں آپ کا ہاتھ بٹاؤں گا اس جواب پر محمدؐ نے علیؓ کو گلے سے لگالیا اور لوگوں سے پکار کر کہا۔ دیکھو یہی میرے بھائی میرے وصی اور میرے خلیفہ ہیں۔ تم لوگ انکی باتیں بغور سننا اور انکے احکام مانا کرنا" (تاریخ عرب از گلمن صفحہ ۸۲، ۸۳)

مسٹر ایرونگ نے دوسری جگہ لکھا ہے "مختصر کلام میں ہم علیؓ کے اعلیٰ خصائل اور مکارم الاخلاق پر کسی رائے زنی کی ضرورت نہیں سمجھتے کیونکہ آپکے لکھے ہوئے تمام سوانح زندگی میں اس پہلو پر بحث اور اسکی کافی وضاحت ہوچکی ہے سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں آپ بہترین اور سب سے افضل تھے۔ انہیں خود پیغمبر صاحب کی صحبت و رفاقت نے دین کے نشہ سے سرشار کردیا اور اپنی زندگی کے آخر وقت تک رسولؐ کی سادہ اور زاہدانہ معاشرت کی پیروی کرتے رہے آپکا بہت عزت و احترام سے ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے علوم و فنون کی بڑی حمایت اور حفاظت فرمائی۔ آپ کو خود بھی شعر گوئی کا پورا مذاق تھا اور آپ کے بہت سے حکیمانہ مقولے

اور ضرب الشلیں اس وقت تک لوگوں کے زبان زد ہیں اور مختلف زبانوں میں اُنکا ترجمہ بھی ہو گیا ہے" (کتاب خلفاء رسول از لیری گگ ص) مسٹر اوکلی نے اور ایک جگہ لکھا ہے۔ "تمام مسلمانوں میں بالاتفاق علیؑ کی عقل و دانائی کی شہرت ہے جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کے صد کلمات "ابھی تک محفوظ ہیں جن کا عربی سے ترکی اور فارسی میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ ماسوائے اسکے آپ کے اشعار کا دیوان بھی چھپ چکا ہے جسکا نام انوار الاقوال ہے اور بوڈلین لائبریری (کتب خانہ) میں آپکے اقوال کی ایک بڑی کتاب موجود ہے جسکا نمونہ اس تاریخ میں شامل ہے۔ لیکن آپ کی مشہور ترین تصنیف "جفر و جامعہ" ہے جو ایک وصلی پر ایک بعید الفہم خط میں جس کے ساتھ اعداد و ہندسے بھی شامل ہیں لکھی ہوئی ہے۔ یہ ہندسے ان تمام عظیم الشان واقعات کو جو ابتدائے اسلام سے رہتی دنیا تک ہونے والے ہیں بتلاتے ہیں یا ان پر دلالت کرتے ہیں۔ یہ وصلی جو آپ ہی کے خاندان میں بطور امانت رہا کی ہے اسوقت تک پڑھی نہیں جا سکی ہے البتہ امام جعفر صادق اسکے کچھ حصہ کی تشریح و تفسیر کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں لیکن انکے مطالب کا مکمل حل بارہویں امام کیلئے مخصوص ہے جنکا لقب آپ کے فضل و کمال کے باعث مہدی (بڑے ہدایت کرنیوالے) ہے علاوہ ان کتابوں کے جن کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ متعدد مصنفین کی کتابوں میں ہم کو بہت جملے اور کلمات حکمت علیؑ کے نام سے ملتے ہیں۔ اس جلیل القدر خلیفہ کی خاص خاص یادگار زمانہ داستانیں ہیں اگر ان تمام خارق عادت لکھے ہوئے قصوں سے جو آپ کے بارے میں ذکر کئے جاتے ہیں۔ قطع نظر بھی کر لی جائے اور آپ کا صرف آپ کی جرأت و ہمت خصلت مزاج، پرہیزگاری اور فہم و دانست سے اندازہ کیا جا سکے۔ جب بھی اس قوم عرب میں جو عظیم الشان شخص گزری ہیں اُن میں آپ سب سے ممتاز تھے۔" (تاریخ عرب مسٹر اوکلی صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۶)

مؤرخ گلمن نے ایک اور موقع پر لکھا ہے" وہ حضرت علی اس لحاظ سے بھی قابل احترام ہیں کہ آپ ہی وہ پہلے خلیفہ تھے جنہوں نے علم اور فن کی کتابت کی پرورش کی اور حکمت سے مملو اقوال کا ایک بڑا مجموعہ آپ کے نام سے منسوب ہے۔ اگر وہ واقعی آپ ہی کی عقل و فکر اور علم و دماغ کے نتائج ہیں تو یقیناً آپ کا قلب و دماغ ہر شخص سے خراج تحسین وصول کرتا رہیگا۔ آپکے متعلق بہت سے دلچسپ اور عقل کو حیرت میں ڈالنے والے واقعات لکھے ہوئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا قلب و دماغ مجسم نور تھا۔ جب ہم زوج فاطمہؑ کے حسرت ناک انجام پر پہنچتے ہیں تو اپنے جذبات سے مجبور ہو جاتے ہیں کہ تھوڑی دیر توقف کر کے ان کی گزشتہ زندگی پر ایک نگاہ ڈالیں اس روز سے جب عنفوان شباب میں علیؑ نے محمدؐ کے پیرو ہونے کا مسلم ارادہ ظاہر کیا تھا اور غور کریں استقلال مزاج پر جس کے ذریعہ آپ اس مقصد پر اڑے رہے جو محض وقتی آمد کا نتیجہ معلوم ہوتا تھا ہم یاد کریں اس امداد کو جو آپ نے ہجرت کے وقت محمدؐ کو دی وہ شجاعانہ جنگی کارنامے جو بعد اس کے وقوع پذیر ہوئے ابو بکر کی بیعت خلافت کو خود قبول کرنے میں پس و پیش کو جانتے تھے کہ اس عہد کی عزت انکا حق تھی اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ آپ کی زندگی حسرت و آلام و شکست سے مملو تھی۔ آپ نرم دل۔ متحمل مزاج۔ دنیوی لذت و نعمات سے بے پروا اور بے فکر تھے۔ مخالفت اور انتقام کو طرح دینے کے عادی تھے صلاح و مشورہ میں آپ کی دانائی

ملکہ سخن ضرب الامثال کے ایجاد میں آپ کی مسلم اور مشہور فراست بہت ہی اعلیٰ پایہ کی تھی" (تاریخ عرب از گلمن ص ۲۳۸ تا ۲۴۰)

مؤرخ گبن نے ایک اور موقع پر لکھا ہے" امیر شام (معویہ) بھاگنے کی تدبیر سوچنے لگا تھا لیکن علیؑ کے قبضے سے بہ سبب ان کے سپاہیوں کی نافرمانی اور جوش و خروش کے فتح جو یقینی تھی نکل گئی۔ معویہ نے قرآن مجید کے نسخوں کو نیزوں پر بلند کر کے لوگوں کو سنجیدگی سے ان کی طرف رجوع کیا۔ اس سے ان کے قلوب مرعوب ہو گئے اور اسطرح علیؑ کو ایک نامعقول اہانت آمیز مہلت جنگ اور عیارانہ مصالحت پر مجبور کر دیا گیا وہ بتاب الم و غصہ سے بھرے ہوئے کوفہ کی جانب واپس چلے آئے" (تاریخ زوال سلطنت روم از گبن جلد ۳ صفحہ ۵۲۲)

مؤرخ ایرڈنگ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے" مالک اشتر معویہ کے خیمہ گاہ تک پہنچ کر اپنی فوج کو بڑھا رہے تھے۔ معویہ کی امیدیں منقطع ہو گئیں تھیں کہ دفعتہً عمرو عاص نے ایک ایسی تدبیر سوچ لی جو مسلمانوں کے مذہبی توہمات پر مبنی تھی۔ دفعتہً شامیوں نے قرآن کو اپنے نیزوں پر بلند کر لیا اور چلّا اٹھے خدا کے کلام کیطرف دیکھو اور آؤ اسی سے اپنے اختلافات کا فیصلہ کر لیں۔ اسکے سنتے ہی علیؑ کے سپاہیوں نے فوراً اپنے ہتھیاروں کی نوکوں کو نیچے کر لیا اور علی کا یہ کہنا کہ یہ فریب ہے اور کوشش کرنا کہ انہیں آگے بڑھائیں بالکل بے سود ثابت ہوا وہ لوگ چلانے لگے کہ کیا آپ کلام خدا کے فیصلے پر راضی ہونے سے انکار کرتے ہیں! علیؑ نے دیکھا کہ اپنی بات پر اصرار کرنے سے ان کے جوش عصبیت سے ادر تصادم ہوگا اور ایک طوفان اپنے سر پر بپا ہو جائیگا۔ اسلئے چار و ناچار آپ نے پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا۔ لیکن مالک اشتر کو واپس بلانے میں متواتر حکموں کی ضرورت پیش آئی اور جب وہ آئے تو خنجر سے خون ٹپک رہا تھا اور گویا خود ہی اپنی بوٹیاں نوچ رہے تھے کہ ایک عظیم الشان فتح عیاری کے ہاتھوں چھین لی گئی" (تاریخ خلفاء محمد صفحہ ۱۸۲، ۱۸۳)

مؤرخ مذکور نے دوسری جگہ لکھا ہے" علی محمدؐ کے ابن عم اور رسولؐ کی اکلوتی بیٹی فاطمہؑ کے شوہر تھے قرابت کے لحاظ سے خلافت علیؑ ہی کا حق تھا۔ آپکے فضائل و مناقب اور آپکی اسلامی خدمات آپ کو اس عہدہ کا بدرجہ اتم مستحق ثابت کر رہی تھیں۔ آپ کی عالی ہمت سرگرمی اور جوش کے پہلے ہی بار پھوٹ پڑنے (اظہار) پر جب کہ دین اسلام تمسخر اور ایذا دہی کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ محمدؐ نے آپ کو اپنا بھائی اور اپنا خلیفہ مقرر کر دیا تھا اور اسی وقت سے آپ نے قول و فعل سے اپنی ذات کو رسولؐ کیلئے وقف کر دیا تھا اور اسلام کو اپنی بلند ہمتی اور اولوالعزمی سے اتنی ہی عزت بخشی جتنی اپنی بہادری سے اسکی حفاظت کی پھر لکھا ہے" بہر کیف جب کہ علیؑ اور آپکے دوست خانۂ فاطمہ میں سرگرم مشورہ تھے ان کو بالکل بے خبر رکھ کر بہت سے سربر آوردہ مسلمان ایک جگہ مجتمع ہوئے تاکہ خلافت کے مسئلہ کو آپس میں طے کر ڈالیں اس مجمع میں سب سے ممتاز دو شخص ابو بکر اور عمر تھے۔ اس مجمع کا پہلا کام اس امر کا اعلان کرنا تھا کہ اسلام کی حکومت موروثی نہیں بلکہ انتخابی ہونا چاہیئے اور اس طرح علیؑ کے حقوق کو جو قرابت پر مبنی تھے فوراً ضائع کر دیا اور معاملہ خلافت کو لوگوں کے انتخاب پر چھوڑ دیا۔ اس کی توجیہ خاندان قریش کی شاخ عبد الشمس کے حسد سے کی گئی ہے۔ ان کو خوف تھا کہ اگر علیؑ کے حقوق تسلیم کر لیے گئے تو حکومت کا

اقتدار مانند کعبہ کی حفاظت کے ہاشم کے مغرور خاندان میں ہمیشہ کے لیے مخصوص ہو جانے کا۔ بعض لوگ اس امر میں عائشہ کی پرفتن معاندانہ اثر کو دیکھنے کیلئے مدعی ہیں ۔۔اس کے بعد عمر یکایک اٹھ کھڑے ہوئے ابوبکر کی طرف بڑھے اور یہ کہہ کر ان کا خیر مقدم کیا کہ آپ ہی سب سے پہلے سب سے بہتر سب سے زیادہ جانے بوجھے ہوئے پیغمبر کے پیرو ہیں۔ اور آپ ہی خلافت کے مستحق ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے بیعت کے طور پر ابوبکر کا ہاتھ چوما اور بادشاہ سمجھ کر اطاعت کرنے کی قسم کھائی۔ عمر کا اتباع فوراً دوسروں نے کیا اور اس طرح ابوبکر سردار تسلیم کر لیے گئے۔ عمر اس کے بعد منبر پر گئے اور بولے کہ اس کے بعد اگر کوئی شخص بلا عوام کی آواز کے شاہی اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لینے کی جسارت کرے گا تو اس کی سزا موت ہوگی اور علی ہذا القیاس ان سب کی جو ایسے شخص کو مقرر کرے گا یا اس کی پاسداری کرے گا یہ بات سب نے فوراً مان لی اور اسی طرح کسی دوسرے امیدوار کی کوششوں میں روکاوٹ ڈال دی گئی اس پوری کاروائی میں عمر نے جو پالیسی برتی وہ اگرچہ سرسری نظر میں ان کی عالی ظرفی کا دھوکا دیتی ہے لیکن (غائر نظر والوں میں) اس کی سخت نکتہ چینی کی گئی۔ اس بنا پر کہ یہ سب مکاری اور خود غرضی کی چالیں تھیں۔ تاڑنے والے اس کو سمجھ گئے کہ ابوبکر کا سن بہت ہو چکا تھا کیوں کہ پیغمبرؐ کی عمر کو تو وہ پہنچ ہی چکے تھے۔ اغلب تھا کہ وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہیں رہتے اس لیے اسی وقت عمر کو تھوڑے ہی دنوں بعد برسر حکومت ہو جانے کا یقین تھا۔ ان کی اس آخری کاروائی نے علیؑ کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ وہ علی جو ان کے سب سے بڑے (رقیب) تھے جو اپنے دوستوں کے ساتھ خانہ فاطمہؑ میں بند رہ کر اس جلسہ کا کچھ علم نہیں رکھتے تھے۔ جس میں آپ کی توقعات اس طرح پائمال کر دی گئیں ہم لکھتے ہیں" محمدؐ کی خلافت کے سب سے زیادہ اہل اور مستحق امیدوار علیؑ تھے۔ جن کا دعویٰ سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم اور جن کا حق سب سے زیادہ فطری تھا۔ کیونکہ یہ محمدؐ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے اور فاطمہؑ سے ان کی جو اولاد تھی صرف وہی رسولؐ کی یادگار رہ گئی تھی (تاریخ خلفاء محمد از ایرونگ صفحہ ۱۶۵)

آنریبل مسٹر ٹائیلر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے" محمدؐ نے خود ہی اپنے داماد علیؑ کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا تھا۔ لیکن آپ کے خسر ابوبکر نے لوگوں کو اپنی سازش میں لے کر خلافت پر قبضہ کر لیا (الیمنٹس آف جنرل ہسٹری مطبوعہ ۱۸۵۱ء صفحہ ۲۲۹) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ بھی ہے "رسولؐ کے بعد اسلام کی سرداری کا دعویٰ علیؑ کو زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا" (منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۶۔

مسٹر سڈیو نے لکھا ہے" اگر قرابت کی وجہ سے تخت نشینی کا اصول علیؑ کے موافق مانا جاتا تو وہ ان کن جھگڑے پیدا ہی نہیں ہوتے جنہوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں ڈبو دیا۔" اسپرٹ آف اسلام از مسٹر سڈیو مؤرخ فرانس۔ منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۶)

مصنف بریف سروے نے لکھا ہے" علیؑ ۶۵۵ء میں تخت خلافت پر بٹھائے گئے۔ جو حقیقت کے لحاظ سے ۲۴ سال قبل رسولؐ کی رحلت کے بعد ہی ہونا چاہیئے تھا" بریف سروے آف ہسٹری منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۶)

مؤرخ گبن نے ایک اور جگہ لکھا ہے" اگرچہ قاتل دروازے پر نگہبانی کر رہے تھے۔ مگر وہ دھوکے میں آ کر علیؑ کو محمدؐ سمجھے ہوئے تھے جو رسولؐ کے بستر پر ان کی سبز چادر اوڑھے سو رہے تھے۔ صرف قبیلہ قریش ہی کے لوگوں نے اس نوجوان ہیرو (علیؑ) کے اس اعلیٰ درجے کے کام کو جس سے ثابت ہو گیا کہ اس کے دل میں اپنے چچازاد بھائی کی کس درجہ قدر و منزلت ہے۔ قابل قدر خیال نہیں کیا بلکہ خود اس کے چند اشعار جواب تک مشہور ہیں اس قوی یقین کی جو اس کو اپنے مذہب کا تھا۔ نیز اس فکر و تردد کی جو اس کو اپنے مذہب کے متعلق تھا اور نیز اس فکر و تردد کی جو اس کو اپنے چچازاد بھائی کے باب میں تھا ایک دلچسپ تصویر ہیں" (منقول از اعجاز التنزیل صفحہ ۸۸)

بمبئی ہائی کورٹ کے فاضل جج مسٹر آرنولڈ نے ایڈوکیٹ جنرل بنام محمد حسین خوجہ کے مشہور مقدمہ میں جو ایک نہایت عالمانہ فیصلہ لکھا ہے" الغرض علیؑ کی شہادت سے سب مسلمانوں میں ایک تہلکہ عظیم پڑ گیا۔ علیؑ کو سب لوگ دل سے دوست رکھتے تھے اور وہ اسی قابل تھے۔ اس زمانے میں بھی جب کہ شجاعان عرب شہرہ آفاق تھے۔ ضرغام آل ابوطالب اسد اللہ غالب ان کا لقب تھا۔ اور ان کو افصح العرب کہتے تھے۔ شجاعت، حکمت، ہمت، عدالت، سخاوت، زہد اور تقویٰ میں علیؑ کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے" (لاء رپورٹ بمبئی جلد دوازدہم منقول از اعجاز التنزیل صفحہ ۶۶)

اور مسٹر ڈیون پورٹ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے" ان دو فرقوں سُنی اور شیعہ میں سے ایک نے ان کے عم زاد بھائی اور داماد علیؑ سے جیسا کہ مقتضائے مزید انصاف و حمیت ہے تولّا رکھی بایں نظر کہ آں حضرتؐ ان سے ہمیشہ محبت و الفت علانیہ رکھتے تھے اور چند مرتبہ ان کو اپنا خلیفہ بھی ظاہر کر دیا تھا۔ علی الخصوص دو موقعوں پر (۱) جب آں حضرتؐ نے اپنے گھر میں بنی ہاشم کی دعوت کی تھی اور علیؑ نے باوصف تمسخر و توہین کفار اپنا ایمان لانا ظاہر کیا۔ حضرتؐ نے اپنی بانہیں ان کے گلے میں ڈال کر چھاتی سے لگا کر باآواز بلند کہا دیکھو میرے بھائی میرے وصی اور میرے خلیفہ کو" اور (۲) دوسرے جب آنحضرت نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر خطبہ پڑھا تھا۔ بحکم خدا جس کو جبریل آنحضرت کے پاس لائے تھے اور یوں کہا تھا کہ اے پیغمبرؐ میں خدا کی طرف سے آپ پر صلوات و رحمت لایا ہوں اور اس کا حکم آپ کے پیروؤں کے نام جس کو آپ بغیر تاخیر کے سنا دیجئے اور شریروں سے کوئی خوف نہ کیجئے۔ اس واسطے کہ وہ خدا توانا ہے اور آپ کو لوگوں کے شر سے

بچائے گا۔ بموجب اس حکم کے آں حضرتؐ نے انس سے کہا کہ لوگوں کو جمع کرے جس میں آں حضرتؐ کے پیرو اور یہودی اور نصرانی اور مختلف باشندے بھی حاضر ہوں۔ یہ جمعیت ایک گاؤں کے پاس جمع ہوئی جسے غدیر خم کہتے ہیں۔ جو نواح شہر جحفہ میں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے پہلے اس مقام کو کل موانع سے صاف کیا گیا اور ۱۰ اپریل ۶۳۱ءکو آنحضرتؐ ایک بلند منبر پر گئے جو وہاں ان کے لیے نصب کیا گیا تھا اور جب کہ ہزاروں حاضرین نہایت توجہ سے سنتے تھے ایک خطبہ حضرتؐ نے بڑی شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت سے پڑھا جس کا خلاصہ یہ ہے "تمام حمد و ثنا اس یکتا خدا کو ہے جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اس کا علم گزشتہ و حال و آئندہ کو شامل ہے اور اس کو آدمیوں کے کل پوشیدہ اسرار معلوم رہتے ہیں اس لیے کہ اس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی۔ اگرچہ وہ بے قیاس بعید ہے تاہم سب سے قریب ہے وہی وہ ہے جس نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے پیدا کیا۔ وہی ایک غیر فانی ہے اور جو کچھ ہے سب اس کی قدرت و اختیار کے تابع ہے۔ مگر اس کی رحمت و فضل سب کو شامل ہے جو کچھ اس سے سرزد ہوتا ہے اس میں ضرور مصلحت ہوتی ہے وہ گنہگاروں کے عقاب میں تاخیر کرتا ہے اس کا سزا دینا بھی رحمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس کی ذات کا بھید ممکنات کو معلوم ہی نہیں ہے اور ہمیشہ غیر معلوم ہی رہے گا۔ آفتاب و ماہتاب اور باقی اجرام سماوی اسی کے حکم سے اپنی راہ پر جو اسی نے مقرر کر دی ہے چلتے ہیں بعد حمد خدا واضح ہو کہ میں خدا کا صرف ایک بندہ محکوم ہوں۔ مجھ کو حق تعالیٰ کا حکم ہوا ہے اور میں اس کی تعمیل میں سر نیاز بکمال خضوع ادب جھکاتا ہوں۔ تین دفعہ جبریل میرے اوپر نازل ہوئے اور تینوں دفعہ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے سب پیرووں سے خواہ وہ گورے ہوں خواہ کالے یہ ظاہر کر دوں کہ علیؑ میرے خلیفہ اور وصی اور امام ہیں اور میرے گوشت و خون ہیں اور میرے ایسے ہیں جیسے موسیٰؑ کے ہارون تھے اور میری وفات کے بعد وہی تمہارے ہادی ہوں گے۔ جب میں اس دنیا سے رحلت کر جاؤں تو میرے پیرووں کو ان کی فرمانبرداری ایسی کرنی چاہیئے جیسی اطاعت میری کرتے تھے جب کہ میں تم میں موجود تھا جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اس نے درحقیقت خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کی اے دوستو! یہ خدا کے احکام ہیں۔ سب وحیاں جو وقتاً فوقتاً مجھ پر آئی ہیں علیؑ نے مجھ سے سیکھ لی ہیں۔ جو اس حکم کو نہ مانے گا اور علیؑ کا حکم نہ بجا لائے گا اللہ کی دائمی لعنت اس کے سر پر ضرور رہے گی۔ خدا نے قرآن کے ہر سورہ میں علیؑ کی تعریف کی ہے میں دوبارہ کہتا ہوں کہ علی میرے چچا کے بیٹے اور میرے گوشت اور خون ہیں اور خدا نے ان کو نہایت نادر خوبیاں عنایت کی ہیں۔ علی کے بعد ان کے بیٹے حسنؑ و حسینؑ ان کے جانشین ہوں گے۔

اس خطبہ کے تمام ہونے پر ابوبکر، عمر، عثمان، ابوسفیان اور دوسرے لوگوں نے علیؑ کے ہاتھ چومے اور ان کو رسولؐ کے خلیفہ مقرر ہونے کی مبارکباد دی اور اقرار کیا کہ ان کے کل احکام کو سچے طور سے

بجا لائیں گے۔ ۶۳۲ءمیں صرف تین دن قبل اپنے انتقال کے آنحضرتؐ نے پھر اپنے تابعین کو قسم ان عقیدوں کی بمزید تاکید اس بات پر دی کہ آپ کی آل سے زیادہ تر خاص کر ہمیشہ محبت رکھیں اور ان کی عزت و توقیر کریں۔ بڑے شد و مد سے یوں فرمایا جو مجھ کو مولا مانتا ہو وہ علیؑ کو بھی اپنا مولا سمجھے۔ اللہ تائید کرے ان کی جو دوستی رکھتے ہیں علیؑ سے اور غضبناک ہو ان پر جو ان کے دشمن ہیں۔ ایسے مکرر اور مصرح بیانات سے جو خود رسولؐ کے لبوں سے ادا ہوئے تھے۔ ایک وقت تک تو امر خلافت سے شک و شبہ بالکل دور رہا۔ مگر آخر میں سب کو مایوسی ہو گئی۔ کیونکہ ابوبکر کی بیٹی اور آنحضرتؐ کی دوسری زوجہ عائشہ نے کچھ ایسے ساز باز کر کے اپنے باپ کو پہلا خلیفہ لوگوں سے مقرر کرا لیا۔ ملک الموت کے انتظار میں آنحضرتؐ کا عائشہ کے حجرہ میں جانا خواہ آپ کی مرضی سے ہوا یا بی بی عائشہ کے حکم سے خاص کر ان کے مفید مطلب بات ہو گئی کہ آں حضرتؐ کا حکم دربار خلافت علیؑ لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔ پس علی العموم یہ سمجھا گیا کہ رسولؐ نے بغیر اپنے خلیفہ کے متعلق آخری وصیت کیئے ہوئے انتقال کیا اور اس طرح یہ بات ہوئی کہ تین خلیفوں نے پیہم راج کیا قبل اس کے کہ علی اپنے حق کو پہنچیں جس کے وہ اس قدر مستحق تھے نہ صرف بلحاظ قرابت زوجیت فاطمہ دختر رسولؐ کے بلکہ نیز بلحاظ ان بے شمار اور بڑی خدمتوں کے جو انہوں نے مذہب اسلام کی کیں۔ یہ بھی یقین ہے کہ شاید بی بی عائشہ کی اس تدبیر کے باعثوں میں سے ایک خدمت فرزندی ہو کر اپنے باپ کے خلیفہ ہونے میں اعانت کی۔ مگر بیشک و شبہ نہایت قوی باعث اس کا علی کی طرف سے پرانا بغض و کینہ تھا۔ جس کا سبب قصہ افک تھا اس میں علیؑ کی یہ رائے کہ بی بی عائشہ کی تحقیقات کی جائے اس کو وہ کبھی نہیں بھولیں اور کبھی درگزر نہیں کی بلکہ اس کے عوض ہمیشہ علیؑ کو ستایا کیں۔ اور ایسا انتقام لیا کہ مثل اس کے کسی نے نہ لیا ہوگا۔"

اس کے بعد ڈیون پورٹ نے سقیفہ میں حضرت ابوبکر کے خلیفہ بننے کی روایت اور حضرت عمر کے حضرت فاطمہؑ کے گھر پھونکنے کے لیے دھمکی دینے کا حال ذکر کر کے لکھا ہے "کہ عمر کے اس طرح جری بلکہ بیباکانہ کردار کا باعث بے شک یہ خیال ہوا کہ ابوبکر چونکہ سن رسیدہ ہیں وہ بعد رسول غالباً بہت دن زندہ نہیں رہیں گے انہوں نے امید کی کہ ٹھیک ترکیب سے وہ خود ابوبکر کے خلیفہ ہو جا سکتے ہیں بشرطیکہ اس عہدہ سے علیؑ کو خارج کر سکیں کہ وہی ایک مد مقابل تھے جس سے ان کو کسی وجہ سے خوف کرنا پڑتا تھا" (کتاب خلافت منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۵)

مؤرخ گبن نے ایک اور موقع پر لکھا ہے "علیؑ کی ولادت۔ فضیلت۔ خاندان اور قرابت انہیں اپنے ہم وطنوں سے زیادہ بلند مرتبہ ٹھہراتی تھی۔ اور عرب کے خالی تخت کے لیے ان کا حق جائز ٹھہرایا جا سکتا تھا رسولؐ اب زندہ نہ تھے لیکن فاطمہؑ کا شوہر ان کے باپ کی میراث اور دعا کی امید کر سکتا تھا۔ عرب اکثر اوقات عورتوں کی حکومت سے راضی رہے ہیں۔ رسولؐ نے اپنے دونوں نواسوں کو گود میں

پالا تھا اور منبر سے لوگوں کو دکھا دیا تھا کہ یہ سرداران جوانان بہشت اور میری زندگی کی امید ہیں۔ علیؑ ہیں شاعر۔ سپاہی اور ولی ہونے کی صنعتوں کا مجموعہ تھا۔ اس کی عقل اب تک اخلاقی ضرب الامثال سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا ہر دشمن تلوار سے لڑے یا زبان سے اس کی جرات و فصاحت سے مغلوب ہو جاتا تھا اسلام کے شروع سے تجہیز و تکفین کے آخری کام تک اس عالی ہمت دوست نے رسولؐ کو نہیں چھوڑا رسولؐ نے اسی خوشی سے اپنا بھائی خلیفہ اور دوسرے موسیٰ کا ہارون کہا۔ ابن ابی طالبؑ کو لوگوں نے آخر میں طعنہ دیا کہ اپنے فائدے کے لحاظ کے لیے اپنے حق کا اظہار نہیں کیا جس سے کل رقابت ختم ہو جاتی اور حکم خدا سے خلافت پر مہر ہو جاتی [1] لیکن اس غیر متوہم مرد میدان کو اپنے اوپر بھروسا تھا

[1] حکم خدا سے تو خلافت پر مہر ہو ہی چکی تھی۔ خدا نے قرآن مجید میں صاف فرما دیا ہے انی جاعل فی الارض خلیفہ میں ہی زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں (پ۱ رکوع ۴) یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض اے داؤد تم کو زمین میں خلیفہ ہم نے مقرر کیا ہے (پ۲۳ ع ۱۱) حضرت ابراہیم سے بھی خدا نے فرمایا انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عہدی الظالمین۔ میں ہی تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا۔ حضرت ابراہیم نے عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی؟ فرمایا ہاں مگر میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں مل سکتا (پ۱ ع ۱۵) غرض جس طرح آدمیوں کے مقرر کرنے سے کوئی شخص نبی یا رسول نہیں ہو سکتا بالکل اسی طرح انسان کے انتخاب سے کوئی شخص نہ خلیفہ رسول ہو سکتا ہے۔ نہ امام زمانہ یہی عقل کا حکم ہے اور خدا کا فیصلہ بھی اس نے صاف کر دیا ہے ماکان لمؤمن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لہم الخیرۃ من امرھم۔ جب اللہ اور اسکے رسول کوئی امر طے کر دیں تو کسی کو اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنے امور کے لیے کسی کا انتخاب کرے (پ۲۲ ع ۲) وربک یخلق ما یشاء ویختار ماکان لہم الخیرۃ سبحان اللہ تعالیٰ عما یشرکون۔ تمہارا رب ہی پیدا کرتا اور جس کو چاہتا ہے (نبوت اور خلافت کے لیے منتخب کر لیتا ہے کیوں کہ انتخاب کا اختیار خدا نے لوگوں کو نہیں دیا ہے یہ لوگ جو خدا کے کاموں میں شریک ہونا یا شریک کرنا چاہتے ہیں اللہ اس سے برتر ہے (پ۲۰ ع ۱۰) ان آیات کی وجہ سے بھی خدا کا فرض تھا کہ حضرت رسول خدا کا خلیفہ وہی مقرر کرے۔ چنانچہ اس کے حکم کے مطابق حضرت رسول خدا نے نبوت کے چوتھے ہی سال پورے مجمع میں اعلان کر دیا کہ یہی علیؑ میرے خلیفہ ہیں۔ تم سب لوگ ان کی اطاعت کرتے رہنا (دیکھو تاریخ ابوالفداء صفحات) خدا نے قرآن مجید میں بھی حضرت علیؑ کی خلافت ذکر کر دی ہے فرمایا ہے انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون۔ اے ایمان والو تمہارے سرپرست حاکم تو بس یہی ہیں خدا اس کا رسولؐ اور وہ مومنین جو نماز قائم رکھتے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں (پ۶ ع ۱۳) یہ آیت باتفاق مفسرین شیعہ و سنّی حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ایک روز حضرت رسول خدا مسجد میں نماز ظہر پڑھتے تھے کہ ایک فقیر آیا اور سوال کیا مگر کسی نے کچھ نہیں دیا۔ جناب امیرؑ رکوع میں تھے حضرت نے اس کی طرف اپنے داہنے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا کہ یہ انگوٹھی لے لے جو بہت قیمتی تھی اس سائل نے اس کو اتار لیا

سلطنت کا حسد اور مخالفت کا خوف ممکن تھا کہ رسولؐ کے ارادہ کو معلق رہنے دیتا کیوں کہ رسولؐ کے بستر علالت کو گرد فن عائشہ نے جو علیؑ کی دشمن اور ابوبکر کی بیٹی تھیں محصور کر رکھا تھا۔" زوال سلطنت روم منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۲۶)

اس قسم کی تحریریں بہت کثرت سے ہیں۔ باوجود دالیسی واضح حقیقت کے جب آپ نے دیکھا کہ قول رسول کے مطابق صحابہ کبار دنیا کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور خلافت پر قبضہ کر لیا تو حضرتؑ نے وصیت رسول کیمطابق صبر کر لیا۔ مگر اس پر بھی وہ لوگ راضی نہیں ہوئے بلکہ آپ پر بیعت کے لیے نہایت سختی کی۔ حضرتؑ کو گھر سے نکالنے کی کوشش کی حضرت عمر نے آگ لکڑی منگائی اور کہا خدا کی قسم تم نہیں نکلو گے تو اس گھر کو اور جو لوگ اس میں ہیں سب کو پھونک ڈالوں گا۔ کسی نے کہا اسے عمر اس گھر میں فاطمہؑ بھی ہیں۔ کہا ہوا کریں۔ (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۹۸۔ مروج الذہب جلد ۹ صفحہ ۱۷۹۔ ملل ونحل جلد ۱ صفحہ ۲۵۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۳۴۵۔ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۵۶۔ عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۱۷۶ وغیرہ) حضرتؑ نے جواب دیا کہ میں نے قسم کھائی ہے جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گا سوائے نماز کے رداودش پر نہیں ڈالوں گا کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ کلام الہیٰ کا کوئی حصہ لوگوں کے دلوں سے محو نہ ہو جائے۔ غرض حضرت نے خلفاء ثلاثہ سے کسی کی بھی بیعت نہیں کی۔ اور ان سے لڑنا بھی پسند نہیں کیا۔ ابوسفیان کہتا تھا اے علیؑ اگر تم خلافت کے لیے کوشش کرنی چاہو تو میں تمہاری طرف ہوں خدا کی قسم مدینہ کو سواروں اور پیدلوں سے بھر دوں گا مگر حضرتؑ نے انکار کر دیا۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۲۰۴) انصار بھی علانیہ کہتے تھے لانبایع الا علیا ہم لوگ سوائے حضرت علیؑ کے کسی کی بیعت نہیں کریں گے (کامل جلد ۲ صفحہ ۱۲۱) لوگوں نے خلافت کو حضرتؑ سے نکال لیا تو اس وقت کے انصاف پسند صحابہ کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے یہ اشعار کہے ؎

ماکنت احسب ان الامر منصرف　　عن ھاشم ثم منھم عن ابی حسن

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸) اس پر حضرت رسول خداؐ نے دعا کی اے اللہ تو علیؑ کو میرا وزیر اور خلیفہ بنا۔ فوراً جناب جبرئیلؑ آئے کہا یا حضرتؐ آپ اس آیۃ انما ولیکم اللہ۔ کو پڑھیے جو خدا نے نازل کی ہے کہ مسلمانوں اے تم لوگوں کا حاکم بس اللہ ہے اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں جو نماز قائم کرتے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۱۸) علماء محققین نے لکھا ہے اگر کوئی کہے کہ خدا نے نماز قائم کرنے والوں کو حاکم کہا ہے جس سے مراد کئی آدمی ہیں پھر یہ آیت خاص حضرت علیؑ کے بارے میں کیسے ہو سکتی تو اس کا جواب یہ دیا جائیگا کہ اگرچہ اس سے مراد ایک ہی بزرگ صرف حضرت علیؑ ہیں مگر خدا نے جمع کا لفظ اسلیئے رکھا کہ دوسرے لوگ بھی حضرت علی کیطرح خیرات کرنے کی کوشش کریں بلکہ یہ موقع مل جائے تو نماز میں بھی اس کو نہ چھوڑیں (تفسیر کشاف جلد ۱ صفحہ ۴۲۲) آیہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔ بھی حضرت علیؑ کی خلافت ہی کے متعلق نازل ہوئی تھی ۱۲ منہ

من اول الناس ایمانا وسابقۃ — واعلم الناس بالقرآن والسنن
وآخر الناس عہدا بالنبی ومن — جبریل عون لہ فی الغسل والکفن
من فیہ ما فیہم لا یمترون بہ — ولیس فی القوم ما فیہ من الحسن

یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی کہ رسولؐ کی خلافت خاندان بنی ہاشم سے نکال لی جائے گی اور خاص کر حضرت علی سے جو سب سے پہلے ایمان لائے اور اس فضل میں سب پر سبقت حاصل کی اور جو قرآن اور احادیث کے سب سے زیادہ عالم ہیں۔ جو حضرت رسول کی خدمت میں سب کے آخر تک رہے اور جن کی مدد رسول خداؐ کے غسل دینے اور کفن پہنانے میں جبرئیلؑ نے کی۔ وہ حضرت علیؑ کہ دوسروں میں جس قدر فضائل ہیں وہ سب حضرتؑ میں بھی ہیں لیکن حضرتؑ میں جو شرف و بزرگی و افضلیت ہے وہ کسی میں بھی نہیں ہے۔ (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۰۰ وغیرہ)

حضرت علیؑ نے خلیفہ اول و دوم و سوم کا زمانہ زیادہ تر خاموشی اور عبادت میں بسر کیا۔ البتہ خود یہ لوگ مشکل موقعوں پر حضرت سے مدد لیتے اور حضرتؑ نہایت خندہ پیشانی سے اسلام کی حفاظت کی غرض سے ان کی مدد کرتے ان کو مفید مشورے دیتے اور بڑے بڑے مہلکوں سے بچاتے رہتے۔ حضرت عمر برابر کہا کرتے لولا علی لھلک عمر۔ اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ (ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۲۶۸)

مشہور مسٹر امیر علیؒ نے لکھا ہے "حضرت عمر کے عہد حکومت میں جتنے کام رفاہ عام کے ہوئے وہ سب حضرت علیؑ کی صلاح و مشورہ سے عمل میں آئے۔" (تاریخ اسلام)

حضرت کی ظاہری خلافت

خلیفہ سوم حضرت عثمان کے قتل پر صحابہ نے حضرتؑ کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا اور ۲۵ ذی الحجہ ۳۵ھ ہجری کو آپ کی بیعت عام عمل میں آئی۔ بیعت کے وقت آپ نے فرمایا میں جان لو کہ میں حد شرع سے تجاوز نہیں کروں گا اور نہ کسی کی طرفداری مجھ سے ہو سکے گی نہ تم میں سے ایک دوسرے پر ترجیح دوں گا۔ سب کو ایک نظر رحمت و عطوفت سے دیکھوں گا اور لوگوں کے درمیان احکام بموجب کتاب خدا و حدیث و سنت رسولؐ جاری کروں گا۔ بیت المال سے ایک درہم بھی اپنے واسطے نہیں لوں گا۔ سب سے پہلا جو خطبہ آپ نے پڑھا اس میں فرمایا الحمد للّٰہ علی احسانہ قد رجع الحق الی مکانہ۔ خدا کے اس احسان پر کہ آج حق اپنی جگہ پر پلٹ آیا میں اس کی حمد و ثنا کرتا ہوں (روضۃ الاحباب) بیعت کے دوسرے دن حکم دیا کہ بیت المال کا دروازہ کھول دو اور اس کا کل مال لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

گورنروں کا تقرر

محرم ۳۶ھ ہجری میں حضرت علیؑ نے اسلامی صوبوں میں حسب ذیل حکام مقرر کئے۔ یمن میں عبیداللہ بن عباس۔ بحرین میں سعید بن عباس۔ تہامہ میں سامہ بن عباس یمامہ میں عون بن عباس۔ مکہ میں قثم بن عباس۔ مصر میں قیس بن سعد بن عبادہ۔ بصرہ میں عثمان

کوفہ میں عمادہ بن شہاب۔ شام میں سہل بن حنیف۔

جنگ جمل

حضرتؑ کے خلیفہ ہوتے ہی طلحہ، زبیر اور حضرت عائشہ نے جو سب کے سب قتل حضرت عثمان میں بہت کوشاں تھے۔ حضرت علیؑ پر قتل عثمان کا اتہام لگا کر آپ سے مخالفت شروع کر دی اور ایک کافی جماعت مہیا کر کے بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت علیؑ کو معلوم ہوا تو آپ بھی آخر ربیع الثانی ۳۶ھ میں بصرہ کی طرف تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ اس سفر میں ایک چشمہ پر پہنچیں جس کا نام حوأب تھا۔ آپ ایک اونٹ پر سوار تھیں (اسی وجہ سے اس لڑائی کو جنگ جمل کہتے ہیں) حوأب کے کتے حضرت عائشہ کے اونٹ کو دیکھ کر جمع ہوئے اور بھونکنے لگے۔ حضرت عائشہ کو معلوم ہوا کہ اس چشمہ کو حوأب کہتے ہیں تو چلائیں کہ مجھے واپس لے چلو۔ رسولؐ نے فرمایا تھا کہ "میری ایک بی بی ایسی ہے جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ اے عائشہ ڈرنا کہیں تم ہی وہ بی بی نہ ہو" مگر ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر نے جھوٹی قسم کھا کر ان کو یقین دلایا کہ یہ حوأب نہیں ہے۔ غرض حضرت عائشہ وہاں سے آگے بڑھیں بصرہ میں آئیں اور لڑائی کا سامان شروع کر دیا۔ جو جمادی الاخری ۳۶ھ میں ہوئی۔ حضرت عائشہ کی فوج ۳۰ ہزار اور جناب امیرؑ کی ۲۰ ہزار تھی۔ حضرت علیؑ نے جب دیکھا کہ اہل جمل کسی طرح باز نہیں آتے تو اپنی فوج کو اس طرح سمجھانے اور ہدایت کرنے لگے (۱) بہادرو! دیکھو اس جنگ سے تمہاری نیت صرف دشمن کا دفع کرنا ہو (۲) جب تک فریق مخالف کی طرف سے ابتداء جنگ نہ ہو تم لڑائی شروع نہ کرنا (۳) خبردار جو لوگ بھاگیں ان کا تعاقب نہ کرنا۔ (۴) زخمی، بیمار، عورتوں اور بچوں سے تعرض نہ کرنا نہ ان پر ہتھیار اٹھانا (۵) جو لوگ مقتول ہو جائیں ان کے کپڑے نہ اتارنا (۶) جو شخص صلح پیش کرے اس کے ہتھیار نہ لینا اور نہ اسے مارنا (۷) بعد فتح کوئی شخص کسی کے گھر نہ گھسے۔

جب حضرت عائشہ نے حضرت علیؑ کو اس شان سے دیکھا تو اپنے پاس کے لوگوں سے کہا علیؑ کی طرف دیکھو کہ آج ان کے افعال ان افعال سے بالکل مشابہ ہیں جو رسول خدا صلعم کے بدر کے روز تھے۔ اور حضرت علی علیہ السلام نے جناب عائشہ کی طرف دیکھ فرمایا اے عائشہ بہت جلد تم اپنے اس فعل پر شرمندہ اور پشیمان ہو گی۔ غرض دشمن کی فوج نے حضرت علیؑ کی فوج پر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ لیکن حضرت علیؑ نے اپنے سرداروں کو جنگ شروع کرنے کی اجازت نہیں دی۔ جب حضرتؑ کی فوج نے اصرار کیا کہ ہمیں بھی جواب دینے کی اجازت مرحمت ہو کہ دشمن زیادہ سختی سے حملے کر رہے ہیں تو حضرتؑ نے خدا کی درگاہ میں عرض کی "اے اللہ میں نے بہت عذر کیے اور ان سب کو ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر یہ نہیں مانتے تو گواہ رہنا" پھر ایک شخص کو ان کی طرف بھیج کر ان کو جنگ سے باز رہنے کی آخری فہمائش کی مگر اس کو ان لوگوں نے قتل کر دیا۔ تب حضرتؑ نے فرمایا اب ان سے لڑنا

حلال ہوگیا۔ غرض جنگ شروع ہوئی۔ طلحہ قتل ہو گئے۔ زبیر بھی مارے گئے۔ حضرت عائشہ شکست کھا کر
مغلوب ہوئیں اور ان کی فوج بھاگ گئی۔ جناب امیرؑ نے جناب عائشہ کی حفاظت کی اور کوئی زخم نہیں
لگنے دیا۔ انہوں نے حضرتؑ سے کہا "اے علیؑ تم نے فتح پائی۔ اب نیکی اور احسان کرو" حضرتؑ نے فرما
ہیں نے سب اہل لشکر کو امان دی۔ اس کے بعد حضرتؑ نے حکم دیا کہ کشتوں کو دفن کر دیں اور مخالفین کے
ہتھیاروں اور مال و اسباب کو جامع بصرہ میں جمع کرا کے اعلان کرا دیا کہ لوگ اپنا مال لے جائیں۔ اس
جنگ میں ۱۳ ہزار آدمی حضرت عائشہ کی طرف کے اور ۵ ہزار جناب امیرؑ کی فوج کے مارے گئے
(مروج الذہب جلد ۵ صفحہ ۷۷)، پھر حضرتؑ نے جناب عائشہ کو پچاس ہزار درہم دلوا کر اور بصرہ کی چالیس
یا ستر عورتوں کو مردانہ لباس میں مسلح کرا کے ان کے ساتھ نہایت عزت و حرمت و آرام سے مدینہ روانہ کر دیا
اس موقع پر ایک یورپین مورخ نے لکھا ہے کہ "عائشہ کو علیؑ کے ہاتھوں سخت برتاؤ کا خوف ہو سکتا تھا مگر
وہ عالی حوصلہ شخص ایسا نہ تھا جو ایک گرے ہوئے دشمن کو اپنی شان دکھاتا۔ اس نے ان کی عزت کی اور
چالیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کر دیا" (واشنگٹن ارونگ)

فتح کے بعد جناب امیرؑ نے جناب عبداللہ بن عباس کو بصرہ کا گورنر اور زیاد کو ان کا نائب مقرر کیا
اور ۱۲ رجب ۳۶ھ کو اپنے لشکر کے ساتھ کوفہ روانہ ہوئے۔ کچھ دنوں یہاں رہ کر کوفہ۔ عراق۔ خراسان
یمن۔ مصر اور حرمین کا انتظام کیا اور اس اندیشے سے کہ معویہ عراق پر قبضہ نہ کرے کوفہ کو دارالخلافہ مقرر
کر کے یہیں مقیم ہو گئے۔

جنگ جمل کے بعد سیستان میں بغاوت ہوئی جناب امیرؑ نے اس کو فرو کرا دیا۔ جس کے بعد تمام بلاد
پر حضرتؑ کا تسلط ہو گیا۔ اسی سال اہل مرد (خراسان) نے سرکشی کی اور حضرتؑ نے خلید کو اس طرف روانہ
کر دیا۔

جنگ صفین

جنگ جمل کے زمانے میں معویہ جو حضرت عمر کے زمانے سے شام کا گورنر تھا شامیو
کو قتل عثمان کی سازش کے اتہام میں حضرت علیؑ سے بھڑکا رہا تھا اور اسی حیلے
حضرت علیؑ کو خلافت سے معزول کرنے اور خود خلیفہ بن جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے جنگ
پورا سامان کر لیا۔ حضرت علیؑ نے اس کو فتنہ و فساد سے روکنے کی بہت کوشش کی مگر وہ نہیں ما
حضرتؑ سے لڑنے کے لیئے اپنی ایک لاکھ بیس ہزار فوج مقام صفین میں جمع کی تو جناب امیرؑ بھی نو
فوج سے اس کے مقابلے پر چلے۔ حدود جزیرہ میں پہنچے تو پانی نہیں ملا۔ لشکر پیاس سے بے چین ہوا
عیسائیوں کا ایک دیر تھا۔ حضرتؑ نے اس کے راہب کو بلا کر فرمایا وہ چشمہ بتاؤ جو یہیں ہے اور
سے انبیاء بنی اسرائیل نے پیا ہے۔ راہب نے عرض کی اس منزل میں ایک پوشیدہ چشمہ ہے
مگر اسے پیغمبر یا وصی پیغمبر کے سوائے کوئی کھول نہیں سکتا۔ اگر آپ وہ چشمہ مجھے دکھا دیں تو

کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں۔ حضرتؑ نے ایک جگہ کھدوایا تو بڑا پتھر نکلا جس کو بہت سے آدمی مل کر بھی
نہ ہٹا سکے۔ تب حضرتؑ نے خود اکیلے اس پتھر کو نکال کر پھینک دیا جس کے نیچے صاف پانی کا چشمہ نکل
آیا۔ سب لشکر والوں نے پیا۔ (عیسائی) راہب یہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا اور ایک صحیفہ دیر سے نکال کر دکھایا
جس میں نبی آخرالزمان کی بعثت اور جناب امیرؑ کے اس جگہ پہنچ کر چشمہ ظاہر کرنے کا حال لکھا تھا۔ اور وہ
حضرت عیسٰی کے حواری جناب شمعون الصفا کا لکھا ہوا تھا۔ حضرتؑ اسے دیکھ کر شکر خدا بجا لائے اور آگے
روانہ ہوئے۔ راہب بھی ساتھ رہا اور جنگ صفین میں شہید ہو گیا۔ (روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۳۹۲)
حبیب السیر جلد ۱ صفحہ ۵۶۔ جامع التواریخ صفحہ ۲۳۸) روائح المصطفٰے صفحہ ۳۲۔ سکسز آف محمد از مسٹر ایروِنگ وغیرہ)

جب حضرتؑ کی فوج لشکر معویہ کے مقابل پہنچ گئی تو معویہ نے نہر فرات پر پہلے ہی قبضہ کر کے اس کا پانی
حضرت کی فوج پر بند کر دیا۔ حضرتؑ نے معویہ کے پاس پیغام بھیجا کہ پانی روکنا مناسب نہیں مگر معویہ کسی طرح
نہیں مانا۔ تو حضرتؑ کی فوج نے اصرار کیا کہ حضور اجازت دیں۔ ہم لڑ کر پانی لائیں۔ مجبوراً حضرتؑ نے
اجازت دی۔ حضرتؑ کی فوج نے زور و شور سے لڑ کر گھاٹ چھین لیا۔ اب تو معویہ بہت گھبرایا کہ پیاس
سے اس کا لشکر ہلاک ہو گا۔ مگر اس کے وزیر عمرو عاص نے کہا۔ حضرت علیؑ تمہارے ایسے نہیں ہیں۔ وہ
کریم ہیں۔ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ معویہ نے مجبوراً جناب امیرؑ کے پاس درخواست بھیجی کہ ہمارے
لشکر پر پانی بند نہ کیا جائے۔ حضرتؑ تو کریم بن کریم خلیفہ رحمۃ للعالمین اور ساقی کوثر تھے۔ جواب دیا ہم
کسی پر پانی بند نہیں کرتے۔ مطمئن رہو اور عام منادی کرا دی کہ پانی سب کے لیئے حلال ہے۔ دونوں
لشکروں سے جس کو ضرورت ہو لے جائے۔ مگر معویہ نے اپنی کاروائی نہیں روکی۔ عراق کی طرف سے
جو رسد جناب امیرؑ کے لشکر میں آتی تھی بند کرا دی۔ غرض معویہ حضرتؑ کو ہر طرح ستانے کی تدبیریں کرتا
اور حضرت کو اس کو سمجھانے اور مسلمانوں کی خونریزی سے باز رکھنے کی پوری کوشش کرتے رہے
مگر کوئی اثر نہیں ہوا۔

مولوی احسان اللہ صاحب عباسی نے لکھا ہے "پیغمبر خداؐ کو مرے ہوئے ۲۵ برس ہو چکے تھے۔ ان کے
فیض صحبت کا اثر طبیعتوں سے زائل ہو چکا تھا۔ جنگ جمل تک کھینچ کھانچ کر نیک نیتی اور غلط فہمی کو چھپایا
لیکن اب اس کی گنجائش نہیں رہی۔ اب صاف طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہہ
نیک نیتی کے قدم بہ قدم تھے۔ یعنی دین اور دنیا دونوں کو ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ وہ یہ گوارا نہیں کر
سکتے تھے کہ امت محمدی پر کوئی نااہل حکمران یا امیر ہو۔ وہ دین کو دنیا پر مقدم سمجھتے تھے۔ مسلمانوں
کے مقابلے میں وہ تلوار بھی اٹھاتے تھے تو اس لیئے کہ بغاوت کا رفع کرنا اور ناسزاوں کو سزا دینا
ضروریات سے تھا۔ یہ بھلا یا برا۔ بس اس کے سوا اور کوئی فعل وہ ایسا نہ کرتے جو کسی فریق
کے نزدیک مذہب کے خلاف یا اخلاقی خوبیوں کے منافی ہوتا۔ مسلمانوں کا دوسرا گروہ ان لوگوں

کا مجموعہ تھا جو دنیاوی لذتوں کو مقدم سمجھتے تھے اور دنیا نقد و لا یحصل الا با لنقد پر عمل کرنے میں تامل نہ کرتے تھے ۔ یہ گروہ دیکھا دیکھی بڑھتا گیا اور سُنّت نبوی سے الگ ہو کر شام اور عجم کے سلاطین اور ان کے اراکین کا رنگ پکڑتا گیا ۔ معویہ اس گروہ کا سردار تھا ۔ اتفاق زمانہ نے اس کو سردار بنا یا یوں کئے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے ما فی الضمیر کے اظہار کا موقع ملا ۔ معویہ کے بعض ساتھی کو مکر کرنے ۔ جھوٹ بولنے اور مسلمانوں کے خون ناحق بہانے میں کوئی تامل نہ تھا ۔ اور یہاں علی ابن ابیطالب کو بڑی دقت یہ تھی کہ خود کو احکام شرعی کا پابند رکھتے تھے غزوات میں وہ تلوار سے کام نہ لیتے تھے ۔ تلوار جب اٹھاتے تھے کہ معاملہ اختیار سے باہر ہو جاتا تھا ۔ اور اس پر ایک دقت یہ تھی کہ ان کے ساتھی بھی کبھی کبھی مسلمانوں کے مقابلے میں تلوار اٹھانے سے رُک جاتے تھے ۔ غرض کہ علیؑ کی حالت اپنی خلافت کے زمانہ میں عجیب کش مکش میں تھی ۔ اور رسول اللہ کے صحابیوں سے کسی نے بھی حضرت علیؑ کی سی روحانی تکلیف نہیں اٹھائی لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے واقعہ کو نہایت سخت سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک حضرت علی ابن طالبؑ کی حالت کشمکش زیادہ تر ہمدردی کے لائق ہے ۔ اگر واقعہ کربلا طاعون سے نسبت دیں تو حضرت علی کی دقتوں کا عارضہ سل سے تشبیہ دے سکتے ہیں ۔ بعض کج رائے موروخوں کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ کی خودرائی ناکامی کا سبب ہوئی لیکن حضرت علیؑ پر خودرائی کا الزام غلط ہے ۔ علم ۔ شجاعت ۔ متانت اور حکمت ان کے حصہ میں تھی ۔ خودرائی چہ معنی دارد ۔ خودرائی نہیں بلکہ وہ حالات ان کی ناکامیابیوں کے سبب ہوئے جن کا خلاصہ اوپر بیان کیا گیا ۔" تاریخ اسلام صفحہ ۳۰۵)

غرض ماہ ذی الحجہ ۳۶ھ ہجری میں فریقین کی فوجیں بمقام صفین جمع ہوئیں ۔ حضرتؑ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے اپنی فوج کو تاکید کر دی تھی کہ " جب تک یہ لوگ ابتدا نہ کریں تم ہرگز ان سے جنگ نہ کرنا ۔ کسی بھاگنے والے کا تعاقب نہ کرنا ۔ ان کے مالوں سے کچھ نہ لینا ۔ کسی کا راز فاش نہ کرنا ۔ مریض برہنہ کو آزار نہ پہنچانا ۔ زخمی کے ساتھ سختی نہ کرنا ۔ عورتوں کو اذیت پہنچا کر غیظ و غضب میں نہ لانا ۔ اگرچہ تمہارے سرداروں کو سب و شتم کریں کیونکہ ان کی قوتیں کمزور اور ان کی عقلیں ان کے نفوس ضعیف ہیں عہد رسولؐ میں بھی ہم اسی پر مامور تھے کہ ان سے باز رہیں حالاں کہ وہ مشرکہ عورتیں تھیں ۔" ذی الحجہ معمولی لڑائیوں میں گزرا ۔ محرم ۳۷ھ ہجری میں لڑائی بند رہی ۔ بلکہ صفر ۳۷ھ ہجری سے سات دن تک برابر صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی ۔ ایک دن حضرتؑ نے پکار کر فرمایا " اے پسر ہند مسلمانوں کی خونریزی کرتے ہو خود میدان میں نکلو کہ ہم تم فیصلہ کر لیں" ۔ مگر معویہ کو نکلنے کی ہمت نہ ہوئی تب حضرت بھیس بدل کر میدان میں آئے اور مبارز طلب کیا ۔ عمرو عاص نے حضرتؑ کو نہ پہچانا سامنے آکر رجز پڑھا ۔ حضرتؑ نے بھی رجز پڑھ دیا ۔ عمرو عاص کو معلوم ہو گیا کہ حضرتؑ ہیں بھاگا حضرتؑ نے جاتے ہوئے ایک نیزہ لگایا ۔ وہ گھوڑے سے گرا اور دونوں ٹانگیں اٹھا دیں ۔ حضرت

نے منہ پھیر لیا ۔ اور فرمایا جا تو اپنی شرم گاہ کا آزاد کردہ ہے ۔ ایک دن بسر بن ابی ارطاۃ بھی حضرتؑ کے مقابلے پر آیا اور عمرو عاص کی طرح شرم گاہ کھول کر حضرتؑ سے بچ گیا ۔ اسی جنگ صفین میں حضرت عمار یاسر بھی شہید ہوئے (دیکھو تاریخ ائمہ ۱۶۸)

آٹھویں رات کو جسے لیلۃ الہریر کہتے ہیں ، سب سے شدید لڑائی ہوئی ۔ حضرتؑ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی کو قتل کرتے تو تکبیر کہتے ۔ اس رات کو آپ کی ۵۲۳ تکبیریں گنی گئیں ۔ (نور الابصار صفحہ ۴۹) معویہ نے کہا کہ لیلۃ الہریر میں علیؑ نے ۹ سو آدمی سے زیادہ قتل کئے تھے ۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ یا علی سے معافی مانگ کر مکہ میں سکونت کر دوں یا قیصر روم کے پاس جا کر اس کے کسی جزیرہ میں رہنے لگوں ۔ لشکر شام میں ہر طرف الغیاث الامان کی فریادیں بلند تھیں ۔ غرض نہایت سخت گھمسان کا رن پڑا تھا ۔ آخر معویہ کی فوج بھاگنے لگی اور اسے پوری شکست ہونے ہی کو تھی کہ عمرو عاص کا مکر و فریب کام آ گیا ۔ اس نے نیزوں پہ قرآن بلند کرا دیئے اور با آواز بلند یہ کہلانا شروع کیا کہ ہمارے تمہارے درمیان یہ کلام اللہ ہے ۔ مقصود یہ تھا کہ جنگ موقوف کر کے اس کے مطابق ہم لوگ فیصلہ کریں ۔ اس پر حضرتؑ کی طرف والوں میں سے اشعث بن قیس اور چند دوسرے سرداروں نے جو معویہ سے بڑی بڑی رشوتیں لے چکے تھے لڑائی موقوف کر دی اور حضرتؑ سے کہا کہ قرآن کو ماننا چاہیئے ۔ حضرتؑ نے فرمایا معویہ ، عمرو عاص اور ان کے طرف داروں کو دین سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔ میں ان سے اسی لیئے لڑتا ہوں کہ یہ دیندار ہو جائیں ۔ انہوں نے فریب دینے کے لیے قرآن بلند کئے ہیں ۔ مگر انہوں نے کچھ نہ سُنی اور حضرتؑ کو لڑائی بند کر دینے پر مجبور کیا ۔ حضرتؑ نے ہاتھ روک لیا ۔ تب زور دیا کہ مالک اشترؑ کو بھی بلا لیجئے ۔ حضرتؑ نے ان کے پاس آدمی بھیجا تو انہوں نے جواب دیا کہ اب معرکہ ختم ہے ۔ لشکر معویہ کے پاؤں اکھڑتے ہی ہیں مگر حضرتؑ نے پھر بلایا تو وہ افسوس کرتے ہوئے حاضر ہوئے اور دیکھا کہ لشکر کا رنگ ہی بدل گیا ہے ۔ یہ حضرت علیؑ سے انحراف کرنے والے اس وقت سے خارجی کے نام سے مشہور ہوئے ۔ پھر اشعث بن قیس حضرتؑ سے اجازت لے کر معویہ کے پاس گیا اور پوچھا تم نے قرآن کیوں بلند کئے ہیں ۔ معویہ نے کہا اس غرض سے کہ تم اور ہم دونوں اس بات کو قبول کریں ۔ جس کا حکم اللہ نے دیا ہے ۔ ایک آدمی کو تم اپنی طرف سے حکم مقرر کر دو ایک کو ہم مقرر کرتے ہیں ۔ وہ دونوں حکم کتاب اللہ کے موافق جو حکم دیں ہم دونوں اس پر عمل کریں ۔ لوگ اس پر راضی ہو گئے ۔ شامیوں نے عمرو عاص کو اور اشعث و خوارج نے ابو موسیٰ اشعری کو حکم مقرر کیا ۔ مگر حضرتؑ نے ابو موسیٰ کو پسند نہیں کیا اور چاہا کہ عبداللہ بن عباس کو مقرر کریں ۔ لیکن خوارج نے کہا ہم ابو موسیٰ کے سوا کسی سے راضی نہیں ہوں گے ۔ مجبوراً حضرتؑ نے فرمایا جب تم میری بات مانتے ہی نہیں تو جو چاہو کرو ۔ اس کے بعد لڑائی بند ہو گئی ۔ دونوں حکم حضرتؑ کے پاس آئے ۔ اقرار نامہ اس طرح لکھنا شروع ہوا " یہ وہ اقرار نامہ ہے جس پر فیصلہ کیا امیر المومنین علی مرتضیٰ

نے اس پر عمرو عاص نے ٹوکا کہ یہ تمہارے امیر ہیں ہمارے نہیں۔ اس پر جھگڑا ہوا تو حضرتؑ نے فرمایا اللہ اکبر یہ قضیہ مثل قضیہ حدیبیہ کے ہے۔ صلح حدیبیہ میں جب میں نے محمد رسول اللہ لکھا تھا تو کفار نے کہا آپ رسول اللہ نہیں ہیں۔ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیے اس وقت آں حضرتؐ نے لفظ رسول اللہ مٹا دیا اور مجھ سے فرمایا تھا اے علیؑ تم کو بھی ایسا ہی معاملہ پیش آئے گا (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۲۷) غرض ۱۳ صفر ۳۷ھ ہجری کو اس امر پر صلح ہو گئی کہ یہ دونوں حکم موافق قرآن و سنت کے حکم دیں اگر خلاف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ حکم دیں تو امت رسولؐ اس حکم سے بیزار ہو جائے۔ اس وقت فریقین اپنے اپنے گھر واپس جائیں اور ماہ رمضان میں فیصلہ دیں۔ اس کے بعد طرفین کے لوگ میدان جنگ سے روانہ ہونے لگے تو خارجیوں نے اس صلح پر بھی شور مچایا کہ علی نے "حکم پر رضامندی ظاہر کی وہ اب مسلمان نہیں رہے۔ اللہ جو حکم دیتا وہی ٹھیک تھا ان الحکم الا اللہ (اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں ہو سکتا، لڑائی ہی سے فیصلہ کر لیا جاتا عمرو عاص اور ابو موسیٰ کیا فیصلہ کریں گے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے نیزوں پر قرآن دیکھ کر مجبور کیا اور اب کہتے ہو کہ حکم کیوں مقرر کئے گئے" غرض یہ لوگ وہیں سے جدا ہو گئے اور خوارج کہلانے لگے۔ صفین میں نوّے لڑائیاں ہوئیں۔ ۱۱۰ روز تک فریقین کا وہاں قیام رہا۔ معویہ کے ۹۰ ہزار اور حضرتؑ کے ۲۰ ہزار آدمی مارے گئے۔

فیصلہ حکمین

حکمین اذرح میں جمع ہوئے اور رائے کی کہ علیؑ اور معویہ دونوں کو معزول کر کے نیا خلیفہ مقرر کیا جائے۔ عمرو عاص نے ابو موسیٰ سے کہا آپ بزرگ ہیں پہلے آپ ہی تقریر کیجئے "ابو موسیٰ نے مجمع کو خطاب کر کے کہا "ہم دونوں کی متفقہ رائے ہے کہ علیؑ و معویہ دونوں معزول کر دیئے جائیں اب جس کو چاہو تم لوگ خلیفہ بنا لو۔ اس کے بعد عمرو عاص کھڑا ہوا اور کہا "جو کچھ ابو موسیٰ نے کہا تم لوگوں نے سُنا۔ انہوں نے علی کو برطرف کر دیا ہے۔ میں بھی ان کو برطرف کرتا ہوں اور معویہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں" اس پر ابو موسیٰ بگڑے کہ تو نے فریب کیا اور مجمع پراگندہ ہو گیا۔ اس مکاری کی کاروائی کے بعد عمرو عاص نے دمشق جا کر معویہ کو خلیفہ بنا دیا اور معویہ نے حکم دیا کہ علیؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ۔ ابن عباس اور مالک اشتر پر لوگ منبروں پر لعنت کیا کریں۔ غرض اس روز سے حضرتؑ کے ہر کام میں ضعف ہوتا اور معویہ قوت پکڑتا گیا۔

جنگ نہروان

حضرت علیؑ اور آپ کے طرف داروں نے اس مکاری کے فیصلہ کو نامنظور کر کے معویہ پر دوبارہ فوج کشی کرنی چاہی کہ خارجیوں کی بغاوت کی خبر پہنچی جو حضرتؑ سے علیحدہ ہو کر کوفہ کے پاس مقام حروراء میں آ رہے تھے تو حضرتؑ نے بہت سمجھایا کہ حکم مقرر کرنے کا حکم خود قرآن میں موجود ہے مگر وہ کسی طرح نہ مانے اور ۱۰ شوال ۳۷ھ ہجری کو اپنا سردار مقرر کر کے بغداد سے ۴ فرسخ پر مقام نہروان میں ٹھہرے اور مسلمانوں کو طرح طرح

ستانے لگے۔ مجبوراً حضرتؑ نے ان پر چڑھائی کی۔ اواخر ۳۷ھ ہجری میں جنگ نہروان ہوئی ۱۲ ہزار خارجی تھے۔ ان میں سے بعض نے حضرتؑ کی اطاعت کر لی اور بعض کوفہ و مدائن کو چلے گئے۔ چار ہزار خوارج نے حضرتؑ کی فوج پر حملہ کیا مگر سب مارے گئے۔ صرف ۹ بچے۔ اور حضرتؑ کی طرف سے صرف ۹ شہید ہوئے اس کے بعد حضرتؑ نے پھر شام پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر سوائے چند آدمیوں کے سب نے تھکن اور ہتھیاروں کی خرابی کا عذر کیا اس وجہ سے حضرتؑ نے چند روز تک جنگ کو ملتوی کر دیا۔ اس زمانہ میں حضرتؑ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر تھے۔ معویہ نے حضرت علیؑ کو خوارج کے ساتھ مشغول جنگ دیکھ کر ۳۸ھ ہجری کے شروع میں عمرو عاص کو ۶ ہزار فوج کے ساتھ مصر روانہ کر دیا تو محمد بن ابی بکر نے تمام واقعہ کی اطلاع حضرتؑ کو بھیج دی۔ حضرتؑ نے فوراً مالک اشتر کو محمد بن ابی بکر کی مدد پر روانہ کر دیا۔ معویہ کو یہ خبر پہنچی تو بہت گھبرایا کہ اب کیا ہو۔ آخر مخفی طور پر عریش کے زمیندار کو لکھ کر بھیجا کہ مالک اشتر مصر جاتے ہوئے تمہارے گاؤں سے ضرور گزریں گے۔ ان کو زہر سے ہلاک کر دو تمہیں بیس سال کا خراج معاف کر دوں گا۔ مالک وہاں پہنچے تو روزے سے تھے زمیندار نے دعوت کر کے زہر کا شربت پلا کر کام تمام کر دیا (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۱ طبری جلد ۶ صفحہ ۵۴ وغیرہ) غرض ۳۸ھ ہجری میں محمد بن ابی بکر اور عمرو عاص میں جنگ ہوئی محمد زخمی ہو کر پکڑے گئے اور انہیں زندہ ایک گدھے کی کھال میں سی کر جلا دیا گیا جس کے بعد عمرو عاص نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ جب حضرت عائشہ نے اپنے بھائی محمدؒ کے اسطرح مارے جانے کی خبر سُنی تو بہت رنج کیا اور ہر نماز کے بعد معویہ اور عمرو عاص کے لیے بد دعا کرتی تھیں (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۴۳)

معویہ دلیر ہوتا گیا اور ۳۸ ہجری سے ۴۰ھ ہجری تک حضرت علیؑ کے مختلف ملکوں پر تاخت کرتا اور بصرہ۔ عین التمر۔ ہیت۔ انبار۔ تیماء۔ ثعلبیہ۔ قطقطانہ۔ حجاز۔ مکہ و مدینہ وغیرہ اور یمن پر لوٹ مار کی۔ جنگی مہیں بھیجتا رہا۔ جو وہاں کے باشندوں کو قتل و غارت کرتیں اور جب حضرتؑ کی فوجیں پہنچتیں تو بھاگ جاتیں۔ ۴۰ھ ہجری میں معویہ نے حضرت علیؑ سے خط و کتابت کر کے حضرتؑ کو اس پر راضی کر لیا کہ طرفین کے حملے روک دیئے جائیں۔ کوئی لوٹ مار کے ارادہ سے دوسرے ملک میں داخل نہ ہو اور شام و مصر میں معویہ کا اور عراق و دیگر ممالک اسلامیہ میں حضرت علیؑ کا نفوذ رہے۔

حضرتؑ کے کل ایام خلافت باغیوں سے لڑنے میں بسر ہوئے۔ جنگ جمل کے بعد خراسان و سیستان کی بغاوتیں فرو کر کے مطیع بنایا گیا۔ آپ کے عہد میں فارس کا لشکر مکران اور مہرج اور کوہ پایہ ہو کر قیقان کے پہاڑ تک آیا مگر اہل اسلام لوٹ کر مکران میں جا ٹھہرے۔

حضرت علیؑ کی شرعی پابندی

حضرت شرعی امور کے ایسے پابند تھے کہ جناب عقیل کے وظیفہ میں اضافہ نہیں کیا (دیکھو تاریخ ائمہ صفحہ ۹۷) اور عبداللہ بن عباس کی خیانت کی خبر ملی تو ان سے بھی تعرض کیا جس پر وہ بھی حضرت سے ناراض ہو گئے۔

وفات

واقعہ نہروان کے بعد تین خارجیوں نے رائے کی کہ تین شخصوں (معویہ۔ عمرو عاص اور حضرت علیؑ) کی وجہ سے انتشار ہو رہا ہے ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس کے لیے ۱۹ رمضان مقرر ہوئی چنانچہ تینوں خارجی اپنی تلواریں زہر میں بجھا کر روانہ ہوئے۔ ایک دمشق میں معویہ کے لیے۔ دوسرا فسطاط مصر میں عمرو عاص کے لیے اور تیسرا ابن ملجم حضرت علیؑ کے لیے۔ معویہ اور عمرو عاص تو بچ گئے مگر ابن ملجم جب اس ارادہ سے کوفہ پہنچا تو مسجد کوفہ میں جا کر چھپ رہا۔ حضرت علیؑ ایک شب امام حسنؑ کے پاس۔ دوسری رات امام حسینؑ کے پاس افطار کرتے اور تین لقموں سے زیادہ تناول نہ کرتے جب ۱۹ رمضان سنہ ۴۰ ہجری کو حضرت نماز صبح کے لیے گھر سے جانے لگے تو گھر کی بطیں چیخنے لگیں۔ حضرتؑ پر اس کا اثر ہوا اور مسجد میں تشریف لائے اذان دی جب نماز میں مشغول ہوئے تو سجدہ کی حالت میں ابن ملجم نے تلوار ماری جس سے مغز تک سر شگافتہ ہو گیا آپ نے فرمایا فزت و رب الکعبۃ قسم بخدا میں اپنے مطلب پر فائز ہوا۔ اس کے بعد لوگ حضرتؑ کو گھر میں لائے۔ ابن ملجم بھی گرفتار ہو کر آیا حضرت نے حکم دیا اس کی حفاظت کرو اچھا کھانا کھلاؤ اور نرم بچھونا سونے کو دینا۔ اگر میں بچ گیا تو اپنے خون کا ولی ہوں خواہ معاف کر دوں خواہ قصاص لوں۔ اور اگر مر گیا تو اسے بھی مار دینا مگر حد سے نہ گزرنا (طبری جلد ۵ صفحہ ۸۹) ۱۹ ماہ رمضان روز چہار شنبہ صبح کو آپ پر ضرب پڑی اور شب جمعہ ۲۱ ماہ صیام کو آدھی رات سے پہلے حضرت نے انتقال فرمایا۔ اس وقت حضرت کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔ حضرت کی حقیقی خلافت تیس سال (وفات رسول سنہ ۱۱ ہجری سے سنہ ۴۰ ہجری تک) تھی۔ مگر ظاہری حکومت صرف پورے پانچ سال رہی۔ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ و عبداللہ بن جعفر نے غسل دیا۔ جناب محمد بن حنفیہ پانی ڈالنے میں مدد کی۔ کفن پہنانے کے بعد حضرت امام حسنؑ نے نماز جنازہ پڑھی اور شب ہی کو اشرف میں دفن کر دیا اور حضرت کی وصیت کے مطابق قبر کا نشان چھپا دیا گیا (ارشاد شیخ مفید صفحہ ۷)

قبر مبارک کی کرامت

علامہ دمیری مورخ حبیب السیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے زمانے تک سوائے ائمہ اہلبیت کے کسی کو حضرتؑ کی قبر کا پتہ ... ایک دن ہارون اسی طرف شکار کھیل رہا تھا۔ ایک ہرن پا کسی اور شکار پر اس نے اپنے شکاری کتوں کو چھوڑا۔ وہ شکار اسی قبر پہ بھاگ گیا۔ ہارون نے بڑی کوشش کی کہ اسکے شکاری کتے یا چیتے اوپر چڑھ کر پکڑیں۔ مگر ان سبھوں نے بالکل قدم نہیں بڑھایا۔ تو ہارون کو بڑا تعجب ہوا اور اس راز کی تحقیق ... بہت کچھ تفتیش کے بعد ایک بوڑھا بولا کہ حضرت علیؑ کی قبر ہے۔ ہارون نے پوچھا تم کو کیسے معلوم

باپ حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ یہاں زیارت کے لیے آیا کرتا تھا اور وہ اپنے والد حضرت امام محمد باقرؑ کے ساتھ اور وہ اپنے والد حضرت امام زین العابدینؑ کے ہمراہ تشریف لاتے تھے جن کو اس کا پورا علم تھا۔ ہارون نے وہاں کٹہرا لگوا دیا۔ پھر سلاطین سامانیہ کے عہد حکومت میں یہاں بہت سی عمارتیں بنیں۔ پھر بنو بویہ کے عہد حکومت میں وہ بنائیں ویران ہو کر نئے سرے سے اور عمارتیں بنائی گئیں (حیواۃ الحیوان مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۸۷)

حضرتؑ کی ازواج واولاد

حضرت کی حسب ذیل ازواج سے یہ اولاد ہوئیں (۱) حضرت فاطمہ سیدۃ النساء العالمین :۔ تین بیٹے امام حسنؑ و امام حسینؑ و محسنؑ جن کا حمل ساقط ہوا۔ اور دو بیٹیاں جناب زینب کبریٰ و جناب زینب صغریٰ۔ انہیں کی کنیت ام کلثوم تھی (۲) خولہ دختر جعفر بن قیس حنفیہ :۔ ان سے ایک بیٹے محمد بن حنفیہ تھے (۳) ام حبیب بنت ربیعہ۔ ایک بیٹے عمر اور ایک بیٹی رقیہ ہوئیں۔ (۴) ام البنین دختر حزام بن خالد بن دارم کلابی :۔ چار بیٹے حضرت عباس علمبردار۔ جعفر۔ عثمان و عبداللہ یہ چاروں کربلا میں شہید ہوئے۔ (۵) لیلیٰ دختر مسعود دارمی :۔ دو بیٹے محمد اصغر و عبداللہ (۶) اسماء بنت عمیس : ایک بیٹے یحییٰ (اور بعض مورخین نے دوسرے بیٹے عون یا محمد بھی لکھا ہے (۷) ام سعید دختر عروہ بن مسعود ثقفی :۔ دو بیٹیاں ام الحسن رملہ۔ ان ازواج کے علاوہ بھی کچھ بیبیاں تھیں جن سے نفیسہ۔ زینب صغریٰ۔ رقیہ صغریٰ۔ ام ہانی۔ ام الکرام جمانتہ۔ امامہ۔ ام سلمہ۔ میمونہ۔ خدیجہ اور فاطمہ ہوئیں۔ اس طرح حضرت کے ۱۲ بیٹے اور ۱۴ بیٹیاں ہوئیں۔ (ارشاد صفحہ ۱۹۹) ان کے علاوہ امامہ بنت ابی العاص بھی حضرتؑ کی زوجہ تھیں جن سے محمد اوسط پیدا ہوئے تھے۔

حضرت کے غلام

حضرت کے دو غلام تھے قنبر اور یحییٰ بن کثیر۔ یہ یحییٰ اور ان کے بیٹے عبداللہ بڑے عالم تھے۔

حضرت کی فتوحات پر تبصرہ

مولوی عبیداللہ صاحب امرتسری نے لکھا ہے ”اس فرصت قلیل میں خانہ جنگیوں سے آپ کو دم بھر مہلت نہ ملی۔ ابھی بیعت کی تکمیل بھی نہ ہوئی تھی کہ واقعہ جمل پیش آیا۔ اور ابھی اس واقعہ کا خاتمہ نہیں ہو چکا تھا کہ صفین کا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ جس میں آپ کی خلافت کا بڑا بھاری حصہ صرف ہوا۔ علامہ ابن عبدالبر استیعاب میں لکھتے ہیں جناب علیؑ سے امیر معویہ پانچ برس تک لڑتے رہے اور ابوعمر کہتے ہیں ٹھیک بات یہ ہے کہ چار برس سے۔ غرض کہ ابھی اس معرکہ سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ آپ کو خارجیوں سے لڑنا پڑا۔ پس یہ وہ واقعات تھے۔ جن کے سد راہ ہونے سے نہ آپ ممالک غیر پر فوج کشی کر سکتے تھے۔ اور نہ بلاد کی طرف متوجہ ہو سکتے تھے۔ اگر صحابہ کا وہی اتفاق جو عہد شیخین میں تھا۔ جناب امیرؑ کی خلافت

کے وقت بھی قائم رہتا تو البتہ دونوں زمانوں کے فتوحات کا موازنہ کیا جاتا۔ تاہم کتب کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ باوجود ان خانہ جنگیوں کی مزاحمت کے آپ نے اشاعت اسلام اور بلاد کے فتح کرنے میں اپنی ہمت کو مبذول رکھا ہے۔ اور اس جہاد میں بھی آپ وگیر اصحاب کرام سے کم نہیں رہے۔ چنانچہ علامہ ابن اثیر کامل التواریخ (جلد ۳ صفحہ ۱۵۲) میں لکھتے ہیں:۔ وفیھا توجہ الحرث بن مرة العبدی الی بلاد السند غازیا متطوعا بامر امیر المومنین علی فغنم واصاب مغنما وسبیا کثیرا وقسم فی یوم واحد الف راس وبقی غازیا الی ان قتل بارض القیقان هو ومن معه ۔ یعنی جناب امیر علیہ السلام کے حکم سے حرث بن مرہ العبدی نے ملک سندھ کا قصد کیا اور جہاد کر کے بہت غنیمت حاصل کی اور کفار کو گرفتار کر لیا۔ چنانچہ ایک دن میں ایک ہزار لونڈی اور غلام قیمت کے مال میں تقسیم کئے گئے اور ایک مدت تک حرث بن مرہ وہاں پر مصروف جہاد رہے یہاں تک کہ وہ اور ان کے تمام ہمراہی ارض قیقان میں شہید ہو گئے۔" (ارجح المطالب صفحہ ۱۷۵)

لیکن جو لوگ حضرت امیر المومنینؑ سے دنیوی فتوح کے خواہاں ہوتے ہیں ان کو حضرتؑ کی حقیقی معرفت نہیں ہے۔ انبیاء اوصیاء کو خدا نے دنیا میں کبھی بھی اس غرض سے نہیں بھیجا کہ وہ ملکوں کو فتح کریں۔ زبردستی کی بادشاہت حاصل کریں۔ اور بزور و قہر حکومت کریں۔ فتوح اور قتل و غارت کے واقعات کیا کسی دینی پیشوا اور مذہبی رہنما کے شایان شان ہو سکتے ہیں! حضرت آدمؑ سے حضرت رسول خدا صلعم تک کوئی نبی یا وصی ایسا گزرا جس نے ان امور کو کبھی پسند کیا ہو۔ کیا انبیاء و مرسلین اور ان کے اوصیاء و خلفاء خون کی ندیاں بہانے کو بھیجے جاتے تھے؟ کیا وہ مخلوق خدا کے مال و اسباب کو لوٹنے کے لیے مقرر کیئے جاتے تھے! کیا ان کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو خدا کو نہ مانے۔ تم کو پیغمبر یا وصی تسلیم نہ کرے اس کو گرفتار کرو۔ قتل کر دو۔ آگ میں پھونک دو۔ پہاڑ پر سے گرا دو۔ کنوئیں میں الٹا لٹکا دو۔ ان کی عورتوں بچوں تک کو ذبح کر ڈالو۔ دنیا میں کسی پیغمبر نے یہ کاروائیاں کیں؟ کس وصی یا خلیفہ نبی نے اس کا لاکھواں حصہ بھی کیا! خود حضرت رسول خدا صلعم نے کیا کسی کو اس سبب سے قتل کیا کہ وہ اسلام کیوں نہیں قبول کرتا۔ خدا کو ایک کیوں نہیں مانتا۔ آپ کو پیغمبر کیوں نہیں تسلیم کرتا! خدا نے تو صاف کہہ دیا ہے:۔ لا اکراہ فی الدین ۔ دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں۔ (پ۳ ع۳) فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ واللہ بصیر بالعباد۔ پس اگر یہ لوگ اسلام لائیں تو خود ہی ہدایت پائیں گے لیکن اگر انکار کریں تو تم کو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ اس کے سوائے تم کچھ نہیں کر سکتے اور خدا تو اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے (پ۳ ع۱) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلناک علیھم حفیظا ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی تو ہم نے تم کو ان لوگوں پر پاسبان مقرر کر کے نہیں بھیجا ہے (پ۵ ع۸) واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین ۔ خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور نافرمانی سے ڈرو۔ لیکن اگر تم نہیں مانو گے تو جان لو کہ ہمارے رسولؐ کا کام صرف اچھی طرح حکم خدا کا پہنچا دینا ہے۔ پھر کرو چاہے نہ کرو تم کو اختیار ہے (پ۷ ع۲) ما علی الرسول الا البلاغ خدا کے پیغمبروں کا کام صرف حکم خدا کا پہنچا دینا ہے (پ۷ ع۳) فان تولوا فانما علیک البلاغ المبین اگر یہ لوگ نہ مانیں تو اور کچھ نہ کرو کیونکہ تمہارے ذمہ صرف حکم خدا کا صاف پہنچا دینا ہے بس (پ۱۴ ع۱۷) نحن اعلم بما یقولون وما انت علیھم بجبار یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہم خوب جانتے ہیں۔ اور اے رسولؐ تم ان لوگوں پر جبر دینے کو نہیں بھیجے گئے ہو (پ۲۶ ع۱۷) فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر الا من تولی وکفر فیعذبه اللہ العذاب الاکبر ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم۔ اے رسولؐ تم ان لوگوں کو سمجھاتے رہو کیونکہ تم سمجھانے ہی کے لیئے مقرر کئے گئے ہو۔ ان پر داروغہ نہیں مقرر کئے گئے ہو۔ ہاں جو لوگ انکار کریں گے اور کافر ہی رہیں گے تو ان کو (تم نہیں بلکہ) خدا ہی بڑے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ کیوں کہ وہ (مرکر) تو ہمارے پاس ضرور ہی آئیں گے۔ پھر ان سب کا حساب لینا ہمارا کام ہے (پ۳۰ ع۱۳)

ان آیات نے اچھی طرح بتا دیا کہ کوئی نبی زبردستی لوگوں کو مسلمان بنانے۔ ان سے کلمہ پڑھوانے ان سے خدا کو سجدہ کرانے۔ ان سے نماز پڑھوانے۔ ان سے زکواۃ وصول کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ سب کا فرض صرف اس قدر تھا کہ لوگوں کو سمجھا دیں اور دین خدا ان تک پہنچا دیں۔ اگر وہ مانیں تو خیر ورنہ ان کو چھوڑ دیں مرنے پر خدا ان سے خود سمجھ لے گا۔

بعض نادان مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر نے بڑے بڑے ملک فتح کئے۔ کروڑوں اشرفیوں کی دولتیں حاصل کیں۔ اسلام کی عظیم الشان سلطنت قائم کی مگر حضرت علیؑ نے کوئی ملک فتح نہیں کیا۔ کسی شہر پر قبضہ نہیں کیا۔ اسلام میں کسی جزء کا اضافہ نہیں کر سکے۔ مسلمانوں کی سلطنت نہیں بڑھا سکے۔ ان لوگوں کے لیے دنیا حاصل نہیں کر سکے۔ اہل اسلام کو دولت مند نہیں بنا سکے۔ ان کی زندگی کو عیش و عشرت کا سامان مہیا نہیں کر سکے۔ اور حضرت ابوبکر و عمر سے یہ کل فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوئے۔

لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر حضرت علیؑ نے ایسا نہیں کیا تو کیا حضرت آدمؑ نے کیا! حضرت نوحؑ سے یہ کام ہو سکے؟ حضرت ابراہیمؑ کے یہ کارنامے کہیں بھی ملتے ہیں؟ حضرت موسیٰ کا اس قسم کا کوئی واقعہ کوئی شخص بتا سکتا ہے؟ حضرت عیسیٰ نے یہ باتیں انجام دیں؟ حضرت رسول خدا صلعم سے فوائد حاصل ہوئے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو حضرت علیؑ کو اس جماعت میں رکھو جس میں

یہ پیشوایان دین گزرے ہیں اور حضرت ابوبکر و عمر کو اس طبقہ میں سمجھو جس میں دنیا کے عظیم الشان فاتحین و سلاطین تھے۔ کیوں کہ شروع سے دنیا میں دو قسم کے سردار گزرے ہیں۔ ایک دنیا کے حاکم دوسرے دین کے پیشوا۔ اگر حضرت ابوبکر و عمر دنیوی سرداروں میں قرار پاتے ہیں تو حضرت علی دینی سرداروں میں محسوب کئے جائیں گے اور واقعات سے ان لوگوں کی تقسیم اس طرح کی جائے گی۔

دنیا کے بڑے فاتح

۱۔ سکندر
۲۔ چنگیز خاں
۳۔ جولیس سیزر
۴۔ بخت نصر
۵۔ نپولین بونا پارٹ
۶۔ محمود غزنوی
۷۔ تیمور
۸۔ اکبر
۹۔ حضرت ابوبکرؓ
۱۰۔ حضرت عمرؓ

دنیا کے بڑے ہادی

۱۔ حضرت آدم علیہ السلام
۲۔ حضرت نوح علیہ السلام
۳۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام
۴۔ حضرت ایوب علیہ السلام
۵۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام
۶۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام
۷۔ حضرت ہارون علیہ السلام
۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
۹۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۱۰۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام

غالباً اسی مناسبت کو پیش نظر رکھ کر حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی مشہور حدیث تشبیہ ارشاد فرمائی تھی:- قال قال رسول اللہ من اراد ان ینظر الی آدمؑ فی علمہ والی نوحؑ فی فہمہ والی ابراھیمؑ فی حلمہ والی یحییٰ بن زکریا فی زھدہ والی موسیٰ بن عمران فی بطشہ فلینظر الی علیؑ بن ابی طالب جو شخص چاہیے کہ حضرت آدمؑ کو ان کے علم سمیت۔ حضرت نوحؑ کو ان کی فہم سمیت۔ حضرت ابراہیمؑ کو ان کے حلم سمیت دیکھے حضرت یحییٰ بن ذکریاؑ کو ان کے زہد سمیت۔ اور حضرت موسیٰؑ بن عمران کو ان کی صولت سمیت دیکھے وہ نظر کرے طرف علی ابن ابی طالبؑ کے (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۸) اس حدیث کے ذیل میں علامہ فخر الدین رازی نے لکھا ہے :- ھذا الحدیث یدل علی ان علیاً کان مساویاً لھؤلاء الانبیاء فی ھذہ الصفات ولا شک ان ھؤلاء الانبیاء کانوا افضل من سائر الصحابۃ والمساوی لافضل افضل فوجب ان یکون علی افضل منھم۔ یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ان صفات (علم۔ فہم۔ حلم۔ زہد۔ بطش) میں حضرت علیؑ مذکورہ بالا انبیاء کرام کے برابر تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کل انبیاء تمام صحابہ سے افضل تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ جو شخص افضل کے برابر ہوگا وہ بھی افضل ہی ہوگا۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت علیؑ بھی

کل صحابہ سے افضل تھے (اربعین فی اصول الدین وارجح المطالب صفحہ ۴۵۵)

آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنی ذات کے مثل بھی فرمایا ہے :- عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ما من نبی الا ولہ نظیر فی امتہ وعلی نظیری اخرجہ الخلعی والدیلمی۔ انس بن مالک صحابی بیان کرتے تھے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کی کوئی مثال اس کی امت میں ضرور ہوتی ہے اور میری امت میں میری مثال علیؑ ہیں۔ اس حدیث کو ذکر کیا ہے خلعی اور دیلمی نے (ارجح المطالب صفحہ ۴۵۴)

پس جس طرح حضرت رسول خدا صلعم فاتح ملک و بلاد غانم اموال و املاک نہیں تھے۔ اسی طرح حضرت علیؑ کو بھی یہ خطابات نہیں مل سکتے۔ لیکن جس طرح حضرت علی علیہ السلام سب سے بڑے خلیفہ اور وصی تھے۔ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے لوگوں کو ایمان کی راہ دکھائی اسی طرح حضرت علیؑ بھی لوگوں کو ہدایت کرتے اور صراط مستقیم دکھاتے رہے اور جس طرح حضرت رسول خدا صلعم پر جب دشمنوں نے حملہ کیا تو حضرتؐ نے اپنی ذات اور مومنین کو بچانے کے لیے ان سے دفاعی جنگ کی بالکل اسی طرح جب حضرت علیؑ پر جمل و صفین و نہروان میں دشمنوں نے یورش کی تو حضرتؑ نے اپنی ذات اور مومنین کی حفاظت کے لیے ان سے جہاد کئے۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلعم نے اس کی پیشین گوئی بھی فرما دی تھی حضرت علیؑ سے فرماتے تھے: انک تقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ اے علی تم بھی قرآن کا مطلب بتانے کے لیے لوگوں سے اسی طرح جہاد کروگے جس طرح میں قرآن کا حکم پہنچانے کے لیے ان لوگوں سے جہاد کر رہا ہوں (صواعق محرقہ صفحہ ۷۵) روی ابن عساکر عن علیؑ قال امرنی رسول اللہ بقتال الناکثین والمارقین والقاسطین فالمراد بالناکثین طلحۃ والزبیر اصحاب الجمل وبالمارقین الخوارج وبالقاسطین معویۃ یعنی ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے مجھے حضرت رسول خدا صلعم نے حکم دیا تھا کہ ناکثین و مارقین و قاسطین سے جہاد کرنا۔ ناکثین سے مراد طلحہ، زبیر جنگ جمل والے ہیں۔ مارقین سے مراد خوارج ہیں اور قاسطین سے مراد معویہ ہیں (سیرۃ محمدیہ مطبوعہ مصر صفحہ ۴۵۹ و مجمع بحار الانوار لغت نکث صفحہ ۳۹۵ وانوار اللغۃ پ۵ صفحہ ۱۲۸)

اگر آں حضرت صلعم کو کبھی اس کا موقع مل گیا کہ حضرت ابوبکر و عمر و علیؑ کی جنگ اور ان کی ایمانی حالت پر تبصرہ فرمائیں تو حضرت علی ہی کی جنگ کو دینی جہاد فرمایا اور آپ ہی کے ایمان کی تصدیق کی۔ اور ان دونوں حضرات کے بارے میں سوال بھی کیا گیا تو حضرت نے سوائے لا (نہیں) کے کچھ نہیں فرمایا۔ محدثین محققین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرتؐ نے فرمایا: یا معشر قریش واللہ لیبعثن اللہ علیکم رجلا منکم قد امتحن اللہ قلبہ للایمان ویضربکم علی الدین

او یضرب بعضکم - قال ابوبکر انا ھو یا رسول اللہ - قال لا - قال عمر انا ھو یا رسول اللہ
قال لا - و لکن ذالک الذی یخصف النعل وقد اعطی علیا نعلہ یخصفھا - اے گروہ
قریش خدا کی قسم تم لوگوں پر اللہ اس شخص کو مقرر کرے گا جو تم ہی میں سے ہے اور جس کے دل کا امتحان
اللہ نے کر لیا ہے وہ تم لوگوں سے یا تمہاری ایک جماعت سے دین حق پر جہاد کرے گا - اس پر حضرت
ابوبکر نے پوچھا اے رسول خدا کیا وہ شخص میں ہوں گا ! فرمایا نہیں تب حضرت عمر نے پوچھا میں
ہوں گا ! آنحضرتؐ نے ارشاد کیا نہیں بلکہ یہ ہو گا جو میری جوتی ٹانک رہا ہے اور اس وقت حضرتؐ
اپنی جوتی حضرت علیؑ کو ٹانکنے کے لیئے دی تھی (ازالۃ الخفا مقصد ۲ صفحہ ۲۵۶)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت رسولؐ خدا نے پیشین گوئی فرما دی تھی کہ حضرت علیؑ کا جہاد خالص
طور پر دینی ہو گا - اور حضرتؑ کے ایمان کا امتحان بھی خدا لے چکا ہے - برخلاف اس کے حضرت ابوبکر
عمر کے فتوحات کو آنحضرتؐ نے نہ دینی کارنامہ بتایا اور نہ ان دونوں بزرگوں کے ایمان کی تصدیق کی۔

یہ تو حضرت علیؑ کے جہاد کی حالت تھی کہ بدرجہ مجبوری اس پر آمادہ ہوئے تو اس میں بھی بالکل
رسولؐ کی پیروی کی - لیکن حضرتؑ کے اصلی فرائض وہ تھے جو حضرت رسول خداؐ کے تھے اور جو ادا
کئے گئے کہ جس طرح آنحضرت صلعم لوگوں پر آیات خدا کی تلاوت کرتے تھے لوگوں کے اخلاق کی اصلاح
فرماتے تھے اور اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے تھے بالکل اسی طرح حضرت علیؑ نے بھی یہی خدمات
انجام دیں - آیاتِ خدا کی تلاوت اس شان سے کی کہ اب تک لوگ آپ کے ارشادات سے ایمان
تازہ کر رہے ہیں - اور لوگوں کے اخلاق اس طرح درست کئے کہ اس وقت تک دنیا حضرت کی تعلیم
سے بہرہ ور ہو رہی ہے حضرت علیؑ کی مشہور کتاب "نہج البلاغہ" کو آج عیسائی علماء و محققین بھی پڑھ کر
سر دُھنتے اور اسلام کی اس عظیم الشان ہستی کو سجدہ کر رہے ہیں اس میں زیادہ تر توحید خدا اور تزکیہ اخلاق
ہی کا فلسفہ بھرا ہوا ہے - جس پر انسان اگر عمل کرے تو فرشتہ ہو جائے۔

رہی کتاب و حکمت کی تعلیم تو یہ صفت بھی حضرت رسول خدا صلعم کے بعد بوجہ اتم حضرت علیؑ
میں تھی - قرآن مجید پر سیکڑوں اعتراضات خلفاء ثلٰثہ کے زمانے میں ہوئے اور حضرت علیؑ ہی نے ان
سب کو حل کیا - اس کی تفسیر بیان کرنا شروع کرتے تو شام سے صبح تک کسی ایک لفظ کی تفسیر بھی ختم
نہیں ہوتی عن ابن عباس قال یشرح لنا علی نقطۃ الباء من بسم اللہ الرحمن الرحیم
لیلۃ فانفلق عمود الصبح فرأیت نفسی فی جنبہ کالفوارۃ فی جنب البحر المتعجم ابن عباس
کہتے تھے کہ ایک رات کو حضرت علیؑ بائے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے لفظ کی شرح فرمانے لگے تو صبح ہو گئی
وہ تفسیر پوری نہیں ہوئی - اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مجھ کو جو قرآن کا علم ہے وہ حضرت علیؑ کے علم کے مقابل
ہے جیسے ایک چھوٹا پانی کا گڑھا سمندر کے بازو - کہاں سمندر اور کہاں ایک گڑھا (انوار اللغتہ پ۱ صفحہ

اور حکمت کی تعلیم آپ نے ایسی اعلیٰ درجہ سے کی کہ کتابوں میں اس کے خزانے بھرے ہوئے
ہیں - یورپ کی کئی زبانوں میں بھی ان کے ترجمے ہو چکے - ایک کتاب درر الکلم و غرر الحکم بھی انہیں جزولا
ایک جزو ہے - مختصر یہ کہ حضرت رسول خدا صلعم نے آپ کے متعلق بہت صحیح فرمایا تھا - کہ
انا مدینۃ العلم وعلی بابھا - (میں علم کا شہر اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں) پس جس کو وہ روحانی
منافع اور نورانی فوائد دیکھنے ہوں جو حضرت رسول خدا صلعم سے حاصل تھے - وہ حضرت علیؑ کی طرف
رجوع کرے اور جس کو حکومت دنیا - ملک گیری اور تحصیل مال و دولت کا تماشہ دیکھنا ہو - وہ دوسری
جماعت کا خیال کرے - کیوں کہ جب حضرت علیؑ رحمۃ للعالمینؐ کے نفس اور جانشین تھے تو کسی پر بے حملہ
حملہ کیوں کرتے - کسی ملک پر فوج کس غرض سے بھیجتے - اور جب یہ باتیں آپ نے حرام سمجھیں تو کوئی ملک
کس طرح فتح ہوتا - اور جب کسی سلطنت کو لوٹا ہی نہیں تو اپنا خزانہ کیسے بھرتے - اور جب زہد کو
پسند کیا تو عیش کا سامان کہاں سے مہیا ہوتا - البتہ حضرت رسول خدا اور دوسرے انبیاء کی طرح حضرت
علیؑ کی علمی خدمات کو دیکھنا چاہیئے۔

حضرت علیؑ کے علمی کارنامے

حضرتؑ کے علمی کارنامے بے حد و حساب ہیں - ہم یہاں صرف
مشہور علامہ اہلسنت ابن ابی الحدید معتزلی کی رائے کا خلاصہ
درج کرتے ہیں - ممدوح نے لکھا ہے "کل علوم کا اشرف علم الٰہی ہے اور یہ حضرت علیؑ ہی کے کلام سے
اقتباس کیا گیا - حضرتؑ ہی سے منقول ہوا - حضرتؑ ہی سے اس کی ابتدا اور حضرتؑ ہی تک اس
کی انتہا ہوتی ہے - عقائد کے اعتبار سے اسلام میں جو مختلف فرقے ہوئے ان سے ایک معتزلہ ہے۔
اس فرقہ کا بانی واصل بن عطاء شاگرد تھا - ابو ہاشم کا اور وہ شاگرد تھے - اپنے باپ محمد بن الحنفیہ
کے اور وہ اپنے پدر بزرگوار حضرت علیؑ کے - دوسرا فرقہ اشعریہ ہے جو منسوب ہے ابوالحسن اشعری
کی طرف - اور وہ شاگرد تھا ابو علی جبائی کا جو مشائخ معتزلہ سے تھا - پس یہ فرقہ بھی حضرت علیؑ ہی کا
شاگرد ہوا - تیسرا فرقہ امامیہ و زیدیہ ہے - اس کا حضرتؑ کی طرف منسوب ہونا بالکل واضح ہے (کہ
بالکل حضرتؑ ہی کا پیرو ہے -)

اسلامی علوم میں علم فقہ بھی ہے - اور اسلام کا ہر فرقہ و مجتہد حضرتؑ ہی کا شاگرد ہے - چنانچہ
اہلسنت میں چار فرقے ہیں - مالکی - حنفی - شافعی اور حنبلی - مالکی فرقہ کے امام مالک شاگرد تھے - ربیعۃ الرائی
کے جو شاگرد تھے - عکرمہ کے اور وہ شاگرد تھے عبداللہ بن عباس کے اور وہ شاگرد تھے - حضرت علیؑ
کے - پس پورا فرقہ مالکی درحقیقت حضرت علیؑ ہی کا شاگرد ہے دوسرے فرقہ حنفی کے امام ابوحنیفہ حضرت
امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادق کے شاگرد تھے - اور یہ حضراتؑ شاگرد تھے - امام زین العابدینؑ کے
وہ حضرت امام حسینؑ کے اور وہ حضرت علیؑ کے پس پورا فرقہ حنفی بھی درحقیقت حضرت علیؑ ہی کا

شاگرد ہے۔ تیسرے فرقہ کے امام شافعی شاگرد تھے۔ امام محمدؒ کے جو شاگرد تھے۔ امام ابو حنیفہ کے۔ اس طرح فرقہ شافعی بھی۔ حضرت علیؓ ہی کا شاگرد ہوا۔ چوتھے فرقہ حنبلی کے امام احمد ابن حنبل شاگرد تھے۔ امام شافعی کے۔ اس طرح ان کا فرقہ بھی حضرت علیؓ ہی کا شاگرد ہوا۔ رہا فرقہ شیعہ تو اس کا شاگرد ہونا ظاہر ہے۔

علاوہ بریں صحابہ کے فقہا۔ حضرت عمر و عبداللہ بن عباس تھے۔ اور دونوں نے علم فقہ حضرت علیؓ ہی سے سیکھا۔ عبداللہ بن عباس کا شاگرد حضرت علی ہونا تو واضح اور مشہور ہے۔ رہے حضرت عمر تو ان کے بارے میں بھی سب کو معلوم ہے کہ بکثرت مسائل میں۔ ان کی عقل و فہم اور راہ چارہ تدبیر بالکل بند ہو جاتی تھی تو وہ حضرت علی کی طرف رجوع کرتے اور حضرتؓ ہی سے ان مشکل مسائل کو حل کرایا کرتے تھے۔ بلکہ دوسرے صحابہ پر بھی جو مشکل مسائل وارد ہوتے ان کو بھی حضرت عمر آخرکار حضرت علیؓ ہی سے حل کرا کے اپنی مصیبت دفع کرتے تھے۔ ان کا بار بار کہنا لولا علیؓ لہلک عمر (اگر علیؓ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا) لا بقیت لمعضلۃ لیس لہا ابوالحسن (جس مصیبت کے دفع کرنے کے لیے حضرت علیؓ نہ ہوں اس کے نازل ہوتے وقت میں زندہ ہی نہ رہوں) لا یفتین احد فی المسجد وعلی حاضر (خبردار حضرت علیؓ کے رہتے کوئی شخص مسجد میں فتویٰ نہ دیا کرے) عام طور پر مشہور و معروف ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ علم فقہ کی انتہا حضرت علیؓ ہی تک ہوتی ہے۔ حضرت علیؓ ہی وہ ہیں جنہوں نے اس عورت کے مقدمہ میں منصفانہ فتویٰ دیا جس نے چھ مہینہ پر بچہ جنا تھا اور وہی حضرت ہیں جنہوں نے زناکار حاملہ عورت کے بارے میں درست فتویٰ دیا تھا اور وہی حضرت ہیں جنہوں نے مسئلہ منبریہ میں فرمایا تھا کہ اس کا آٹھواں حصہ نواں ہو گیا۔ یہ ایسا مشکل اور دقیق مسئلہ تھا کہ اگر علم ریاضی کا کوئی بڑا استاد عرصہ تک غور و فکر کرنے کے بعد یہ جواب دیتا تو اس کی بھی مدح و ثنا کی جاتی پھر اس بزرگ (حضرت علیؓ) کے بارے میں کیا کہا جائے جس نے مسئلہ کو سنتے ہی بغیر کچھ غور و فکر کیئے فوراً ٹھیک جواب دے دیا۔

اسلامی علوم میں تفسیر قرآن کا علم بھی ہے۔ یہ علم بھی حضرت علیؓ ہی سے حاصل کیا گیا۔ جو شخص تفسیر کی کتابیں دیکھے اسے آسانی سے اس دعوے کی صحت معلوم ہو جائے گی۔ کیوں کہ تفسیر کے مطالب زیادہ تر حضرت علیؓ اور عبداللہ بن عباس ہی سے منقول ہیں اور عبداللہ بن عباس تو حضرتؓ کے مشہور شاگرد تھے۔ لوگوں نے ایک دفعہ ان سے پوچھا کہ حضرت علیؓ کے علم کے مقابلہ میں آپ کا علم کتنا ہے! کہا جتنا ایک دریائے زخار کے مقابلہ میں ایک چھوٹا قطرہ ہو سکتا ہے۔

اسلامی علوم میں علم طریقت و حقیقت و اصول تصوف بھی ہے اور تم کو معلوم ہے کہ اس فن کے کل علمائے ماہرین اپنے کو حضرتؓ ہی کی طرف منسوب کرنے اور حضرتؓ ہی تک اپنا سلسلہ پہنچاتے ہیں

اس کی تصریح ان لوگوں نے بھی کی ہے جو صوفی فرقہ کے امام و پیشوا مانے گئے۔ مثل شبلی جنید۔ سری بایزید بسطامی۔ ابو محفوظ معروف کرخی وغیرہ کے۔ اس کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ وہ خرقہ جو آج تمام صوفی حضرات کا شعار ہے۔ حضرت ہی کی طرف منسوب ہے اور کل صوفی حضرات متصل اسناد سے اس خرقہ کو حضرتؓ ہی کا قرار دیتے اور اعتقاد رکھتے ہیں۔

منجملہ علوم علم نحو و عربیت بھی ہے اور دنیا میں علم عربی کے جس قدر ماہرین حقائق ہیں سب کو معلوم ہے کہ حضرت ہی نے اس علم کی ایجاد کی۔ اس کے قواعد و ضوابط مدون فرمائے اور ابوالاسود دئلی کو اس علم کے اصول و جوامع کی تعلیم فرما کر اسی نہج پر اس کے قوانین کو ترتیب دینے کا طریقہ سکھایا۔ حضرتؓ نے جو مختصر اور جو جامع اصول بتائے ان میں یہ بھی تھا کہ فرمایا کلام تین ہی ہوگا۔ اسم۔ فعل۔ حرف۔ اور کلمہ کو معرفہ و نکرہ میں اور اعراب کو رفع۔ نصب۔ جر و جزم میں تقسیم فرمایا۔ حضرتؓ کے ان مختصر اصول و ضوابط کو آپ کے معجزات میں شمار کرنا چاہیئے اس لیے کہ انسانی دماغ کی قوت اس طرح حصر اور محدود کرنے پر قادر نہیں ہو سکتی اور ایسی تحقیق و تدقیق سے اس قاعدہ کا بنانا آدمی کے ذہن کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ تو حضرتؓ کے علم کی حالت تھی۔ اب اگر تم حضرتؓ کی ان خصوصیات و محاسن کی طرف رجوع کرو جو خلقی تھیں یا اُن فضائل و مناقب کو دیکھو جو حضرتؓ کے نفس و روح اور امور دینیہ سے متعلق ہیں تو تم ان اوصاف میں بھی حضرتؓ کو سب سے بڑھا ہوا اور تمام مدارج پر فائز پاؤ گے اور کسی فضیلت میں بھی حضرتؓ کی ذات کو کسی طرح کم نہ پاؤ گے۔

حضرتؓ کی اصابۂ رائے اور حُسنِ تدبیر

علامہ مذکور نے لکھا ہے سب لوگوں سے زیادہ حضرت علیؓ کی رائے صائب و محکم و صحیح اور سب کی تدبیروں سے زیادہ آپ کی تدبیر مناسب اور مفید ہوتی تھی۔ چنانچہ جب حضرت عمر نے چاہا کہ خود جنگ روم و ایران میں جائیں تو حضرت علی ہی نے ان کو مفید مشورہ دیا جس کو حضرت عمر نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور اپنے ارادے سے باز رہے اور حضرت عثمان کو بھی ایسے قیمتی مشورے دیئے جن کو اگر وہ قبول کر لیتے تو انہیں ان حوادث و آفات سے سامنا ہوا ان سے محفوظ رہ جاتے اور حضرتؓ کے دشمنوں نے جو یہ مشہور کیا ہے کہ حضرتؓ صاحب رائے نہیں تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرتؓ دین اور شریعت کے نہایت سخت پابند تھے۔ اس کے خلاف توجہ ہی نہ کرتے اور دینی حیثیت سے جو امور حرام ہوتے وہ خود دنیوی اعتبار سے کتنے ہی مفید ہوتے حضرتؓ کبھی ان کا ارادہ تک نہیں کرتے آپ خود فرماتے تھے لولا الدین والتقی لکنت ادھی العرب اگر دین کی پابندی اور خدا کا خوف نہ ہوتا تو چالاکی اور ہوشیاری میں عرب کا کوئی شخص میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اور حضرتؓ کے سوائے جو خلفاء تھے وہی راہ اختیار کرتے جس میں دنیوی حیثیت سے مصلحت دیکھتے اور جس کو اپنے مفید مطلب پاتے خواہ وہ راہ شرع کے مطابق

ہوتی یا نہ ہوتی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص صرف اپنی عقل و تدبیر کے مطابق عمل کرے گا۔ وہ کسی شریعت یا اصول کی پابندی نہیں کرے گا جس کے سبب سے اس کو اپنے کاموں کو ترک کرنا پڑے جن میں وہ اپنی مصلحت اور نفع دیکھے۔ غرض جو شخص بغیر کسی مذہب کی پرواہ اور خوف کئے صرف اپنے دنیوی نفع کا لحاظ کر کے کام کرے گا اس کی دنیوی زندگی کہیں زیادہ کامیاب۔ درست اور منظم ہو گی بمقابلہ اس شخص کی زندگی کے جو اپنے ہر کام میں دین کا لحاظ رکھے اور قدم قدم پر خوف خدا کا خیال کرے کہ ایسے شخص کے دنیوی امور یقیناً منتشر اور غیر منظم ہوں گے اور اس کی زندگی زیادہ ناکامیاب نظر آئے گی۔"

حضرتؑ کی سیاست

علامہ مذکور نے لکھا ہے "اب صرف حضرت کی سیاست کے بارے میں کچھ لکھنا رہ گیا تو کان شدید السیاست خشنانی فات اللہ۔ حضرت بہت زبردست سیاست کے اور ذات خدا یعنی حق باتوں میں بڑے سخت اور غیر متزلزل تھے۔ اپنے چچازاد بھائی ابن عباس کو ایک مقام کی حکومت دی اور اس میں ان سے کچھ نامناسب باتیں ظاہر ہوئیں تو ان کے ساتھ بھی تشدد سے پیش آئے۔ آپ کے حقیقی بھائی نے اپنا وظیفہ زیادہ کرانا چاہا تو ان کا بھی خیال نہ کیا غرض حکم خدا کے خلاف جو بھی چلا اس کو شرعی سزائیں دینے میں تامل نہیں کیا اور کسی قرابت یا ذاتی خصوصیت کے سبب سے باز نہ رہے۔ حضرتؑ کے سیاسی کارناموں سے جنگ جمل و صفین و نہروان بھی ہیں جو آپ کی ابتداء خلافت سے آخر تک جاری رہیں اور سب میں آپ نہایت استقلال و جوانمردی سے جہاد کرتے اور کامیاب ہوتے رہے اگر ان واقعات کا صرف اقل قلیل ظاہر ہوتا جب بھی حضرت کا کمال سیاست ثابت کرنے کے لیے کافی تھا۔ چہ جائیکہ اس کثرت سے امور صادر ہوئے اور حضرتؑ نے سب کا تنہا مقابلہ کیا اور اس قدر لوگوں کی مخالفت نے کسی وقت آپ کو گھبرایا نہیں نہ ضعیف ہونے دیا۔ امور سیاست میں بھی حضرتؑ کے بے مثل و نظیر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان لڑائیوں میں جو قوت و شجاعت۔ دبدبہ و شوکت۔ دلجمعی و اطمینان۔ حملہ و گرفت، دشمن سے انتقام اور باطل کا کسر حضرتؑ کے ہاتھ آیا آپ کے اعوان و انصار سے ظاہر ہوا اس کا دسواں حصہ بھی دنیا کے کسی زبردست سے زبردست سیاست والے سے نہیں دیکھا گیا" (شرح نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۷)

حضرتؑ کی سیاست کا نمونہ

علامہ طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ ہمدان سے نکلے تو دو جماعتوں کو لڑتے دیکھا۔ حضرتؑ نے دونوں کو منتفرق کر دیا۔ آگے بڑھے تو آواز سنی کہ کوئی فریاد کر رہا ہے۔ حضرتؑ اس کی طرف دوڑے اور فرماتے جاتے تھے میں پہنچا جا کر دیکھا کہ ایک شخص دوسرے سے لپٹا ہوا ہے۔ اس نے حضرتؑ کو دیکھ کر کہا یا حضرتؑ میں نے اس کے ہاتھ ایک کپڑا نو درہم کو بیچا اور شرط کی کہ مجھے کوئی خراب درہم نہیں دے گا مگر اس نے کپڑا لے کر جو درہم دیئے ان میں چند خراب ہیں میں نے اس سے

کہا کہ بدل دے تو اس نے مجھے طمانچے مارے۔ اور درہم نہیں بدلتا۔ حضرتؑ نے اس سے درہم بدلوا دیئے پھر فریاد کرنے والے سے پوچھا کہ کس کے سامنے اس نے طمانچے مارے ہیں۔ اس نے گواہ پیش کئے تو حضرتؑ نے فرمایا اب تو بدلہ لے مگر اس نے عرض کی حضور! میں نے اس کو معاف کر دیا۔ حضرتؑ نے فرمایا میں نے یہ چاہا کہ یہ ظالم تیرے حق میں انصاف کرے۔ پھر اس ظالم کو نو کوڑے مارے اور فرمایا کہ (اگرچہ اس مظلوم نے تجھ کو معاف کر دیا مگر) یہ سلطنت کی طرف سے سزا ہے تاکہ آئندہ تو پھر کسی کے ساتھ ظلم نہ کرے (تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۹۰)

جناب زینبؑ و ام کلثومؑ

حضرتؑ کی بڑی صاحبزادی جناب زینبؑ کی شادی عبداللہ بن جعفر سے ہوئی جن سے جناب عونؑ پیدا ہوئے۔ دوسری صاحبزادی ام کلثومؑ کی شادی محمد بن جعفر سے ہوئی تھی۔ خلیفہ دوم نے آپ کی شادی کا دعویٰ محض افتراء اور خلاف عقل و نقل ہے جس کی تفصیل سوانح عمری خلیفہ دوم اور حضرتؑ ام کلثومؑ" میں قابل دید ہے۔

جناب محمدؑ بن الحنفیہ

حضرت امیر المومنینؑ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کی والدہ خولہ بنت جعفر قبیلہ بنو حنیفہ سے تھیں۔ جو خلیفہ اول کے زمانے میں بنو حنیفہ کے اسیروں میں آئی تھیں۔ اسامہ نے انہیں خرید کر حضرت علیؑ کے ہاتھ بیچ دیا۔ جناب امیرؑ کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو ان کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ چونکہ وہ حنفیہ کہلاتی تھیں اس وجہ سے ان کے فرزند محمدؑ کو لوگ محمدؑ بن حنفیہ کہنے لگے۔

جناب محمدؑ بن حنفیہ ۲۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ بڑے قوی تھے۔ حضرت علیؑ کے پاس ایک زرہ آئی جو بڑی تھی۔ حضرتؑ نے ان سے فرمایا کہ اسے فلاں جگہ سے چھوٹی کر دو۔ انہوں نے ایک ہاتھ سے زرہ پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے زور کر کے اتنا حصہ جو حضرت علیؑ نے فرمایا تھا توڑ کر الگ کر دیا (وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۴۴۹) آپ کی شہ زوری مشہور تھی۔ ایک دفعہ قیصر روم نے ایک نہایت زور آور پہلوان معویہ کے پاس بھیجا کہ کسی مسلمان پہلوان سے اس کی زور آزمائی کرائے۔ معویہ نے عمرو عاص سے پوچھا اس کے مقابلے میں کسے پیش کیا جائے۔ عمرو عاص نے کہا عبداللہ بن زبیر اور محمد بن الحنفیہ سب سے زیادہ طاقتور ہیں۔ معویہ نے محمدؑ بن الحنفیہ کو ترجیح دی جب محمدؑ بن الحنفیہ اور اس رومی پہلوان میں مقابلہ ہوا تو آپ نے لوگوں سے فرمایا اس سے کہو کہ اگر چاہے بیٹھ جائے اور میں کھڑا ہو کر اس کا ہاتھ پکڑوں۔ یہ مجھے بٹھا دے یا میں اسے کھڑا کر دوں۔ اور اگر یہ چاہے کھڑا رہے میں بیٹھ جاتا ہوں۔ یہ مجھے کھڑا کر دے یا میں اسے بٹھا دوں۔ رومی نے بیٹھنا پسند کیا تو آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس زور سے اوپر کو کھینچا کہ وہ بالکل بے اختیار ہو کر کھڑا ہو گیا اور آپ کے بٹھانے سے عاجز رہا۔ پھر رومی کھڑا ہوا اور محمدؑ بیٹھے تو آپ نے رومی کو ایسا

لیا اور وہ آپ کو گزند نہ کر سکا۔ آخر وہ پہلوان مغلوب ہو کر روم واپس چلا گیا (کامل للمبرد جلد ا صفحہ ۲۵۰)

آپ نے جنگ جمل و صفین و نہروان میں شجاعت کے بڑے جوہر دکھائے۔ جمل میں آپ ۱۵ صفین میں ۱۶ اور نہروان میں ۱۷ سال کے تھے۔ جنگ صفین میں کریب نامی ایک شخص جو نہایت مشہور شامی بہادر تھا ایسا قوی تھا کہ درہم کے نقش کو چٹکی سے مٹا دیتا تھا۔ میدان میں آیا اور چند بہادران عرب کو شہید کر دیا تو حضرت نے اس کو قتل کر دیا۔ اس پر اس کے بنی اعمام سے ایک شخص اس کا بدلہ لینے آیا اور محمد بن الحنفیہ پر حملہ کیا آپ نے اس کو پشت زین سے اٹھا کر اس طرح زمین پہ دے مارا کہ اس کا بند بند چور چور ہو گیا۔ دوسرا آیا وہ بھی اس سے ملحق ہوا اس طرح کریب کے آٹھ بنی اعمام کو آپ نے ختم کر دیا۔

باوجود سے کہ آپ حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کے سوتیلے بھائی تھے مگر کبھی اپنے کو ان حضرات کے برابر نہیں سمجھا بلکہ ہمیشہ غلام خیال کیا۔ ایک دفعہ آپ سے کہا بھی گیا کہ یہ کیا بات ہے آپ کے والد (حضرت علیؑ) آپ کو مہلکوں میں ڈالتے اور سخت معرکوں میں بھیجتے ہیں مگر آپ کے بھائیوں حسنؑ و حسینؑ کو ان خطرناک جگہوں میں نہیں بھیجتے؟ آپ نے کیسی معرفت کا جواب دیا جو سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے۔ فرمایا وہ دونوں حضرتؑ کی آنکھیں ہیں اور میں حضرتؑ کا ہاتھ ہوں انسان اپنی آنکھوں کو اپنے ہاتھ سے بچایا ہی کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت مجھے بھیجتے اور ان دونوں صاحبزادوں کو بچاتے ہیں۔ ایک اور موقع پر آپ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا کہ میں حضرت علی کا بیٹا ہوں (اس وجہ سے حضرت مجھے بھیج دیتے ہیں) اور جناب حسنؑ و حسینؑ رسول اللہ کے بیٹے ہیں (اس سبب سے اُن کی حفاظت کرتے ہیں)

ایک دفعہ بادشاہ روم نے خلیفہ عبد الملک کو دھمکی دی اور قسم کھائی کہ مجھے جزیہ بھیجو ورنہ میں ایک لاکھ فوج سے براہ خشکی اور ایک لاکھ سے براہ بحری تم پر چڑھائی کرتا ہوں۔ اس پر عبد الملک نے حجاج کو لکھا کہ محمد بن الحنفیہ کو اسی قسم کی دھمکی دے اور پھر جو جواب وہ دیں ہم کو لکھ بھیجیں۔ حجاج نے ایک تہدیدی خط محمد بن الحنفیہ کو لکھا تو آپ نے جواب میں لکھا کہ اللہ عز و جل کی ۳۶۰ نظریں (رحمتیں) خلقت کی طرف رہتی ہیں مجھے امید ہے کہ وہ ایک نظر بھی میری طرف کرے گا تو مجھے تیرے شر سے بچائے گا۔ حجاج نے یہ جواب عبد الملک کے پاس بھیج دیا۔ اس نے اسی جواب کو نقل کر کے بادشاہ روم کے پاس روانہ کر دیا اس نے پڑھ کر اور غائبانہ عبد الملک کو خطاب کر کے کہا تو یہ نہیں دے سکتا نہ تو نے یہ جواب لکھا ہے۔ ایسا جواب تو خاندان رسولؐ کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتا۔ (طبقات شعرانی و کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۲۹) جب امام حسینؑ یزید کے ظلم سے مدینہ چھوڑنے لگے اور محمد حنفیہ کو یہ خبر پہنچی تو اس قدر روئے کہ طشت جو وضو کے لیے پاس رکھا تھا آنسوؤں سے بھر گیا۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۷۱) آپ حضرتؑ کے ساتھ اس سبب سے نہ جا سکے کہ

سے آپ کے ہاتھ پر ایسا صدمہ پہنچا تھا۔ جس کی وجہ سے تلوار کا قبضہ یا نیزہ وغیرہ ہاتھ سے پکڑ نہ سکتے تھے اور ان دنوں بیمار بھی تھے۔ جب حضرت امام حسینؑ رخصت ہونے لگے تو دونوں بھائی بہت روئے اور حضرتؑ نے ایک وصیت نامہ لکھ کر آپ کے حوالہ کیا اور آپ کو اپنا وصی مقرر کر گئے۔

جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپ کا لٹا ہوا قافلہ وطن واپس پہنچا اور جناب محمد بن الحنفیہ کو معلوم ہوا کہ اہلبیت مدینہ میں آ رہے ہیں تو آپ ان لوگوں کے استقبال کو دوڑے مگر جب دور سے سیاہ علموں کو دیکھا تو غش کھا کر گھوڑے سے زمین پر گر گئے۔ لوگوں نے امام زین العابدینؑ کو خبر دی کہ آپ کے چچا آپ لوگوں سے ملنے کو آتے تھے مگر غش کھا کر گر گئے ہیں جلد چل کر ان کو اٹھائیے ورنہ وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔ حضرت سید سجاد روتے ہوئے دوڑے پھر جناب محمد بن حنفیہ کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ جب آپ نے آنکھیں کھولیں اور دیکھا کہ سر امام زین العابدینؑ کی گود میں ہے تو آہ کھینچ کر کہا اے بیٹا میرا بھائی کیا ہوا؟ میرا میوۂ دل کہاں رہ گیا؟ میرے والد کا جانشین کس جگہ ہے؟ میرا بھائی حسینؑ کس طرف ہے؟ حضرت نے فرمایا اے چچا میں یتیم ہو کر واپس آیا ہوں لوگوں نے ہمارے مردوں کو قتل اور عورتوں کو اسیر کیا کاش آپ موجود ہوتے اور اپنے بھائی کو دیکھتے کہ کس طرح فریاد کرتے تھے۔ مگر ان کی فریاد کو نہیں پہنچا تھا اور کس طرح مدد چاہتے تھے مگر کوئی ان کی مدد نہیں کرتا تھا کل جانور تک پانی پیتے تھے۔ لیکن حضرت کو لوگوں نے پیاسا ذبح کر دیا۔ یہ سب سن کر محمد بن حنفیہ اس زور سے چیخے کہ آپ کو پھر غش آ گیا۔ جب افاقہ ہوا تو پوچھا بیٹا تم لوگوں پر کیا کیا گزرا حضرت امام زین العابدینؑ پورے واقعات بیان کرتے اور آپ سب سن کر روتے جاتے تھے۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۳۷۲)

جناب محمد حنفیہ پر بھی بڑے بڑے ظلم کئے گئے ۶۶ہجری (۶۸۵ء) میں جب مختار کو کوفہ میں کامیابی حاصل ہوئی تو عبد اللہ بن زبیر نے جن کی حکومت حجاز و عراق میں قائم ہو گئی تھی۔ آپ کو اور بنی ہاشم کو اپنی بیعت پر مجبور کیا۔ آپ نے انکار کیا تو ابن زبیر نے قتل کی دھمکی دی تو آپ نے مہلت چاہی۔ غرض بہت رد و قدح کے بعد دو ماہ کی مہلت ملی اس عرصہ میں ابن زبیر نے آپ کو اس مکان میں جو چاہ زمزم پر بنایا تھا اور جس کا نام سجن عارم تھا۔ محبوس کر کے چالیس آدمی پہرہ پر معین کر دیئے تھے کہ اگر اس مدت کے بعد بیعت نہ کرو گے تو قتل کر دیئے اور جلا دیئے جاؤ گے۔ پھر دن آپ نے اس کی خبر مختار علیہ الرحمہ کو دی اور ان سے مدد مانگی۔ مختار نے بڑی فوج بھیج دی اس اثناء میں ابن زبیر نے سجن عارم کے دروازے پر لکڑیاں جمع کرا دی تھیں کہ اگر ابن حنفیہ تاریخ معین پر بیعت نہ کریں تو ان کو اور ان کے ساتھیوں کو جلا کر ہلاک کر دیا جائے۔ جناب مختار کی فوج دن کو چھپتی اور رات کو

سفر کرتی ٹھیک اسی دن وہاں جا پہنچی۔ جب ابن زبیر ان لوگوں کو آگ لگانے والے تھے۔ یہ فوج ایسی چھپتی پہنچی کہ جب دروازۂ حرم تک آگئی اس وقت ابن زبیر کو اطلاع ہوئی۔ اس فوج نے قید خانہ کو توڑ کر ابن حنفیہ اور ان کے ساتھیوں کو اس سے نکال کر طائف یا ایلہ کی طرف روانہ کر دیا۔

جناب محمد بن حنفیہ کے توکل علی اللہ کی یہ حالت تھی کہ ابن زبیر نے ان کو کہہ دیا تھا کہ اگر ابن حنفیہ نے غروب آفتاب تک بیعت نہ کی تو مکان میں آگ لگا دوں گا۔ اس پر ابن عباس نے محمد سے کہا کہ ابن زبیر کی بیعت کر لیجئے۔ مگر انہوں نے فرمایا نہیں۔ ایک حجاب قوی اس کو مجھ سے باز رکھے گا۔ ایسا ہی ہوا کہ جب سورج ڈوبنے لگا تو مختار کی فوجیں پہنچ گئیں اور قید خانہ توڑ کر آپ کو نکال لیا (مروج الذہب جلد ۶ صفحہ ۱۱۶۰) ایلہ میں آپ عبادت میں بسر کرتے تھے تو لوگ آپ کی فضیلتیں بیان کرنے لگے جب عبدالملک کو معلوم ہوا اس نے آپ کو امان دی اور آپ طائف میں رہنے لگے وہیں ۸۱ ہجری یا ۸۲ ہجری میں ۶۵ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ آپ کی چوبیس[۲۴] اولادیں ہوئیں مگر آپ کی نسل جعفر اور علی سے جاری ہوئی۔ بنی عباس کو اسلامی دنیا کی بادشاہت آپ ہی کے فرزند ابو ہاشم کے توسل سے ملی۔ اس طرح کہ عبداللہ ابن عباس کے پوتے محمد نے دعویٰ کیا کہ امام حسین کے بعد امامت ان کے بھائی محمد بن حنفیہ کو ملی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ابو ہاشم کو اور ابو ہاشم نے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو سپرد کر دی ہے۔

حضرت عباس علمبردار

حضرت امیر المومنینؑ کے فرزند جلیل القدر۔ آپ کی والدہ ام البنین فاطمہ دختر حزام کلابیہ تھیں۔ جن کا دادھیال اور ننھیال دونوں نہایت بہادر خاندان تھا۔ جناب امیرؑ نے اپنے بھائی جناب عقیل سے جو بڑے نساب اور حالات عرب سے اچھی طرح واقف تھے فرمایا کہ آپ مجھے ایک ایسی لڑکی تلاش کر دیجئے جس کے دادھیال اور ننھیال کے کل قبیلہ بہادر ہی بہادر ہوں۔ جس سے میں شادی کروں تو بڑا بہادر لڑکا پیدا ہو۔ جناب عقیل نے فاطمہ کلابیہ کو تجویز کیا اور کہا عرب میں اس کے بزرگوں سے زیادہ بہادر اور شہسوار کوئی نہیں ہے۔ حضرتؑ نے ان سے شادی کر لی جن سے چار بیٹے ہوئے۔ عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان۔ انہیں چار بیٹوں کی وجہ سے جناب فاطمہ کی کنیت ام البنین ہوئی۔ اسی نام سے آپ مشہور ہوئیں۔ عباس کا لقب قمر بنی ہاشم (خاندان بنی ہاشم کے چاند) اور کنیت ابوالفضل تھی۔ آپ ۲۶ ہجری میں پیدا ہوئے (تاریخ ولادت کا پتہ نہیں ملتا۔ اہل ایمان نے غالباً ۴ شعبان کی رات قرار دی ہے) آپ جناب امیرؑ کے ساتھ ۱۴ سال تک اور اس کے بعد حضرت امام حسینؑ کے ساتھ رہے۔ آپ بڑے بہادر، شہسوار، چمکتے چہرے اور موٹے تازے بدن کے تھے۔ بڑے موٹے گھوڑے پر سوار ہوتے تو آپ کے دونوں قدم زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ حضرت عباسؑ

بڑی گہری بصیرت، اعلیٰ معرفت اور پختہ ایمان کے تھے۔ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جہاد کر کے اور وفاداری و بہادری کی یاد قائم کر کے شہید ہو گئے۔ حضرت امام زین العابدین نے فرمایا اللہ جناب عباسؑ پر رحمت نازل کرے کہ انہوں نے پورا ایثار کر کے حضرت امام حسینؑ کی مدد کی۔ بڑے معرکے سر کئے اور اپنے بھائی پر فدا ہو گئے۔ ان کے دونوں ہاتھ بھی کٹ گئے تو خدا نے ان کو دو پر عنایت کئے جن سے وہ جنت میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں اور خدا کے ہاں جناب عباس کا وہ درجہ ہے جس کو دیکھ کر بروز قیامت کل شہداء غبطہ اور رشک کریں۔

جب لشکر یزید نے امام حسینؑ پر پانی بند کر دیا تو حضرت نے اپنے بھائی جناب عباس کو ۳۰ سوار اور ۲۰ پیدل کے ساتھ رات کے وقت پانی لانے کے لئے بھیجا۔ جناب عباس سخت جہاد کر کے مشک بھر لائے۔ اسی وقت سے لوگ ان کو سقاء کہنے لگے۔ آپ نے کربلا میں کئی کنویں بھی کھدوائے۔ عاشورا کی رات کو شمر نے (جس کو جناب ام البنین کے خاندان سے کچھ رشتہ تھا) لشکر امام حسینؑ کے قریب ہو کر حضرت عباس اور آپ کے بھائیوں کو پکارا اور کہا۔ عباس اور ان کے بھائی کہاں ہیں مگر کسی نے اس کا جواب نہیں دیا تو حضرت امام حسینؑ نے فرمایا اس کو جواب دو اگرچہ وہ فاسق ہے۔ تب جناب عباس بولے کیا چاہتا ہے اس نے کہا تم لوگوں کو امان ہے اس پر جناب عباس غضبناک ہو کر بولے تجھ پر بھی لعنت اور تیری امان پر بھی لعنت۔ تو ہم کو امان دیتا ہے اور فرزند رسول کو کوئی امان نہیں! یہی جواب سب بھائیوں نے دیا اور واپس آئے۔ ۹ محرم ہی کا یہ واقعہ بھی ہے کہ سہ پہر کو عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو بڑھایا کہ امام حسینؑ پر حملہ کر دیا جائے۔ حضرت اس وقت خیمہ کے باہر بیٹھے تھے۔ کچھ غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ جناب زینبؑ نے لشکر مخالف کی آواز سنی تو حضرتؑ کے پاس آ کر کہا بھیا فوج قریب آگئی۔ حضرتؑ بیدار ہوئے تو پکارے میرے لشکر کے سردار۔ خاندان بنی ہاشم کے چاند۔ میرے قوت بازو اور میرے بھائی ابوالفضل عباس کہاں ہیں۔ آپ لبیک یا مولای۔ لبیک یا سیدی کہتے ہوئے حاضر ہوئے تو حضرتؑ نے فرمایا کیوں بھائی کیا تم ان لوگوں کو کل تک کے لیے ٹال سکتے ہو تاکہ آج رات کو ہم خدا کی عبادت کر لیں۔ جناب عباس فوراً گئے اور بہت کچھ ردوکد کے بعد شب بھر کی مہلت لے کر واپس آئے۔ شب کو حضرتؑ نے سب کو اجازت دے دی کہ جس کا دل چاہے مجھے چھوڑ کر چلا جائے تو جناب عباسؑ کھڑے ہو گئے اور فرمایا ہم سے تو یہ نہیں ہو سکتا۔ کیا ہم آپ کے بعد زندہ رہیں گے؟ خدا وہ دن ہمیں نہ دکھا دے۔ جب صبح عاشورا ہوئی تو حضرت نے اپنے لشکر کی تقسیم کی اور فوج کا علم جناب عباس کو دیا۔ آپ کی یہ وفاداری قیامت تک یاد رہے گی کہ بروز عاشورا پہلے اپنے حقیقی تینوں بھائیوں کو آمادہ کر کے امام حسینؑ پر فدا کیا پھر خود جا کر شہید ہوئے۔ جب آپ کے تینوں بھائی شہید ہو چکے اور امام حسینؑ پر

حملہ زیادہ ہونے لگا تو جناب عباس حاضر ہوئے اور عرض کی اے مولا میرا سینہ تنگی کر رہا ہے اور میری دم بھر ہو رہی ہے کیا مجھے بھی اجازت ہے؟ مگر حضرتؑ صاف صاف اجازت نہ دے سکے۔ بلکہ بہت روئے اور فرمایا اے بھائی تم میرے لشکر کے علم بردار ہو۔ اگر تم نہ رہوگے تو کیا ہوگا۔ مگر آپ نے بہت ضد کی تو حضرتؑ نے فرمایا اگر جاتے ہی ہو تو پہلے ان بچوں کے لیئے کچھ پانی کی فکر کرو۔ جناب عباس نے مشک لے لی اور جہاد کو روانہ ہوگئے۔ نہر کا رُخ کیا کہ مشک بھر لائیں۔ معتبر مورخ کا بیان ہے کہ امام حسینؑ کے لشکر اور نہر فرات کے درمیان ایک پہاڑی یا اونچا ٹیلا تھا۔ اس پر ابن سعد کی چار ہزار فوج معین تھی جناب عباسؑ کاندھے پر مشک رکھے۔ علم لیے ہاتھ سے تلوار مارتے۔ گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے اس پہاڑی پر چڑھنے لگے۔ ادھر کی فوج نے تیر، تلوار اور نیزوں کی بوچھاڑ کی مگر آپ پوری فوج سے لڑتے ہوئے اوپر پہنچ گئے۔ وہاں اس زور کا جہاد کیا کہ بجلی کی طرح پوری فوج پر ٹوٹ پڑے۔ داہنی طرف کی فوج کو بائیں طرف اور بائیں طرف کی فوج کو داہنی طرف الٹتے ہوئے بڑھتے جاتے تھے پورا لشکر داہنے بائیں اس طرح بھاگا جس طرح شیر کے حملہ کرنے سے بکریاں بھیڑیاں بدحواس ہو کر بھاگتی ہیں۔ ایک طوفان کی طرح آپ بڑھتے چلے گئے اور چار ہزار کی فوج گھاٹ چھوڑ کر بھاگ گئی (دامتہ دیباستہ جلد ۲ صفحہ ۸) جناب عباسؑ پہاڑ سے نیچے اترے۔ نہر میں سما کر مشک بھگوئی۔ جب وہ کئی دن کی سوکھی مشک بہت دیر میں تر ہوئی تو پانی بھر کر خود اسی طرح پیاسے نہر سے نکل آئے اور خیمہ گاہ کی طرف چلے۔ آپ نے نہر سے ایک چلو پانی اٹھا کر دشمنوں کو دکھا دیا کہ دیکھو پانی قبضہ میں ہے مگر پیا نہیں اور وہ پانی پھینک کر گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوگئے۔ اتنی دیر میں بھاگی ہوئی فوج پھر نہر کے کنارے جمع ہوگئی تھی۔ آپ نے پھر سب کو مار بھگایا۔ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ مشک لیے ہوئے نیچے اترے اور خیمہ گاہ کی راہ لی مگر راستے میں ایک شخص نے درخت کی آڑ میں چھپ کر اس زور کی تلوار ماری کہ آپ کا داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا لیکن آپ نے فوراً مشک بائیں کاندھے پر رکھ لی اور تلوار بھی اسی ہاتھ میں لیکر دشمنوں کو مارتے اور گھوڑے کو دوڑاتے ہوئے چلے جاتے تھے کہ پھر ایک شخص نے بائیں ہاتھ پر وار کر دیا۔ تب آپ نے علم کو سینے سے لپٹا لیا۔ مشک کو دانتوں سے پکڑ لیا اور رکاب سے گھوڑے کو مارتے اور خوب تیز دوڑاتے ہوئے چلے جاتے تھے کہ ایک شخص نے ایسا تیر مارا جس سے مشک چھد گئی اور سب پانی بہہ گیا اور دوسرا تیر آپ کے سینے میں لگا اور ایک گرز آپ کے سر پر پڑا جس سے آپ زمین پر آ رہے اور پکارے اے آقا غلام نے بھی اپنی جان نثار کی اے بھائی میری خبر لیجئے یہ سنتے ہی حضرت امام حسینؑ باز کی طرح جھپٹ کر آپ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ کے دونوں ہاتھ کٹے۔ پیشانی زخمی آنکھ مجروح ہے آپ پکارتے تھے ہائے بھائی عباس الآن انکسر ظہری وقلت حیلتی۔ اب تمہارے مرنے سے میری کمر ٹوٹ گئی اور راہ چارہ و تدبیر بند ہوگئی۔ حضرتؑ جناب عباسؑ کے سرہانے بیٹھ کر

رونے لگے اتنے میں جناب عباسؑ کی روح پرواز کر گئی۔ تب حضرتؑ نے دشمنوں پر اس زور سے حملہ کیا کہ وہ بکری کی طرح بھاگے جاتے تھے اور حضرتؑ فرماتے تھے تم کہاں بھاگتے ہو! تم ہی نے تو میرے بھائی کو قتل کیا۔ تم کہاں بھاگے جاتے ہو تم ہی نے تو میرا بازو توڑ دیا۔ پھر حضرتؑ اپنی جگہ پر واپس آئے اس وقت جناب عباسؑ کی عمر ۳۴ سال چند مہینہ کی تھی۔ آپ کی شہادت کے بعد گویا لشکر امام حسینؑ کی جان نکل گئی اور حضرتؑ بے پناہ ہوگئے۔ جناب عباسؑ کے دو لڑکے تھے جناب فضل و عبداللہ۔

اصحاب امیرالمومنینؑ

حضرتؑ کے اصحاب بھی قابل ذکر ہیں مگر ہم صرف چند حضرات کے حالات لکھتے ہیں:۔

حُجر بن عدی

آپ حضرت رسول خدا صلعم کے صحابی بھی ہیں مگر زیادہ زمانہ حضرت امیرالمومنینؑ کے ساتھ گزرا۔ اس سبب سے یہیں آپ کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔ علامہ ابن اثیر آپ کے حالات میں لکھتے ہیں:۔ "آپ حجر الخیر کے نام سے مشہور ہیں۔ آں حضرتؐ کی خدمت میں یہ اور ان کے بھائی ہانی حاضر ہوئے تھے اور جنگ قادسیہ میں شریک تھے۔ فضلاء صحابہ میں تھے۔ جنگ صفین میں قبیلہ کندہ کے سپہ سالار تھے اور نہروان میں لشکر کے میسرہ پر تھے اور جنگ جمل میں بھی حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ آپ مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ جب زیاد عراق کا حاکم ہوا اور اس نے سختی اور بدچلنی شروع کی تو حجر نے اس کی بیعت فسخ کردی۔ شیعیان علیؑ کی ایک جماعت ان کی پیرو ہوگئی۔ ایک دن تاخیر نماز کی بابت انہوں نے اور ان کے اصحاب نے زیاد پر طعن و تشنیع کی تو زیاد نے ان کی شکایت معویہ کو لکھ کر بھیجی معویہ نے لکھا کہ ان کو مع ان کے اصحاب کے میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ زیاد نے سب لوگوں کو بھیج دیا۔ ان کے ساتھ بڑی جماعت تھی۔ جب یہ مقام مرج عذرا میں پہنچے تو کہا میں پہلا مسلمان ہوں جو اس مقام پر تکبیر کہتا ہوں۔ پھر یہ اور ان کے اصحاب عذرا نامی دیہات میں جو دمشق کے پاس ہے۔ اترے معویہ نے ان سب کے قتل کا حکم دے دیا مگر معویہ کے اصحاب نے بعض لوگوں کی سفارش کی تو وہ چھوڑ دیئے گئے اور حجر اور ان کے ساتھ ۶ آدمی قتل کر دیئے گئے۔ جب لوگوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر کہا میرے ہتھیار نہ اتارنا اور میرا خون نہ دھونا میں قیامت میں اسی طرح معویہ سے ملوں گا۔ جب حضرت عائشہ کو حجر کے ساتھ زیاد کی بدسلوکی کی خبر ملی تو انہوں نے عبدالرحمٰن کو معویہ کے پاس بھیجا کہ خدا کے لیے حجر اور ان کے اصحاب کی بے حرمتی نہ کرنا مگر عبدالرحمٰن کے پہنچنے سے پہلے حجر قتل ہو چکے تھے۔ تو عبدالرحمٰن نے معویہ سے کہا تم نے ان کو قید کیوں نہ کر دیا کسی وبائی مقام میں کیوں نہ بھیج دیا۔ معویہ نے کہا اس وقت میری قوم میں تمہارے ایسے لوگ نہ تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا خدا کی قسم اب اہل عرب تم کو نہ صاحب حلم سمجھیں گے نہ صاحب عقل۔ تم نے ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جو مسلمان تھے اور تمہارے پاس قید کر کے بھیجے گئے تھے معویہ کے

مدینہ آکر حضرت عائشہ سے ملاقات کی تو معاویہ نے سب سے پہلے حجر کے قتل کے متعلق ان پر اعتراض کیا۔ معویہ نے کہا میرا اور حجر کا معاملہ چھوڑ دیجیئے یہاں تک کہ ہم دونوں خدا کے ہاں ملیں۔ ابن عمر بازار میں تھے جب ان کو حجر کی وفات کی خبر ملی تو ان سے صبر نہ ہو سکا۔ اٹھ کھڑے ہوئے اور زور سے رونے لگے۔ حسن بصری حجر اور ان کے اصحاب کے قتل کو بڑا حادثہ سمجھتے تھے۔ ان کا قتل ۵۱ھ میں ہوا۔ ان کی قبر مقام عذرا میں مشہور ہے جو دمشق سے دو فرسخ ادھر ہے۔ یہ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ (ترجمہ اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۱)

جناب حجر حضرت امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کے مخصوص شیعوں سے تھے اسی وجہ سے معویہ نے آپ کو بڑے ظلم سے شہید کیا۔ جناب ابوذر کی وفات ربذہ میں ہوئی تو ان کے دفن میں حجر بھی شریک تھے۔ خدا کے ہاں آپ کا یہ درجہ تھا کہ معویہ کے لوگ آپ کو قید کر کے لئے جاتے تھے تو ایک مقام پر آپ کو احتلام ہو گیا۔ غسل جنابت کرنے کے لیے معویہ والوں سے پانی مانگا انہوں نے نہیں دیا تو آپ نے خدا سے دعا کی۔ فوراً ابر آیا اور اتنا برسا کہ آپ نے غسل کر لیا۔ (اصابہ جلد ۱ صفحہ ۳۲۹)

معویہ کے ساتھیوں سے ایک شخص نے آپ سے کہا کہ (حضرت امیر المومنینؑ) علیؑ پر لعنت کرو۔ انہوں نے کس خوبصورتی سے اس پر عمل کیا۔ کہا ان امیر الوفد امرنی ان العن علیا فا لعنوہ لعنہ اللّٰہ یہ شخص مجھے حکم دیتا ہے کہ حضرت علیؑ پر لعنت کروں۔ پس تم لوگ اس پر لعنت کرو خدا بھی اس پر لعنت کرے۔ چونکہ آپ شیعان کوفہ کے رئیس تھے اس وجہ سے زیاد نے آپ کو قتل کرانے کی تدبیر کی جب اس نے آپ کو گرفتار کر کے معویہ کی طرف روانہ کیا اور یہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ دمشق کے قریب پہنچے تو معویہ نے ایک افسر کو ان کی طرف بھیج کر حکم دیا کہ اگر وہ محبت علیؑ سے باز آئیں تو چھوڑ دو ورنہ قتل کر دو۔ اس نے آکر کہا مگر جناب حجر نے حضرت امیر المومنینؑ کی محبت نہیں چھوڑی تو اس نے قتل کر دیا۔ آپ کے عشق امیر المومنینؑ کی یہ حالت تھی کہ زیاد نے آپ کو گرفتار کر کے جب بلایا اور آپ سے کہا کہ علیؑ کے بارے میں کیا کہتے ہو انہوں نے کہا ان کی تعریف کرتا ہوں۔ اس نے لوگوں سے کہا انہیں مارو۔ سب نے اتنا مارا کہ آپ زمین پر گر گئے۔ پھر چھوڑ کر پوچھا اب کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم اگر تو استرے سے میری بوٹی بوٹی کاٹ ڈالے تب بھی میں حضرتؑ کے بارے میں وہی کہے جاؤں گا جو رسول خدا سے آپ کے فضائل و مناقب میں سُنا ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۸۹)

جناب حجر اور ان کے ساتھیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ کل قتل کیے جائیں گے تو اس رات کو شب بھر یہ حضرات عبادت خدا کرتے، نمازیں پڑھتے اور تلاوت میں مشغول رہے۔ دوسرے دن جب قتل ہونے لگے اس وقت بھی مہلت لے کر قتل سے پہلے وضو کیا اور نماز پڑھی جب قتل ہوتے وقت قاتل نے پہلی تلوار لگائی تو کہا اب بھی علیؑ سے برأت کرو تو چھوڑ دیئے جاؤ۔ آپ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا۔ آخر قتل کر دیئے گئے (کامل جلد ...)

جناب قنبر

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور غلام تھے۔ حضرت آپ کو بہت مانتے اور نہایت عزیز رکھتے تھے۔ قنبر بھی حضرتؑ کے بڑے جاں نثار تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے غلام ہو کہا مولی من ضرب بسیفین۔ وطعن برمحین وصلی القبلتین۔ وبایع البیعتین ... ھاجر الھجرتین ولم یکفر باللّٰہ طرفۃ عین اس کا غلام ہوں جو دو تلواروں سے جہاد کرتا اور دو نیزوں سے لڑتا تھا جس نے دونوں قبلہ کی طرف نماز پڑھی، دونوں بیعتیں کیں۔ دونوں ہجرتوں کا شرف حاصل کیا اور ایک سیکنڈ کے لیے بھی کافر نہیں رہا۔ اسی طرح بڑی لمبی فصیح و بلیغ مدح حضرتؑ کی کرتے رہے۔ حجاج نے آپ کو گرفتار کرا کے بلایا اور پوچھا کہ تم علیؑ کی کون خدمت انجام دیتے تھے۔ کہا وضو کے لیے حضرتؑ کے پاس پانی لے جاتا تھا۔ پوچھا جب وہ وضو سے فارغ ہوتے تو کیا کہتے۔ کہا اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے فلما نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیہم ابواب کل شیء حتی اذا فرحوا بما اوتوا اخذناھم بغتۃ فاذا ھم مبلسون فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمد للّٰہ رب العالمین پھر جس چیز کی انہیں نصیحت کی گئی تھی جب اس کو بھول گئے تو ہم نے ان پر ہر طرح کی نعمت کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں جب ان کو پا کر خوش ہوئے تو ہم نے انہیں ناگہاں لے ڈالا اس وقت وہ ناامید ہو کر رہ گئے (پ ۷ ع ۱۱) حجاج نے کہا میرا گمان ہے کہ وہ یہ آیت ہم لوگوں (بنی اُمیہ) کے بارے میں پڑھتے تھے اور ہم لوگوں کو بھی اس کا مصداق جانتے اور انہیں ظالموں سے سمجھتے تھے۔ قنبر نے کہا ہاں ایسی ہی ہے۔ حجاج نے کہا اگر میں تمہارے قتل کا حکم دوں تو تمہارا کیا حال ہو۔ قنبر نے کہا سبحان اللّٰہ اچھے نصیب میرے۔ پھر تو میں شہیدوں کا درجہ پالوں گا اور تو ظالموں بدبختوں کے گروہ میں ہو جائے گا۔ حجاج نے حکم دیا اور آپ فوراً قتل کر دیئے گئے (رجال کشی صفحہ ۴۸) ابوالنوار جو کرباس کا سوتی کپڑا بیچتا کہتا تھا کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ اپنے غلام قنبر کے ساتھ میرے پاس آئے اور دو موٹے کپڑے خریدے پھر اپنے غلام قنبر سے فرمایا ان میں سے جو تم کو پسند ہو اس کو لے لو۔ قنبر نے ان دونوں سے ایک پسند کر کے لے لیا اور جناب امیرؑ نے دوسرا کپڑا خود پہنا۔ (ینابیع المودۃ و ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۶)

جناب مالک اشتر

حضرت امیر المومنینؑ کے مشہور اور بڑے وفادار صحابی تھے آپ کا نام مالک لقب اشتر اور باپ کا نام حارث نخعی تھا۔ آپ کو آنحضرت امیر المومنینؑ سے نہایت درجہ خصوصیت تھی اور حضرتؑ کے ہاں آپ بڑے جلیل القدر عظیم المنزلت تھے۔ جب آپ کے انتقال کی خبر حضرتؑ نے سُنی تو فرمایا وہ میرے لیے ویسے ہی تھے جیسا میں حضرت رسول خدا کیلئے تھا اور فرمایا رحم اللّٰہ مالکا وما مالک عز علی بہ مالکا۔ لو کان صخرا لکان صلدا ولو کان جبلا لکان فندا وکانہ قد منی قدا خدا مالک پر رحمت نازل کرے۔ ان کی جدائی میرے لیے بہت شاق ہے وہ اگر شجاعت یا حقیقت دنیا میں پتھر تھے تو سخت پتھر تھے اور اگر پہاڑ تھے تو بڑے اونچے پہاڑ تھے

ان کی موت نے گویا مجھے قطع کر دیا اور میری کمر توڑ دی۔ جنگ جمل میں جو لشکر حضرت عائشہ کے اونٹ کے گرد تھا اس پر آپ نے تین مرتبہ حملہ کر کے اونٹ کے تین پاؤں کاٹ دیئے تھے۔ عبداللہ بن زبیر بھی بڑے بہادر تھے اور جنگ جمل میں زبردست حصے لے رہے تھے جب انہوں نے مالک اشتر کی شجاعت دیکھی تو پکار کر کہا اے دشمن خدا تھوڑی دیر اس جگہ ٹھہر جا کہ میں دیر سے تیری ہی فکر میں ہوں اور دنیا بھر میں بس تجھ ہی پر میری نظر ہے۔ اب دیکھ کیسا مزا چکھاتا ہوں ذرہ مردوں کا وار بھی دیکھ۔ یہ کہہ کر نیزہ لئے ہوئے بڑھے اور گھوڑے کو تیز کر کے مالک اشتر پر حملہ کر دیا دونوں بہادر کچھ دیر تک نیزے کا حملہ ایک دوسرے پر کرتے رہے آخر مالک اشتر نے عبداللہ کو ایسا زبردست نیزہ لگایا کہ وہ گھوڑے سے منہ کے بل زمین پر آتے رہے مالک اشتر بھی فوراً گھوڑے سے کود کر عبداللہ کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اب تو عبداللہ کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ موت کی صورت نظر آنے لگی۔ مگر مالک اشتر نے ان کو چھوڑ دیا۔ اس روز آپ روزہ سے تھے اور اس کے پہلے بھی دو روز سے کچھ کھایا نہیں تھا۔ باوجود اس کے ایسی شجاعت دکھائی کہ سب لوگ مبہوت ہو گئے۔ آخر حضرت امیر المومنینؑ اور مالک اشتر وغیرہ کے دلیرانہ جہاد سے جنگ جمل والے نہایت کثرت سے قتل ہوئے اور باقی لوگوں نے راہ فرار اختیار کی۔

جنگ صفین میں بھی مالک اشتر کے عظیم الشان کارنامے ظاہر ہوئے۔ مثل بپھرے ہوئے شیر کے سخت حملہ کرتے اور ہر طرف کشتوں کا انبار لگا دیتے۔ کسی کو مقابلہ کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ جس طرف رُخ کرتے لشکر کو تہ و بالا کر دیتے تھے۔ علامہ ابن الحدید معتزلی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ خدا نے عرب و عجم میں بہادری کے اعتبار سے مالک اشتر اور ان کے استاد حضرت علیؑ ایسا کسی کو پیدا نہیں کیا تو میرے خیال میں اس کی قسم جھوٹی نہیں ہوگی۔

جب لوگوں نے ان سے مالک اشتر کی شجاعت کا حال پوچھا تو کہا میں اس بہادر کی شجاعت کیا بیان کروں جس کی زندگی نے معویہ والوں کو مردہ اور جن کی موت نے حضرت علی والوں کو شکستہ دل کر دیا تھا۔ جنگ صفین کی مشہور لڑائی لیلۃ الہریر میں بازارِ موت ایسا گرم تھا کہ ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تھے۔ اس رات میں مالک اشتر کا یہ حال تھا کہ تلوار اور نیزہ لیے ہوئے شیر ژیاں کی طرح حملہ کرتے اور میمنہ و میسرہ کو الٹے جاتے تھے۔ قریب قریب پوری فتح کر چکے اور معویہ کے لشکر کو شکست عظیم دے چکے تھے کہ عمرو عاص قرآنوں کو نیزوں پر نصب کرا دیا۔ جس پر حضرت علیؑ کی فوج دھوکا کھا گئی اور حضرتؑ کو مجبور کیا کہ اب جنگ دیجیے۔ حضرتؑ نے ہاتھ روک لیا تو سب نے کہا مالک اشتر کو بلا لیجیے۔ مالک اس وقت بڑی تاک میں تھے دیکھ رہے تھے کہ دشمنوں کے پاؤں اکھڑا ہی چاہتے ہیں اتنے میں حضرتؑ کا قاصد پہنچا کہ واپس آؤ یہاں نیا فتنہ کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے چاہا کہ لڑائی ختم کر کے ہی آئیں۔ اس پر خارجیوں نے حضرت کو گھیر لیا اور کہا یا تو آپ مالک کو فوراً بلا لیجیے ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے یا ابھی آپ پر حملہ کر دیں گے۔ حضرتؑ نے پھر مالک کے پاس پیغام بھیجا تو آپ نہایت مغموم و محزون واپس آئے۔ پھر جب معویہ والوں نے چاہا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم مقرر کیا جائے اور اپنی طرف سے عمرو عاص کو مقرر کیا تو حضرتؑ نے اپنی جانب سے جناب عبداللہ بن عباس یا انہیں مالک اشتر کو مقرر کرنا چاہا مگر خوارج نے اعتراض کیا۔ تب حضرتؑ نے فرمایا پھر جو چاہو کرو جس سے معلوم ہوا کہ مالک اشتر صرف بہادری ہی میں بے مثل و نظیر نہیں تھے بلکہ عقل و فہم اور سیاست و تدبر میں بھی اس درجہ پر فائز تھے کہ حضرت علیؑ نے ایسے سخت موقع پر عمرو عاص ایسے چالاک شخص کے مقابلے میں آپ ہی کا انتخاب کیا۔ اور حضرتؑ کی فوج والے اس پر راضی ہو جاتے تو آپ عمرو عاص کی ایک چال بھی کامیاب نہیں ہونے دیتے۔

معویہ نے ۳۸ھ ہجری کے شروع میں حضرت علیؑ کو خوارج سے مشغول دیکھ کر عمرو عاص کو ۶ ہزار فوج کے ساتھ مصر کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت حضرت علیؑ کی طرف سے مصر کے گورنر محمد بن ابی بکر تھے۔ ان کو عمرو عاص کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو حضرتؑ کو خط لکھ کر مدد طلب کی۔ حضرتؑ نے مالک اشتر کو جو اس وقت حاکم جزیرہ تھے۔ نصیبین سے بلا کر محمد بن ابی بکر کی مدد پر روانہ کیا۔ جب معویہ کو مالک اشتر کی روانگی کی خبر ہوئی تو بہت پریشان ہوا اور سمجھ گیا کہ اب مصر پر قبضہ کرنا بہت دشوار ہے۔ پس ظاہر میں تو لوگوں سے کہا کہ تم اشتر کے لیے روز بددعا کیا کرو اور مخفی طور پر عریش یا قلزم کے زمیندار کو مالک کا حلیہ لکھ کر بھیج دیا اور خوشامد کی کہ مصر جانے کا یہی راستہ ہے اشتر اس طرف سے ضرور گزریں گے۔ تم ان کی دعوت کر کے کسی چیز میں ان کو زہر دے دینا میں اس کے انعام میں بیس سال تمہارا اخراج معاف کر دوں گا۔ وہ زمیندار راضی ہو گیا۔ جس روز مالک اشتر اس مقام پر پہنچے روزہ سے تھے۔ اس نے ان کی دعوت کی اور افطار کے وقت شہد کے شربت میں زہر دے دیا جس کے پیتے ہی وہ شہید ہو گئے۔ معویہ کو یہ خبر ملی تو نہایت خوش ہوا۔ اور خطبہ میں بیان کیا کہ خدا کا لشکر شہد میں بھی ہوتا ہے۔ اب علیؑ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ کیوں کہ عمار یاسر صفین میں شہید ہو چکے تھے اب مالک اشتر بھی ختم ہو گئے (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۵۴) مگر حضرت علیؑ نے سنا تو آپ کو نہایت صدمہ ہوا اور محمد بن ابی بکر کو لکھ بھیجا کہ میں نے مالک اشتر کو بہت قابل سمجھ کر تمہارے پاس بھیجا تھا مگر افسوس وہ راستہ ہی میں شہید ہو گئے یہ واقعہ ۳۸ھ ہجری کا ہے۔

مالک اشتر جس طرح کمال عقل و شجاعت و بزرگی و فضائل سے متصف تھے اسی طرح زیور حلم و زہد و فقر و دور اندیشی سے بھی آراستہ تھے۔ ایک شخص نے نظر حقارت کر کے ایک لکڑی آپ پر پھینک دی بعد کو معلوم ہوا کہ مالک اشتر تھے تو دوڑا ہوا گیا کہ معافی طلب کرے۔ دیکھا وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے لگے۔ جب اس نے قصور معاف کرنے کو کہا تو فرمایا میں اس وقت مسجد میں اسی لیے آیا ہوں کہ نماز پڑھ کر تمہارے لئے استغفار کروں۔ آپ ذکاوت، فصاحت، بلاغت میں بھی یکتا تھے۔ غرض آپ مجموعہ کمالات تھے اور حضرت امیر المومنینؑ کی صحبت کا پورا اثر آپ میں ہو گیا تھا۔

جناب رشید ہجری

آپ بھی حضرت امیرالمومنینؑ کے اصحاب سے تھے اور حضرتؑ نے آپ کا نام رشید البلایا رکھا تھا۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپ کو دشمنان دین حضرت علیؑ کی محبت کی وجہ سے سخت ترین ظلم و تشدد سے قتل کریں گے۔ آپ اس مصیبت میں صبر کا جوہر دکھائیں گے اور اپنے رشد کو محبت و ریاضت میں ظاہر کریں گے۔ حضرتؑ نے ان کو علم منایا و علم بلایا، (لوگوں کی موتوں اور مصیبتوں کا علم) بھی تعلیم فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کو یہ ملکہ ہو گیا تھا کہ جس شخص کے بارے میں چاہتے بتا دیتے کہ فلاں مقام پر اور فلاں روز تم مرو گے۔ اور ویسا ہی ہوتا تھا۔ حضرت امیرالمومنینؑ نے ان کو مطلع کر دیا تھا کہ ابن زیاد ان پر دباؤ ڈالے گا کہ حضرتؑ سے تبرا کریں۔ اور جب وہ اس بے دینی کی حرکت سے انکار کریں گے تو وہ ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ ڈالے گا۔ چنانچہ حضرتؑ نے ان سے فرمایا اے رشید اس وقت تم کیسا اعلیٰ درجہ کا صبر کرو گے جس وقت بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد تم کو بلائے گا اور تمہارے دونوں ہاتھ پاؤں اور تمہاری زبان کاٹ ڈالے گا۔ رشید نے پوچھا کیوں حضرتؑ اس کے بعد تو میں بہشت ہی میں جاؤں گا؟ حضرتؑ نے فرمایا تم دنیا میں بھی میرے ساتھ رہتے اور آخرت میں بھی ضرور میرے ساتھ ہی رہو گے۔ حضرتؑ کو یہ فرماتے ہوئے کچھ ہی مدت گزری تھی کہ ابن زیاد نے رشید کو بلا بھیجا اور کہا علیؑ سے تبرا کرو۔ انہوں نے اس سے انکار کیا۔ تب اس نے پوچھا اچھا بتاؤ علیؑ نے تمہارے بارے میں کیا پیشین گوئی کی تھی کہ تم کس طرح مرو گے۔ انہوں نے جواب دیا میرے آقا و مولا حضرت امیرالمومنینؑ نے مجھے خبر دی تھی کہ تو مجھے بلا کر حضرتؑ سے تبرا کرنے کو کہے گا مگر میں ایسا نہیں کروں گا تو مجھے آگے بڑھا کر میرے ہاتھوں پاؤں اور زبان کو کاٹ ڈالے گا۔ ابن زیاد نے کہا خدا کی قسم میں علیؑ کی بات کو جھٹلا دوں گا (یعنی زبان نہیں کاٹوں گا) غرض اس کے حکم سے لوگوں نے ان کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر زبان چھوڑ دی اور ان کو وہاں سے نکال دیا۔ جب آپ قصر سے باہر نکل آئے تو لوگ آپ کے پاس جمع ہونے لگے۔ اس وقت آپ نے ان لوگوں سے کہا کہ میرے پاس کچھ کاغذ اور قلم دوات لاؤ میں تمہارے لیے کل وہ باتیں لکھ دوں جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔ غرض رشید ہجری نے واقعات لکھوانے اور حضرت امیرالمومنینؑ کے فضائل و مناقب بیان کرنا شروع کیے جب ابن زیاد کو معلوم ہوا کہ رشید ہجری اب اطمینان سے حضرت علیؑ کی خوبیاں بیان کرکے لوگوں کو ان کی طرف جذب کرنے لگے تو اس نے حجام کو بھیجا کر جا کر ان کی زبان کاٹ دے۔ اس طرح حضرت امیرالمومنینؑ نے جو کچھ فرمایا تھا بالکل ویسا ہی ہوا۔

جناب رشید ہجری کی معرفت اور ایمان علیؑ والرسول الائمہ کی یہ حالت تھی ایک مرتبہ حضرتؑ اپنے اصحاب کے ساتھ برنی باغ کی طرف تشریف لے گئے اور کھجور کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر کہا اس کو جھاڑ کر اس کی کھجوریں چنو۔ چنانچہ اس سے کھجوریں گرائی اور حضرتؑ کے پاس لائی گئیں۔ حضرتؑ نے وہ سب ان لوگوں کے سامنے رکھ دیں۔ رشید ہجری نے کہا یا حضرتؑ یہ کیسی اچھی کھجوریں ہیں۔ اس وقت حضرتؑ نے فرمایا اے رشید تم اسی درخت کی شاخ پر سولی دیئے جاؤ گے۔ رشید کو اس درخت سے محبت ہو گئی۔ وہ بیان کرتے تھے کہ میں اس وقت سے برابر اس درخت کے پاس آیا کرتا اور صبح و شام اس کو سینچتا رہتا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت امیرالمومنینؑ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد میں ایک روز اس درخت کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی شاخیں کاٹ دی گئی ہیں۔ تب میں نے کہا اب میرے انتقال کا وقت قریب ہو گیا۔ پھر ایک روز میں آیا تو ابن زیاد کا پیادہ میرے پاس پہنچا اور کہا امیر تم کو بلاتے ہیں۔ فوراً چلو میں وہاں گیا جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ اس درخت کی وہ لکڑی لٹک رہی ہے۔ پھر دوسرے دن بھی میں آیا تو دیکھا کہ اس کا دوسرا نصف حصہ کنوئیں کا زرنوق [1] بنا دیا گیا ہے جس پر لوگ پانی کھینچتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے کہا میرے آقا اور مولا کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد پھر وہی پیادہ میرے پاس آیا اور کہا چلو امیر تم کو بلاتے ہیں میں گیا اور جب قصر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ وہ لکڑی لٹک رہی ہے اور اسی میں وہ زرنوق بھی لگا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور زرنوق کو اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگا کر کہا کہ میں تیرے ہی لیے غذا پاتا ہوں اور تو میرے ہی لیے پیدا ہوئی ہے پھر میں ابن زیاد کے پاس پہنچایا گیا۔ تو اس نے کہا اپنے امام (حضرت علیؑ) کی جھوٹی خبریں مجھ سے بیان کرو۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نہ جھوٹا ہوں نہ میرے آقا و مولا ایسے تھے۔ حضرتؑ نے مجھے خبر دی تھی کہ میرے دونوں ہاتھ پاؤں زبان کاٹ دے گا۔ ابن زیاد نے کہا دیکھو خدا کی قسم میں ان کی بات جھوٹی کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو حکم دیا اور میرے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ لوگوں نے جناب رشید ہجری کو وہاں سے باہر کر دیا۔ جب ان کی بیٹی اور دوسرے اعزا ان کو اٹھا کر مکان پر لے گئے تو وہ لوگوں سے عجیب و غریب باتیں بیان کرنے لگے (جو حضرت امیرالمومنینؑ سے سنی تھیں) ان سب سے یہ بھی کہتے تھے کہ اے لوگو جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے جلد پوچھ لو کہ ابھی یہ لوگ مجھ پر ایک اور ظلم کریں گے اس وقت تم کو مجھ سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں ملے گا۔ یہ حالات دیکھ کر ایک شخص ابن زیاد کے پاس گیا اور کہا اے امیر آپ نے کیا کیا؟ رشید ہجری کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے زبان چھوڑ دی اسی زبان سے وہ لوگوں سے عجیب و غریب باتیں بیان کرتے اور حضرت علیؑ کی طرف لوگوں کے دلوں کو کھینچ رہے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا اچھا انہیں میرے پاس واپس لاؤ۔ جب آئے تو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں اور زبان سب کاٹ دی جائیں۔ چنانچہ سب بدن

[1] زرنوق ایک آلہ پانی نکالنے کا۔ کنوئیں پر دونوں جانب دو لکڑیاں یا دو دیواریں کھڑی کرتے ہیں ان کے بیچ میں ایک لکڑی لگا کر اس پر چکر لگاتے ہیں۔ وہ گھومتا جاتا ہے تو کنوئیں سے پانی نکلتا ہے۔ ۱۲ (انوار اللغۃ صفحہ ۱۶)

کاٹ دیئے گئے اور پھر وہ سولی دے دیئے گئے (رجال کشی صفحہ ۵۲) اس طرح حضرت امیرالمومنینؑ کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔

جناب میثم تمار

آپ بھی حضرت امیرالمومنینؑ کے بہترین اصحاب سے تھے۔ وطن کوفہ تھا۔ آپ وہاں کے ایک بڑے جتھے والے خاندان سے تھے۔ جس کو وہاں بیت التمارین (کھجور والے خاندان) کہتے تھے اور سب کے سب شیعہ حضرت علی تھے۔ جناب میثم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت امیرالمومنین صلوات اللہ علیہ نے مجھے بلایا اور فرمایا کیوں میثم اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد تمہیں طلب کر کے کہے گا کہ مجھ سے تبرا کرو۔ میں نے عرض کی اے امیرالمومنینؑ خدا کی قسم میں حضور سے تبرا نہیں کروں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا تب وہ تم کو قتل کر کے سولی دے دے گا۔ میں نے عرض کی کیا مضائقہ ہے میں صبر کروں گا کہ خدا کی راہ میں یہ معمولی بات ہے۔ حضرت نے فرمایا اے میثم اگر تم صبر کروگے تو بروز قیامت میرے ساتھ میرے ہی درجہ میں رہو گے۔ اس کے بعد میثم اپنی قوم کے چودھری کی طرف سے گزرتے اور اس سے کہتے اے بھائی میرے پیش نظر وہ زمانہ ہے جب تم کو بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد بلا کر میری گرفتاری کو بھیجے گا اور چند روز تک تم مجھے طلب کرتے رہو گے پھر جب میں آؤں گا تو مجھے تم اس کے پاس پہنچا دوگے جس کے بعد وہ مجھے عمرو بن حریث کے دروازے پر قتل دے گا۔ جب چوتھا دن ہوگا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہوگا۔ اور عمرو بن حریث کے مکان سے متصل کھجور کا ایک درخت تھا۔ جناب میثم اکثر اس درخت کے پاس سے گزرتے اور اپنے ہاتھ سے اس کو تھپک کر کہتے اے درخت تو اسی لئے غذا پا رہا ہے کہ میں تجھ پر سولی دیا جاؤں اور میں اسی لئے غذا پا رہا ہوں کہ تجھ پر سولی پاؤں۔ آپ عمرو بن حریث کے پاس سے بھی گزرتے اور اس سے کہتے اے عمرو جب میں تمہارے پڑوس میں آؤں گا۔ تو میرے ساتھ اچھے پڑوسی کا برتاؤ کرنا عمرو بن حریث اس کا اصلی مطلب نہیں سمجھتا اور خیال کرتا کہ معلوم ہوتا ہے میثم اس محلہ میں کوئی مکان خرید کرنا رہنا چاہتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کو جواب دیتا کہ سبحان اللہ تم اس محلہ میں آؤگے تو مجھے کیسی خوشی ہوگی۔ اس کے بعد میثم حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے پر ابن زیاد نے ان کے محلہ کے اسی چودھری کو بلا کر کہا میثم کو گرفتار کر لاؤ۔ اس نے بیان کیا وہ تو مکہ معظمہ گئے ہوئے ہیں ابن زیاد نے کہا یہ سب میں نہیں جانتا اگر تم ان کو نہیں لاؤگے تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔ چودھری نے اس کام کیلئے کچھ مہلت طلب کی۔ ابن زیاد نے مہلت دیدی۔ جس کے بعد وہ چودھری میثم کے انتظار میں شہر قادسیہ کی طرف چلا گیا۔ میثم مکہ سے واپس آ کر دربار ابن زیاد میں پہنچے تو اس نے پوچھا تم ہی میثم ہو انہوں نے کہا میں ہی میثم ہوں اس نے کہا ابوتراب سے تبرا کرو۔ انہوں نے کہا میں ابوتراب کو کیا جانوں؟ کہا علی ابن ابیطالبؑ سے تبرا کرو آپ نے جواب دیا اگر میں نہ کروں تو کیا؟ کہا خدا کی قسم میں تم کو ضرور قتل کر دوں گا۔ آپ نے جواب دیا۔ میرے آقا و مولا تو مجھے پہلے سے خبر دیئے

ہیں کہ تو مجھے قتل کرے گا اور عمرو بن حریث کے دروازے پر سولی بھی دے گا۔ اور جب چوتھا دن آئے گا تو میری ناک کے دونوں نتھنوں سے تازہ خون جاری ہو جائے گا۔ غرض ابن زیاد کے حکم سے آپ سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ آپ نے اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ جو کچھ تمہیں پوچھنا ہو مجھ سے میرے قتل ہونے کے پہلے پوچھ لو خدا کی قسم قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی ہیں وہ سب میں تم کو بتا دے سکتا ہوں اور جو کچھ فتنہ و فساد ہوں گے ان سب کی خبر بھی دے دوں گا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا اور آپ ابھی ان کو ایک ہی بات بتانے پائے تھے کہ ابن زیاد کا آدمی آیا اور ایک لگام آپ کے منہ میں لگا دی۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے منہ میں اس وقت لگام لگائی گئی۔ جب آپ سولی پر تھے۔ چنانچہ اس لگام کی وجہ سے آپ کی زبان رک گئی اور پھر کوئی بات آپ نہ بیان کر سکے۔ حضرت امام علی رضا فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میثم حضرت امیرالمومنینؑ کے دولت خانہ پر حاضر ہوتے تو معلوم ہوا کہ حضرتؑ سوتے ہیں انہوں نے حضرتؑ کو بیدار کیا اور عرض کی حضور کی داڑھی حضور کے سر کے خون سے سرخ کی جائے گی! حضرتؑ نے فرمایا سچ کہتے ہو۔ اور تمہارے دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان بھی کاٹ دی جائے گی اور کھجور کا وہ درخت بھی کاٹا جائے گا جو کناسہ میں ہے اس کے چار ٹکڑے کئے جائیں گے۔ ایک ٹکڑے پر تم کو سولی دی جائے گی۔ دوسرے پر حجر بن عدی کو تیسرے پر محمد بن اکثم کو اور چوتھے پر خالد بن مسعود کو میثم کہتے تھے کہ حضرتؑ کی ان باتوں پر مجھے شک ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ حضرت ہم لوگوں سے غیب کی خبریں بیان کر رہے ہیں۔ اور حضرتؑ سے عرض کی حضور! کیا واقعتاً یہ باتیں ہونے والی ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا کیونکہ حضرت رسول خدا صلعم مجھے اسی طرح خبر دے گئے ہیں۔ میں نے عرض کی میری یہ سزا کس جرم میں کی جائے گی؟ حضرتؑ نے فرمایا اس لیے کہ ابن زیاد تمہیں گرفتار کرے گا اور مجھ سے تبرا کرنے کو کہے گا۔ تم نہیں کرو گے۔ میثم یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرتؑ جبانہ کی طرف تشریف لے جانے لگے میں بھی ساتھ تھا وہاں سے حضرت محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت کے پاس سے گزرے تو مجھ سے فرمانے لگے اے میثم تمہارے اور اس درخت کے درمیان بڑا تعلق ہے میثم کہتے تھے کہ جب (حضرت امیرالمومنینؑ کے بہت دنوں بعد) ابن زیاد کوفہ کا حاکم بنایا گیا اور وہ اس میں پہنچا تو اس کا علم محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت سے لپٹ کر پھٹ گیا۔ اس نے اس سے فال بدلی اور حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے تب اس درخت کو ایک شخص نے خرید لیا اور اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔ میثم کہتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے صالح سے کہا کہ لوہے کی ایک کیل لاؤ اور اس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھ کر اس درخت کی کسی شاخ میں ٹھوک دو۔ جب اس واقعہ کو کچھ دن گزر گئے اور میں ابن زیاد کے پاس گیا تو عمرو بن حریث نے ابن زیاد سے کہا اے امیر آپ اس کو پہچانتے ہیں۔ اس نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا (معاذ اللہ) کذاب علی ابن ابی طالبؑ کا کذاب غلام میثم تمار ہے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد برابر ہو

بیٹھا اور مجھ سے پوچھا تم کیا کہتے ہو۔ میں نے کہا یہ (عمرو بن حریث) بالکل غلط بیان کرتا ہے بلکہ میں صادق
اور میرے آقا و مولا علیؑ ابن ابی طالبؑ بھی بالکل صادق تھے۔ اس نے کہا اچھا تم علیؑ سے تبرا
ان کی برائیاں بیان کرو عثمان کو دوست رکھو۔ اور ان کی خوبیاں بیان کرو۔ ورنہ میں تمہارے د
ہاتھ کٹوا کر تم کو سولی دے دوں گا۔ یہ سنتے ہی میں رونے لگا۔ ابن زیاد نے کہا۔ ابھی تو
قتل نہیں کئے جاتے صرف قتل کی خبر سنتے ہی رونے لگے؟ میں نے کہا خدا کی قسم میں ا
قتل کی خبر سے نہیں رونا بلکہ اپنے اس شک کی وجہ سے روتا ہوں جو مجھے اس روز ہو گیا تھا جس د
میرے آقا میرے مولا میرے سردار نے میرے متعلق مجھے خبر دی تھی ابن زیاد نے پوچھا انہوں نے
کو کس بات کی خبر دی تھی؟ میں نے کہا حضرتؑ نے فرمایا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ پاؤں، زبان کاٹ
دی جائے گی اور میں سولی دے دیا جاؤں گا۔ میں نے پوچھا تھا کہ حضور کون مجھ پہ یہ ظلم کرے گا۔ حضرتؑ
نے فرمایا تھا کہ ظالم ابن زیاد۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد غصہ سے مبہوت ہو گیا۔ پھر کہا خدا کی قسم میں تمہارے
دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا اور تمہاری زبان چھوڑ دوں گا کہ دنیا سمجھے تم بھی جھوٹے ہو۔ ا
تمہارے مولا بھی جھوٹے تھے۔ غرض میثم تمار کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو سولی دے دی گئی
اس پر انہوں نے بلند آواز سے کہا لوگو! جو شخص حضرت علی علیہ السلام کی راز والی حدیثیں سُننی چاہے
جلد آ کر سن . لوگ وہاں جمع ہو گئے اور میثم تمار ان سے حضرتؑ کی عجیب و غریب حدیثیں بیان کر
لگے۔ اتنے میں عمرو بن حریث ادھر سے گزرا تو پوچھا یہ کیسی بھیڑ ہے؟ لوگوں نے کہہ دیا کہ میثم تمار حضرت
علیؑ کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً پلٹ گیا اور جا کر ابن زیاد سے کہا حضور
کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا دیجئے۔ ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفہ والوں کے دل آپ
لوگوں کی طرف سے پھیر دے گا اور لوگ حضور سے بغاوت کر بیٹھیں گے یہ سنتے ہی ابن زیاد نے
ایک جلاد سے کہا کہ جا اور ابھی میثم کی زبان کاٹ آ۔ وہ فوراً ان کے پاس پہنچا اور کہا میثم! انہوں
نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ اپنی زبان نکالو کہ امیر ابن زیاد نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے
ہی میثم خوشی سے جھومنے لگے اور کہا کیا وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹی کر دے گا
میرے آقا و مولا کی خبر کو بھی غلط ثابت کرے گا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ حضرتؑ کی بات غلط ہو جائے!
میری زبان خوشی سے کاٹ لے غرض جلاد نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی جس کے بعد اس کثرت
ان کا خون بہا کہ وہ فوراً مر گئے اور سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ صالح بیان کرتے تھے کہ ا
واقعہ کے چند دنوں بعد میں وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ اسی کھجور کی اسی شاخ پر سولی دیئے گئے
ہیں جس میں میں نے ان کا نام لکھ کر کیل ٹھوک دی تھی۔ آپ کی خبریں بالکل سچی ہوتی تھیں
ایک دفعہ جمعہ کے روز آپ کشتی میں جا رہے تھے۔ ہوا تیز ہوئی تو آپ نے اس کی طر

رکے کہا کشتی کے بادبان باندھ دو۔ معویہ اس وقت مر گیا۔ جب دوسرا جمعہ آیا تو شام سے قاصد نے
بیان کیا کہ معویہ گزشتہ جمعہ کو مر گیا۔ وہی وقت اس نے بتایا جو میثم تمار نے ایک ہفتہ پہلے بتایا تھا
اقعہ بھی میثم کے کرامات سے تھا۔" (رجال کشی صفحہ ۵۲)

طراح بن عدی بن حاتم

اصحاب حضرت امیرالمومنینؑ سے یہ ایک بڑی ڈیل ڈول طویل قدو قامت کے اعلیٰ درجے کے ادیب۔ فصیح۔ چرب زبان اور حاضر جواب
رگ تھے۔ تاریخ ابن ہلال میں جو شاہ شجاع مبارزی کے نام سے لکھی گئی ہے۔ مذکور ہے کہ جب
حضرت امیرالمومنینؑ جنگ جمل فتح کر کے واپس آئے تو معویہ نے حضرتؑ کے پاس ایک خط لکھا جس کا
مضمون یہ تھا کہ بعد حمد و نعت واضح ہو کہ تم نے اس بات کی پیروی کی جو تم کو نقصان پہنچائے گی۔ اور
ان چیز کو چھوڑ دیا جو تمہیں نفع پہنچاتی۔ تم نے قرآن مجید کی بھی مخالفت کی اور اس کے رسول کی سُنت سے
منہ موڑ لیا۔ حضرت رسول خداؐ کے دونوں حواری طلحہ و زبیر اور ام المومنینؑ عائشہ کے ساتھ تم نے جو
کیا وہ سب مجھے معلوم ہوا مگر خدا کی قسم میں تمہیں ایسے شعلے ماروں گا جس کو نہ پانی بجھا سکے گا اور
ہوا ٹال سکے گی۔ جب وہ گرے گا تو گھس جائے گا اور جب گھسے گا تو سوراخ کر دے گا اور جب سوراخ
کرے گا تو بھڑک اٹھے گا اور سب کو جلا دے گا۔ لہذا تم اپنی فوجوں پر نہ اتراؤ اور نہ سامان جنگ پر گھمنڈ
کرو۔ والسلام۔ جب حضرتؑ کے ملاحظہ سے یہ خط گزرا تو حضرتؑ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔
"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط ہے اللہ کے بندے علی ابن ابی طالبؑ برادر رسول و وصی رسول خدا و
پدر حسنؑ و حسینؑ کی طرف سے (اے معویہ) اس علیؑ کی طرف سے جس نے (رسول خدا صلعم کے ساتھ)
تیرے نانا۔ دادا اور ماموں کو قتل کیا تھا۔ کیوں معویہ! کیا تو بھول گیا کہ (میرے ہاتھوں) غزوہ بدر میں
تیری قوم کا کیا انجام ہوا۔ حالاں کہ جس تلوار سے میں نے اس روز ان لوگوں کو قتل کیا وہ اب تک میرے
ہی قبضہ میں ہے جس طرح حضرت رسول خدا نے اس تلوار کو میرے ہاتھ میں دیا۔ اسی طرح میرا بازو
سے اب تک اٹھائے ہوئے ہے اور میرا سینہ کا دم خم اور میرے بدن کی قوت بھی ویسی ہی ہے اور
اس سب کے علاوہ جس طرح خدا میری مدد اس وقت کرتا تھا اسی شان سے اب تک کرتا ہے میں نے نہ
خدا کو چھوڑ کر کوئی دوسرا معبود اختیار کیا۔ نہ دین اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی پیروی کی نہ حضرتؑ
محمد مصطفےٰؐ کو ترک کر کے کسی اور کو نبی سمجھا اور نہ اس تلوار (ذوالفقار) کے عوض کوئی دوسری تلوار رکھی۔
ہاں تو اپنی نفس پرستی میں جس قدر ہو سکے مبالغہ کر اور جہاں تک بنے کوشش کئے جا۔ کسی طرح اس میں
کمی نہ کر کیوں کہ یقیناً شیطان تجھ پر مسلط ہو گیا ہے اور جہالت نے تجھے بیکار کر رکھا ہے اور عنقریب
ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا کیا بُرا انجام ہوا۔"
خط کو تمام کر کے حضرت نے طراح بن عدی کے حوالہ کیا اور فرمایا اسے لے جا کر معویہ کو دو اور اسکا

جواب لاؤ۔ طرماح بڑے بہادر اور دلیر مرد تھے لسانہ جری وکلامہ جوھری ذلق طلق ...
فلا یکل۔ دیورد الجواب فلا یمل۔ ان کی زبان تلیغی کی طرح چلتی اور وہ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا ...
برس رہے ہیں۔ بڑی ہی تیز اور چلتی ہوئی زبان پائی تھی۔ جب باتیں کرنے لگتے تو کسی طرح بند ہی نہیں ...
اور جواب دینے لگے تو کسی طرح خاموش ہی نہیں ہوتے تھے۔

انہوں نے حضرتؑ کا خط لے کر اپنے سر میں باندھا اور کہا سمعاً وطاعۃً وحباً وکرامۃً ...
بسر و چشم حاضر ہے اور اس کام کو بڑی خوشی سے اپنی نہایت عزت و شرف سمجھ کر انجام دے گا۔ پھر تیز سواری
پر روانہ ہو کر جلد از جلد دمشق پہنچ گئے۔ اتفاق سے اس روز معویہ سیر و تفریح کے لیے شہر سے باہر ایک
باغ میں تھا اور اس کے ارکان دولت مثلاً عمرو بن العاص و مروان بن الحکم و شرجیل و ابوالاعور سلمی و ابوہریرہ
دوسرے بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔ جب وہ سب باغ میں گھومتے تھے تو دیوار کی پشت سے ایک بلند قامت
اعرابی دکھائی دیا جو ایک اونٹ پر سوار اس طرف چلا آتا تھا۔ ان لوگوں نے پہچانا نہیں کہ طرماح ہیں۔ آپس
میں کہنے لگے "اس کو بلا کر مذاق کیا جائے" سامنے ہو گئے تو عمرو عاص آگے بڑھا اور اس طرح باتیں ہونے لگیں
عمرو عاص: کیوں میاں، تمہارے پاس آسمان کی کوئی خبر ہے!
طرماح: ہاں ہاں اللہ آسمان میں۔ ملک الموت ہوا میں اور حضرت امیرالمومنین (علیؑ) تمہاری پشت پر ہیں
اب اے عداوت و شقاوت والو! جانتے کہاں ہو۔ مصائب و آفات کے لیے تیار ہو جاؤ کہ جلد
تم پر نازل ہوا چاہتی ہیں۔
عمرو عاص وغیرہ: میاں یہ تو بتاؤ کہ تم آتے کہاں سے ہو!
طرماح: اتیلت من عند حر تقی نقی ذکی رضی مرضی۔ میں اس بزرگ کے پاس سے
آتا ہوں جو نہایت شریف۔ پرہیزگار۔ پاکیزہ۔ صاف ہے جو خدا کے حکم پر راضی رہتا اور جس کے
ہر فعل سے خدا ہر وقت خوش رہتا ہے۔
عمرو عاص وغیرہ: اور کس کے پاس جاتے ہو!
طرماح: اریدا الدی الموذی الذی تزعمون انہ امیرکم۔ میں اسی خبیث موذی کے
پاس جاتا ہوں جس کو تم لوگوں نے اپنی گمراہی سے اپنا امیر سمجھ رکھا ہے۔

عمرو عاص نے فوراً ایک رقعہ لکھ کر معویہ کو خبر کی کہ ورد من عند علیؑ اعرابی بدوی
لہ لسان فصیح وقول ملیح ومعہ کتاب۔ فلا تکن غافلا ساھیا۔ علیؑ کے پاس سے آیا
بدوی اعرابی آیا ہے جس کی زبان بہت فصیح اور جس کا قول نہایت ملیح ہے۔ اس کے پاس ایک خط
ہے۔ تو ہوشیار رہو جا اور غفلت نہ کر۔

جب طرماح کو معلوم ہوا کہ یہ سب معویہ کے اصحاب و احباب ہیں تو اونٹ کو بٹھا کر اتر آئے

... سب کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ معویہ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو جلد از جلد باغ سے روانہ ہو کر
اپنے گھر پہنچا اور یزید کو بلا کر حکم دیا کہ دربار میں خوب شاندار پردے وغیرہ ڈال کر اس کو آراستہ کراؤ۔ جب
ان انتظامات کی تکمیل ہو گئی تو عمرو عاص اور اس کے سب ساتھی طرماح کو اپنے ہمراہ دربار یزید میں لائے
جب دور سے طرماح کی نظر ان لوگوں پر پڑی تو دیکھا کہ سب کے سب سیاہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں کیونکہ
بنی امیہ نے یہی وضع اختیار کر رکھی تھی۔ آپ نے برجستہ کہا مالقوم کانھم زبانیۃ المالک
ضیق المسالک ان لوگوں کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ ان کی صورتیں ایسی جلی بھنی کیوں نظر آتی ہیں
یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی فوج کھڑی ہوئی ہے۔ جس کی راہیں تنگ و تاریک ہیں۔

اور جب ان لوگوں کے نزدیک پہنچے اور دیکھا کہ یزید بیٹھا ہے اس کی ناک پر کسی ضربت کا
نشان ہے اور بہت بلند کرخت آواز سے بول رہا ہے تو طرماح نے کہا من ھذا المیشوم بن
المیشوم الواسع الحلقوم المضروب علی الخرطوم۔ یہ کون منحوس ابن منحوس ہے جس کی حلق اتنی
پھیلی ہوئی اور جس کی سونڈ (ناک) زخمی ہے۔ معویہ والوں نے کہا اے شخص گستاخی نہ کر یہ یزید ہے۔
اس پر آپ نے کہا لا ابادلک مادہ ولا بلغہ مرادہ۔ خدا اس کی روزی کو زیادہ نہ کرے
اور نہ اس کو اس کی مراد تک پہنچائے۔ جب طرماح نے یزید کو سلام کیا تو اس نے جواب دیا اور کہا ان
امیرالمومنین یسلم علیک۔ اے طرماح تم کو مسلمانوں کے بادشاہ سلام کہتے ہیں طرماح نے
میری غرض یہ ہے کہ مجھے معویہ کے پاس لے چلو تاکہ وہ خط جو میں حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت سے
لایا ہوں اس کو دے دوں۔ اس پر یزید ان کو خاص معویہ کے نشست گاہ میں لے گیا اور چونکہ
طرماح پاؤں میں جوتے پہنے ہوئے تھے۔ معویہ کے بعض ملازموں نے کہا فاخلع نعلیک بس لے
طرماح یہاں اپنے جوتے اتار دو۔ یہ سننا تھا کہ طرماح نے داہنے بائیں نظر کی اور برجستہ کہا اھذا الواد
المقدس فاخلع نعلی۔ کیا یہی وادی مقدس ہے تاکہ میں یہاں اپنے جوتے اتار دوں[1]
اس کے بعد آپ نے آگے کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ معویہ اپنے تخت پر بیٹھا ہے اور اس کے ارکان
دولت اس کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے ہیں۔ طرماح نے اس فرش کے کنارے کھڑے ہو کر کہا

---

[1] جب حضرت موسیٰؑ اپنی بی بی صفورا کو سسرال سے رخصت کرا کے اپنی ماں کے پاس سے چلے تو طور کی طرف
آپ نے دور سے آگ دیکھی اس میں سے ایک انگارا لانے کے لیے آگے بڑھے۔ جب اس کے پاس آئے
تو انہیں آواز آئی کہ اے موسیٰؑ انی انا ربک فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی۔
بیشک میں ہی تمہارا پروردگار ہوں۔ تم اپنی دونوں جوتیاں اتار ڈالو کیونکہ تم اس وقت طویٰ نامی پاکیزہ چٹیل میدان میں
ہو (قرآن مجید پ۱۶ ع ۱۰) طرماح نے اسی آیہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ کیا معویہ کا دربار وادی مقدس طویٰ ہے
جہاں حضرت موسیٰ کو جوتیاں اتارنے کا حکم ہوا تھا۔ اسی طرح تم لوگ مجھ سے بھی جوتیاں اتارنے کو کہتے ہو۔ ۱۲

السلام علیک ایها الملک المعاصی۔ اے گنہگار اور نافرمان بادشاہ تجھ پر اسلامی سلام ہو۔

معویہ: ویحک یا اعرابی ما منعک ان تسلم علیّ بیا امیر المومنین۔ اے اعرابی تم پر وائے ہو تم مجھے "اے امیر المومنین" کہہ کر سلام کیوں نہیں کرتے۔

طرماح: ثکلتک امک نحن المومنون۔ فمن امرک علینا۔ اے معویہ تیری ماں تیرے ماتم میں روتی رہے۔ مومنین تو ہم لوگ ہی ہیں (اور ہم نے تجھ کو اپنا امیر بنایا نہیں پھر) تجھ کو ہم لوگوں پر کس نے امیر بنایا (جس کی وجہ سے میں تجھ کو امیر المومنین کہوں)!

معویہ: ما معک یا اعرابی۔ اچھا اے اعرابی بتاؤ۔ تم کیا لائے ہو؟

طرماح: میں ایک مبارک مقدس اور معزز خط لایا ہوں۔

معویہ: وہ خط مجھے دو۔

طرماح: مجھے تو یہ پسند نہیں آتا کہ اپنا پاؤں تیرے نجس فرش پر رکھ کر وہاں آؤں اور یہ خط تجھ کو دوں۔

معویہ: (عمرو عاص کی طرف اشارہ کرکے) کہا خیر میرے اس وزیر کو دے دو۔

طرماح: هیهات ظلم الامیر وخان الوزیر۔ بجہ ہے! جب بادشاہ ہی ظالم ہے تو اس کا وزیر کس درجہ خائن ہوگا۔ (پھر اس پر بھی کیوں کر اعتبار کیا جائے کہ میں اس کو خط دے دوں؟)

معویہ: (یزید کی طرف اشارہ کرکے) اچھا تو میرے اس لڑکے کو دے دو۔

طرماح: ما فرحنا بابلیس فکیف با ولادہ۔ واہ تو بھی کیا باتیں کرتا ہے جب ہم لوگ ابلیس وشیطان ہی سے بھاگتے ہیں تو اس کی اولاد کو کیوں کر پسند کر سکتے ہیں؟

معویہ: تو میرے غلام کو دے دو۔

طرماح: غلام سوء اشتریه من غیر حق واعطه من غیر محق۔ افسوس غلام بھی تو بے ایمان ہی ہے۔ تو نے اس کو اس مال سے خریدا جس میں تیرا کوئی حق نہیں تھا اور بغیر استحقاق کے اس پر قبضہ کیا۔ غرض وہ بھی تجھے حرام ہی طریقہ سے ملا ہے۔

معویہ: پھر کس طرح میں تم سے اس خط کو لوں!

طرماح: اس کی آسان صورت یہ ہے کہ تو اپنی جگہ سے خود اٹھ تاکہ جو شخص تیرے نزدیک ہے وہ مجھ سے اس خط کو لے کر تجھے دے دے۔ یہ سنتے ہی معویہ نہایت غیظ وغضب میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ طرماح کے پاس آیا۔ ان سے خط لیا اور پھر اپنے تخت پر واپس جا کر وہ اپنے زانو کے نیچے لیا اس کے بعد کہا۔

معویہ: کیف خلفت علی ابن ابی طالب۔ کیوں اے اعرابی تم نے علیؑ ابن ابی طالب کو کس حال میں چھوڑا!

طرماح: خلفته بحمد الله تعالی کالبدر الطالع حوالیه اصحابه کالنجوم اذا امرهم ابتدروا الیه واذا نهاهم عن شیء لم یجا سروا علیه۔ وهو معهم فی بأسه یا معویة دق تخله لا یلی شجاع عمید ان لقی جیشا هزمه وافناه وان لقی حصنا هدمه واقناه وان لقی قرنا سلبه وافناه وان لقی عدوا قتله واخزاه۔ خدا کے فضل وکرم سے میں نے حضرتؑ کو چودھویں رات کے چمکتے چاند کی طرح چھوڑا ہے۔ حضرتؑ کے گرد آپ کے اصحاب بھی مثل روشن ستاروں کے اس طرح حلقہ کئے رہتے ہیں کہ جب حضرتؑ انہیں کسی بات کا حکم دیتے ہیں تو فوراً وہ سب اس طرف جھک پڑتے ہیں اور جب انہیں کسی بات سے منع کر دیتے ہیں تو کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ اس کا خیال تک کرے۔ اے معویہ حضرتؑ اپنے ان لوگوں کے ساتھ اپنے اسی دبدبہ وشکوہ، اسی قوت وطاقت، اسی شان وشوکت، اسی صولت وشجاعت سے شہسوار عرصہ کارزار ویکہ تاز میدان گیر ودار دسرحلہ یار دامصار ہیں۔ اگر کسی لشکر کے مقابلہ میں تشریف لائیں گے تو اس کو شکست دے دیں گے بلکہ ہلاک کر دیں گے۔ اگر کسی قلعہ کو اپنا سد راہ پائیں گے تو اسے منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیں گے اور اگر کسی بہادر کو اپنے سامنے دیکھیں گے تو اس کو نہتا کر کے تلک کے گھاٹ اتار دیں گے۔ اور اگر کسی دشمن سے ملیں گے تو اس کو قتل کر کے ذلیل وخوار کر دیں گے۔

معویہ: کیف خلفت الحسنین۔ تم نے حسنؑ وحسینؑ کو کس حال میں چھوڑا ہے!

طرماح: خلفتهما بحمد الله شابین۔ تقیین۔ نقیین۔ عفیفین۔ صحیحین فصیحین ادیبین اریبین۔ لبیبین۔ خطیبین سیدین۔ سندین۔ طیبین۔ طاهرین عالمین۔ عاملین۔ یصلحان للدنیا والآخرة۔ خدا کے فضل وکرم سے میں دونوں حضراتؑ کو دو جوان رعنا۔ دو پرہیزگار۔ دو پاک وپاکیزہ۔ دو پارسا۔ دو صحیح وسالم۔ دو فصیح وادیب۔ دو عقلمند۔ دو ہوشیار۔ دو خطیب۔ دو سردار۔ دو رکن دین۔ دو طیب۔ دو طاہر اور دو عالم باعمل چھوڑ کر آیا ہوں۔ دونوں حضراتؑ ہر وقت لوگوں کی دنیا کی اصلاح اور ان کی آخرت کے سامان میں مشغول رہتے ہیں۔

معویہ: اے اعرابی تم کو خدا نے کیسی اعلیٰ درجہ کی فصاحت عطا کی ہے۔

طرماح: لو بلغت باب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیه السلام درایت الفصحاء البلغاء الفقهاء والنقرباء النجباء الادباء الاسخیاء الاصفیاء لعرفت فی بحر عمیق لا تحوم لجته یا معویة۔

اے معویہ (میری فصاحت کی کیا حقیقت ہے) اگر تو حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جاتا اور دیکھتا کہ وہاں کیسے کیسے فصیحوں۔ بلیغوں۔ فقیہوں۔ ظریفوں۔ نجیبوں۔ ادیبوں۔ سخیوں اور صفیوں کا مجمع ہے تو

تعجب اور حیرت کے ایسے گہرے سمندر میں ڈوب جاتا جس کی موجوں سے تو نکل ہی نہیں سکتا۔ طراح کی اس دلیری اور فصاحت سے مرعوب بلکہ مبہوت ہوکر عمرو عاص نے آہستہ سے معویہ کے کان میں کہا کہ یہ مرد اعرابی بدوی ہے۔ اگر تم اس کو کوئی رقم (بطور رشوت) دے کر خوش کر دو تو ہو سکتا ہے کہ تمہارے حق اچھی بات کہے اور تم کو نیکی سے یاد کرے۔ پھر عمرو عاص و طراح میں اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

عمرو عاص: اے اعرابی اگر معویہ تم کو کوئی بڑی رقم بطور بخشش دیں تو قبول کر لوگے۔!

طراح: انا اريد قبض روحه من جسده فكيف لا اريد قبض ماله من يده۔ واہ یہ بھی کچھ پوچھنے کی بات ہے۔ میرا بس چلے تو معویہ کے جسم سے اس کی جان نکال لوں۔ پھر اس کے ہاتھ سے مال کیوں نہیں لوں گا۔

معویہ نے فوراً حکم دیا کہ دس ہزار درہم لاکر ان کو دے دیئے جائیں۔ اس کے بعد طراح سے کہا۔

معویہ: کیوں؟ اگر کہو تو اس رقم کو اور زیادہ کر دوں!

طراح: شوق سے زیادہ کر دے۔ زیادہ جود و عطا کو تو خدا پسند کرتا ہی ہے۔

اس پر معویہ نے حکم دیا اور دس ہزار درہم دے دیئے جائیں۔ پھر کہا۔

معویہ: اگر چاہو تو اور زیادہ دلوا دوں۔

طراح: اجعلها وترا فان الله يحب الوتر۔ اچھا اس کے عدد کو طاق کر دے کہ خدا طاق پسند کرتا ہے۔

معویہ نے حکم دیا کہ تیس ہزار درہم طراح کے لیے لائے جائیں۔ مگر اس رقم کے آنے میں دیر ہوئی تو طراح کچھ دیر سر جھکائے خاموش رہے اس کے بعد سر اٹھا کر کہا۔

طراح: کیوں معویہ! جو لوگ تیرے فرش پر مہمان ہوتے ہیں ان سے تو مذاق اور مسخراپن کر کے ان کو ذلیل و خوار کرتا ہے۔

معویہ: میں نے ایسی کیا بات کی جس پر تم اس طرح اعتراض کرنے لگے۔

طراح: یہ مذاق اور توہین نہیں تو کیا ہے کہ تو نے میرے لیے اس رقم کا حکم دے دیا جس کو نہ تو دیکھ رہا ہے۔ نہ اس پر میری ہی نظر پڑ رہی ہے۔

معویہ نے گھبرا کر اپنے ملازموں سے کہا کہ جلد از جلد اس رقم کو وہاں حاضر کریں۔ چنانچہ رقم آگئی۔ جب طراح نے اس مال پر قبضہ کر لیا تو خاموش ہو گئے اور پھر کوئی بات بھی نہ کی۔ نہ معویہ کا شکریہ ادا کیا نہ اس پر کوئی خوشی ظاہر کی۔ تب عمرو عاص نے ان سے کہا:

عمرو عاص: کیوں اعرابی۔ امیر معویہ کی اتنی بڑی بخشش کے بارے میں تم نے اپنی کوئی رائے نہیں ظاہر کی۔

طراح: هذا مال المسلمين من خزانة رب العالمين۔ اخذه عبد من عباده الصالحين میں رائے کیا ظاہر کروں۔ معلوم ہے کہ یہ مسلمانوں ہی کا مال ہے جس کو اس نے رب العالمین کے خزانے سے حاصل کیا ہے اور اس کو اس وقت اسی رب العالمین کے نیک بندوں سے ایک بندہ (طراح) نے لیا ہے (معویہ نے کچھ اپنا مال تو دیا نہیں کہ میں اس کا شکریہ ادا کروں)

یہ سننا تھا کہ معویہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جھنجھلا کر اپنے منشی سے بولا اكتب جواب كتابه فوالله لقد اظلمت الدنيا على بعد اتيرها وحالى به طاقة۔ یہ اعرابی جو خط لایا ہے اس کا جواب لکھ کر اس کے حوالے کر دے کہ اس نے اپنی زہریلی باتوں سے دنیا اس کے اطراف جوانب کیسا تھ میری نظر میں سیاہ کر دی ہے اور اب مجھ میں اس کی گفتگو سننے کی طاقت نہیں رہی۔ بغرض منشی نے قلم اور کاغذ اٹھایا اور معویہ کے بتانے کے مطابق اس طرح لکھنا شروع کیا بسم الله الرحمن الرحيم۔ من عبد الله ابن عبده معوية بن ابي سفيان الى على ابن ابي طالب ان عدد جيوشي كالنجوم ما تسعى الارض الا في النجوم او كالعت خردل نحت كل خردل مقاتل۔ یہ خط ہے خدا کے بندے اور اس کے بندے کے فرزند معویہ ابن ابوسفیان کی طرف سے علی ابن ابی طالب کی طرف۔ میرے لشکروں کی تعداد مثل ستاروں کے بے حساب ہے جن کے لیے نہ زمین کی وسعت کافی ہے نہ اس کی نشانیاں اور علامتیں۔ یا مثل بے انتہا رائی کے دانوں کے ہے کہ ہر دانے کے نیچے ایک بہادر سپاہی مستعد رہتا ہے۔

جب طراح نے معویہ کا مطلب سمجھا تو زور سے قہقہ لگایا۔ لوگوں نے پوچھا یہ ہنسنے کا کیا موقع ہے!

طراح: والله يا معوية ان عليا كالشمس اذا طلعت خفيت النجوم وله ديك هو الاشتر يلتقط الجيش بجيشو مدو يحفظه فى حوصلته۔ اے معویہ اگر تیرا لشکر ستاروں کی طرح بے حساب ہے تو خدا کی قسم حضرت امیرالمومنین علیؑ مثل آفتاب کے ہیں کہ جب تیرے لشکر کے سامنے حضرتؑ طلوع کریں گے تیرا کل لشکر ستاروں کی طرح غائب ہو جائے گا اور اگر تیری فوج رائی کے دانوں کی طرح ہے تو حضرت علیؑ کے پاس ایک بڑا مرغ ہے جس کا نام مالک اشتر ہے۔ وہ تیرے ہر دانے کو اپنی چونچ سے چن لے گا اور سب کو اپنے پپوٹے میں بھر لے گا۔

اس کلام سے معویہ پر گویا موت طاری ہو گئی اور اپنے منشی سے کہا جانے دو کچھ نہ لکھو۔ تب عمرو عاص نے طراح سے کہا اے بدوی تمہاری کیسی فصاحت ہے کہ اپنے خط کا جواب تک نہیں لکھنے دیتے ہو۔ اس کے بعد اس نے طراح سے شرط کی کہ جب تک معویہ پورا جواب نہ لکھوائے اس وقت تک کچھ نہ بولیں۔ جب جواب تمام ہوا اور طراح اس کو لے اپنے اونٹ پر سوار ہو وہاں سے روانہ ہو گئے۔

جب دربار معویہ سے طراح باہر چلے اور کچھ دور نکل گئے تو معویہ اپنے درباروالوں پر بگڑا۔ پھر اس طرح باتیں ہونے لگیں

معویہ: اگر میں اپنا پورا خزانہ خالی کر دوں اور تم میں سے ایک ایک شخص کو دے کر چاہوں کہ ابن ابی لیلیٰ نے
جس طرح اپنے آقا کی پیغام رسانی کی ہے اس کا عشر عشیر ہی تم میری طرف سے بھی انجام دے دو تو
تو کوئی شخص اس قابل نہیں نکلے گا۔ خدا کی قسم اس اعرابی نے تو دنیا مجھ پر تنگ کر دی اور میری نیند کی
تلخ کر دی۔

عمرو عاص: اے معویہ اگر تجھ کو بھی حضرت رسول خدا صلعم سے وہی قرب و منزلت میسر ہوتی جو علی
ابن ابیطالب کو حاصل ہے یا تو بھی اسی طرح سیدھے راستے پر ہوتا جس طرح علی ہیں تو ہم لوگ اس
اعرابی سے بھی زیادہ خوبی سے تیری پیغام رسانی کرتے اور اس سے بہتر تیری خدمت انجام دیتے۔

معویہ۔ فض اللہ فاک۔ قطع شر اسیفک واللہ لکلامک اشد علی من کلام الاعرابی
خدا تیرا منہ توڑ دے اور تیری پسلیاں چور کرے۔ خدا کی قسم تیری یہ بات تو میرے لیے اس اعرابی کے کلام
سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مجالس المومنین صفحہ ۲۲۲)

جناب کمیل بن زیاد

آپ مشہور تابعی اور حضرت امیر المومنینؑ کے مخصوص صحابی تھے۔ نہایت زاہد و عابد تھے۔ یمن آپ کا وطن تھا اور یمن میں آپ پیدا ہوئے۔ حضرت
رسول خدا کے زمانے میں آپ خوب ہوشیار تھے۔ آپ صدوق و ثقہ و بزرگ اور اپنے قبیلہ نخع کے رئیس اور
سردار تھے۔ حضرت علی کے مجاہدوں میں شریک اور جنگ صفین میں حضرتؑ کی فوج کے نامور اور بہادر رہنماؤں میں
تھے۔ حضرت علی کو کل صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت امیر المومنینؑ آپ کا ہاتھ پکڑ کر شہر سے
باہر نکل گئے۔ تنہائی میں آپ کو حقائق و معارف کی تلقین فرمائی اور عجیب و غریب نصیحتیں کیں۔ فرمایا
اے کمیل! لوگوں کے تین طبقے ہیں۔ اول علماء ربانیین و عارفان حق کا طبقہ۔ دوسرے طالبان علم اور
سالکان راہ حق کا گروہ۔ تیسرا عوام کالانعام کا جھنڈ۔ جو نور بصیرت اور ضیاء علم حقیقت سے بے بہرہ ہیں۔ وہ
بغیر تمیز حق و باطل ہر داعی مدعی کے پیچھے ہو جاتا۔ ہوا کے ہر جھونکے سے ادھر ادھر جھک جاتا ہے اور حق کی
پیروی سے محروم رہتا ہے اور کسی ایک رکن یقین کو اپنا ملجا و ماوا نہیں بناتا۔ اے کمیل! مال سے اچھی چیز
علم ہے۔ مال کی تمہیں حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم تو خود تمہاری حفاظت کرتا ہے۔
مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہی جاتا ہے۔ اے کمیل! مال
کے جمع کرنے والے مر گئے اور بہتیرے زندگی ہی میں ہلاک ہو جاتے ہیں لیکن علماء تا قیام قیامت زندہ ہیں ان
کا نام داستان بقائے عالم تک باقی رہے گا۔ اسی سلسلۂ گفتگو میں حضرتؑ نے اپنے سینۂ مبارک کی طرف (جو
درحقیقت گنجینۂ اسرار الٰہی تھا) اشارہ کر کے فرمایا "ہا ان ھہنا لعلما جما لو اصبت لہ حملۃ"
آہ! اس سینہ میں علم کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ کاش میں اس علم کا کسی کو حامل پاتا اور اسے ہدیہ کر دیتا۔
جناب کمیل حضرت امیر المومنینؑ کی طرف سے عراق کے بعض قصبات ہیت وغیرہ کے

حاکم رہے اور حضرتؑ ان کو موقع بموقع مراسلات کے ذریعہ سے فہمائش اور سیاسی امور کے متعلق ہدایتیں
فرماتے رہتے تھے۔ بعض خطوط نہج البلاغہ وغیرہ میں مندرج ہیں۔ آپ ہی کو حضرت امیر المومنینؑ نے وہ
دعا تعلیم کی تھی جو آج تک دعائے کمیل کے نام سے مشہور و معروف ہے اور جس کے پڑھنے کا بہت ثواب
ہے۔ جناب کمیل نے عمر بہت پائی (۸۲ھ) میں حجاج ثقفی کے ظلم سے شہید ہوئے۔ مختصر واقعہ شہادت
یہ ہے کہ سنہ ۸۲ ہجری (وغالباً سنہ ۸۳ھ) میں جب حجاج نے عراق پر غلبہ پایا اور کوفہ میں داخل ہو کر بے گناہوں
کو ظلم و جفا کے ساتھ قتل کرنا شروع کیا اور خاص کر مقدس شیعیان حضرت امیر المومنینؑ چن چن کر
شہید کیے جانے لگے تو اس نے جناب کمیل کی گرفتاری کا وارنٹ بھی جاری کر دیا۔ اس وقت ہیثم بن الاسود
ایک شخص حجاج کے پاس آیا۔ حجاج نے اس سے پوچھا "کمیل کا پتا ہے کہ کہاں ہیں؟" ہیثم نے سفارشانہ
لہجے میں جواب دیا کہ کمیل تو ایک بڈھے ضعیف شخص ہیں۔ وہ اپنے گھر سے باہر نکلنے کے لائق بھی
نہیں ہیں۔ اگرچہ حجاج نے اس کے جواب پر کوئی توجہ نہیں کی اور کمیل کی تلاش شروع کر دی۔ کہتے ہیں
کہ جب حجاج کے ظلم کے خوف سے چھپ رہے اور ان کی قوم نے حجاج کو ان کا پتا نہیں لگنے دیا۔ اس پر
حجاج نے غضبناک ہو کر ان کی قوم کی آمدنی روک دی اور سب کے وظیفے بند کر دیئے۔ جناب
کمیل نے جب یہ خبر سنی تو ہمت اور قومی جوش سے کہنے لگے "میں ایک پیر ضعیف ہوں۔ میرے تو یوں بھی
مرنے کے دن آ گئے ہیں۔ مجھ سے یہ ممکن نہیں کہ اپنی ایک جان بچا کر اپنی قوم کو تنگی اور پریشانی میں مبتلا کر دوں"
یہ کہہ کر وہ اٹھے اور خود حجاج کے پاس آ کر حاضر ہو گئے۔ حجاج نے ان کو دیکھ کر سخت کلامی اور درشتی
شروع کی۔ جناب کمیل نے بھی ویسا ہی برابر کا جواب دیا اور اس کو ظلم و ستم سے باز رہنے اور خدا سے
ڈرنے کی نصیحت کی پھر کہا "حجاج! میری عمر کا اب بہت تھوڑا ہی حصہ باقی رہ گیا ہے لیکن اب تیرے
قبضہ میں ہوں۔ تیرا جو کچھ جی چاہتا ہے میرے ساتھ کر گزر۔ مجھے اس کی کچھ پروا نہیں کیونکہ میرا اور تیرا معاملہ
خدا کے سپرد ہے۔ تیرا حساب و کتاب کل قیامت کے دن حاکم حقیقی کے روبرو ہوگا۔ حجاج! تو جو کچھ
میرے ساتھ ارادہ رکھتا ہے مجھے خوب معلوم ہے۔ مجھے حضرت امیر المومنین علیؑ نے آج سے بہت پہلے
اس کی خبر دے رکھی ہے کہ تو مجھے قتل کرے گا۔" حجاج غضبناک ہو کر بولا "ہاں تجھے میں ضرور قتل کروں
گا۔ تو حضرت عثمان کے مخالفین سے ہے۔" یہ کہہ کر جلاد کو حکم دیا کہ کمیل کی گردن مار دے۔ چنانچہ اسی
وقت مظلوم کمیل قتل کر دیئے گئے اور جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ نے پیشین گوئی فرما دی تھی۔ لفظ بہ
لفظ صحیح واقع ہوا اور آپ شہادت کے درجے پر فائز ہو گئے۔

دوسرا باب ۲

حضرت امام حسنؑ علیہ السلام

حضرت امام حسنؑ جناب رسالت مآبؐ کے نواسے اور دوسرے خلیفہ۔ حضرت امیرالمومنینؑ و جناب سیدہؑ کے فرزند ارجمند اور مسلمانوں کے دوسرے امام ہیں۔ ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ ہجری کی شب کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ جب آپ ۷ سال ۵ ماہ اور ۱۳ یوم کے تھے تو جناب رسول خدا صلعم کے سایۂ عطوفت سے ۲۸ صفر ۱۱ھ ہجری کو محروم ہو گئے۔ اسی سال ۳ جمادی الاخریٰ کو اپنی مادرِ گرامی قدر کی جدائی کا صدمہ اٹھایا ۳۷ سال ۶ یوم کی عمر میں پدر بزرگوار حضرت امیرالمومنینؑ کا سایہ آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ اسی وقت آپ شیعوں کے امام قرار پائے اور کوفہ میں مقیم ہوئے۔ ۶ ماہ ۳ ماہ یوم ظاہری خلافت کر کے ۲۴ ربیع الاول ۴۱ھ کو معویہ کی درخواست پر اس سے صلح کر لی۔ بعد ازاں مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہاں دس سال قیام فرمایا۔ آخر معویہ کے اغوا سے جعدہ دختر اشعث نے حضرتؑ کو زہر دے دیا جس سے ۲۸ صفر ۵۰ ہجری (۶۷۰ء) کو آپ شہید ہوئے اور مدینہ کی جنۃ البقیع میں دفن کئے گئے۔ آپ اخلاق کے مجسمہ تھے اسی سے "اخلاق حسنی" زبان زد عوام و خواص ہے۔

ولادت ام الفضل بیان کرتی تھیں کہ میں نے حضرت رسول خداؐ سے عرض کی میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضور کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں آیا ہے۔ فرمایا بہت اچھا خواب ہے میری بیٹی فاطمہؑ کے ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ تم اس کو اپنے فرزند قثمؑ کا دودھ پلاؤ گی۔ اس کے بعد ہی امام حسنؑ پیدا ہوئے۔ اور اس خواب کے مصداق قرار پائے۔

حلیہ مبارکہ حضرتؑ کی آنکھیں سیاہ اور بڑی بڑی غلافی خوش نما تھیں۔ رخسار تیلے کتابی خط و خال کے تھے۔ کلائیاں گول گاؤدم تھیں۔ ڈاڑھی گنجان کانوں کی لو تک۔ بل کھائی ہوئی تھی۔ گردن ایسی بلند اور روشن گویا چاندی کی صراحی تھی۔ شانے اور بازو گدگدے اور بھرے بھرے تھے۔ سینہ چوڑا چکلا تھا۔ قد نہ اس قدر دراز نہ کوتاہ بلکہ درمیانہ تھا۔ آپ کی صورت زیبا نہایت ہی حسین اور نورانی تھی۔ وسمہ کا خضاب کرتے تھے۔ آپ کے بال گھونگھر والے تھے۔ بدن خوبصورت اور سڈول تھا۔ (ذکر الدولابی)

شباہت رسولؐ متعدد روایتیں اس مضمون کی ہیں کہ آپ حضرت رسول خداؐ سے نصف جسم میں کامل شباہت رکھتے تھے۔ حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے تھے جو شخص اس کو دیکھنا چاہے جو گردن سے روئے مبارک تک حضرت رسول خداؐ سے سب سے زیادہ مشابہ ہے وہ حسنؑ کو دیکھ لے۔ حضرتؑ یہ بھی فرماتے تھے۔ حسنؑ سینہ سے سر تک سب سے زیادہ آنحضرتؐ کے مشابہ ہیں۔ انس بن مالک کہتے تھے کہ امام حسنؑ سے زیادہ کوئی شخص حضرت رسول خداؐ کا ہم شکل نہیں ہے (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۶، ۱۰۷ وغیرہ) حضرت رسول خداؐ فرماتے تھے کہ حسنؑ میں میری ہیبت اور سرداری ہے اور حسینؑ میں میری جرأت اور سخاوت ہے۔ (طبرانی وغیرہ)

کنیت و القاب حضرتؑ کی کنیت ابو محمد تھی اور القاب بہت تھے۔ مثلاً تقی۔ زکی۔ سید سبط۔ ولی۔ نقی۔ مجتبےٰ۔ ولی۔ (نور الابصار صفحہ ۱۱۹)

عقیقہ آپ کی ولادت کے ساتویں دن حضرت رسول خداؐ نے آپ کا عقیقہ کیا۔ آپ کے بال منڈوائے اور حکم دیا کہ بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کی جائے (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲)

سرداری جنت شیعہ و سنی محدثین نے بالاتفاق روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا صلعم برابر فرمایا کرتے ان حسنا وحسینا سید اشباب اهل الجنة حسنؑ و حسینؑ جوانان اہل بہشت کے سردار ہیں۔ حذیفہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز میں نے آں حضرتؐ کو بہت خوش اور مطمئن پایا تو عرض کی میں آج حضور کے چہرے پر علامات مسرت پاتا ہوں۔ فرمایا کیوں کر نہ خوش ہوں کہ جبرئیل نے آکر مجھے بشارت دی ہے کہ حسینؑ و حسنؑ جوانان اہل بہشت کے سردار اور ان کے پدر بزرگوار ان دونوں سے افضل ہیں۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۷، صواعق محرقہ صفحہ ۱۱۴ تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۳۲ اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۱ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۲ استیعاب جلد ۱ وغیرہ)

محبت رسالت مآبؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اسامہ ابن زید کہتے تھے کہ ایک ضرورت سے میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرتؐ نے فرمایا حسنؑ و حسینؑ میرے دو فرزند ہیں۔ اے خدا میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے بلکہ ان کے دوستوں تک سے محبت فرما۔ ایک اور صحابی کہتے تھے کہ ہم لوگوں کی طرف رسول خدا اس شان سے تشریف لائے کہ ایک شانے پر حسنؑ اور دوسرے شانے پر حسینؑ تشریف فرما تھے اور آنحضرتؐ کبھی حسنؑ کا بوسہ لیتے کبھی حسینؑ کا۔ اسی طرح ہم لوگوں کے پاس پہنچ گئے تو فرمایا جو شخص ان دونوں سے محبت رکھے گا وہ مجھ سے محبت رکھ سکتا ہے اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرا بھی دشمن ہے۔ ایک دفعہ آں حضرتؐ نماز میں مشغول تھے۔ جب آپ سجدہ کرتے تو آپ کے دونوں بچے حسنؑ و حسینؑ پشت مبارک پر چڑھ جاتے لوگوں نے روکنا چاہا تو حضرتؐ نے اشارہ سے منع فرمایا اور نماز تمام کر کے دونوں کو گود میں بٹھا لیا پھر فرمایا جو مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس کو چاہیے کہ ان دونوں سے بھی محبت کرے (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۱، ۱۲ وغیرہ) ایک صحابی بیان کرتے تھے کہ میں اس وقت سے ہمیشہ امام حسنؑ کو دوست رکھتا ہوں

جب سے اس واقعہ کو دیکھا کہ حسنؑ حضرتؐ کی گود میں بیٹھے ہیں اور اپنی انگلیاں حضرتؐ کی داڑھی میں [illegible] رہے ہیں۔ اور حضرتؐ اپنی زبان امام حسنؑ کے منہ میں ڈال رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں خدایا [illegible] اسے پیار کرتا ہوں تو بھی اسے پیار کر (ذخائر العقبیٰ و نور الابصار صفحہ ۱۱۹) آنحضرت صلعم ایک مرتبہ [illegible] شانے پر سوار کئے ہوئے تھے کسی صحابی نے کہا اے صاحبزادے تم کیسی اچھی سواری پر چڑھے [illegible] سنتے ہی آنحضرت صلعم نے [illegible] فرمایا کہ سوار بھی تو کیسا اچھا ہے (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۱۰ وغیرہ)

بچپن میں اشاعت اسلام کا شوق

محمد بن اسحاق نے اپنی اسناد سے روایت کی ہے کہ ایک [illegible] ابوسفیان حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہا اے ابوالحسن تمہارے پاس ایک ضرورت سے آیا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا کہو کیا ہے۔ اس نے کہا میرے ہمراہ [illegible] (محمدؐ) کی خدمت میں چلو اور ان سے کہو کہ میرے لئے اس قسم کا ایک نیا معاہدہ کر دیں اور اس کا عہد بھی تحریر فرما دیں۔ حضرتؑ نے جواب دیا کہ ابوسفیان! آنحضرتؐ نے تمہارے لیے پہلے ہی ایک عہد [illegible] حضرتؐ اس سے پھرنے کے نہیں ہیں (میں تم یہ خواہش نہ کرو) جب یہ گفتگو ہو رہی تھی جناب سیدہ پردے کے اندر تشریف فرما تھیں اور امام حسنؑ آپ کے سامنے کھیل رہے تھے۔ آپ کی عمر اس وقت صرف چودہ مہینہ کی تھی۔ حضرت امیر المومنینؑ سے مایوس ہونے کے بعد ابوسفیان نے جناب سیدہ سے عرض کی کہ اے محمدؐ کی صاحبزادی! اپنے اس لڑکے (حسنؑ) سے کہو کہ میری سفارش اپنے نانا سے کر دیں۔ اگر ایسا کریں گے تو اس کلام کے سبب سے وہ تمام عرب و عجم کے سردار ہو جائیں گے۔ جناب سیدہ نے کچھ جواب نہیں کہلایا تھا کہ فوراً امام حسنؑ ابوسفیان کی طرف جھپٹ کر تشریف لائے اور اپنے ایک ہاتھ سے ابوسفیان کی ناک پر مارا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑ لی۔ بعد ازاں گویا ہو کر فرمایا اے ابوسفیان کہو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تاکہ [illegible] شفاعت اپنے جد بزرگوار سے کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر حضرت امیر المومنینؑ نے فرط مسرت سے فرمایا خدائے بزرگ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے آل محمد میں بھی خاص ذریت محمد مصطفیٰ سے یحییٰ بن زکریا کا مثل و نظیر پیدا کیا اور بچپن ہی میں اس کو شریعت کی حکومت عطا فرما دی (مناقب آل ابی طالب [illegible])

بچپن میں وحی کا یاد کر لینا

حضرت امام حسنؑ برابر حضرت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر [illegible] جب آپ کی عمر سات سال کی تھی تو آنحضرتؐ سے جو کچھ وحی [illegible] سنتے یاد کر لیتے۔ پھر اپنے مادر گرامی کی خدمت میں حاضر ہو کر ابتدا سے انتہا تک اس کو سنا دیتے [illegible] کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت امیر المومنینؑ جب داخل بیت الشرف ہوتے تو جناب سیدہؑ کو اس وحی [illegible] پر مطلع پاتے اور جب اس راز کو دریافت کرتے تو جناب سیدہؑ فرماتیں کہ آپ کے فرزند حسنؑ سے بیان کی ہیں۔ ایک روز حضرت علیؑ نے کسی گوشہ میں چھپ کر امام حسنؑ کی یہ کیفیت دیکھنی چاہی [illegible] میں امام حسنؑ داخل ہوئے اور اس روز جس قدر وحی کو سن اور یاد کر چکے تھے اپنی والدہ سے بیان کرنا [illegible] زبان مبارک رک گئی اور ایک حرف بھی ادا نہ کر سکے۔ جناب سیدہؑ اس پر نہایت متعجب [illegible] امام حسنؑ ہی نے اس مخفی راز کو بھی دریافت کر لیا اور فرمایا اے والدہ آپ متحیر نہ ہوں۔ [illegible] معلوم ہوتا ہے میرے کوئی بزرگ میرا کلام سننا چاہتے ہیں اور ان کے رعب نے میری زبان بند کی ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے عرض کی اے اماں میرا بیان رکتا ہے میری [illegible] عاجز ہو رہی ہے۔ خیال میرے کوئی بزرگ میرا کلام سننا چاہتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت علیؑ اس گوشے [illegible] نکل آئے اور امام حسنؑ کو پکڑ کر آپ کا منہ چوم لیا (بحار جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۳)

[illegible] بالمعروف کی پابندی

آپ بچپن ہی سے لوگوں کو اچھے کاموں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے منع فرماتے رہتے۔ حضرت رسول خداؐ کے بعد ایک دفعہ آپ [illegible] طرف تشریف لے جاتے تھے جہاں حضرت ابوبکر تھے۔ دیکھا کہ وہ رسول خداؐ کے منبر پر ہیں۔ اس [illegible] نیچے اترو، فرمایا یہ [illegible] کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اس پر آپ اتر آئے۔ حضرت ابوبکر نے کہا [illegible] سچ کہتے ہو واقعاً یہ تمہارے والد ہی کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ پھر آپ کو گود میں بٹھا کر خود رو پڑے [illegible] (صواعق محرقہ صفحہ ۵۰۔ تاریخ الخلفا صفحہ ۵۰، ریاض نضرہ صفحہ ۱۳۸ وغیرہ)

[illegible] کا زہد

علامہ یافعی وغیرہ لکھتے ہیں کہ حضرتؑ کے زہد کی یہ حالت تھی کہ تین دفعہ اپنا کل مال راہ خدا میں تقسیم کر دیا اور دو دفعہ آدھا مال بخش دیا یہاں تک کہ اپنے [illegible] بھی آدھے اپنے لئے رکھ لیے اور آدھے دوسروں کو دے دیئے (مراۃ الجنان جلد ۱ صفحہ [illegible] و نور الابصار صفحہ ۱۱۹ وغیرہ)

[illegible] کی سخاوت

ایک شخص نے حضرتؑ سے کچھ مانگا تو آپ نے اس کو پچاس ہزار درہم اور پانچ سو اشرفیاں بخش دیں اور فرمایا مزدور لا کر سب اٹھوا لے جا۔ جب [illegible] مزدور لایا تو اس مزدور کو بھی حضرتؑ نے اپنا چوغا دے دیا اور فرمایا مزدور کی مزدوری بھی میری [illegible] طرف سے ہونی چاہیئے (مراۃ الجنان صفحہ ۱۲۳)

ایک شخص نے حضرتؑ سے کچھ مانگا اور اپنے حال زار کی شکایت کی تو آپ نے اپنے کارندے کو [illegible] بلا کر اس سے اپنی آمدنی و خرچ کا حساب لینے لگے۔ جب حساب پورا ہو چکا تو اس کارندے سے فرمایا [illegible] کہ جو کچھ تمہارے پاس میرا مال بچا ہو لاؤ۔ وہ پچاس ہزار درہم لایا۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارے پاس پانچ سو اشرفیاں بھی تو تھیں؟ اس نے عرض کی ہاں وہ بھی موجود ہیں۔ حضرتؑ نے وہ بھی منگا [illegible] درہم اور اشرفیاں اس سائل کو دے دیں۔ پھر اس سے عذر خواہی فرمانے لگے۔ اسی طرح [illegible] نے کسی جگہ سنا کہ ایک شخص خدا سے دس ہزار درہم مانگ رہا ہے یہ سنتے ہی اپنے دولت

خانہ پر تشریف لائے اور اس کے پاس دس ہزار درہم بھیج دیئے۔ (نور الابصار صفحہ ۱۲۲)

حضرتؑ کی سخاوت دیکھ کر لوگوں نے عرض کی کہ آپ خود فاقہ سے رہتے ہیں پھر بھی سائل کو رد نہیں کرتے۔ تو آپ نے فرمایا میں خدا کی درگاہ کا سائل اور اس سے مانگنے والا ہوں۔ مجھے شرم آتی ہے کہ خود خدا کا سائل ہو کر دوسرے سائل کو رد کر دوں۔ خدا نے میرے ساتھ اپنی یہ عادت جاری کر رکھی ہے کہ مجھے اپنی نعمتیں دیتا رہتا ہے اور میں نے دوسروں کے ساتھ یہ عادت کر لی ہے کہ خدا کی نعمتوں کو اس کی خلقت تک پہنچاتا رہتا ہوں۔ اب میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں اپنی عادت روک دوں تو خدا بھی اپنی عادت نہ موقوف کر دے۔ (نور الابصار صفحہ ۱۲۳)

ایک دفعہ اور ایک شخص حضرتؑ کے پاس آیا اور کچھ مال کا سوال کیا۔ مگر حضرتؑ کا ہاتھ بالکل خالی اور خود گھر میں فاقہ کا سامان تھا۔ اس سائل کو واپس کرتے بھی نہ ہو سکا تو حضرتؑ نے اس سے فرمایا میں ایک ایسی تدبیر تم کو نہ بتا دوں جس سے تم کو کافی مال مل جائے۔ اس نے پوچھا یا حضرتؑ وہ تدبیر کیا ہے؟ فرمایا خلیفہ کی بیٹی مر گئی ہے اس کو اس کا بڑا غم ہے۔ اور ابھی تک کسی نے اس کی مناسب تعزیت نہیں کی ہے۔ تم جا کر اس کی تعزیت اس طرح کرو جس طرح میں بتاتا ہوں۔ اس سے تم کو بڑی دولت مل جائے گی۔ اس نے عرض کی یا حضرتؑ اس تعزیت کے کلمات آپ مجھے یاد کرا دیں۔ حضرتؑ نے فرمایا جا کر اس سے کہنا الحمد لله الذی سترها بجلوسك علی قبرها ولا هتكها بجلوسها علی قبرك۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو بیٹی کی قبر پر بٹھا کر اس کا پردہ رکھ لیا اور آپ کی صاحبزادی کو آپ کی قبر پر بٹھا کر اس کی پردہ دری نہیں کی۔ یہ کلمات یاد کر کے وہ شخص خلیفہ پاس گیا اور اسی عنوان سے اس کی تعزیت کی خلیفہ نے ایسی معرفت کی بات سنی تو اس کا سب ہم و غم زائل ہو گیا اور اس کو بہت کچھ مال دے دیا۔ پھر اس سے کہا تجھ کو خدا کی قسم سچ بتا کیا یہ بات تو نے خود ہی کی ہے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ امام حسنؑ نے مجھے تعلیم فرمائی ہے۔ خلیفہ نے کہا تو نے سچ کہا کیوں کہ وہی کلام فصیح کے معدن ہیں۔ پھر اس شخص کو اور زیادہ مال دے کر رخصت کیا۔ (نور الابصار صفحہ ۱۲۳)

حضرتؑ کا تواضع

علماء کی ایک جماعت نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؑ ایک دفعہ چند نادار لڑکوں کے پاس سے گزرے۔ ان سب کے پاس روٹیوں کے ٹکڑے تھے اور وہ بیٹھے کھا رہے تھے۔ لڑکوں نے حضرت سے کہا حضور بسم اللہ۔ حضرت فوراً گھوڑے سے اتر پڑے اور ان سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانے لگے۔ پھر ان سب کو اپنے گھر لے گئے۔ اچھے کھانے کھلائے۔ عمدہ کپڑے پہنائے اور فرمایا حقیقی دریا دلی ان لڑکوں ہی کی ہے۔ کیوں کہ ان سب نے مجھے کھلایا اس کے سوائے ان کے پاس کچھ تھا ہی نہیں اور میرے پاس تو اس سے زیادہ ہے۔ (مرآۃ الجنان جلد ا صفحہ ۱۲۳)

حضرتؑ کا توکل

ایک دفعہ حضرتؑ کو معلوم ہوا کہ جناب ابوذر غفاری کہتے ہیں کہ "مجھے تونگری سے زیادہ ناداری اور صحت سے زیادہ بیماری محبوب ہے" تو حضرتؑ نے فرمایا خدا ابوذر پر رحم فرمائے وہ یہ کہتے ہیں مگر میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص خدا کے قضا و قدر پر توکل کرے وہ ہمیشہ اسی چیز کو پسند کرے گا جسے خدا اس کے لیے پسند کرے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ یہ کلام حضرت امام حسینؑ کا ہے۔ (مرآۃ الجنان جلد ا صفحہ ۱۲۵)

حضرتؑ کی عبادت

حضرتؑ نے ۲۵ حج پا پیادہ کئے اس طرح کہ آپ کی سواری کی اونٹنیاں ساتھ جاتیں مگر آپ اس پر سوار نہیں ہوتے۔ فرماتے تھے کہ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ اس کی ملاقات کو جاؤں اور اس کے گھر تک پا پیادہ نہ جاؤں۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۷)

حضرتؑ کا معصوم ہونا

ایک شخص نے حضرت حسنؑ سے عرض کی کہ آپ کو رسول خدا صلعم کی کچھ باتیں یاد ہوں تو بیان کیجیے۔ حضرتؑ نے بیان فرمایا مجھے حضرت رسول خداؐ کی ایک یہ بات یاد ہے کہ میں نے ایک مرتبہ صدقہ کی کھجوروں سے ایک کھجور لیکر اپنے منہ میں رکھ لی تھی تو حضرتؐ نے اس کو میرے منہ سے نکال لیا اس حال میں کہ اس میں میرا لعاب دہن مل چکا تھا اور اس کو صدقہ کی کھجوروں میں ملا دیا۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ ایک کھجور کی کیا بات تھی۔ حضرتؐ نے فرمایا ہم آل محمدؐ کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔ (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۱۴) اس سے معلوم ہوا کہ خدا نے حضرتؑ کو بھی معصوم قرار دیا تھا اسی وجہ سے جب بچپن میں آپ نے وہ کھجور منہ میں ڈال لی تو آں حضرت صلعم نے نکال کر پھینک دی۔ اگر آپ درجہ عصمت پر فائز نہیں ہوتے تو آں حضرت صلعم کو اس کے چھین کر پھینک دینے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ امام حسنؑ و حسینؑ ان کھجوروں سے کھیل رہے تھے۔ اسی کھیل میں امام حسنؑ نے ایک کھجور اپنے منہ میں رکھ لی یعنی کھانا نہیں چاہا بلکہ صرف کھیل میں رکھ لیا تھا۔ حضرت رسول خداؐ نے دیکھا تو احتیاطاً اس کو بھی نکال لیا اور فرمایا اما علمت ان آل محمد لا یاکلون الصدقة۔ اے حسنؑ تم کو معلوم نہیں ہے کہ آل محمدؐ صدقہ نہیں کھاتے ہیں۔ (صحیح بخاری پ ۶ صفحہ ۵۲ و ۵۴)

حضرت حجۃ الاسلام شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "امام پر اگرچہ بالواسطہ وحی نازل نہیں ہوتی لیکن اس کو الہام ہوتا ہے اور وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے۔ جس پر حضرات اہلسنت کے علامہ ابن حجر عسقلانی کا وہ قول دلالت کرتا ہے جو انہوں نے صحیح بخاری کی اس روایت کی شرح میں لکھا ہے جس میں آں حضرت صلعم نے امام حسنؑ پر جب آپ شیر خوار تھے اور صدقہ کی کھجور منہ میں رکھ لی تھی اعتراض کیا تھا اور آپ سے فرمایا تھا کخ کخ۔ اما تعلم ان الصدقة علینا حرام۔ تھوکو تھوکو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ

امام حسنؑ اس وقت دودھ پیتے تھے۔ آپ پر ابھی کسی شرعی امر کی تکلیف نہیں تھی آں حضرتؐ نے ان پر
یہ اعتراض کیوں کیا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ صدقہ ہم لوگوں پر حرام ہے اس کا جواب علامہ ابن
عسقلانی نے اپنی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں یہ دیا ہے بعد ما استواء حال الحسن وحال
غیرہ لان الحسن فی تلک الحال کان یطالع اللوح المحفوظ۔ امام حسنؑ اور دوسرے بچے برابر
نہیں ہو سکتے کیوں کہ امام حسنؑ اس حالت شیر خوارگی میں بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے اس
وجہ سے حضرت رسول خدا صلعم نے وہ جملہ فرمایا۔ (احقاق الحق صفحہ ۱۲۷)

آنحضرتؐ کی فریفتگی

آں حضرت صلعم ایک دفعہ خطبہ پڑھتے تھے۔ اس وقت امام حسنؑ و امام حسینؑ
گھر سے باہر سرخ کپڑے پہنے ہوئے آ رہے تھے۔ مگر ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے
تھے آں حضرتؐ یہ دیکھ کر منبر سے اتر پڑے اور ان کو گود میں اٹھا کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس کے بعد فرمایا
اللہ سچ فرماتا ہے انما اموالکم واولادکم فتنۃ۔ میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا کہ چلے آ رہے ہیں
اور ان کے پاؤں لغزش کرتے ہیں تو مجھ سے رہا نہیں گیا یہاں تک کہ میں نے اپنی بات قطع کر دی اور ان کو
اٹھا لیا۔ (اسد الغابہ جلد ۳)

امام حسنؑ کا حلم

حضرت کے حلم و تحمل کے واقعات بہت کثرت سے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت سوار
رہے تھے کسی شامی نے حضرت کو دیکھ کر گالیاں بکنی شروع کیں مگر حضرتؑ نے اس
کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ جب وہ دل بھر کر اپنا گناہ کر چکا تو حضرتؑ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔
اس کو سلام کیا۔ پھر مسکرا کر فرمایا اے شیخ میں گمان کرتا ہوں کہ تم پردیسی ہو اور شاید تم کو کچھ شبہ ہو گیا ہے
کی وجہ سے تم نے مجھے اتنی گالیاں دیں۔ اگر تم مجھ سے کوئی فرمائش کرو تو میں پوری کرنے کو حاضر ہوں
پھر مانگو تو دینے کو موجود ہوں۔ اگر کوئی بات دریافت کرو تو بتاؤں۔ اگر سواری کی ضرورت ہو تو گھوڑا
دے دوں۔ اگر بھوکے ہو تو چلو کھانا کھلاؤں۔ اگر پہننے کو کپڑے نہ ہوں تو جس قدر چاہو کپڑے دے دوں
محتاج ہو تو میں اتنا مال دیدوں جس سے خوش حال ہو جاؤ اگر تم آوارہ وطن ہو تو میں تم کو اپنے گھر میں جگہ
اور اگر ان باتوں کے علاوہ تمہاری کوئی حاجت ہو تو اس کو بھی پوری کر دوں۔ بہتر ہے کہ تم اپنی سواری
گھر کی طرف بڑھاؤ اور دعوت قبول کرو جب تک وہاں چاہے رہو میں تمہاری خدمت کرتا اور تمہیں
کا آرام پہنچاتا رہوں گا اس لیے کہ خدا کے فضل سے میرا مکان وسیع ہے۔ لوگوں میں میری جاہ و عزت
ہے اور میرے پاس مال بھی ہے۔

تب اس مرد شامی نے حضرتؑ کا یہ سب کلام سنا تو رونے لگا پھر کہا اشہد انک خلیفۃ
فی ارضہ۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ وکنت انت وابوک ابغض خلق الی
انت احب خلق اللہ الی۔ وحول رحلہ الیہ وکان ضیفہ الی ان ارتحل وصار معتقدا

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کی زمین پر اس کے خلیفہ آپ ہی ہیں۔ خدا نے جس خاندان کو رسالت کا شرف
دیا ہے اس کی عظمت و جلالت کو وہی سب سے زیادہ جانتا ہے اس وقت کے قبل تک دنیا میں کسی
شخص کو بھی میں آپ سے اور آپ کے والد سے زیادہ دشمن نہیں رکھتا تھا۔ مگر اب سب سے زیادہ آپ
ہی مجھے محبوب ہو گئے۔ پھر اس نے اپنی سواری حضرتؑ کے گھر کی طرف پھیری اور جب تک اس شہر میں رہا
حضرت ہی کا مہمان رہا اور ان حضرات کی محبت کا پورا معتقد ہو گیا۔ (مناقب جلد ۴ صفحہ ۵۲ و کامل مبرد جلد ۲ صفحہ ۸۶)

حضرت کی حکمت آمیز باتیں

بہت ہیں جن سے انسان کو حکمت و معارف کے خزانے حاصل ہوتے
ہیں اور ان پر انسان عمل کرے تو فرشتوں کے قریب ہو جائے
مثلاً فرمایا لا ادب لمن لا عقل لہ ولا مودۃ لمن لا ہمۃ لہ ولا حیاء لمن لا دین لہ۔ ورأس
العقل معاشرۃ الناس بالجمیل وبالعقل تدرک الداران جمیعا ومن حرم العقل حرمہما جمیعا
جس کو عقل نہیں ملی اس کو ادب بھی نہیں ملا۔ اور جس کو ہمت نہیں حاصل ہوئی وہ محبت بھی نہ پا سکا۔ اور جس
میں شرم نہیں ہے اس کو مذہب سے بھی تعلق نہیں عقل کا سر یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ میل جول اور بھلائی کی
زندگی بسر کی جائے۔ اور عقل ہی سے دونوں گھر (دنیا و آخرت) حاصل ہوتے ہیں جو شخص عقل سے محروم ہو
وہ دونوں گھروں سے بھی محروم رہے گا۔ یہ بھی فرمایا۔ ہلاک الناس فی ثلاث فی الکبر والحرص
والحسد فالکبر ہلاک الدین وبہ لعن ابلیس والحرص عدو النفس والحسد رائد السوء
ومنہ قتل قابیل ہابیل۔ تین برائیوں سے لوگ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں وہ یہ ہیں تکبر۔ حرص اور
حسد تکبر سے دین مٹ جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ابلیس (شیطان) ملعون قرار پایا۔ اور حرص انسان کی جان
کا دشمن ہے (یعنی جس شخص میں حرص پیدا ہوئی وہ اپنا آپ دشمن ہو گیا) اور حسد برائی کا پیغام لاتا
ہے۔ اسی سبب سے قابیل نے اپنے حقیقی بھائی ہابیل کو قتل کیا۔ حضرتؑ یہ بھی فرماتے تھے۔
جب پدر بزرگوار حضرت امیر المومنینؑ کی وفات کا وقت پہنچا تو میں بہت پریشان ہوا۔ حضرتؑ نے فرمایا
بیٹا حسنؑ! تم گھبراتے ہو! میں نے عرض کی یا حضرتؑ میں آپ کو اس حال میں دیکھتا ہوں تو کیوں نہ گھبراؤں
حضرتؑ نے فرمایا بیٹے میری چار باتیں ہمیشہ یاد رکھنا۔ اگر تم انہیں یاد رکھو گے تو ان کے ذریعہ سے
مصیبت سے نجات ملی رہے گی۔ اے بیٹا لا غنی اکثر من العقل۔ ولا فقر مثل الجہل ولا
وحشۃ اشد من العجب ولا عیش الذ من حسن الخلق۔ واعلم ان مروۃ القناعۃ والرضا
اکثر من مروۃ الاعطاء وتمام الصنیعۃ خیر من ابتدائہا۔ عقل سے بہتر کوئی تونگری نہیں
اور جہالت ایسی کوئی فقیری نہیں اور خود پسندی سے زیادہ سخت کوئی وحشت نہیں اور حسن خلق سے زیادہ
مزے کی کوئی زندگی نہیں۔ اور اس بات کو بھی سمجھ رکھو کہ قناعت اور رضا کی مروۃ مال عطا کرنے کی مروت
سے بڑھی ہوئی ہے۔ اور احسان کا تمام کرنا اس کے شروع کرنے سے بہتر ہے۔ (نور الابصار صفحہ ۱۲۲)

نیکی کا عوض کس طرح کرتے

حضرتؑ کے ساتھ جو شخص کوئی بھلائی کرتا حضرت اس کا عوض ہزار گنا سے زیادہ کرتے۔ ابوالحسن مدائنی وغیرہ نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسینؑ و حسنؑ اور (جناب زینب کے شوہر) عبداللہ بن جعفر ساتھ ہی حج کو چلے۔ اتفاق سے راستہ میں ان کے کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو گئیں اور تینوں حضرات کو بھوک اور پیاس نے بہت ستایا۔ راہ میں ایک خیمہ نظر آیا تو یہ حضرات اس طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو ایک بوڑھی عورت دیکھی اس سے پوچھا کیوں بہن کوئی چیز پینے کی ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ یہ سنتے ہی تینوں صاحب اپنی سواریوں سے اتر پڑے مگر اس بڑھیا کے پاس ایک بکری کے سوا کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اس نے کہا آپ لوگ اسی بکری کو دوھ کر اس کا دودھ پی لیں۔ بیچاروں نے ایسا ہی کیا۔ جب پیاس کم ہوئی تو بھوک کا زور ہوا۔ پوچھا کچھ کھانے کو بھی ہے؟ اس نے کہا بس یہی بکری ہے۔ اس کے سوائے کچھ نہیں۔ ہاں آپ لوگوں کو قسم دیتی ہوں کہ اس بکری کو ذبح کر ڈالیں اور میں لکڑی کا سامان کرتی ہوں۔ آپ لوگ بھون کر اس کو کھا لیں ان لوگوں نے اس کی فرمائش پوری کی۔ کھا پی کر کچھ دیر آرام کیا اور جب جانے لگے تو کہا اے بہن ہم لوگ قریش کے کچھ آدمی ہیں حج کرنے جاتے ہیں۔ جب بخیر و عافیت واپس آئیں تو تم ہم لوگوں کے پاس مدینہ میں آنا تاکہ ہم بھی تمہاری کچھ خدمت کر سکیں۔ یہ کہہ کر سب روانہ ہو گئے۔ جب اس کا شوہر آیا تو اس عورت نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔ وہ بہت غضب ناک ہوا اور کہا تو نے بکری ایسے لوگوں کے لیے کیوں ذبح کر دی جن کو ہم لوگ پہچانتے تک نہیں ہیں۔ بات ختم ہو گئی۔ ایک مدت دراز کے بعد اس عورت اور اس کے شوہر کو قحط کا سامنا ہوا۔ دونوں سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ آخر مدینہ کا رُخ کیا اور وہاں بھیک مانگنے لگے۔ ایک روز وہ عورت کسی گلی میں سوال کرتی ہوئی جاتی تھی اور امام حسنؑ اپنے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرتؑ نے اس کو دیکھ کر پہچان لیا اور پکار کر اپنے پاس بلایا فرمایا اے کنیز خدا تم مجھ کو پہچانتی ہو! اس نے کہا نہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا فلاں سال فلاں مہینہ میں فلاں ہم لوگ جا کر تمہارے خیمہ میں مہمان ہوئے تھے۔ اس نے کہا اے صاحب میرے باپ ماں آپ پر فدا میں نے اب بھی آپ کو نہیں پہچانا۔ حضرتؑ نے فرمایا خیر اگر تم مجھے نہیں پہچانتیں تو میں تم کو پہچانتا ہوں پھر حضرتؑ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ایک ہزار بکریاں خرید کر اور ایک ہزار اشرفیاں اس کو دے جب یہ چیزیں اس کو مل گئیں تو اس کو اسی غلام کے ساتھ امام حسینؑ کے پاس بھیجا۔ حضرتؑ نے بھی پہچان لیا اور ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار اشرفیاں آپ نے بھی دیں، پھر اس کو غلام کے ساتھ عبداللہ بن جعفر کے پاس بھیجا۔ انہوں نے بھی اس کو بہت زیادہ مال اور بکریاں دیں۔ اس طرح دولت کا انبار لے کر وہ مدینہ سے اپنے گھر پلٹی کہ گئی تھی بالکل فقیر ہو کر اور واپس آئی سب سے خوش حال ہو کر (نور الابصار صفحہ ۱۲۱)

خلافت ظاہری کو چھوڑنا

حضرت علیؑ کے بعد حضرت امام حسنؑ۔ عراق، ایران، خراسان، حجاز اور یمن وغیرہ میں خلیفہ ہوئے (یہ واقعہ ۴۰ھ کا ہے) ان چالیس ہزار آدمیوں نے جنہوں نے حضرت علیؑ سے معویہ سے جنگ کرنے پر آپ کی نصرت میں مر جانے کی بیعت کی تھی امام حسنؑ سے بھی بیعت کر لی۔ اتنے میں معویہ نے آپ پر چڑھائی کر دی اور ساٹھ ہزار فوج لے کر مقام مسکن میں اترا جو بغداد سے دس فرسخ تکریت کی جانب اوانا کے قریب واقع ہے۔ امام حسنؑ یہ سن کر خود تو بڑا حصہ فوج کا لے کر کوفہ سے ساباط مدائن میں آ گئے اور ۱۲ ہزار فوج قیس بن سعد کی ماتحتی میں معویہ کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کر دی۔ اسی درمیان معویہ نے مخفی طور پر یہ فریب کیا کہ ایک شخص کو مدائن بھیجا جہاں امام حسنؑ مقیم تھے اور یہ مشہور کرایا کہ حضرتؑ کے سپہ سالار قیس بن سعد نے معویہ سے صلح کر لی اور اسی طرح دوسرے شخص کو قیس کے لشکر میں بھیج کر یہ مشہور کرایا کہ امام حسنؑ نے معویہ سے صلح کر لی۔ پس جب دونوں جگہ یہ خبر شائع ہوئی تو امام حسنؑ کی فوج میں بغاوت پھیل گئی۔ فوجی آپ کے خیمے پر ٹوٹ پڑے آپ کا کل اسباب لوٹ لیا۔ آپ کے نیچے سے مصلے تک گھسیٹ لیا۔ دوش پر سے ردا بھی اتار لی۔ بعض گروہوں نے معویہ سے سازش کر کے اور رشوتیں لے کر ارادہ کیا کہ آپ کو گرفتار کر کے معویہ کے حوالے کر دیں اور ان کے بعض رئیسوں نے خفیہ خط و کتابت کر کے معویہ کی اطاعت قبول کر لی اور اسے لکھا کہ بہت جلد عراق چلے آیئے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ امام حسنؑ کو پکڑ کر آپ کے حوالے کر دیں گے حضرتؑ کمال صدمہ سے اپنے مدائن کے گورنر سعد کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک خارجی نے موقع پا کر ران پر ایسا زخم لگایا جو ہڈی تک پہنچا۔ آپ زخمی حالت میں مدائن کے قصر میں جا کر ٹھہرے۔ سعد نے علاج کرایا اور حضرتؑ کچھ مدت میں اچھے ہو گئے۔ یہ حالات دیکھ کر حضرتؑ نے خلق خدا کی خونریزی کا اندیشہ کر کے ترک ظاہری خلافت کا ارادہ کر لیا اور ۶ یا ۵ ماہ کی ظاہری خلافت کے بعد ان شرائط پر معویہ سے صلح کر کے حکومت سے دست بردار ہو گئے (۱) معویہ مسلمانوں پر کتاب خدا اور سیرت خلفاء صالحین کے مطابق حکومت کرے گا۔ (۲) بیت المال کوفہ میں جو رقم بچ گئی ہے وہ امام حسنؑ کو دی جائے گی کہ حضرتؑ زمانہ حکومت کے دیون ادا کر دیں (۳) فسا اور دارابگرد کا خراج امام حسنؑ کو ملتا رہے گا کہ اہلبیت خرچ کرتے رہیں۔ (۴) اب سے حضرت علیؑ پر سب و شتم نہ کیا جائے گا۔ (۵) معویہ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اپنا کوئی ولیعہد مقرر کرے بلکہ شوریٰ کی رو سے اس کے بعد مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوگا اور بروایت اوکی حیوۃ الحیوان و طبری و ابن قتیبہ وغیرہ یہ شرط اس طرح تھی کہ معویہ کے بعد امام حسنؑ خلیفہ ہوں اور حضرتؑ کا انتقال ہو جائے تو امام حسینؑ ہوں۔ (۶) زمین خدا یعنی شام۔ مصر۔ عراق۔ حجاز۔ یمن وغیرہ میں ہر جگہ لوگ جان و مال سے امن و امان میں رہیں گے۔ (۷) اصحاب علیؑ و شیعان علیؑ کا جان و مال۔ عورتیں اور اولاد سب مامون و محفوظ رہیں گی (۸) حسن بن علیؑ اور ان کے بھائی حسینؑ

اور اہلبیتؑ میں سے کسی شخص کے حق میں کہیں خفیہ یا علانیہ معویہ تعرض نہیں کرے گا۔ سب محفوظ رہیں گے۔ انہیں کسی طرح کا خوف نہیں دلایا جائے گا۔ (۹) معویہ اس عہدنامہ پر خدا سے عہد و میثاق کرے اور اسے پورا کرے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱)

معویہ اور امام حسنؑ قریب کوفہ انبار میں جمع ہوئے اور وہیں اس عہدنامہ پر فریقین کے دستخط اور لوگوں کی گواہیاں ثبت ہوئیں۔ مگر معویہ نے ان شرطوں سے کسی کو بھی پوری نہیں کیا۔ یہ عہدنامہ ۱۵ ربیع الاول ۴۱ھ کو لکھا گیا۔ اس کے بعد معویہ نے لوگوں سے اپنی بیعت لی اور اس سال کا نام سنت وال رکھا گیا۔ اس کے بعد معویہ نے عمرو عاص کی تحریک سے حضرت امام حسنؑ کو خطبہ دینے پر مجبور کیا تو حضرتؑ نے منبر پر جاکر فرمایا اے لوگو خدائے تعالیٰ نے ہم میں سے اول کے ذریعے تمہاری ہدایت کی اور آخر کے ذریعہ سے تمہیں خونریزی سے بچا لیا۔ معویہ نے اس امر میں مجھ سے جھگڑا کیا جس کا میں اس سے زیادہ مستحق ہوں لیکن میں نے لوگوں کی خون ریزی کی نسبت اس امر کا ترک کر دینا بہتر سمجھا۔ تم رنج و ملال نہ کرو میں نے حکومت اس کے نااہل کو دے دی اور اس کے حق کو بے موقع جگہ رکھا ہے۔ میری نیت اس معاملہ میں صرف اُمت کی بھلائی ہے۔ یہاں تک فرمانے پائے تھے کہ معویہ نے کہا بس اے حضرت زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۵)

حضرتؑ کے اس خطبہ کے بعد معویہ منبر پر گیا اور خطبہ میں کہا الحمد للہ آج تمام امور کا انتظام ہو گیا ہے۔ بہت کچھ تردد و پریشانی کے بعد حق اپنی جگہ پر آکر ٹھہرا ہے۔ میں نے اس معاملہ کی ابتدا میں جو شرطیں کی ہیں وہ محض باہمی میل ملاپ اور امت کے ایک زبان ہونے کے لیے تھیں۔ اب خرابیاں جاتی رہیں ہمارا کہنا منظور خلائق ہو گیا ہے۔ اس لیے تمام شرطیں جو میں نے کی تھیں رد کر دی ہیں۔ اپنے وعدہ کا مجھے اختیار ہے۔ پورا کروں یا نہ کروں۔ اب کسی کی مجال نہیں کی میری مخالفت کرے۔ سب کو میری اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے۔ اس کی یہ باتیں سُن کر سب لوگ برہم ہو گئے اسے گالیاں دیں اور مار ڈالنے کا قصد کیا جس سے معویہ ڈر گیا اور اپنی گفتگو پر پشیمان ہوا۔ اس کی یہ باتیں سُن کر لوگوں نے امام حسنؑ سے کہا کہ جب معویہ اپنے عہد پر قائم نہیں رہا تو آپ بھی اس صلح سے انکار کر دیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا مجھے اپنے قول سے پھرنا مناسب نہیں۔ لڑائی جھگڑا نہ کرو اور صبر سے کام لو۔ اس کے بعد حضرت امام حسنؑ مع امام حسینؑ و عبداللہ بن جعفر اپنے عیال و اطفال کو لے کر مدینہ چلے آئے اور یہیں رہنے لگے۔ معویہ سال میں کچھ مال آپ کے پاس بھیج دیتا اور حضرتؑ اس کو لے کر غربا و مساکین میں خیرات کر دیتے تھے۔ لیکن باوجود اس درجہ علیحدگی کے حضرتؑ کا وجود اس کی آنکھوں میں کھٹکتا رہتا تھا خاص کر اس وجہ سے کہ وہ اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد کرنا چاہتا تھا اور

عہدنامہ کی رو سے یہ امر ممکن نہ تھا۔ لہٰذا وہ اس کوشش میں مصروف ہوا کہ کسی طرح حضرتؑ کے وجود سے دنیا خالی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے خفیہ طور پر حضرتؑ کی زوجہ جعدہ بنت الاشعث کو ایک لاکھ درہم اور اپنے بیٹے یزید سے اس کی شادی کرنے کا لالچ دے کر حضرتؑ کو زہر دلوا دیا۔ (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۵۵ و استیعاب جلد ۱ صفحہ ۱۴۴ وغیرہ)

معویہ امام حسنؑ کی شہادت کی خبر سُن کر مارے خوشی کے سجدے میں گر پڑا اور اس زور کی تکبیر کہی کہ دور تک آواز پہنچی۔ اس کو سُن کر فاختہ بنت قرظہ نے معویہ سے پوچھا کہ کیوں تکبیر کہی کہا حسنؑ کی موت سُن کر فاختہ نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر رو کر کہنے لگیں کہ آہ سید المسلمین اور خاتم المرسلین کے فرزند نے رحلت فرمائی۔ (مروج الذہب و تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۸ وغیرہ)

امام حسنؑ نے وصیت کی تھی کہ مجھے حضرت رسول خدا صلعم کے پاس دفن کرنا چنانچہ امام حسینؑ نعش مبارک کو روضہ رسولؐ میں دفن کرنے لائے مگر بنی اُمیہ و گروہ عثمانی مروان وغیرہ مانع ہوئے۔ اور حضرت عائشہ ایک خچر پر سوار ہو کر آئیں اور فرمایا کہ گھر میرا ہے۔ میں دفن نہیں ہونے دیتی۔ بعض لوگ غل مچا کر کہنے لگے اے عائشہ کبھی اونٹ پر سوار ہو کر (جنگ جمل) لڑتی ہو اور کبھی خچر پر سوار ہو کر پیغمبرؐ کے نواسہ کے جنازے پر جھگڑتی ہو اور ان کے نانا کے پاس دفن نہیں ہونے دیتی ہر چند لوگوں نے کہا مگر حضرت عائشہ نہ مانیں۔ جھگڑا بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ کی طرف سے تیر باراں شروع ہوئی اور کئی تیر امام حسنؑ کے تابوت میں پیوست ہو گئے۔ مجبوراً لوگوں نے حضرتؑ کی نعش مبارک کو لاکر بقیع میں دفن کیا۔ (کامل جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ وغیرہ)

حضرتؑ کی کثرت طلاق

تاریخ کے اوراق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام حسنؑ کثرت سے نکاح کرتے اور چند دنوں کے بعد ان عورتوں کو طلاق دے دیا کرتے تھے۔ حضرتؑ پر یہ اعتراض مختلف اغراض سے کیا جاتا ہے۔ مگر جو لوگ تاریخ و سیر کے اوراق کی سیر کرتے ہیں وہ اچھی طرح واقف ہیں کہ ۴۱ھ میں حضرتؑ نے حکومت سے دست برداری اختیار کی اور صلح نامہ میں شرط کی کہ معویہ کے بعد امام حسنؑ ظاہری خلیفہ ہوں۔ معویہ نے اس وقت حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے یہ شرط بھی مان لی اور اس پر دستخط کر دیا مگر اس کو بڑی فکر ہوئی کہ کسی طرح اس سلطنت کو اپنے خاندان میں مستقل کر دے اور اپنے بعد فرزند یزید کو بادشاہ بنائے۔ اس وجہ سے وہ برابر کوشش کرتا رہا۔ کہ حضرت امام حسنؑ کی بیویوں کے ذریعہ سے حضرتؑ کو زہر دے کر آپ کا کام تمام کر دے تاکہ یزید کو بادشاہ بنانے میں آسانی ہو۔ اور عرب کی طمع مشہور ہے۔ جب عمر بن سعد ایسا شخص عویہ رے کی حکومت کی طمع میں امام حسینؑ کا خون نا حق بہانے پر راضی ہو گیا تو ایک ایک لاکھ درہم کے انعام کے وعدوں پر حضرتؑ کی بیویوں کا سازش میں شریک ہو جانا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہو سکتا۔ غرض

معویہ حضرتؑ کی بیویوں کے ذریعہ سے حضرت کو زہر کو دلوانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اور جب یہ راز فاش ہوجاتا تھا تو حضرت ان بیولوں سے بچنے کے لیے مجبور ہوتے تھے کہ ان سب کو طلاق دے دیں اور دوسری عورتوں سے نکاح کرلیں۔ کچھ دنوں بعد وہ بیویاں بھی معویہ کی سازش میں شریک ہوجاتیں تو حضرتؑ اُن کو بھی طلاق دے کر دوسری عورتیں نکاح میں رکھتے۔ غرض یہی سلسلہ جاری رہا۔ آخر حضرتؑ کی بیوی ہی نے حضرت کا کام تمام کردیا۔ پس حضرتؑ کا عورتوں کو طلاق دینا محض اسی وجہ سے تھا کہ زہر خورانی کا حملہ نہ ہو۔ مگر حضرت کب تک کامیاب ہوتے آخر وہی ہوا جو معویہ چاہتا تھا۔

حضرت کی معویہ سے صلح

اکثر مسلمان یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت امام حسنؑ نے معویہ سے صلح کیوں کی حالاں کہ آپ کے چھوٹے بھائی امام حسینؑ نے اسی معویہ کے بیٹے یزید سے جہاد کیا اور آخر شہادت پر فائز ہوئے۔ مگر افسوس یہ لوگ احکام خدا و افعال انبیاء و مرسلین پر نظر نہیں کرتے۔ خدا کا اصول یہ رہا ہے کہ اپنے ہادیوں کو حکم دیتا ہے کہ پہلے گمراہ لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کریں اور ان کی سختیوں کو برداشت کرکے ان کی ہدایت کی کوشش کرتے رہیں۔ جب اس سے کام نہ چلے اور وہ ان کی جان کے درپے ہوجائیں تو آخری حالت میں بدرجہ مجبوری ان سے جہاد کرکے اپنی ذات اور دوسرے مطیع بندوں کی جان کی حفاظت کریں۔ اسی اصول کے ماتحت اکثر انبیاء و مرسلین نے اپنے مخالفین کے مظالم پر صبر کیا اور بعض جہاد کے لیے بھی سوار ہوئے۔ قرآن مجید واضح کرتا ہے کہ انبیاء کے آنے پر جب ان کی قوموں نے ان کی نافرمانی کی تو خدا اور وہ انبیاء بھی ایک مدت تک گویا صلح کے اصول پر انتظار کرتے رہے کہ شاید اب بھی یہ لوگ سنبھل جائیں اور جب بالکل ان کی طرف سے مایوسی ہوجاتی تھی تب خدا کا عذاب نازل ہوتا تھا۔ حضرت رسول خدا صلعم بھی شروع میں ۱۳ برس تک صبر و صلح ہی سے بسر کرتے رہے اور باوجودیکہ مکہ معظمہ میں حضرتؐ کا قبیلہ۔ خاندان۔ حضرتؐ کے اعزہ اور اہل اسلام سب ہی تھے مگر حضرتؐ نے کبھی ان سے جہاد نہیں کیا۔ بلکہ بالکل خاموشی، صلح اور آشتی سے ہدایت کی کوشش کرتے رہے لیکن جب ان لوگوں کی زیادتیاں موقوف نہیں ہوئیں اور حضرتؐ کے ہجرت کرجانے پر بھی انہوں نے مدینہ میں حضرتؐ کو ستانا شروع کیا تو اب حضرتؐ کو جہاد کا حکم ہوا اور حضرتؐ نے اپنے کو نیز مسلمانوں کو ان کے مظالم سے بچانے کے لیے تلوار اٹھائی۔ بالکل اسی اصول کی پابندی میں حضرت امیرالمومنینؑ نے بھی اپنے زمانے کے ابتدائی تین دور میں صلح و صبر سے کام لیا اور آخری دور میں تینوں جماعتوں سے جہاد کیا۔ خلیفہ اول۔ خلیفہ دوم۔ خلیفہ سوم سے حضرتؑ کا جہاد نہ کرنا اور صبر و صلح سے پیش آنا بالکل اسی طرح تھا جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ میں جہاد نہیں کیا۔ اور جنگ جمل۔ جنگ صفین و جنگ نہروان میں حضرت نے اسی طرح اپنے مخالفین سے جہاد کیا جس طرح حضرت رسولؐ خدا نے (اپنے آخری دور میں)

مدینہ میں غزوہ بدر۔ احد و خندق وغیرہ جنگ کی۔ اسی طرح حضرت رسول خدا صلعم کے دونوں پارۂ جگر اور حضرت امیرالمومنینؑ کے فرزندوں امام حسن و امام حسینؑ نے مل کر دونوں بزرگوں کی ابتدائی زندگی کی صلح اور آخری زندگی کے جہاد کی پیروی کی۔ بڑے صاحبزادے نے (جن کے حلم کی یہ حالت تھی کہ حضرتؑ کے انتقال پر آپ کا شدید ترین دشمن مروان چیخ چیخ کر روتا تھا۔ امام حسینؑ نے پوچھا کہ تم تو حضرت کو اس درجہ ستاتے تھے اب روتے کیوں ہو۔ تو اس نے کہا ہاں میں اس بزرگ پر ظلم کرتا تھا۔ جو حلم میں اس پہاڑ سے بھی بڑھے ہوئے تھے (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۹) معویہ سے صلح اور چھوٹے فرزند نے یزید سے جہاد کیا۔ علاوہ بریں انبیاء و مرسلین کا معمول یہی رہا ہے کہ جب مخالفین صلح اور رحم کی درخواست پیش کرتے تھے تو وہ حضرات اس کو منظور کرلیتے تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم سے بھی حدیبیہ میں کفار نے صلح کی درخواست کی تو حضرت نے منظور کرلی اور اگرچہ بعض مسلمان اس کو ناپسند کرتے رہے مگر حضرتؐ نے کفار کا دل رکھ لیا۔ اسی طرح جب معویہ نے امام حسنؑ سے صلح کی درخواست کی تو حضرتؑ کو اپنے نانا کی پیروی میں اسے منظور ہی کرنا مناسب تھا صحیح بخاری کی یہ روایت پڑھو۔ حسنؑ بصری کہتے ہیں کہ خدا کی قسم حسنؑ بن علیؑ حضرت معویہ کے مقابلہ پر پہاڑوں کے مثل لشکر لے گئے تھے تو حضرت عمرو بن عاص نے حضرت معویہ سے کہا میں حسنؑ بن علیؑ کے ہمراہ ایسے جنگی لشکر دیکھ رہا ہوں کہ جب تک وہ اپنے حریفوں کو قتل نہ کریں پیٹھ نہ پھیریں گے۔ تو ان سے حضرت معویہ نے کہا اور خدا کی قسم وہ دونوں یعنی معویہ او عمرو عاص سے اچھے تھے کہ اے عمرو ان لوگوں نے ان لوگوں کو قتل کرڈالا اور ان لوگوں نے ان لوگوں کو قتل کرڈالا تو پھر میرے پاس رعایا کا انتظام کرنے کو کون رہ جائے گا۔ ان کی عورتوں کے انتظام کے لیے میرے پاس کون ہوگا۔ پھر معویہ نے حضرت امام حسنؑ کے پاس دو قریشی مرد عبدالرحمٰن بن سمرہ و عبداللہ بن عامر کو بھیجا اور ان سے کہا کہ امام حسنؑ کے پاس جاؤ اور ان پر صلح کی بات چیت پیش کرو۔ ان سے خوب اچھی طرح کہنا اور ان کو صلح کی طرف بُلانا۔ چنانچہ وہ دونوں حضرتؑ امام حسنؑ کے پاس گئے۔ ان سے گفتگو کی ان سے کہا اور صلح کی طرف انہیں بلایا تو ان سے حسنؑ بن علیؑ نے کہا کہ ہم عبدالمطلب کی اولاد ہیں۔ ہم نے بہت کچھ مال جنگ کی تیاری میں خرچ کیا ہے اور یہ لوگ اپنے خونوں میں مبتلا ہوچکے ہیں۔ اب اگر ہم خلافت سے دست بردار ہوجائیں تو ان لوگوں کی عافیت میں خلل پڑ جائے گا۔ ان دونوں نے کہا کہ معویہ تو آپ سے صلح چاہتے ہیں اور یہی آپ سے درخواست اور خواہش کرتے ہیں اور امام حسن نے کہا کہ پھر اس بات کا ذمہ دار کون ہوگا کہ ان لوگوں کی عافیت اور معاش کا انتظام عمدہ طور پر رہے۔ ان دونوں نے کہا کہ ہم آپ کے سامنے اس کے ذمہ دار ہیں۔ پس جو بات ان سے حضرت حسنؑ نے کہی انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں لہٰذا حضرت امام حسنؑ نے حضرت معویہ سے صلح کرلی" (ترجمہ صحیح بخاری از مرزا حیرت دہلوی جلد ا صفحہ ۲۷۶)

ایک طرف معویہ کی یہ درخواست تھی۔ دوسری طرف حضرت امام حسنؑ کے سامنے حضرت رسول خدا صلعم

کی مشہور پیشین گوئی تھی کہ امام حسنؑ کے بارے میں حضرتؐ نے فرمایا تھا یہ میرا بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرادے گا ہا ترجمہ صحیح بخاری جلد اصفحہ پس کیا حضرت امام حسنؑ سے یہ ہو سکتا تھا کہ حضرت صلح کی درخواست نامنظور کر کے حضرت رسول خدا کی امید پر پانی پھیر دیتے! بلکہ حضرتؑ کا تو فرض تھا کہ جس طرح ہو حضرت رسول خدا صلعم کی پیشین گوئیوں کی تصدیق ہی کریں اور ذرہ برابر اس کے خلاف نہ ہونے دیں۔ اس وجہ سے بھی آپ صلح کر لینے پر مجبور ہو گئے تھے غرض جو لوگ حضرتؑ پر اعتراض کرتے ہیں انہیں اسی طرح حضرت رسول خدا صلعم پر بھی اعتراض کرنا چاہیئے کہ کیوں حضرتؐ نے خود کفار مکہ سے مشہور صلح حدیبیہ کی اور پھر کیوں اپنے بڑے فرزند حضرت امام حسنؑ کے بارے میں یہ پیشین گوئی کی کہ آپ کے ذریعہ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح ہو جائے گی اور کیوں حضرتؑ سے یہ امید کی کہ یہ معویہ کی درخواست صلح کو منظور کر لیں گے۔

حضرتؑ کی اولاد و ازواج

حضرتؑ کی اولاد آٹھ بیٹے اور ۷ بیٹیاں تھیں (۱) زید بن حسن اور ان کی دو بہنیں ام الحسن و ام الحسین ایک زوجہ ام بشیر دختر ابو مسعود بن عقبہ سے تھیں (۲) حسن مثنیٰ بن حسنؑ دوسری زوجہ خولہ دختر منظور فزاریہ سے تھے (۳) عمرو بن حسنؑ وقاسم وعبداللہ تیسری زوجہ سے تھے۔ (۴) عبدالرحمٰن بن حسنؑ چوتھی زوجہ سے تھے۔ حسن اثرم۔ طلحہ اور ان کی بہن فاطمہ پانچویں زوجہ ام اسحاق بنت طلحہ سے تھیں (۵) اور حضرتؑ کی دوسری صاحبزادیاں ام عبداللہ و فاطمہ و ام سلمہ و رقیہ مختلف بیویوں سے تھیں۔ (ارشاد صفحہ ۲۰۸)

حضرتؑ کے فرزند زید بن حسنؑ بڑے جلیل القدر اور صدقات رسول اللہ صلعم کے متولی بھی تھے۔ ۹۰ سال کی عمر پا کر دنیا سے انتقال کیا۔ خلیفہ بنی امیہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے والی کو آپ کے بارے میں لکھا تھا کہ لت زید بن الحسن غریب عن هاشم ذو ستهم۔ زید بن حسنؑ خاندان بنی ہاشم کے شریف اور محترم بزرگ ہیں۔ آپ نے ۱۲۰ھ (۷۳۸ء) میں انتقال کیا۔

حسن مثنیٰ

حضرت امام حسنؑ کے دوسرے فرزند جناب حسن مثنیٰ بڑے جلیل القدر۔ فاضل۔ متقی۔ سردار اور صدقات حضرت امیر المومنینؑ کے متولی تھے۔ آپ کی شادی حضرت امام حسینؑ کی بڑی صاحبزادی جناب فاطمہ سے ہوئی تھی آپ بھی حضرتؑ کے ساتھ کربلا میں آئے۔ خود جہاد کیا آخر زخمی ہو کر گرے تو لوگوں نے سمجھا کہ انتقال کر گئے۔ مگر جان باقی تھی۔ جب شہدائے کربلا کے سر ان کے بدن سے جدا کئے جا رہے تھے تو معلوم ہوا کہ آپ ابھی زندہ ہیں۔ اس وقت آپ کے ماموں ابو احسان اسماء نے آپ کو عمر سعد سے لے لیا۔ کوفہ میں لا کر علاج کرایا اور آپ صحیح ہو کر مدینہ واپس تشریف لائے پھر وہیں رہتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے کب اور کس عمر میں انتقال کیا۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک نے آپ کو پوشیدہ زہر دلوا دیا جس سے آپ نے ۳۵ سال کی عمر میں غالباً ۸۶ھ ہجری میں انتقال کیا اور بعض کا قول ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے زہر دلوا دیا اور آپ نے ۵۲ سال کی عمر میں ۹۷ھ ہجری میں انتقال کیا۔ آپ کی وفات کا صدمہ آپ کی زوجہ محترمہ یعنی حضرت امام حسینؑ کی بڑی صاحبزادی جناب فاطمہ کو اس قدر ہوا کہ آپ کی قبر پر خیمہ نصب کر کے سال بھر تک وہیں پڑی رہیں۔ شب بھر عبادت خدا بجا لاتیں اور دن بھر روزہ رکھتیں۔ آپ کے حسن و جمال کے بارے میں لکھا ہے کانت تشبہ بالحور العین لجمالها۔ آپ حسن و جمال میں حور عین کی مشابہ تھیں۔ غرض پورے سال بھر تک شوہر کی قبر پر سوگواری کی اور جب دوسرا سال شروع ہوا تو اپنے خیمہ وہاں سے اٹھوا دیئے اور وہاں سے واپس گئیں۔ (ارشاد صفحہ ۲۱۱ وغیرہ)

حضرتؑ کے تیسرے، چوتھے اور پانچویں صاحبزادے عمرو۔ قاسم و عبداللہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے اور چھٹے فرزند عبدالرحمٰن اپنے چچا حضرت امام حسینؑ کے ساتھ حج کرنے گئے تو راہ میں بمقام ابواء حالت احرام میں انتقال کر گئے۔ اور ساتویں بیٹے حسینؑ اثرم اور آٹھویں فرزند طلحہ بھی بڑے معزز و محترم تھے۔ حضرت امام حسنؑ کی صاحبزادیوں میں جناب فاطمہ بڑی جلیل القدر تھیں۔ ان کی شادی حضرت امام زین العابدینؑ سے ہوئی تھی جن سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیدا ہوئے۔

جناب محمد نفس زکیہ و جناب ابراہیم

امام حسنؑ کے دوسرے فرزند جناب حسن مثنیٰ کے پوتوں جناب نفس زکیہ و جناب ابراہیم کا واقعہ بھی اسلامی تاریخ میں خونی حرفوں سے لکھا ہوا ہے۔ امام حسنؑ کی اولاد مدینہ میں عزلت گزینی اور عسرت میں بسر کرتی اور سلطنت بنی امیہ و بنی عباس کے معاملات سے الگ تھلگ، ہو کر علمی اور مذہبی خدمات میں مشغول رہتی تھی خصوصاً ائمہ اہلبیتؑ صرف اپنے جد بزرگوار حضرت رسول خداؐ کے دین کو فروغ دینے اور خلق خدا کو ہدایت کرنے کے کام میں لگے رہتے تھے۔ مگر باوجود ان کی تنگ دستی کے ان کے اہل شہر ان کی اس قدر تعظیم کرتے تھے۔ کہ کسی اور کی نہیں ہوتی تھی۔ اس سبب سے خلفائے بنی امیہ و بنی عباس برابر ان کے قتل کے درپے ہوتے تھے ۱۳۲ھ ہجری میں بنی امیہ کا زمانہ ختم اور بنی عباس کا دور شروع ہوا مگر دونوں خاندان کے خلفاء کو خواہ مخواہ اولاد امام حسنؑ و امام حسینؑ سے کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کہیں لوگ ان کے گرویدہ ہو کر انؑ کو خلیفہ نہ بنائیں۔ اس سبب سے وہ ان کی رسوائی اور تخریب کے درپے رہتے۔ خاص کر خاندان بنی عباس کا دوسرا بادشاہ منصور تو ان حضرات کے خون کا سخت پیاسا رہتا تھا۔ اس کے سادات سے سخت دشمنی کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ جس زمانہ میں بنی امیہ کی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا۔ بنو ہاشم نے ایک جلسہ کر کے امام حسنؑ کے فرزند جناب حسن مثنیٰ کے صاحبزادے عبداللہ کے بیٹے محمد کو جو امام حسنؑ کے پوتے اور جناب حسن مثنیٰ کے پوتے تھے اور جو اپنی نیک سیرتی کی وجہ سے نفس زکیہ کہے جاتے تھے۔ خلیفہ منتخب کر لیا تھا اور خود منصور نے جو اس جلسہ میں شریک تھا ان کی بیعت کر لی تھی۔ مگر حضرت امام جعفر صادقؑ اس جلسہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ آپ اس جلسہ کے خلاف تھے۔ جب سازباز سے خلافت بنی عباس میں آ گئی اور منصور

بادشاہ ہوا تو اس بیعت کا خیال کرکے اسے اور بھی اندیشہ ہوتا تھا۔ پس اس نے جناب نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کو گرفتار کرنے کی کوشش کی مگر وہ ہاتھ نہ آئے تو منصور نے ان کے والد عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو ہم او دوسرے بنی فاطمہ کیساتھ پا بجولاں کوفہ میں بلاکر قید کر دیا۔ اور محمد وابراہیم کی تلاش میں جا بجا جاسوس مقرر کر دیئے۔ مجبور ہوکر جناب نفس زکیہ نے اپنے بھائی ابراہیمؑ کو کوفہ اور اہواز کیطرف بھیج دیا کہ وہاں کے لوگوں کو اپنی طرف کریں اور کہا کہ اسی روز میں بھی مدینہ میں ایسا ہی کروں گا۔ مگر اتفاق ایسا ہوا کہ جناب نفس زکیہ کو اپنے بھائی ابراہیم کی تیاریوں کے مکمل ہونے سے پہلے ہی اعلان کرنا پڑا اور اس طرح منصور کو پہلے ایک بھائی سے اور پھر دوسرے بھائی سے لڑنے کا موقع مل گیا۔ اولاً جناب نفس زکیہ نے زور پکڑ کر منصور کے گورنر کو مدینہ سے نکال دیا اور حجاز ویمن نے جناب محمد نفس زکیہ کو خلیفہ اسلام تسلیم کر لیا یہاں تک کہ اہلسنت کے مشہور امام مالک نے بھی جناب محمد نفس زکیہ کی بیعت کر لی۔ اور ان کی حقیت دعویٰ کی تائید میں فتویٰ دیئے۔ منصور نے یہ حالت دیکھ کر اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو جناب نفس زکیہ سے لڑنے کے لیے روانہ کیا۔ موقع جنگ پر جناب نفس زکیہ کے ساتھ صرف تین سو آدمی رہ گئے اور ۱۵ ار مضان المبارک ۱۴۵ھ ہجری (۷۶۲ء) کی لڑائی میں وہ سب کے سب لڑکر شہید ہو گئے۔ تھوڑے دنوں بعد آپ کے بھائی ابراہیم بھی جو بصرہ واسط واہواز وغیرہ پر قابض ہو گئے تھے۔ مقابلے پر نکلے اور اہلسنت کے مشہور امام ابوحنیفہ صاحب نے بھی ان کی تائید میں لوگوں کو آمادہ کیا۔ ابراہیمؑ نے ایک بڑی فوج مہیا کرکے بادشاہ منصور کی فوجوں کو سخت شکستیں دیں۔ مگر آخر کوفہ کے قریب عیسیٰ بن موسیٰ کی فوج کے مقابلہ میں مقام باخمری پر ۲۴ ہر ذیقعدہ ۱۴۵ھ کو ایک تیر کھا کر شہید ہوئے۔ اس کے بعد منصور نے اہل بصرہ اور اہل مدینہ پر جناب محمد نفس زکیہ اور ابراہیم کی مدد کرنے کے جرم میں اپنا غصہ اتارا۔ بصرہ کے بہت سے آدمی قتل کئے۔ اولاد امام حسنؑ و امام حسینؑ کی جائدادیں ضبط کر لیں۔ اولاد امام حسنؑ سے بکثرت حضرات کو قتل کیا۔ بہت لوگوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا۔ اور بہت سے قید کر دیئے گئے۔ امام مالک تک کو تازیانے لگوائے اور امام ابوحنیفہ صاحب کو تو قید ہی کر دیا۔ عبداللہ بن حسن مثنیٰ اور ان کے ہمراہی قیدیوں میں سے بعض کو فوراً قتل کر دیا غرض اولاد امام حسنؑ کے مصائب و آفات سے تاریخ کے اوراق سرخ ہو رہے ہیں۔ اور اس مختصر کتاب (تاریخ ائمہ) میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

حضرت امام حسنؑ کے روضہ کی کرامت

حضرات اہلسنت کے بکثرت معتبر علماء نے لکھا ہے کہ الکس رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے تھے کہ ایک بدمعاش شخص نے حضرت امام حسنؑ کے مزار مطہر پر پائخانہ پھیر دیا۔ اس پر اس کو جنون ہو گیا اور وہ کتوں کیطرح سے بھونکنے لگا اور اسی طرح بھونکتا ہوا مر گیا۔ جب وہ دفن کیا گیا تو اس کی قبر سے بھی کتے کے بھونکنے کی سی آواز نکلتی رہی (حلیۃ الاولیاء ابونعیم وارجح المطالب صفحہ ۲۷۲ و نورالابصار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۲)

تیسرا باب ۳

حضرت امام حسین علیہ السلام

حضرت رسول خدا صلعم کے دوسرے پارۂ جگر۔ حضرت امیرالمومنینؑ کے دوسرے فرزند اور جناب سیدۃؑ کے دوسرے لال تھے۔ ۳ ریا ۵ شعبان ۴ھ ہجری میں پیدا ہوئے ۱۱ھ ہجری تک جد بزرگوار اور والدہ ماجدہ کے ساتھ ۔ ۴۰ھ ہجری تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ اور ۴۹ھ یا ۵۰ھ ہجری تک اپنے برادر عالی قدر کے ہمراہ رہے اسی وقت مسلمانوں کے حقیقی تیسرے امام ہوئے اور ۶۱ھ ہجری کی محرم کو کربلا میں شہید ہوئے۔

ولادت

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے حمل اور ولادت امام حسنؑ میں ایک طہر کا فاصلہ تھا اور علامہ واقدی کہتے تھے کہ حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کا حمل حضرت امام حسنؑ علیہ السلام کی ولادت کی پچاس راتوں کے بعد قرار پایا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کو اصابہ فی تمیز الصحابہ میں لکھا ہے اور نزول الابرار میں علامہ بدخشی لکھتے ہیں کہ سب روایتوں میں قابل ترجیح یہی روایت ہے۔

اسم گرامی

ابو احمد عسکری نے کہا ہے کہ یہ نام (حسنؑ وحسینؑ) زمانہ جاہلیت میں کسی کا معلوم نہیں ہوتا۔ اور مفضل نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہ دونام حسنؑ وحسینؑ چھپا رکھے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنے دونوں صاحب زادوں کا نام حسنؑ وحسینؑ اور تیسرے فرزند کا نام محسن رکھا۔ اس کے بعد فرمایا میں ان تینوں کے وہ نام رکھتا ہوں جو حضرت ہارون پیغمبرؑ کے بیٹوں کے نام تھے۔ یعنی شبرؑ۔ شبیر اور مشبرؑ۔

کنیت والقاب

حضرتؑ کی کنیت ابو عبداللہ اور القاب سید طیب۔ زکی۔ سبط رشید وفی۔ مبارک۔ تابع لمرضات اللہ۔ دلیل علیٰ ذات اللہ۔ شہید اکبر اور سید الشہداء تھے۔ اور حضرتؑ اور آپ کے بڑے بھائی حضرت امام حسنؑ حضرت رسول خدا کے ارشاد کے مطابق سید اشباب اھل الجنۃ۔ (جوانان اہل بہشت کے سردار) مشہور ہیں۔ اور باتفاق آپ دونوں بزرگ سبطا نبی الرحمۃ (نبی رحمت کے دونواسے) بھی کہے جاتے ہیں اور حضرت رسول خداؐ کے کل اہل واولاد میں یہ دونوں صاحبزادے آپ کو سب سے زیادہ محبوب اور عزیز تھے۔

حضرت رسول خدا سے مشابہت

حضرت امام حسنؑ اپنے سینہ سے سر تک اور

حضرت امام حسینؑ اپنے سینہ سے پاؤں تک بالکل حضرت رسول خداؐ کے مشابہ تھے۔ حضرت رسول خداؐ فرماتے تھے کہ حسنؑ و حسینؑ میری دنیا کے بہار ہیں۔

عقیقہ و ختنہ

جب حضرت پیدا ہوئے تو حضرت رسول خدا صلعم نے آپ کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور ساتویں روز عقیقہ کیا اور ایک یا دو مینڈھا ذبح کیا۔ جناب سیدہ سے فرمایا کہ ان کے بالوں کو وزن کرکے اس کے برابر چاندی خیرات کرو اور ساتویں ہی روز آپ کا ختنہ بھی کر دیا۔

آیۂ تطہیر کے مصداق

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام اہل کساء کے پانچویں شخص ہیں۔ شداد بن عبداللہ کہتا تھا کہ میں نے واثلہ بن اسقع سے سُنا کہ جب امام حسینؑ کا سر (بعد شہادت) لایا گیا تو اہل شام سے ایک شخص نے آپ کو اور آپ کے والد کو گالیاں دیں تو واثلہ کھڑے ہو گئے اور کہا کہ خدا کی قسم میں حضرت علیؑ و امام حسنؑ و امام حسینؑ و جناب سیدہ کو اس وقت سے برابر دوست رکھتا ہوں جب سے میں نے حضرت رسول خداؐ کی ان کے متعلق حدیثیں سنیں۔ میں ایک دن نبی صلعم کے حضور میں ام سلمہ کے گھر گیا تھا اتنے میں حضرت حسنؑ آئے۔ انہیں رسول خدا صلعم نے اپنے داہنے زانو پر بٹھا لیا اور پیار کیا۔ پھر حضرت امام حسینؑ آئے۔ تو انہیں حضرتؐ نے اپنے بائیں زانو پر بٹھا لیا اور پیار کیا۔ پھر حضرت فاطمہؑ آئیں۔ انہیں حضرتؐ نے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ پھر حضرت علیؑ کو بلایا بعد اس کے فرمایا انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ اے میرے اہلبیت! خدا کا ارادہ برابر یہی رہتا ہے کہ تم لوگوں سے ہر برائی دور کئے رہے اور جس قدر ممکن ہو تم لوگوں کو پاکیزہ رکھے۔ (اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۶) اس قسم کی متعدد حدیثیں۔ صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ۔ کنز العمال وغیرہ میں بھی ہیں۔

حضرتؑ کی عبادت

حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے بھی پچیس حج پا پیادہ کئے اور جسقدر حج آپ نے کئے وہ سب عراق جانے سے پہلے کئے۔ عراق سے آپ نے کوئی حج نہیں کیا۔ عراق سے آنے کے بعد صرف بیس سال اور چند مہینے زندہ رہے۔ آپ عراق سے مدینہ ۴۱ ہجری میں آئے تھے اور شروع ۶۱ھ ہجری میں شہید ہوئے۔ آپ بہت ہی بزرگ۔ زیادہ روزہ رکھنے والے نماز پڑھنے والے اور حج و صدقہ اور تمام امور خیر کے زیادہ بجا لانے والے تھے۔ آپ کی قبر مشہور ہے اس کی زیارت کی جاتی ہے (اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۷) نماز کی حالت واقعات کربلا سے ظاہر ہے۔ کہ ایسی عبادت آج تک کسی نے بھی نہیں کی۔

حضرتؑ کی منزلت

عیزار ابن حریب سے روایت ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عمر کعبۃ اللہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں حضرت امام حسینؑ کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو کہا آج کے دن یہ شخص اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین سے زیادہ محبوب ہے۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۵ اس

سے زیادہ جناب ابوہریرہ کا قول ہے۔ ایک جنازہ میں بہت سے لوگ جاتے تھے۔ مشہور صحابی ابوہریرہ بھی تھے اور حضرت امام حسینؑ علیہ السلام بھی تشریف لے گئے تھے۔ راہ میں ابوہریرہ اپنے کپڑوں سے حضرت امام حسینؑ کے پاؤں کی گرد جھاڑنے لگے۔ تو حضرتؑ نے فرمایا اے ابوہریرہ تم میرے پاؤں جھاڑتے ہو؟ اس کے جواب میں ابوہریرہ نے کہا دعنی منک فلو یعلم الناس منک ما اعلم لحملوک علی عواتقھم۔ اے حضرت آپ مجھے چھوڑ دیجئے اور اس کام سے نہ روکئے۔ آپ کے فضائل و مناقب جس قدر مجھے معلوم ہیں وہ اگر دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہو جائیں تو لوگ آپ کو پیدل چلنے ہی نہ دیں بلکہ اپنے کاندھوں پر بیٹھے پھریں۔ (تاریخ طبری مطبوعہ مصر جلد ۱۲ صفحہ ۱۹) اس سے ثابت ہوا کہ حضرتؑ کے کل فضائل لوگوں کو معلوم نہیں ہیں۔

حضرتؑ کے بارے میں خلیفہ دوم کا قول

مذکورہ بالا اقوال سے زیادہ اہم حضرت عمر کا قول ہے حضرت امام حسینؑ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں حضرت عمر کے پاس گیا دیکھا کہ وہ منبر پر بیٹھے خطبہ دے رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر میں منبر پر چڑھ گیا اور کہا میرے باپ کے منبر پر سے اُتر جایئے اور اس منبر پر جا کر بیٹھے جو آپ کے باپ کا ہو حضرت عمر نے کہا میرے باپ کا تو کوئی بھی منبر نہیں ہے۔ پھر انہوں نے مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ اور جب اس سے اترے تو مجھے بھی اپنے ساتھ اپنے گھر لیتے گئے۔ وہاں پہنچ کر پوچھنے لگے کیوں جی یہ بات تم کو کس نے سکھائی تھی! میں نے کہا خدا کی قسم کسی نے بھی نہیں سکھائی (میں نے خود اپنے دل سے کہی)۔ تب حضرت عمر بولے میرا باپ تم پر فدا ہو جائے تم کبھی کبھی میرے ہاں آیا کرو۔ اس پر میں ایک دن ان کے ہاں گیا۔ مگر معلوم ہوا کہ معویہ اور وہ دونوں تخلیہ میں کچھ کر رہے ہیں۔ حضرت عمر کے بیٹے دروازے پر تھے۔ وہ بھی اندر نہیں جا سکے بلکہ پلٹ آئے تو میں بھی پلٹ آیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد حضرت عمر مجھ سے ملے تو کہنے لگے صاحبزادے! تم میرے ہاں آئے نہیں میں نے کہا میں تو آیا تھا۔ مگر آپ اور معویہ تنہائی میں کچھ کر رہے تھے تو میں عبداللہ بن عمر کے ساتھ واپس گیا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے کہا میرے لڑکے سے زیادہ تمہارا حق ہے فانما انبت ماتری فی رؤسنا اللہ ثم انتم۔ کیونکہ ہم لوگوں کے سروں کا ایک ایک بال تک صرف خدا کے فضل اور آپ حضرات اہلبیت طاہرینؑ کے طفیل ہی میں پیدا ہوا ہے۔ (اصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۵ و کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۰۵ و ازالۃ الخفا جلد ۲ صفحہ ۸۰ وغیرہ) جس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر کا دلی اعتقاد یہ تھا کہ حضرت حسنؑ و حسینؑ وغیرہ خدا کے ایسے پیارے بندے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو خدا دنیا کو پیدا نہیں کرتا۔ صرف انہیں حضراتؑ کے طفیل میں دو عالم بھی پیدا ہوئے اور حضرت عمر کا رواں رواں تک انہیں حضرات کے برکات وجود کا ممنون احسان ہے اور ممدوح نے اپنے اس اعتقاد کو حضرت امام حسینؑ کے سامنے ظاہر بھی کر دیا۔

جناب ابن عباس کا برتاؤ

جناب ابن عباس حضرت رسول خدا صلعم کے چچازاد بھائی اور بڑے جلیل القدر صحابی تھے۔ ایک دفعہ حضرت امام حسینؑ سوار ہونے لگے

عمر دونوں میں امام حسینؑ سے بڑے ہیں۔ پھر آپ ان کے سامنے ایسی ذلت برداشت کرتے ہیں؟ اس پر وہ بگڑ کر بولے یالکع وما تدری ھذین ھذان ابنا رسول اللّٰہ اولیس مما انعم اللّٰہ بہ علی ان امسک لھما واسوی علیھما۔ اے کم بخت تجھے کیا معلوم یہ دونوں بزرگ کون ہیں۔ یہ دونوں رسول خدا صلعم کے فرزند ہیں ان کے طفیل میں خدا نے جو نعمتیں مجھے دی ہیں ان کے مقابلے میں کیا میں ان کی رکاب بھی نہ پکڑوں اور انہیں گھوڑے پر سوار بھی نہ کروں۔ (ناسخ جلد ۶ صفحہ ۲۵)

حضرتؑ کی سخاوت

مشہور صحابی رسول اسامہ بن زید ایک دفعہ بیمار ہوئے تو حضرت امام حسینؑ علیہ السلام ان کی عیادت کو تشریف لے گئے پہنچے تو سنا کر وہ کہتے ہیں ہائے میرا غم واندوہ۔ امام حسینؑ نے پوچھا اے بھائی تمہیں کس بات کا غم ہے؟ انہوں نے کہا اپنے قرض کو جو ساٹھ ہزار درہم ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا کچھ غم نہ کرو میں اسے ادا کر دوں گا انہوں نے کہا ڈرتا ہوں کہ آپ کے ادا کرنے سے پہلے میں مرجاؤں گا اور یہ بوجھ لیکر دنیا سے جاؤں گا۔ حضرتؑ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں تمہاری زندگی ہی میں اسے ادا کر دوں گا غرض حضرتؑ نے ان کے مرنے سے قبل ان کا پورا دین (ساٹھ ہزار درہم) ادا کر دیا۔

ایک دفعہ کوئی دیہاتی عرب شہر مدینہ میں آکر لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہاں سب سے زیادہ کریم کون شخص ہے لوگوں نے کہا حضرت امام حسینؑ۔ وہ گیا تو حضرتؑ کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا وہ حضرتؑ کی پشت میں کھڑا ہو کر حضرت کی مدح میں شعر پڑھنے لگا۔ حضرتؑ نے نماز سے سلام پھیرا تو قنبر سے پوچھا کہ مال حجاز کچھ بچا ہے؟ انہوں نے کہا چار ہزار اشرفیاں۔ حضرتؑ نے سب منگا کر دو چادروں میں باندھ دیں اور دروازہ سے ہاتھ بڑھا کر اس دیہاتی عرب کو وہ کل اشرفیاں دے دیں اور شرم کی وجہ سے اس کے سامنے نہیں آئے بلکہ معذرت کے اشعار پڑھے دیہاتی عرب آپ سے کل اشرفیاں لے کر رونے لگا۔ حضرتؑ نے یہ دیکھ کر فرمایا تو میرے مال کو کم سمجھ کر روتا ہے؟ اس نے کہا نہیں یا حضرتؑ بلکہ یہ خیال کر کے روتا ہوں کہ مٹی حضرتؑ کے جود کو کس طرح کھائے گی۔

ایک شخص شعیب خزاعی بیان کرتا تھا کہ حضرت امام حسینؑ جب کربلا میں شہید ہو چکے تو آپ کی پیٹھ میں بہت سے گھٹے ملے۔ لوگوں نے امام زین العابدینؑ سے اس کی وجہ دریافت کی فرمایا کہ حضرت اپنی پشت مبارک پر غلوں اور روپیہ اشرفیوں کی گٹھریاں لاد کر بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کے گھر پہنچایا کرتے تھے انہیں کے گھٹے پڑے ہوئے ہیں۔

عبدالرحمٰن سلمیٰ نے حضرت کے کسی لڑکے کو (جو امام نہیں تھے) بچپن میں سورہ الحمد یاد کرادیا تھا۔ جب حضرت نے صاحبزادے سے سن لیا کہ یاد ہے تو عبدالرحمٰن کو ایک ہزار اشرفیاں، ایک ہزار قیمتی خلعتیں دیں اور اس کے منہ کو موتیوں سے بھر دیا۔ لوگوں نے عرض کی حضور نے اسے اتنا کیوں دے دیا؟ فرمایا اس نے جو عظیم الشان

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؑ کی نظروں میں مال دنیا کی کوئی حقیقت تھی نہیں۔

حضرتؑ کی حاضر جوابی

ایک دفعہ معویہ۔ عمرو عاص اور حضرت امام حسینؑ علیہ السلام ایک جگہ بیٹھے تھے۔ عمرو عاص نے حضرتؑ کو خفیف اور ذلیل کرنے کے لیے حضرتؑ سے مذاق کرنا شروع کیا کہا اے فرزند علیؑ۔ یہ کیا بات ہے کہ ہم لوگوں کی اولاد زیادہ ہوتی اور آپ لوگوں کی کم ہوتی ہے۔ حضرتؑ نے برجستہ یہ شعر پڑھا ؎

بغاث الطیر اکثرھا فراخا　　وام الصقر مقلاۃ نزور

کمزور اور حقیر و ذلیل چڑیوں کے بچے کثرت سے ہوتے رہتے ہیں اور شکاری پرندے جیسے باز، شاہین، بحری وغیرہ کی ماں ایک ہی دفعہ جنتی اور قلیل اولاد ہوا کرتی ہے۔

پھر عمرو عاص نے پوچھا یہ کیا بات ہے کہ ہم لوگوں کی مونچھ کا بال آپ لوگوں کی مونچھ سے بہت پہلے سفید ہو جاتا ہے۔ حضرتؑ نے فوراً جواب دیا وجہ یہ ہے کہ تم لوگوں کی عورتیں گندہ دہن ہوتی ہیں جب تم لوگوں کا منہ اپنی بیویوں کے منہ کے پاس پہنچتا ہے تو ان کے گندے بخارات اور بدبودار سانسوں کا اثر تمہارے منہ پر پڑ کر اس کو جھلس دیتا ہے جس سے تم لوگوں کے منہ کے بال جلد سفید ہو جاتے ہیں۔ اب عمرو عاص نے پوچھا اور اس کی وجہ کیا ہے کہ آپ لوگوں کی ڈاڑھیاں گھنی اور ان کے بال بھرپور ہوتے ہیں اور ہم لوگوں کی ڈاڑھی کے بال اُچٹے ہوئے رہتے ہیں اس پر حضرتؑ نے فوراً یہ آیت پڑھ دی: والبلد الطیب یخرج نباتہ باذن ربہ والذی خبث لا یخرج الا نکدا۔ عمدہ زمین سے اُس کا سبزہ اچھا ہی نکلتا ہے اور جو زمین بُری اور خبیث ہوتی ہے اس کی پیداوار بھی خراب ہی ہوتی ہے (پ ۸ ع ۱۴) ابھی یہیں تک باتیں ہوئی تھیں کہ حضرتؑ کی فصاحت و بلاغت سے پریشان ہو کر معویہ نے عمرو عاص سے کہا تم کو میرے حق کی قسم اب چپ ہو جاؤ۔ جانتے نہیں یہ کون ہیں ارے بھائی یہ علی ابن ابی طالب کے فرزند ہیں (ان سے کسی بات میں بھی کوئی جیت سکتا ہے؟) تب حضرتؑ نے یہ شعر پڑھا ؎

ان عادت العقرب عدنا لھا　　فکانت النعل لھا حاضرہ

قد علم العقرب واستیقنت　　ان لا لھا دنیا ولا آخرہ

(اگر پھر بچھو پلٹے گا تو میں بھی اس کی طرف پلٹوں گا اور اس کو مارنے کے لیے میری جوتی اسی طرح حاضر رہے گی۔ بچھو کو خوب معلوم بلکہ یقین ہے کہ اس کے حصہ میں نہ دنیا ہے اور نہ آخرت ہی (مناقب جلد ۴ صفحہ ۵۷، وبحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۱۴۸)

حضرتؑ کی مناجات

ایک مرتبہ انس بن مالک رات کو حضرتؑ کے ساتھ جا رہے تھے۔ جاتے جاتے حضرت خدیجہ کی قبر پر پہنچے۔ اسے دیکھ کر حضرت رونے لگے اور انس سے کہا

بھائی تم سب اپنے گھر جاؤ اور مجھے یہیں چھوڑ دو۔ انس کہتے تھے کہ میں حضرتؑ کے پاس سے گھر قریب ہی ایک جگہ چھپ کر دیکھنے لگا کہ حضرتؑ کیا کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضرتؑ نے پڑھنی شروع کیں۔ اس کے بعد خدا سے اس طرح مناجات کرنے لگے ؎

یارب یارب انت مولاہ — فارحم عبیدا الیک ملجاہ
یاذاالمعالی علیک معتمدی — طوبیٰ لمن کنت انت مولاہ
طوبیٰ لمن کان خادما ارقا — یشکرالی ذی الجلال بلواہ
ومابہ علۃ ولا سقم — اکثر من حبہ لمولاہ
اذا اشتکیٰ بثہ وغصتہ — اجابہ اللہ ثم لباہ
اذا ابتلی بالظلام مبتہلا — اکرمہ اللہ ثم ادناہ

(اے میرے رب۔ اے میرے رب تو ہی میرا آقا اور مولا ہے۔ پس تو اپنے اس حقیر بندے پر رحم فرما جو تیری پناہ چاہتا ہے اے بلندیوں والے تجھ ہی پر میرا پورا بھروسا ہے جس کا تو مولا ہوگیا ہے اس کی خوش قسمتی کی کیا حد ہوسکتی ہے۔ جو بندہ ہوشیار اور بیدار رہے اور تجھ ہی ایسے ذوالجلال والاکرام سے مصیبتوں کی شکایت کرے وہ کیسا مبارک اور نیک بخت ہے۔ اس کو کوئی شکایت اور مرض اپنے مولا کی محبت سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا کہ جب وہ اس سے اپنے غم واندوہ کی شکایت کرے تو فوراً اللہ اس کی دعا قبول کرے اور اس کے استغاثے پر لبیک کہنے لگے۔ اور جب وہ اندھیری رات میں اس سے گڑگڑائے تو اللہ اس کی عزت بڑھا دے اور اس کو اپنے دربار میں مقرب کرے۔

حضرتؑ کی مناجات ابھی یہیں تک پہنچی تھی کہ خدا کی طرف سے ہاتف غیبی نے اس طرح جواب دیا ؎

لبیک عبدی وانت فی کنفی — وکلما قلت قد علمناہ
صوتک تشتاقہ ملائکتی — فحسبک الصوت قد سمعناہ
دعاءک عندی یجول فی حجب — فحسبک الستر قد سفرناہ
لوھبت الریح من جوانبہ — خرّ صریعا لما تغشاہ
سلنی بلارغبۃ ولا رھب — ولاحساب انی انا اللہ

اے میرے بندے میں تیرے لیے حاضر ہوں تو میری خاص بارگاہ میں داخل ہوگیا اور جو کچھ تو نے کہا سب میں نے سن لیا۔ تیری آواز اتنی پیاری ہے کہ میرے فرشتے اس کے مشتاق رہتے ہیں۔ تو نے اس وقت جو مناجات کی وہ سب میں نے خوب سن لی۔ تیری دعا میرے حجابوں میں جولاں ہے تو نے جو دعا کی اسی قدر کافی ہے۔ میں نے تیرے اوپر سے تردد کے پردے ہٹا دیئے۔ اگر اس کے جوانب سے ہوائیں چلیں تو لوگوں پر اس سے ایسی کیفیت طاری ہو جس سے وہ غش کھا کر گر پڑیں۔ تجھ کو جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے بغیر کسی بات کی پروا یا خوف یا حساب (کے خیال) کے مانگ لے۔

حضرتؑ کی شہادت کی پیشین گوئیاں

جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے امام حسنؑ کے بارے میں پیشین گوئی کی تھی کہ لوگ اس کو مجبور کریں گے تو اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح ہوجائے گی۔ اسی طرح خدا اور رسول نے حضرت امام حسینؑ کے بارے میں بھی پیشین گوئی کی تھی کہ حضرتؑ کی امت آپ کو قتل کر ڈالے گی مثلاً مشکوٰۃ میں ہے کہ ایک بی بی ام الفضل بنت حارث ایک دفعہ حضرت رسول خدا صلعم کے پاس گئیں اور کہا اے رسول خدا میں نے آج کی رات ایک برا خواب دیکھا ہے۔ حضرت نے فرمایا کیا دیکھا۔ کہا یا حضرتؐ وہ بہت سخت ہے حضرت نے فرمایا سنوں بھی تو کیا دیکھا۔ انہوں نے کہا میں نے دیکھا کہ گویا آپ کے بدن مبارک سے ایک ٹکڑا کاٹا گیا اور میری گود میں رکھا گیا۔ یہ سن کر حضرت رسول خدا نے فرمایا تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے اگر خدا نے چاہا تو میری بیٹی فاطمہؑ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو تمہاری گود میں رہے گا۔ غرض جناب فاطمہؑ کے ہاں حسینؑ پیدا ہوئے اور میری گود میں رہنے لگے اور وہی ہوا جو حضرت رسول خدا نے فرمایا تھا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد میں حسینؑ کو لے کر آں حضرتؐ کے پاس گئی اور انہیں حضرتؐ کی گود میں رکھ کر دوسری طرف متوجہ ہوگئی۔ اب جو مڑ کر دیکھا کہ حضرت رسول خدا کی دونوں آنکھوں سے آنسو کے دو دریا جاری ہیں۔ ام الفضل نے کہا اے رسول خدا آپ پر میرے باپ ماں فدا ہوں آپ رونے کیوں لگے؟ فرمایا ابھی میرے پاس جبرئیل آئے اور مجھے خبر دی کہ میری امت بہت جلد میرے اس فرزند کو قتل کر دے گی۔ میں نے کہا یا حضرتؐ کیا اس فرزند کو؟ حضرت نے فرمایا ہاں اور وہ میرے پاس اس کے قتل گاہ کی سرخ مٹی بھی لائے تھے۔ (مشکوٰۃ مطبوعہ لاہور جلد ۲ صفحہ ۱۴۰) اس قسم کی پیشین گوئیاں بہت کثرت سے ہیں۔ جن سے یہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ صلعم کو اس واقعہ کی خبر تھی اور حضرت دوسروں کو بھی اس سے مطلع فرماتے تھے۔

بیعت یزید کے لیے معویہ کی کوشش

حضرت امام حسنؑ کو معویہ نے بار بار زہر دلوا کر شہید کرا دیا اور اسی وقت سے اس کی کوشش کرنے لگا کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنا دے۔ تمام پختہ ویز کرکے اس نے پہلے اہل شام سے پھر اہل عراق سے یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے لی اور ۵۶ھ ہجری میں ہزاروں سواروں کی جمعیت سے حجاز کی جانب روانہ ہوا۔ مدینہ کے قریب پہنچا تو پہلے امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی۔ آپ کو دیکھ کر معویہ نے کہا خوشی اور بھلائی نہ ہو اس شتر قربانی کو جس کا خون پھڑک رہا ہے اور اللہ اس کا خون بہانے والا ہے۔ امام حسینؑ نے کہا اے معویہ خدا کی قسم میں ایسے کلمات کا سزاوار نہیں ہوں۔ معویہ نے بدزبانی کی اور کہا بلکہ اس سے بدتر کلمات کے سزاوار ہو۔ بعد ازاں مدینہ میں پھر مکہ میں جاکر اور لوگوں کو تلوار کا خوف دلا کر جبراً بیعت لے لی۔ مگر حضرت امام حسینؑ علیہ السلام کے استقلال میں کسی قسم کا فرق نہیں ہونے پایا۔

اروے بنت حارث اور معویہ کی گفتگو

اس زمانہ میں تقریباً ہر شخص معویہ سے نفرت کرتا اور منہ پر اس کو ظالم و غاصب کہہ دیا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک معظمہ اروے جو حارث کی بیٹی تھیں (اور بہت بوڑھی ہو چکی تھیں) معویہ کے پاس آئیں اور ان سے اور معویہ سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

معویہ: مرحبا اے خالہ۔ کہو کیسی ہو۔

اروے: اے بھانجے اچھی ہوں۔ تونے کفران نعمت کرکے اپنے ابن عم (حضرت علیؑ) کے ساتھ بدی کی۔ اور اپنے بیٹے تونے وہ لقب اختیار کیا جس کا تو اہل نہیں ہو سکتا۔ اور اہلبیتؑ سے وہ حق لے لیا جس کا تو مستحق نہیں تھا۔ اے معویہ اس دین میں مصائب و آفات کے لحاظ سے اہلبیتؑ رسول سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ جب خدا نے رسول مقبولؐ کو اپنے پاس بلا لیا تو ان کے بعد بنی تمیم اور بنی عدی (یعنی خاندان ابوبکر و عمر والے) اور بنی امیہ نے جھپٹ کر خاندان رسولؐ سے ان کا حق چھین لیا اور تم لوگ ہم پر حاکم بن بیٹھے۔ حالاں کہ اہلبیتؑ کا مرتبہ تم سب میں ایسا تھا جیسا بنی اسرائیل کا مرتبہ آل فرعون میں۔ اور حضرت رسول خداؐ کے ساتھ حضرت علیؑ کی وہ منزلت تھی جو حضرت موسیٰ کے ساتھ حضرت ہارون کی تھی (یہ سن کر معویہ کے وزیر عمرو عاص نے کہا)

عمرو عاص: اے گمراہ ضعیفہ چپ رہ اور بیہودہ گوئی ختم کر۔ تیری عقل سلب ہو گئی ہے۔

اروے: اے زن باغیہ کے فرزند! تو مجھ سے باتیں کرنے کی جرأت کرتا ہے! اور اپنی حقیقت کو نہیں دیکھتا کہ تیری ماں مکہ میں مشہور زناکار عورت تھی اور سستی اجرت پر اپنی عفت و حرمت بیچا کرتی تھی۔ چنانچہ تجھ پر پانچ مردوں نے دعویٰ کیا تھا اور ان میں سے ہر شخص تجھے اپنا ہی بیٹا کہتا تھا۔ آخرکار تیری ماں سے پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ مجھ سے ان پانچ آدمیوں سے تعلق رہتا تھا۔ اب پانچوں شخصوں کی صورت سے اس لڑکے کی صورت ملاؤ اور جس سے مشابہ پاؤ اس کا بیٹا قرار دے دو۔ تب تو عاص بن وائل کے ساتھ زیادہ مشابہ ہونے کی وجہ سے اس کا لڑکا قرار دیا گیا۔

(اروے کا یہ کلام سن کر)

معویہ: گزشتہ باتوں کا ذکر نہ کرو۔ اللہ نے اس کو معاف کر دیا۔ (تاریخ طبری ابوالفدا جلد ا صفحہ ۱۸۸) در روضۃ المناظر جلد ا صفحہ ۱۳۴ بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ا صفحہ ۱۲۴)

حضرتؑ پر یزید کی سختی

ماہ رجب ۶۰ھ ہجری میں معویہ نے انتقال کیا اور یزید خلیفہ ہوا۔ جو ظالم بے رحم۔ دغاباز تھا۔ گانے بجانے۔ ناچ رنگ اور شراب خواری ہی میں دن رات بسر کرتا تھا۔ اس کے مصاحب کمینہ اور بدکار تھے۔ علماء دین کی توہین اس طرح کرتا کہ جہاں جاتا ایک سجائے ہوئے شاہی گدھے پر ایک بندر کو علماء کے ایسے کپڑے پہنا کر ساتھ لیے پھرتا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی مدینہ کے حاکم ولید بن عقبہ کو فرمان بھیجا کہ حسینؑ بن علیؑ۔ عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر سے میری بیعت لو۔ اگر انکار کریں تو ان کے سر روانہ کر دو۔ عبداللہ بن عمر نے فوراً بیعت کر لی۔ لیکن ابن زبیر اور امام حسینؑ نے انکار کیا اور حاکم مدینہ کی سختی پر مکہ معظمہ چلے آنے کا ارادہ کیا۔ امام حسینؑ نے شب کو روضہ رسولؐ پر حاضر ہو کر زیارت پڑھی اور حضرتؐ کی امت کے برتاؤ کو ذکر کیا۔ پھر رات بھر نماز میں مشغول رہ کر صبح کو واپس آئے۔ دوسری رات کو پھر گئے اور قبر مبارک پر سر رکھ کر سو گئے۔ خواب میں دیکھا کہ رسول خدا صلعم نے مع جماعت ملائکہ تشریف لا کر امام حسینؑ کا سر اپنے سینے پر رکھا اور پیشانی پر بوسہ دے کر فرمایا بیٹا میں دیکھتا ہوں عنقریب میری امت تم کو کربلا میں قتل کرے گی۔ حضرتؑ نے فرمایا اے نانا مجھے دنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اسی وقت مجھے اپنے ساتھ اس قبر میں رکھ لیجیے۔ حضرتؐ نے فرمایا نہیں ابھی تم کو دنیا میں رہنا ضروری ہے تاکہ درجہ شہادت پر فائز ہو۔ حضرتؑ بیدار ہوئے تو اب مکہ معظمہ کا پختہ ارادہ کر لیا اور ۲۸ رجب کو مدینہ سے نکل کر اس خیال سے مکہ معظمہ آ رہے کہ خانہ خدا میں کسی کو ستانا منع ہے یہاں امن ملے گا۔ مکہ معظمہ میں ۳ شعبان کو حضرتؑ پہنچ گئے۔ یہاں آکر عبداللہ بن زبیر تو خلافت حاصل کرنے کی تدبیروں میں مشغول ہو گئے اور امام حسینؑ کے پاس کوفیوں کے بے شمار خطوط آنے شروع ہو گئے۔ جنہوں نے بنی امیہ کے ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے اور حضرتؑ کو اپنا امام و پیشوا بنانے کی غرض سے طلب کیا۔ حضرتؑ نے پہلے تو ان خطوط کا کچھ جواب نہیں دیا۔ مگر کوفیوں نے حضرتؑ کو لکھا کہ یا ابن رسول اللہ ہم بنو امیہ کے ظلم و ستم سے عاجز آ گئے ہیں اور یزید کی بدکاریوں اور خلاف شریعت افعال سے بیزار ہیں۔ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ تشریف لا کر ہماری امامت قبول فرمائیں۔ اگر آپ تشریف نہ لائیں گے تو ہم پیش خدا آپ کے گریبان گیر ہوں گے کہ ہم نے امام کو دین کی حفاظت کے لیے بلایا اور وہ نہیں آئے۔ جب اس مضمون کے بکثرت خطوط پہنچے تو آپ پر کوفہ جانا ضروری ہو گیا۔ کیوں کہ ان لوگوں نے حجت قائم کر دی تھی۔ آپ کے بعض اعزہ نے منع بھی کیا مگر حضرتؑ نے فرمایا کہ مجھے رسول خدا صلعم نے عالم خواب میں ایک حکم دیا ہے اور اس کی تعمیل مجھے ضروری ہے پس آپ نے پہلے اپنے چچیرے بھائی جناب مسلم بن عقیلؑ کو کوفہ روانہ کیا جن کے پہنچتے ہی ۱۸ یا ۳۰ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی۔ پھر ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ ہجری کو حضرتؑ بھی اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر مکہ سے کوفہ روانہ ہو گئے۔ یزید ان حالات پر مطلع ہوا تو ابن زیاد حاکم بصرہ کو تاکیدی حکم بھیجا کہ جلد کوفہ جا کر مسلم بن عقیل کو قتل کر۔ ابن زیاد فوراً کوفہ پہنچا اور لوگوں کو ڈرا کر جناب مسلم سے جدا کرنے لگا۔ ۸ ذی الحجہ تک سب نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور ۹ ذی الحجہ کو آپ تن تنہا لشکر ابن زیاد سے یادگار جنگ کی۔ تین ہزار کی لشکر نے آپ کی جائے قیام کو گھیر لیا۔ آپ تلوار لے کر ٹوٹ پڑے اور سب کو بھگا دیا۔ دوبارہ وہ لوگ حملہ آور ہوئے آپ نے پھر حملہ کر کے سب کو بھاگنے پر مجبور کیا۔ آپ ایسے قوی تھے کہ ابن زیاد کے سپاہیوں کی کمر ہاتھ سے پکڑ کر آسمان کی طرف

پھینکتے اور وہ مثل گیند کے گرتے تھے جس طرف حملہ کرتے لشکر ابن زیاد اس طرح بھاگتا جس طرح شیر کے حملے سے بکریاں بھاگتی ہیں [1]

جب کسی طرح وہ لوگ مقابلہ پر نہ جم سکے تو دھوکا فریب کی صورت نکالی۔ راہ میں ایک گڑھا کھود کر اس کو خس وخاشاک سے پاٹ دیا اور پیچھے ہٹنے لگے جناب مسلم کو گڑھے کی خبر نہیں تھی۔ لڑتے ہوئے آگے بڑھے جاتے تھے کہ اسی گڑھے میں گر گئے۔ پھر کیا تھا فوج آپ پر ٹوٹ پڑی۔ لوگ مشکیں باندھ کر دربار ابن زیاد میں لے گئے پھر اس کے حکم سے آپ کو کوٹھے پر لے گئے قتل کر کے سر کاٹ لیا۔ اور دھڑ کوٹھے سے نیچے گرا دیا یہ واقعہ ۹ ذی الحجہ سنہ ۶۰ ہجری کا ہے۔ اس کے بعد آپ کے دونوں مظلوم بچے محمد اور ابراہیم بھی قتل کر دیئے گئے۔ حضرت امام حسینؑ کو تو بتاریخ ۸ ذی الحجہ عراق کی طرف روانہ ہو گئے تھے ان واقعات کی اطلاع مقام ثعلبیہ میں ہوئی جو کوفہ سے قریب تھا۔ جب کوفہ دو منزل باقی رہ گیا تو ابن زیاد کا سردار فوج حر بن یزید ریاحی دو ہزار سواروں کے ساتھ پہنچ کر امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں خیمہ زن ہوا اور کہا میں آپ کو گرفتار کر کے کوفے چلنے کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ غرض حُر کے ساتھ حضرتؑ آگے بڑھے تو راہ میں ابن زیاد کا خط حُر کے نام اس مضمون کا آیا کہ حسینؑ کو ایسی جگہ روکو جہاں پانی نہ ہو۔ چنانچہ حضرتؑ کربلا میں ۲ محرم سنہ ۶۱ ہجری کو اتر پڑے۔ دوسرے یا تیسرے دن عمر بن سعد کوفہ سے بہت بڑی فوج کے ساتھ کربلا پہنچا۔ پھر شمر بھی آ پہنچا۔ اور ساتویں سے عمرو بن الحجاج بڑی فوج کے ساتھ گھاٹ پر اس غرض سے مقرر کیا گیا کہ وہ لوگ امام حسینؑ اور ان کے ساتھ والوں کو پانی لے جانے سے روکیں۔ غرض امام حسینؑ پر ہر ساعت ظلم و تعدی بڑھتی گئی۔ بچے پیاس سے تڑپنے لگے مگر کسی کو رحم نہیں آتا تھا۔ جناب زینبؑ و ام کلثوم بھائی کے مصائب پر سخت پریشان تھیں۔ مگر حضرت امام حسینؑ نہایت استقلال سے اسلام کی حفاظت پر آمادہ تھے۔ بار بار ابن زیاد اور عمر سعد کی طرف سے پیغام آتا تھا کہ بیعت یزید کر لیجئے تو ہر مصیبت سے نجات ملے مگر حضرتؑ خدا و رسولؐ کی مرضی کے خلاف کسی طرح نہیں کر سکتے تھے شمر نے کربلا میں پہنچ کر حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کو بُلا بھیجا اور کہا میں تم کو امان دیتا ہوں۔ جناب عباسؑ نے فرمایا خدا تجھ پر اور تیری امان پر بھی لعنت کرے۔ اے بے حیا تو ہم کو امان دیتا ہے اور فرزند رسولؐ کے لیے امان نہیں! پھر واپس چلے آئے۔ ۹ محرم سہ پہر کو عمر سعد اپنی فوج لے کر حضرت کی طرف بڑھا۔ حضرتؑ اپنے خیمے کے آگے سر بزانو بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ غنودگی طاری ہو گئی تھی حضرت زینبؑ نے لشکر مخالف کی آوازیں سن کر امام حسینؑ کو جگا دیا۔ آپ نے سر اٹھا کر فرمایا اے بہن

[1] جناب مسلم کو گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ملی تو ہتھیار لگا کر باہر نکل آئے اور مثل شیر اس فوج پر حملہ آور ہو کر سب کو قتل کرنے لگے۔ تب سردار فوج نے ابن زیاد سے کمک طلب کی۔ اس نے کہلایا میں نے تجھ کو تین ہزار آدمیوں کے ساتھ ایک شخص کو گرفتار کرنے کو بھیجا اور اس نے تم سب کو اس طرح تہ و بالا کر دیا؟ تو سردار فوج نے ابن زیاد کے ہاں کہلایا کہ کیا تو نے مجھے کسی بقال یا جلاہے سے لڑنے کو بھیجا ہے؟ تجھے معلوم نہیں کہ تو نے مجھے اس شیر ببر کے مقابلے کو بھیجا ہے جو اپنی تیغ سے بڑے بڑے بہادروں کا خون گرا دیتا ہے۔ (روضۃ الشہداء)

اس وقت نانا نے مجھ سے خواب میں فرمایا کہ تم ہمارے پاس آتے ہو یہ سنتے ہی حضرت زینبؑ نے اپنا منہ پیٹ لیا اور کہا ہائے یہ کیا مصیبت ہے۔ حضرت نے فرمایا اے بہن کچھ مصیبت نہیں ہے۔ پھر جناب عباسؑ نے کہا اے بھائی دشمن آ پہنچے۔ حضرتؑ نے فرمایا میں سوار ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر اُٹھے مگر جناب عباس نے عرض کی آپ زحمت نہ فرمائیں۔ میں جاتا ہوں حضرت نے فرمایا اچھا سوار ہو اور جا کر ان سے دریافت کرو کہ کیوں آئے۔ جناب عباس گئے تو وہ لوگ رُک گئے اور آپ نے واپس آ کر کہا کہ لشکر مخالف کہتا ہے۔ یا بیعت یزید کرو یا ہم سے لڑو۔ حضرتؑ نے فرمایا اگر ممکن ہو تو پھر جا کر ان لوگوں سے کل صبح تک کی مہلت مانگو کہ آج کی شب ہم لوگ عبادت الٰہی اور دعا استغفار میں بسر کریں۔ حضرتؑ عباسؑ مکرر گئے۔ شب بھر کی مہلت لے کر پلٹے اور لشکر عمر سعد واپس گیا۔ شب عاشورا حضرتؑ نے اپنے اصحاب و اعزہ کو جمع کر کے فرمایا کہ میں اپنے اعزہ و اصحاب سے زیادہ وفادار اور پرہیزگار کسی دوسرے کے اصحاب و اعزہ کو نہیں پاتا۔ خدا تم سب کو میری جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ اب میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں، یہاں سے چلے جاؤ کہ دشمن کا مطلب صرف مجھ سے ہے۔ یہ تقریر سن کر حضرتؑ کے بھائی۔ بیٹے۔ بھتیجے بھانجے اور اصحاب نے جانے سے انکار کیا۔ یہاں تک لوگوں نے کہا کہ خدا کی قسم اگر میں یہ جان لوں کہ آپ کی رفاقت میں قتل ہونے کے بعد پھر زندہ کیا جاؤں اور زندہ ہونے کے بعد جلا کر خاک کر دیا جاؤں گا اور اسی طرح ستر بار میرے ساتھ کیا جائے گا۔ تب بھی میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ آپ پر اپنی جان نثار کروں اس پر حضرتؑ نے ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر امام حسینؑ کی ہدایت کے مطابق آپ کے اصحاب نے خیموں کو باہم ملا کر نصب کیا۔ اور خیموں کے پیچھے ایک خندق کھود کر زمین میں لکڑی بھر دی تاکہ لڑائی کے وقت وہ جلا دی جائے اور اس تدبیر سے دشمن خیمہ گاہ تک نہ پہنچ سکیں (جیسا کہ حضرت رسول خداؐ نے جنگ احزاب کے موقع پر کیا تھا) پھر امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب تمام رات نماز و استغفار و دعا و تضرع میں مشغول رہے۔ میدان کربلا میں اس شب ان حضرات کی عبادت کی آواز اسطرح گونجتی رہی جس طرح شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے۔ ۱۰ محرم (روز عاشورا) صبح کو لشکر ابن سعد نے جس کی تعداد ۲۰۰۰۰ ہزار۔ ۳۰ ہزار تک بیان کی جاتی ہے۔ حضرتؑ کے لشکر پر جس میں ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے یا کچھ زیادہ تھے حملہ کر دیا۔ حضرتؑ صف اعدا کے مقابل آئے اور ان لوگوں کو بہت سمجھایا کہ کیوں میرا خون ناحق بہاتے ہو۔ کئی بار حضرتؑ نے وعظ و پند کا فرض ادا کیا۔ راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم میں نے امام حسینؑ سے پہلے یا آپ کے بعد کسی خطیب اور متکلم کو ایسی تقریر کرتے نہیں سُنا جو حسینؑ کی تقریر سے زیادہ فصیح و بلیغ ہو (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۴۲) امام حسینؑ کا خطبہ سن کر حُر بن یزید ریاحی امام حسینؑ کی طرف چلے آئے اور اپنے گناہ سے توبہ کی۔ پھر اصحاب امام حسینؑ یکے بعد دیگرے جہاد کر کے شہید ہوتے رہے مگر شہید ہونے سے پہلے ایک ایک صحابی چالیس پچاس دشمنوں کو قتل کر ڈالتا تھا۔ مثلاً مسلم بن عوسجہ مخالف کے

۵۶ شخصوں کو ہلاک کرکے شہید ہوئے۔ اس کے بعد شمر نے لشکر امام حسینؑ پر ہر طرف سے حملہ کیا راوی کہتا ہے کہ پھر امام حسینؑ کے اصحاب نے لشکر اعداء سے خوب جنگ کی اور اگرچہ وہ کل ۳۲ سوار تھے مگر جس طرف رُخ کرتے صف اعدا کو درہم و برہم کر دیتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر عزرہ ابن قیس نے عمر سعد کی طرف کہلا بھیجا کہ تم دیکھتے نہیں ان معدودے چند حسینی لشکر والوں نے ہماری افواج پر کیا آفت برپا کر رکھی ہے۔ اب جلد اور سپاہیوں اور تیر اندازوں کو مدد کے لیے بھیجو۔ (طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵۰)

اصحاب حسینؑ نے مخالفین سے دوپہر تک ایسی شدید جنگ کی جس سے زیادہ ممکن نہیں یہاں تک کہ دشمنوں کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ سوائے ایک سمت کے اور کسی طرف سے حملہ کر سکیں۔ پھر شمر نے خیام کی جانب بڑھ کر آواز دی کہ میرے پاس آگ لاؤ تاکہ ان خیموں کو جلا دوں۔ یہ سُن کر مخدارت عصمت چلا اٹھیں تو امام حسینؑ نے شمر کو للکار کر کہا تو میرے خیام اور اہل و عیال کو جلائے گا۔ آخر شمر باز رہا۔ دوران جنگ میں نماز ظہر کا وقت آگیا تو ابو ثمامہ صائدی نے حضرت سے عرض کی کہ میری خواہش ہے حضور کے ساتھ یہ نماز ادا کرکے میں خدا سے ملاقات کروں یہ سُن کر حضرت نے سر اٹھایا اور فرمایا اللہ تم کو مصلین ذاکرین کا درجہ عطا کرے کہ تم نے نماز کا ذکر کیا بیشک یہ اول وقت نماز کا ہے مخالفین سے کہو کہ ہم کو نماز کی مہلت دیں حصین بن نمیر بولا تمہاری نماز قبول نہ ہوگی۔ اس پر حبیب ابن مظاہر نے غضب ناک ہو کر حصین کو ڈانٹا تو اس نے ان پر حملہ کر دیا۔ جنگ چھڑ گئی اور آخر حبیب شہید ہوئے جس سے امام حسینؑ بہت ہی سست اور افسردہ ہو گئے پھر حُر اور زہیر بن قین نے دشمنوں سے خوب ہی جہاد کیا۔ یہ دیکھ کر شمر نے آواز دی کہ سب مل کر حُر کو گھیر لیں جس کے بعد وہ گھوڑے سے گرے اور آواز دی کہ اے فرزند رسولؐ اس جان نثار کی خبر لیجیے امام حسینؑ میدان جنگ میں جا کر حُر کو اٹھا لائے اور ان کا سر اپنے زانو پر رکھ کر آستین سے ان کے چہرے کی گرد صاف کرنے لگے۔ حُر میں جان باقی تھی اپنا سر حضرت کی گود میں دیکھ کر خوش ہو گئے اور کہا اے فرزند رسولؐ آپ مجھ سے راضی ہیں! امام نے فرمایا میں بھی راضی ہوں اور میرا خدا بھی۔ حُر نے یہ بشارت سُن کر خلد بریں کی راہ لی۔ پھر امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ظہر بعنوان صلوٰۃ خوف پڑھی مگر اعداء دین شدید نرغہ کرکے حضرتؑ کی جانب تیر برسانے لگے تو سعید بن عبداللہ اور زہیر بن القین حضرتؑ کے آگے کھڑے ہو گئے کہ جو تیر آئیں ان کو اپنے جسم پر لیں۔ امام حسینؑ تک نہ پہنچنے دیں۔ چنانچہ اس قدر تیر سعید بن عبداللہ کے بدن پر لگے کہ وہ گر کر شہید ہو گئے اور زہیر بھی شہید ہوئے اصحاب کے بعد خاندان بنی ہاشم کے بہادر جہاد کرکے شہید ہونے لگے جن میں حضرت قاسم بن امام حسنؑ بھی تھے باوجودیکہ وہ ابھی بالغ نہیں ہوئے تھے مگر ۳۰ پیادے اور ۵۰ سوار تہ تیغ کر دیئے۔ یہ حال دیکھ کر اعدا نے ایسی تیر باری کی کہ حضرت قاسم کا گھوڑا بیکار ہو گیا پھر جناب قاسم مجروح ہو کر گرے اور آواز دی اے عم محترم میری خبر لیجیے حضرت شکاری پرند کی طرح جھپٹ کر ان کے پاس پہنچے اور مثل شیر غضب ناک حملہ کر رہے تھے مگر افسوس جناب قاسمؑ کی لاش پائمال ہو گئی۔ پھر حضرت عباسؑ نے اپنے حقیقی تینوں بھائیوں عبداللہ، جعفر و

عثمان کو آمادہ کیا کہ جا کر جہاد کریں اور امام حسینؑ پر اپنی جان فدا کریں۔ تینوں بہادر شہید ہو گئے تو خود حضرت عباسؑ آمادہ ہوئے (آپ کی شہادت کا واقعہ گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے) پھر جناب علی اکبر آمادہ جہاد ہوئے تو حضرت نے ان کے بدن پر ہتھیار لگائے۔ زرہ اور جوشن پہنایا، حضرت علیؑ کا کمر بند زیب کمر کرکے خود فولادی سر پر رکھا اور اسپ عقاب پر سوار کیا۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے خدا تو گواہ رہنا اب ان سے لڑنے کو وہ جوان جاتا ہے جو صورت، سیرت، رفتار و گفتار میں تیرے رسولؐ سے سب سے زیادہ مشابہ تھا۔ اور میں جب حضرت کی زیارت کا مشتاق ہوتا تو اس جوان کو دیکھ لیتا تھا۔ غرض آپ میدان کارزار میں پہنچے۔ آپ کی عمر اس وقت ۱۸ سال کی تھی چہرہ آفتاب ایسا تھا۔ میدان قتال آپ کے نور جمال سے منور ہو گیا۔ آپ فوج میں گھس پڑے اور اپنے دادا علی مرتضیٰ کی شان سے لڑنا شروع کیا جس طرف رُخ کرتے کشتوں کے ڈھیر لگا دیتے تھے۔ ۱۲۰ آدمیوں کو قتل کرکے جب پیاس شدید ہوئی تو امام حسینؑ کی خدمت میں آکر کہنے لگے اے بابا جان پیاس مجھے مار ڈالتی ہے اور ہتھیاروں کی گرانی پریشان کرتی ہے۔ اگر تھوڑا پانی مل جاتا تو اس قوم جفا کار کو اس کے ظلم و ستم کا مزہ چکھا دیتا۔ حضرتؑ نے فرمایا اپنی زبان میرے مُنہ میں دے دو۔ آپ نے زبان دی اور پھر فوراً کھینچ کر کہا اے بابا آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے پھر دوبارہ میدان جنگ میں جا کر لڑنے لگے۔ عمر سعد نے محکم اور ابن نوفل کو دو ہزار سواروں کے ساتھ آپ سے لڑنے کو بھیجا۔ آپ نے ایسا شدید حملہ کیا کہ وہ سب پسپا ہو گئے۔ اس دفعہ بھی آپ نے ۸۰ شخصوں کو قتل کیا۔ یہ دیکھ کر اشقیاء نے چاروں طرف سے آپ کو گھیر لیا اور نیزہ و تیر و شمشیر سے زخمی کرنا شروع کیا۔ آپ زخموں سے چورچور ہو کر گرے اور حضرت کو آواز دی۔ حضرت میدان جنگ میں پہنچے اور بیٹے کی لاش در خیمہ پر اٹھا لائے۔ حضرت فرماتے تھے اے فرزند! تمہارے بعد زندگانی دنیا پر خاک ہے پھر حضرتؑ اپنے چھوٹے بچے علی اصغرؑ کو لائے اور دشمنوں سے کہا کہ پیاس سے یہ جاں بلب ہے اس کو پانی پلا دو۔ عمر بن سعد نے حرملہ سے کہا امام حسینؑ کی بات کاٹ دے۔ اس نے ایسا تیر مارا کہ علی اصغرؑ امامؑ کے ہاتھ پر تڑپ کر شہید ہو گئے۔ علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ اس ظالم نے پہلے علی اصغر کو تیر مارا پھر خنجر سے ذبح کیا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۱) حضرتؑ نے وہ تیر علی اصغر کے حلق سے کھینچ کر پھینک دیا اور اس طفل معصوم کا خون بطور کفن کے ان کے بدن پر مل کر فرمایا تمہارا مرتبہ خدا کے نزدیک ناقہ صالح سے بڑھ کر ہے (تاریخ یعقوبی) پھر حضرتؑ نے اپنی تلوار سے تھوڑی زمین کھود کر علی اصغر کو دفن کر دیا (روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۱۰)

اب حضرتؑ نے آواز استغاثہ بلند کی تو امام زین العابدینؑ عصا پر ٹیکتے اور تلوار کھینچتے ہوئے بے اختیار خیمہ سے نکل پڑے مگر حضرتؑ نے دیکھ لیا تو اپنی بہن ام کلثوم سے فرمایا ان کو پکڑ کر اندر لے جاؤ الیسا نہ ہو کہ نسل آل محمدؐ سے دنیا خالی ہو جائے۔ جناب ام کلثوم کسی طرح آپ کو خیمہ میں واپس لے گئیں۔ حضرتؑ نے پھر استغاثہ بلند کیا تو آپ حضرتؑ کے بھتیجے عبداللہ بن امام حسنؑ نکل پڑے اور دوڑتے ہوئے چچا کے

پاس پہنچ گئے۔ وہاں ... شقی نے اس بچے کو بھی حضرتؑ کی گود میں ذبح کر ڈالا۔ جب حضرت امام حسینؑ جہاد کے لیے آمادہ ہوئے تو ایک پرانا کپڑا منگایا اور اس کو جا بجا سے چاک کر کے پہنا تاکہ آپ کی شہادت کے بعد دشمن اس کے لینے کی طمع نہ کریں۔ اتنے میں دشمنوں نے ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا۔ لیکن جب امام حسینؑ داہنی جانب والوں پر حملہ کرتے تھے۔ تو اس پوری جماعت کو تتر بتر کر دیتے تھے اور جب بائیں طرف والوں پر حملہ کرتے تھے۔ تو ان سب کو مار کر ہٹا دیتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ واللہ میں نے امام حسینؑ سے زیادہ ثابت قدم اور قوی دل کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جو ہر طرح مغلوب ہو چکا اور جس کے بھائی بھتیجے عزیز سب قتل ہو گئے ہوں۔ بخدا دشمنوں کی فوج آپ کے حملوں سے داہنے بائیں اسطرح بھاگتی تھی جس طرح بھیڑیے کے حملہ کرنے سے بکریاں بھاگتی ہیں۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ...) اسی اثنا میں حضرت زینبؑ باہر نکل آئیں اور کہنے لگیں کہ کاش اس وقت آسمان زمین پر گر پڑے۔ اے عمر بن سعد امام حسینؑ قتل ہو رہے ہیں اور تو دیکھتا ہے یہ سن کر عمر بن سعد کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ منہ پھیر کر ... لگا۔ تھوڑی دیر میں حضرتؑ گھوڑے سے گر پڑے اور غروب آفتاب سے پہلے ہی حضرت کا سر مبارک جسد اطہر سے جدا کر لیا گیا۔ حضرتؑ کی شہادت کے بعد دشمنوں نے حضرت کا لباس اُتار لیا۔ حضرت ... تک بدن پر نہ رہنے دیا۔ کل مال و متاع لوٹ لیا یہاں تک کہ عورتوں کے سروں کی چادریں بھی چھین لیں۔ پھر امام حسینؑ کی لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا۔ حضرتؑ کے واقعہ شہادت پر مدینہ میں سب سے پہلے حضرت ام سلمہ نے نوحہ و بکا کیا۔ کیوں کہ رسول مقبولؐ نے ان کو ایک شیشہ پُر از خاک کربلا دے کر فرمایا تھا کہ جس وقت یہ مٹی خونِ تازہ ہو جائے سمجھ لینا کہ حسینؑ شہید ہو گئے۔ چنانچہ جب بروز عاشورہ ام سلمہ نے خواب میں رسول اللہؐ کو اس حال سے دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ اور حضرتؐ کے سر اور ڈاڑھی میں مٹی پڑی ہوئی ہے تو پوچھا یا رسول اللہ کیا حال ہے؟ تو حضرتؐ نے فرمایا کہ آج میں مقتل حسینؑ پر گیا تھا۔ یہ خواب دیکھ کر جناب ام سلمہ بیدار ہوئیں تو رونے لگیں اور اس شیشہ کو دیکھا کہ وہ خاک خون ہو گئی تھی۔ انہوں نے واحسینا کی صدا بلند کی اور ان کی صدائے واویلا سن کر عورات مدینہ میں ایسا شور ماتم برپا ہوا کہ کبھی نہیں سنا گیا تھا۔ (تاریخ یعقوبی)

معتبر مورخین ... نے یہ بھی لکھا ہے کہ واقعہ شہادت کے بعد دو تین مہینہ تک طلوع آفتاب کے وقت سے کچھ دن چڑھے تک لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مکانوں کی دیواریں خون آلود ہو رہی ہیں۔ تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۰ نیز علمائے محققین نے لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ قتل ہوئے تو معلوم ہوتا تھا آسمان سے خون برس رہا ہے۔ روز شہادت امام حسینؑ بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے خون تازہ نظر آتا تھا۔ (سرالشہادتین صفحہ ۹۳)

علامہ سیوطی نے ... فما بکت علیہم السماء کے ماتحت لکھا ہے کہ جب امام حسینؑ شہید ہوئے تو چار مہینے تک آسمان سُرخ سا دکھائی دیتا تھا کہ آسمان کے رونے سے اس کے کناروں کا سُرخ ہو جانا مراد ہے اور ... سے روایت ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ان کے اونٹ جو یزید کے لشکر والے پکڑ لے گئے اور ذبح کرنے کے بعد پکا کر چکھا تو وہ گوشت مثل حنظل کے کڑوا ہو گیا تھا جس کو کوئی بھی نہ کھا سکا۔ (سرالشہادتین صفحہ ۹۵)

بعد شہادت لشکر ابن سعد نے امام حسینؑ کے خیموں میں آگ لگا دی پھر دو روز وہیں رہا اور اپنے کشتوں کو دفن کیا مگر شہدائے امام حسینؑ کی لاشیں اسیطرح چھوڑ دیں۔ جب وہ کربلا سے روانہ ہو گیا تو نزدیک پاس کے مسلمانوں نے ان حضرات کی لاشیں دفن کیں۔ جب عمر سعد مخدرات اہلبیت اور حضرت امام زین العابدینؑ کو قیدی بنا کر اور ساتھ لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہوا اور یہ قافلہ ادھر سے گزرا جہاں امام حسینؑ اور حضرتؑ کے اعزہ و احباب کی لاشیں پڑی تھیں تو جناب زینبؑ وغیرہ ان لاشوں کو دیکھ کر نوحہ و بکا کرنے اور اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگیں اور فریاد کرتی تھیں کہ اے نانا آپ کا حسینؑ جلتی ریت پر پڑا ہے آپ کی بیٹیاں قیدی بنائی گئیں اور آپ کی ذریت مقتول ہوئی (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۴)

یہ قیدی قافلہ کربلا سے چل کر کوفہ میں پہنچا۔ جب دربار ابن زیاد میں داخل ہوا تو ابن زیاد امام حسینؑ کے سر کو سامنے رکھ کر حضرتؑ کے لب و دندان پر چھڑی لگانے لگا۔ زید بن ارقم صحابی رسولؐ وہاں موجود تھے بگڑ گئے اور کہا اے ابن زیاد اپنی چھڑی ہٹا لے۔ واللہ میں نے رسول اللہؐ کو دیکھا ہے کہ ان دانتوں اور ہونٹوں پر بوسہ دیتے تھے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۴) ابن زیاد نے یہ بھی کہا کہ خدا نے یزید کو فتح دی اور کذاب بن کذاب حسینؑ بن علیؑ کو قتل کیا۔ یہ سُن کر عبداللہ بن عفیف ازدی نے کہا کہ اے مرجانہ کے بیٹے (حسین بن علی کذاب نہ تھے بلکہ) تو خود کذاب تیرا باپ کذاب تیرا آدہ (یزید) کذاب اور اس کا باپ کذاب جس نے تجھ کو یہاں کا حاکم بنایا ہے۔ اے ابن مرجانہ تو اولاد نبیؐ کو قتل کرتا ہے۔ اور صدیقوں ایسے باتیں بناتا ہے۔ یہ سن کر ابن زیاد نے غصہ میں کہا کہ اس کو میرے پاس پکڑ لاؤ۔ لوگ بیچارے کو پکڑ لے گئے اس نے ان کو قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا اور امام حسینؑ کے سر کو کوفہ کے گلیوں میں پھرایا۔ (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۶۴ و کامل جلد ۴ صفحہ ۳۴) جب امام حسینؑ کا سر مبارک نیزے پر بلند کر کے پھرایا جانے لگا تو ایک جگہ سے گزرا جہاں کوئی شخص سورہ کہف کی تلاوت کرتا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا کہ ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من ایاتنا عجبا (کیا تم جانتے ہو کہ اصحاب کہف و رقیم ہماری قدرت کی عجیب و غریب نشانیوں سے تھے) تو خدا نے امام حسینؑ کے سر مبارک کو گویائی بخشی اس نے فصیح زبان سے کہا اعجب من اصحاب الکہف قتلی وحملی۔ میرا قتل اور میرے سر کا نیزے پر تمام پھرایا جانا اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ عجیب و غریب ہے (سرالشہادتین ص ۹۹) اس کے بعد ابن زیاد نے امام زین العابدینؑ کو طوق و زنجیر میں جکڑ کر اور مخدرات اہلبیتؑ کو شتران بے کجاوہ پر سوار کر کے حضرت امام حسینؑ اور دوسرے شہدائے کربلا کے سروں کے ساتھ یزید کے پاس روانہ کر دیا (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۳۴)

اس سفر میں ایک جگہ لوگوں نے ایک دیر کی دیوار پر یہ شعر لکھا ہوا دیکھا ؎

اترجوامۃ قتلت حسینا شفاعۃ جدہ یوم الحساب

جن لوگوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا وہ کس طرح امید کر سکتے ہیں کہ بروز قیامت ان کے نانا ان کی شفاعت کریں گے، لوگوں نے اس دیر کے راہب سے پوچھا کہ یہ شعر کس نے لکھا ہے۔ اس نے کہا یہ اس زمانہ کا نہیں ہے بلکہ تمہارے پیغمبرؐ (محمد مصطفیٰؐ) کی بعثت سے پانچ سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے (حیوٰۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۵۳)

جب یہ حضرات ملک شام دربار یزید میں پہنچے تو یزید ایک طشت میں حضرتؑ کا سر رکھ کر حضرتؑ کے دانتوں پر چھڑی لگانے لگا۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی رسول ابو برزہ سلمی سے نہ رہا گیا بگڑ گیا اے یزید اپنی چھڑی کو ان دانتوں پر سے ہٹا لے۔ میں نے بارہا رسول اللہ کو دیکھا ہے کہ ان دانتوں کو چومتے تھے۔ اے یزید اس کو بھی جان لے کہ جب تو بروز قیامت میدان حشر میں آئے گا تو تیرا شفیع ابن زیاد ہوگا اور امام حسینؑ کے شفیع ان کے جد حضرت رسول خدا ہوں گے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۳۵) یزید حضرتؑ کے دانتوں کو چھڑی سے مار کر یہ کفریہ اشعار بھی پڑھتا تھا ؎

لیت اشیاخی ببدر شہدوا جزع الخزرج من وقع الاسل
لاھلوا واستھلوا فرحا ثم قالوا یا یزید لا تشل
قد قتلنا القرن من ساداتھم وعدلنا قتل بدر فاعتدل
لست من عتبۃ ان لم انتقم من بنی احمد ما کان فعل
لعبت ھاشم بالملک فلا ملک جاء ولا وحی نزل

کاش آج میرے وہ بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے موجود ہوتے تو خوش ہو کر مجھ کو داد دیتے کہ میں نے رسولؐ کے خاندان سے ان کا کیسا اچھا بدلہ لے لیا اور مجھ کو دعا دیتے کہ اے یزید تیرا ہاتھ بیکار نہ ہو۔ میں نے ان کے چنے ہوئے بزرگوں اور سادات بنی ہاشم کو قتل کیا اور جنگ بدر کا انتقام لیا تو عوض پورا ہو گیا محمدؐ نے جو کچھ کیا تھا اگر میں ان سب کا انتقام ان کی اولاد سے نہ لیتا تو بیشک عتبہ کی نسل میں شمار ہونے کے قابل نہ رہتا۔ درحقیقت بنو ہاشم نے ملک گیری کے ڈھکوسلے نکالے تھے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان (محمدؐ) کے پاس نہ کبھی کوئی فرشتہ آیا اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی (تاریخ طبری جلد ۱۱ صفحہ ۳۵۸ وغیرہ) یزید نے کچھ دنوں ان حضرات کو قید رکھا پھر اس اندیشہ سے کہیں آل رسولؐ کی حمایت میں فساد نہ پھیل جائے ان کو رہا کر دیا اور نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ سامان سفر کر کے اہلبیتؑ رسالت کو مدینہ پہنچا دے۔ ایک شخص نے حضرت امام زین العابدینؑ سے پوچھا کہ اے فرزند رسولؐ آپ کا کیا حال ہے۔ فرمایا وہی حال جو آل فرعون میں بنی اسرائیل کا تھا کہ لوگ ہماری اولاد کو قتل کرتے ہیں۔ ہمارے سردار اور بزرگ کو برسر منبر برا کہتے ہیں اور ہم کو ہمارے حق سے محروم کر رکھا ہے (طبقات ابن سعد) کتابوں سے اس امر کا صحیح پتا نہیں چلتا کہ حضرات اہلبیتؑ کوفہ سے کب روانہ ہوئے۔ شام کب پہنچے۔ وہاں سے کب رہا ہوئے اور مدینہ میں کس تاریخ کو واپس آئے اور نہ اس کا یقینی پتا چلتا ہے کہ سر مبارک کہاں دفن کیا گیا۔

امام حسینؑ کو یزید نے قتل کرایا یا نہیں

اس زمانہ میں بعض سادہ لوح حضرات کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ ابن زیاد یا عمر سعد نے اپنی رائے سے امام حسینؑ کو قتل کیا۔ یزید نے اس کا حکم نہیں دیا تھا مگر (۱) علامہ جمال الدین محدث نے لکھا ہے یزید نے ولید حاکم مدینہ کو لکھا کہ "حسین فرزند علیؑ کا سر میرے خط کے جواب کے ساتھ روانہ کر دو" (روضۃ الاحباب نسخہ قلمیہ) (۲) جناب مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے شاگرد جناب مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب نے لکھا ہے "اس میں اہلسنت و جماعت کا مختار مذہب یہی ہے جیسا کہ معتمد علیہ کتابوں میں لکھا ہے مثلاً علامہ مرزا محمد بدخشی کی کتاب مفتاح النجا۔ ملک العلما قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی کتاب مناقب السادات۔ علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب تکمیل الایمان وغیرہ بہت سی معتبر کتابوں میں لکھا ہے (تحریر الشہادتین صفحہ ۷) (۳) علامہ شبراوی نے لکھا ہے کچھ شک نہیں کہ یزید پر بدبختی سوار تھی کہ اس نے اہلبیتؑ پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھا دیئے اپنا لشکر امام حسینؑ کے قتل کو بھیجا۔ امام حسینؑ کو قتل اور آپ کے اہل و عیال کو قید کیا (کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر صفحہ ۸) (۴) علامہ قسطلانی نے لکھا ہے یزید پر لعن جائز ہے کیونکہ جب اس نے امام حسینؑ کے قتل کا حکم دیا تب ہی کافر ہو گیا اور حق یہ ہے کہ قتل امام حسینؑ پر یزید کا راضی اور اس سے بہت خوش ہونا اور اہلبیتؑ نبی صلعم کی اہانت کرنا متواتر واقعات سے ہے (شرح صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۸۵) (۵) بالکل وہی عبارت علامہ تفتازانی کی شرح عقائد نسفی ص۱۸۶ میں بھی ہے (۶) یزید نے اپنے حاکم عراق ابن زیاد کو لکھا کہ امام حسینؑ سے قتال کرو (تاریخ الخلفا ص۱۴۰) اور یہ مسلم ہے کہ قتال میں ہر فریق دوسرے کو قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو یزید نے بھی ابن زیاد کو یہی حکم دیا کہ امام حسینؑ سے لڑ کر ان کو قتل کر دو (۷) مورخ جلیل علامہ مسعودی نے لکھا ہے جب بنی عباس نے بنی امیہ سے سلطنت چھین لی اور خاندان بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان کی بیٹیاں خلیفہ سفاح کے چچا صالح بن علی کے پاس گرفتار کر کے لائی گئیں تو ان سب نے رحم کی درخواست کی اس پر صالح بن علی نے ان سب پر بہت سے اعتراضات کئے ہیں ان میں یہ بھی کہا کیا ابن زیاد نے مسلم بن عقیل کو قتل نہیں کیا؟ کیا یزید نے امام حسینؑ کو قتل نہیں کیا! کیا یزید کے حکم سے عمر بن سعد حضرت رسول اللہ صلعم کے حرم کو قید کر کے یزید کے پاس نہیں لایا اور ان مخدرات عصمت و طہارت کے لانے کے پہلے امام حسینؑ کے سر کو شام کے دیہاتوں اور شہروں میں نہیں پھرایا! (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۸ صفحہ ۱۲) یہ واقعہ ۱۳۲ھ ہجری یعنی واقعہ کربلا سے صرف ۷۱ سال بعد کا ہے۔ جب اس کے جاننے والوں لاکھوں آدمی دنیا میں موجود تھے۔ (۸) انہیں علامہ مسعودی نے یہ بھی لکھا ہے۔ جب لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ یزید نے حضرت رسولؐ کے نواسے کو قتل کر دیا تو اس کے عامل مدینہ کو وہاں سے نکال دیا" (مروج الذہب برتاریخ کامل جلد ۹ صفحہ ۱۴۸) جس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام جانتے تھے کہ یزید نے امام حسینؑ کو قتل کیا۔

(۹) علامہ ممدوح پھر لکھتے ہیں "یزید کے عجیب وغریب حالات ہیں۔ شراب پیتا تھا۔ فرزند رسولؐ کو قتل کردیا خانہ کعبہ کو ڈھا دیا۔ اس میں آگ لگا دی" (جلد ۶ صـ ۱۵۲)۔ (۱۰) خود ابن زیاد نے کہا ہے اما قتلی الحسینؑ فانہ خرج علی امام وامۃ مجتمعۃ وکتب الی یامرنی بقتلہ میں نے امام حسینؑ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ یزید نے مجھے اس کا حکم دیا کہ ان کو قتل کردوں (اخبار طوال مطبوعہ مصر صـ ۲۷۹) اس اخبار طوال کے مصنف مشہور اور قدیم مورخ علامہ ابو حنیفہ دینوری ہیں جن کی وفات سنہ ۲۸۱ ہجری میں ہوئی تھی (۱۱) علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ابن زیاد نے کہا اما قتلی الحسینؑ فانہ اشار الی یزید بقتلہ او قتلی فاخترت قتلہ میں نے امام حسینؑ کو اس وجہ سے قتل کیا کہ یزید نے مجھے حکم دیا کہ حضرتؑ کو قتل کردو ورنہ وہ مجھے ہی قتل کردے گا۔ لہذا میں نے امام حسینؑ ہی کا قتل کرنا اختیار کیا اور اپنے کو بچا لیا (تاریخ کامل جلد ۴ صـ ۵۵) (۱۲) جب واقعہ کربلا کے بعد ابن زبیر نے لوگوں سے اپنی بیعت لینی شروع کی اور جناب عبداللہ بن عباس نے اس سے انکار کیا تو یزید سمجھا کہ ابن عباس میری طرف ہیں۔ اس پر اس نے آپ کو ایک خط لکھا کہ میں آپ کو بہت انعام دوں گا۔ آپ میری حمایت کرتے رہئے۔ اس کے جواب میں جناب ابن عباس نے یزید کو ایک طویل خط بھیجا۔ اس میں یہ بھی لکھا "تو کس عقل سے مجھ سے ان باتوں کی امید رکھتا ہے وقد قتلت حسینا وفتیان عبدالمطلب حالاں کہ تو ہی نے امام حسینؑ اور خاندان بنی ہاشم کے جوانوں کو قتل کر ڈالا جو ہدایت کے روشن چراغ اور ارکان دین وایمان کے چمکتے ہوئے ستارے تھے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۵) (۱۳) خاندان بنی عباس کے مشہور خلیفہ معتضد باللہ نے ایک فرمان میں لکھا "پھر یزید نے سب سے زیادہ اسلام سوز دین کش یہ کیا کہ حضرت رسول خدا کے فرزند اور حضرت فاطمہ زہراؑ کے پارۂ جگر امام حسینؑ کو شہید کر ڈالا۔ وہ اس بے دردی سے لوگوں کو قتل کرتا رہا کہ معلوم ہوتا تھا وہ کسی مسلمان کو نہیں بلکہ ترک ودیلم کے کافروں کو قتل کر رہا ہے (تاریخ طبری جلد ۱۱ صـ ۳۵۸) (۱۴) خود یزید کا بیٹا معویہ جب خلیفہ ہوا تو ایک طولانی خطبہ بیان کیا جس میں یہ بھی کہا میرا باپ جو کسی قسم کی قابلیت نہیں رکھتا تھا تخت پر بیٹھا اور اس نے اپنی حکومت مضبوط کرنے کے لیے حضرت حسینؑ بن علیؑ کو قتل کر ڈالا (تطہیر الجنان صـ ۱۳ وصواعق محرقہ صـ ۱۳۴ وحیواۃ الحیوان جلد ۱ صـ ۵۴ وتاریخ خمیس جلد ۲ صـ ۳۳۳ وغیرہ)

امام حسینؑ کے قتل میں کون لوگ شریک تھے

باوجودیکہ امام حسینؑ کو انہیں لوگوں نے قتل کیا جو یزید کو خلیفہ جانتے تھے اور وہ وہی تھے جو اس کے پہلے معویہ۔ حضرت عثمان وحضرت عمر وحضرت ابوبکر کو خلیفہ مانتے تھے مگر یہ بھی زمانہ کا انقلاب عظیم ہے کہ آج بعض ناواقف لوگ دعوے کرتے ہیں کہ امام حسینؑ کو شیعوں نے خطوط لکھ کر کوفہ اور پھر انہیں لوگوں نے آپ کو قتل کیا۔ حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت کوفہ میں شیعہ تھے ہی نہیں سب غیر شیعہ بھرے ہوئے تھے اور انہیں غیر شیعہ مسلمانوں نے حضرتؑ کو دھوکا دینے کے لیے خطوط بھیج

کر کوفہ میں بلایا۔ اگر خطوط لکھنے والوں میں دو ایک شیعہ تھے تو وہ نہ کربلا میں گئے نہ امام حسینؑ سے لڑے بلکہ حضرتؑ کی شہادت کے بعد بغاوت کی اور امام حسینؑ کا انتقام لینے کی کوشش کرتے رہے۔ اس وقت کوفہ میں شیعوں کے نہ ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ علامہ محمد بن عقیل نے لکھا ہے کہ معویہ نے کوفہ والوں پر زیاد بن سمیہ کو حاکم مقرر کیا۔ زیاد چوں کہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں کوفہ میں رہ چکا تھا وہاں کے شیعوں سے واقف تھا۔ اس نے ہر پتھر اور ڈھیلے کے نیچے سے شیعوں کو نکال کر قتل کیا۔ ان کو دھمکیاں دیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے۔ ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں۔ ان کو درختوں پر سولی دی۔ ان کو عراق سے نکال باہر اور آوارہ وطن کردیا۔ یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی پہچانا ہوا شخص عراق میں نہیں بچا۔ (النصائح الکافیہ صـ)

اس پر بھی غور کرو کہ جب امام حسینؑ نے مکہ سے کوفہ جانے کا ارادہ کیا تو جناب ابن عباس نے آپ کو منع کیا اور کہا عراق والے دھوکا فریب کی جماعت ہیں۔ آپ ان کے قریب بھی نہ جائیں بلکہ یمن تشریف لے جائیں کہ وہاں آپ کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہیں (تاریخ طبری جلد ۶ صـ ۲۱۶) جس سے یقین ہوا کہ کوفہ میں اس وقت شیعہ نہیں تھے۔ ورنہ جناب ابن عباس یمن کی یہ خصوصیت نہ بیان کرتے کہ بہا شیعۃ لابیک یعنی جناب ابن عباس حضرت امام حسینؑ کو یمن جانے کی رائے اس وجہ سے دیتے تھے کہ وہاں حضرتؑ کے شیعہ تھے۔ پس اگر اس وقت کوفہ میں بھی شیعہ ہوتے تو جناب ابن عباس یہ کیوں کہتے کہ یمن جائیے کہ وہاں آپ کے والد کے شیعہ ہیں۔ ہر شخص ان کا جواب دے دیتا کہ جس طرح یمن میں حضرت علیؑ کے شیعہ ہیں کوفہ میں بھی ہیں مگر چوں کہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے شیعہ نہیں تھے اور یمن میں تھے اس وجہ سے اس جملہ کے کہنے کی ضرورت ہوئی اور مورخ طبری نے لکھا ہے کہ جب یزید کے حکم سے ابن زیاد کوفہ آیا اور حضرت مسلم کے میزبان جناب ہانی کو گرفتار کرا کے اپنے ہاں بلایا تو ان سے کہا اے ہانی! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرا باپ (زیاد) اس شہر کا حاکم ہو کر آیا تھا تو یہاں جس قدر شیعہ ملے سب کو قتل کر دیا۔ سوائے تمہارے باپ اور حجر کے کسی شیعہ کو نہیں چھوڑا۔ پھر حجر بھی جس طرح قتل کیے گئے تم کو معلوم ہے (تاریخ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۰۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ امام حسینؑ کو کوفہ میں جن لوگوں نے بلایا ان میں کوئی شیعہ نہیں تھا بلکہ سب کے سب غیر شیعہ تھے اس لیے کہ کل شیعوں کو تو زیاد نے اس سے بہت پہلے ہی قتل کر دیا تھا۔

امام حسینؑ نے بھی یزید سے صلح کیوں نہیں کرلی!

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جسطرح امام حسنؑ نے معویہ سے صلح کرلی امام حسینؑ نے بھی یزید سے صلح کیوں نہیں کی مگر اس جو حضرت امام حسینؑ کی صلح کے موقع پر لکھی جاچکی ہے کہ جسطرح حضرت رسول خدا صلعم نے مکہ میں کفار سے جہاد نہیں کیا اسی طرح حضرتؑ کے بڑے فرزند امام حسنؑ نے اپنے مخالف سے جنگ نہیں کی اور جسطرح حضرت رسول خدا صلعم نے مدینہ میں آکر انہیں کفار سے جنگ کی اسی طرح حضرتؑ کے چھوٹے فرزند امام حسینؑ نے اپنے مخالفین سے جہاد کیا۔ علاوہ بریں حضرتؑ تو اپنے جد بزرگوار کے احکام کے

تابع تھے۔ جو حکم حضرت رسول خدا نے دیا اس کے خلاف نہیں کر سکتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے تو دوسروں سے بھی فرما دیا تھا کہ حسینؑ جہاد کریں تو تم لوگ ان کی مدد کرنا۔ فرمایا تھا میرا فرزند حسینؑ عراق کی زمین کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ تم میں سے اس وقت جو لوگ موجود ہوں انہیں چاہیئے کہ حسینؑ کی مدد کو ضرور جائیں۔ (کتاب ماثبت بالسنۃ ص۱۱) اور خواب میں بھی آنحضرت صلعم امام حسینؑ سے اس کی تاکید فرماتے رہے۔ علامہ ابن اثیر جزری و دیار بکری نے لکھا ہے۔ جب معویہ کی وفات ہوئی تب بھی حضرت حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور مدینہ سے مکہ چلے گئے۔ وہاں اہل کوفہ کے خطوط حضرتؑ کے پاس پہنچے لہٰذا انہوں نے سفر کا سامان تیار کر لیا۔ بہت لوگوں نے حضرتؑ کو منع کیا۔ ان میں محمدؐ بن حنفیہ ابن عمر اور ابن عباس وغیرہ تھے مگر حضرت حسینؑ نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا کو خواب میں دیکھا ہے آپ نے مجھے جس بات کا حکم دیا ہے اس کو میں ضرور کروں گا چنانچہ وہ عراق چلے گئے (اسد الغابہ جلد ۲ ص۲۷ و تاریخ خمیس صفحہ ۳۳۲) علامہ طبری وغیرہ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے ان لوگوں کی نصیحت نہ قبول کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ میں نے حضرت رسول خدا کو خواب میں دیکھا جس میں آپ نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے جس کو میں ترک نہیں کر سکتا خواہ اس سے میرا نقصان ہی ہو (تاریخ طبری جلد ۶ ص۲۹ و کامل جلد ۴ ص۱۷)

حضرتؑ کی اولاد

حضرت امام حسینؑ کی پانچ بیویوں سے چھ اولاد (چار بیٹے اور دو بیٹیاں) ہوئیں پہلی زوجہ جناب شہربانو سے حضرت امام زین العابدینؑ۔ اور دوسری زوجہ لیلیٰ سے جناب علی اکبرؑ تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ تیسری زوجہ قبیلہ قضاعہ سے تھیں جن سے ایک فرزند جعفر پیدا ہوئے تھے۔ چوتھی زوجہ رباب سے جناب علی اصغر اور چھوٹی بیٹی سکینہ تھیں پانچویں زوجہ ام اسحاق سے بڑی بیٹی فاطمہ تھیں۔ (ارشاد ص۲۷۱) جناب علی اصغر کربلا میں تیر کھا کر شہید ہوئے اور دونوں صاحبزادیوں میں سے بڑی جناب فاطمہؑ کی شادی امام حسنؑ کے بیٹے جناب حسن مثنیٰ کے ساتھ اور چھوٹی جناب سکینہ کی بھی امام حسنؑ ہی کے بیٹے عبداللہ کے ساتھ واقعہ کربلا کے پہلے ہی ہو چکی تھی (اعلام الوریٰ ص۱۲۷)

شہدائے کربلا

کتنے اور کون کون تھے۔ اس میں بہت اختلاف ہے علامہ سماوی کی کتاب ابصار العین تاسخ التواریخ۔ بحار و جلاء العیون زیادہ معتبر کتابیں ہیں مگر سب کے بیان میں کچھ نہ کچھ فرق ہے۔ اس وجہ سے زیارت ناحیہ مقدسہ میں جن حضرات کے نام مذکور ہیں وہی اس جگہ نقل کئے جاتے ہیں (۱) مالک بن عبد بن سریع (۲) شبیب بن حارث بن سریع (۳) شوذب مولیٰ شاکر (۴) عابس بن ابی شاکری (۵) عمار بن ابی سلامۃ ہمدانی (۶) عبدالرحمن بن عبداللہ الکدری الارحبی (۷) حنظلہ بن اسعد شبامی (۸) ابوثمامہ عمر بن عبداللہ صائدی (۹) عمر بن جندب حضرمی (۱۰) قاسم بن حبیب ازدی (۱۱) زہیر بن سلیم ازدی (۱۲) اسلم بن کثیر ازدی (۱۳) سالم مولے بنی المدینۃ الکلبی (۱۴) جبلہ بن علی شیبانی (۱۵) زاہر عمرو الحمق الخزاعی (۱۶) یزید بن زیاد بن مظاہر کندی (۱۷) سعید مولیٰ عمر (۱۸) عمرو بن خالد صیداوی (۱۹) حیان بن حارث سلمانی ازدی (۲۱) عمار بن حسان (۲۲) مجمع بن عبداللہ عائذی (۲۲) مسعود بن حجاج (۲۳) فرزند مسعود بن حجاج (۲۴) حجاج بن مسروق جعفی (۲۵) زید بن معقل جعفی (۲۶) زہیر بن بشر خثعمی (۲۷) سیف بن مالک (۲۸) سالم موسلے عامر بن مسلم (۲۹) قعنب بن عمرو تمری (۳۰) عامر بن مسلم (۳۱) بر (۳۲) عبداللہ و عبیداللہ فرزندان یزید بن ثبیط - (۳۳) یزید بن ثبیت قیسی (۳۴) عمرو بن ضبیعہ ضبعی (۳۵) حوی بن مالک ضبعی (۳۶) ضرغامہ بن مالک (۳۷) کنانہ بن عتیق (۳۸) و (۳۹) قاسط و کرش فرزندان ظہیر تغلبی (۴۰) حجاج بن زید سعدی (۴۱) شبیب بن عبداللہ نہشلی (۴۲) جون بن حوی مولا ابوذر غفاری (۴۳) و (۴۴) عبداللہ و عبدالرحمٰن فرزندان عروہ بن حراق (۴۵) قیس بن مسہر صیداوی - (۴۶) انس بن کاہل اسدی (۴۷) نافع بن ہلال بجلی (۴۸) عبداللہ بن عمیر کلبی (۴۹) حر بن یزید ریاحی - (۵۰) حبیب بن مظاہر اسدی (۵۱) عمرو بن قرظہ انصاری (۵۲) زہیر بن قین بجلی (۵۳) عمر بن کعب انصاری۔ (۵۴) یزید بن حصین ہمدانی (۵۵) بشر بن عمر حضرمی (۵۶) سعد بن عبداللہ حنفی (۵۷) مسلم بن عوسجہ اسدی (۵۸) قارب مولیٰ امام حسینؑ (۵۹) منجح مولیٰ امام حسینؑ (۶۰) سلیمان مولیٰ امام حسینؑ (۶۱) سوار بن ابی عمیر - (۶۲) عمرو بن عبداللہ جندعی (۶۳) نعیم بن عجلان۔

جناب عقیل کی اولاد	(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) ابوعبداللہ بن مسلم (۳) عبداللہ بن مسلم (۴) عبدالرحمٰن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل
عبداللہ بن جعفر کی اولاد	(۱) محمد (۲) عون
حضرت امام حسنؑ کی اولاد	(۱) جناب قاسم (۲) جناب عبداللہ (۳) جناب ابوبکر۔
اولاد حضرت امیر المومنینؑ	(۱) محمد (۲) عبداللہ اکبر (۳) جعفر اکبر (۴) عثمان اکبر (۵) حضرت عباس
اولاد حضرت امام حسینؑ	(۱) حضرت علی اکبرؑ (۲) حضرت علی اصغر (عبداللہ) مگر یقین نہیں کہ زیارت میں سب کے نام مرقوم ہیں۔

چوتھا باب

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

آپ حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے اور شیعوں کے چوتھے امام ہیں۔ بنا بر قول جناب شیخ مفید و شیخ طوسی علیہما الرحمہ ۱۵ جمادی الاولی ۳۸ھ (۶۵۸ء) کو مدینہ منورہ میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ۲ سال چند ماہ تک جد بزرگوار حضرت امیر المومنینؑ کی آغوش عاطفت میں پرورش پائی۔ پھر ۵۰ھ ہجری تک عم معظم اور پدر بزرگوار کے ہمراہ اور ۱۰ محرم ۶۱ھ ہجری تک محض والد ماجد کیساتھ رہے۔ بعد واقعہ کربلا خاندان رسالت کے سردار اور شیعوں کے ظاہری امام قرار پائے۔ ۳۴ سال مشغول ہدایت و ارشاد ناس رہ کر ۲۵ محرم ۹۵ھ ہجری (۷۱۲ء) کو طرف عالم جاودانی کے رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں اپنے عم معظم حضرت امام حسنؑ کی بغل میں دفن کئے گئے آپ کے عہد امامت میں خلفاء اسلام یزید ابن معویہ پھر معویہ بن یزید۔ پھر مروان بن الحکم پھر عبد الملک بن مروان پھر ولید بن عبد الملک کی دنیوی سلطنت رہی اور اسی ولید کے زمانہ میں حضرتؑ نے زہر سے وفات پائی۔

اسم گرامی حضرت امام حسین علیہ السّلام کو اپنے پدر بزرگوار سے اس قدر الفت تھی کہ اپنے تینوں فرزند کے نام علی ہی رکھا جس پر یزید نے (جب یہ حضرات قید ہو کر اس کے دربار میں پہنچے) تعجب سے کہا تھا عجب! آپ کے پدر بزرگوار نے اپنے کل لڑکوں کا نام علی ہی رکھا؟ حضرت نے فرمایا (ان) میرے پدر بزرگوار کو اپنے والد ماجد سے نہایت محبت تھی اس سبب سے اپنے کل لڑکوں کا نام علی ہی رکھتے رہے (مناقب جلد ۴ صفحہ ۱۳۰) چونکہ حضرتؑ ہی امام حسینؑ کے ولد اکبر تھے اس سبب سے علی اکبر آپ ہی کا نام تھا لیکن عوام نے غلط طور پر مشہور کر دیا کہ علی اکبر وہ بزرگ تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔ خواجہ محمد پارسا وغیرہ اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں امام حسین کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں بڑے علی اصغر تھے جو امام زین العابدین ہیں آپ کا لقب اصغر اس سبب سے ہوا کہ اپنے جد امجد حضرت علی کی زندگی میں پیدا ہوئے اور دو سال تک حضرت کے ساتھ رہے پس آپ کے جد حضرت علی علیہ السلام اکبر تھے اور آپ علی اصغر" ینابیع المودۃ صفحہ ۳۱۵) مگر علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام زین العابدینؑ کو علی اصغر کہنا اکثر احادیث کی مخالفت کرنا ہے جو اس پر دال ہیں کہ آپ اُن علی سے بڑے تھے جو کربلا میں شہید ہوئے (بحار جلد ۱۱ صفحہ) اس زمانہ میں آپ امام زین العابدینؑ کے نام سے مشہور

ہیں اور جو علی کربلا میں شہید ہوئے اور جو آپ سے چھوٹے تھے علی اکبر مشہور ہیں۔

والدہ گرامی آپ کی والدہ کے حالات میں مورخین کے درمیان شدید اختلاف ہے پہلا اختلاف نام میں ہے۔ بعض غزالہ۔ بعض شاہ زنان بنت یزدجرد۔ بعض سلافہ۔ بعض شہربانویہ بعض شہربانو۔ بعض جیدا اور بعض برہ بنت النوشجان کہتے ہیں لیکن سید المحققین جناب شیخ مفید و علامہ طبرسی وغیرہ آپ کا نام شاہ زنان بنت کسریٰ یزدجرد لکھتے ہیں ممکن ہے اصل نام یہی اور مشہور شہربانو ہو۔ دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ آپ اپنے وطن (ایران) سے مدینہ میں کب آئیں اور حضرت امام حسین کی زوجیت سے کیونکر مشرف ہوئیں۔ اس امر میں کئی قسم کی روایتیں ملتی ہیں لیکن مشہور صرف دو ہیں پہلی یہ کہ آپ حضرت عمر کے زمانے میں فتح مدائن کی غنیمت میں اپنی دوسری بہنوں کے ساتھ تشریف لائیں اور جناب امیر علیہ السلام نے آپکو خرید کر حضرت امام حسینؑ کی زوجیت میں دیدیا۔ اور دوسری یہ کہ حضرت امیر المومنینؑ نے حریث بن جابر کو بعض بلاد مشرق (ایران) کا گورنر مقرر کرکے بھیجا تھا اس نے جناب شاہ زنان کو آپ کی بہنوں کیساتھ جناب امیرؑ کے پاس بھیجا اور حضرت نے آپ کی شادی امام حسینؑ سے کر دی پہلی روایت کہ خلیفہ دوم کے زمانے میں فتح مدائن کی غنیمت میں آئیں اس وجہ سے غلط معلوم ہوتی ہے کہ مورخین کا اتفاق ہے کہ مدائن ماہ صفر ۱۶ھ میں فتح ہوا (معجم البلدان جلد ۷ صفحہ ۳۱۱ اردو ترجمہ فتوح العجم از واقدی صفحہ ۱۹۰ تاریخ ابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۱۴۱ تاریخ کامل جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۱۰۱ فتوحات اسلامیہ جلد ۱ صفحہ ۹۰ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۱۶۸ وغیرہ اور یزدجرد ۱۲ھ کے شروع میں تخت نشین ہوا ہے (تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ وکامل جلد ۱ صفحہ ۱۶۸ وابن خلدون تقیہ جلد ۲ صفحہ ۸۵ وابو الفدا جلد ۱ صفحہ ۵۶ وغیرہ) اور جنگ قادسیہ بقول ابو الفدا وغیرہ ۱۵ھ ہجری میں ہوئی ہے اور تخت نشینی کے وقت یعنی ۱۲ھ ہجری کے شروع میں یزدجرد کی عمر ۲۲ سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی اور وہ عرب جیسے گرم ملک کا باشندہ نہیں تھا کہ ۱۴ سال کی عمر میں عورتوں سے مباشرت کے قابل ہو جاتا۔ ضرور ۱۷-۱۸ سال کی عمر میں اس کی شادی ہوئی ہوگی۔ اب اگر جناب شہربانو یزدجرد کی پہلی اولاد بھی مانی جائیں اور یزدجرد کے اٹھارہویں سال بھی پیدا ہوئی ہوں تو فتح مدائن کے وقت ان کی عمر کس طرح پانچ چھ سال سے زائد نہیں ہو سکتی اسوقت حضرت عمر کا ان کو امام حسینؑ کی زوجیت کیلئے بخشنا یا جناب امیرؑ کا خرید کر امام حسینؑ سے ان کی شادی کرنا بالکل خلاف عقل ہے درصورت کہ اسوقت امام حسینؑ بھی بالغ نہیں بلکہ صرف ۱۲ سال کے تھے (کیونکہ حضرتؑ کی ولادت ۴ھ ہجری میں ہوئی تھی) اسوقت اگر امام حسینؑ اس امر کو چاہتے بھی تو جناب امیرؑ سختی سے روکتے اور اس امر کو آپ کی صحت کیلئے نہایت خطرناک سمجھتے۔ حضرت رسولخدا صلعم کی شادی اسوقت ہوئی جب آپ ۲۵ سال کے تھے۔ جناب امیرؑ کی شادی بھی اس وقت ہوئی جب آپ ۲۵ سال کے تھے۔ پھر امام حسینؑ کے ساتھ یہ دشمنی کیوں کی جاتی کہ جب آپ نہ ۲۵ سال کے ہوئے نہ ۲۰ سال کے نہ ۱۸ سال کے بلکہ بالغ تک نہیں ہوئے۔ صرف ۱۲ سال کے تھے کہ شہربانو آپ کے

حوالہ کر دی جاتیں! غرض کسی طرح حضرت عمر کے زمانہ میں شہربانو کا مدینہ آنا اور حضرت امام حسینؑ کی زوجیت میں داخل ہونا درست نہیں معلوم ہوتا۔ زمانہ حال کے نامور مورخ شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی صاحب کی تحقیق بھی یہی ہے۔ لکھتے ہیں "اس موقع پر حضرت شہربانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے۔ اس کا ذکر کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں۔ حضرت عمر نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں ان کے بیچنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؑ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اس سے ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے چنانچہ حضرت علی نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسینؑ کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کیں۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زمخشری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں ربیع الابرار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدینؑ کے حال میں یہ روایت اس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے اولاً تو زمخشری کے سوا طبری ابن اثیر۔ یعقوبی۔ بلاذری۔ ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اور زمخشری کا فن تاریخ میں جو پایہ ہے وہ ظاہر ہے اس کے علاوہ تاریخی قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمر کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا۔ مدائن کے معرکہ میں یزدگرد مع تمام اہل و عیال کے دار السلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا۔ جب مسلمان حلوان پر چڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہنچ کر ۳۰ھ ہجری میں جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ ہے مارا گیا۔ اس کی آل و اولاد اگر گرفتار ہوئے ہوں گے تو اسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زمخشری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں ہوا۔ اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت امام حسین علیہ السلام کی عمر ۱۲ سال کی تھی کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور فارس ۱۷ھ ہجری میں فتح ہوا۔ اس لیے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علیؑ نے ان کی نابالغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہو گی۔ اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قدر پائی ہو گی اور حضرت علیؑ نہایت ناہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا" (الفاروق جلد ۲ ص ۱۷۲) مذکورہ بالا وجوہ کے علاوہ ایک اور زبردست وجہ ایسی ہے جس سے اس قصہ کا غلط ہونا یقینی ہو جاتا ہے وہ یہ کہ جناب امیرؑ کے دو صاحبزادے امام حسنؑ و امام حسینؑ اور ۱۶ھ ہجری میں دونوں نابالغ تھے لیکن امام حسنؑ پھر بھی بڑے تھے۔ اگر جناب امیر نے اپنے فرزند سے شادی کے لیے جناب شہربانو کو تجویز بھی کیا تو حضرت امام حسنؑ کو کیوں نہیں دیا۔ یا حضرت ہی سے شادی کیوں نہیں کی! بڑے لڑکے کی فکر پہلے ہوتی پس اگر واقعاً جناب شہربانو ۱۶ھ ہجری میں مدینہ آتیں اور حضرت عمر یا حضرت امیر المومنینؑ جناب امیرؑ کے فرزند کو مرحمت فرماتے تو یہ بڑے صاحبزادے امام حسنؑ کے حصہ میں آتیں نہ امام حسینؑ کے۔

رہی دوسری روایت کہ حضرت امیر المومنینؑ کی ظاہری خلافت میں آپ آئیں اور حضرتؑ نے امام حسینؑ سے ان کی شادی کر دی۔ یہ البتہ ایسی ہے جو نقل اور عقل دونوں سے صحیح ثابت ہوتی ہے مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت امیر المومنین نے حریث بن جابر جعفی کو بعض بلاد (مشرق) خراسان کا والی مقرر کر کے بھیجا اور حریث نے یزدگرد کی دو بیٹیاں حضرت کی خدمت میں ایران سے بھیجیں حضرتؑ نے ایک بیٹی شہربانو اپنے صاحبزادے امام حسینؑ کو دی اور دوسری بیٹی گیہان بانو محمد بن ابی بکر کے حوالہ کی۔ جناب شہربانو سے حضرت امام زین العابدین اور گیہان بانو سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے (روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۹ مطبوعہ مطبع نولکشور، علامہ اربلی نے کشف الغمہ مطبوعہ ایران ص ۲۰۳ میں علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے اعلام الوریٰ صفحہ ۱۵۱ میں نیز جامع التواریخ صفحہ ۹۷۴ و عمدۃ الطالب ص ۱۷۱ میں بھی اسی روایت کو اختیار کیا ہے نیز دوسری کتب تاریخ و حدیث میں بھی یہی روایت ہے اور عقلاً بھی اس کی صحت کا گمان ہوتا ہے کیونکہ جناب امیرؑ کی خلافت ۳۶ھ ہجری سے ۴۰ھ ہجری تک تھی۔ اس زمانہ میں جناب شہربانو کی عمر بھی کافی تھی اور حضرت امام حسینؑ بھی تیس سال سے زیادہ عمر کے تھے۔ اور حضرت امام حسنؑ کی شادی اس سے پہلے ہو چکی تھی۔

حضرتؑ کا شرف نسبی

آپ دادیہال اور نانیہال دونوں طرف سے اعلیٰ خاندان کے جوہر تھے۔ دادا حضرت رسول خدا صلعم اور نانا بادشاہ ایران کسریٰ یزدگرد۔ اس مضمون کو عربی شاعر ابو الاسود دئلی نے کس خوبی سے ادا کیا ہے

وان غلاما بین کسریٰ وهاشم ٭ لاکرم من نیطت علیه التمائم

یقیناً وہ صاحبزادے جن کے نانا بادشاہ کسریٰ اور دادا حضرت ہاشم ہیں دنیا بھر کے لڑکوں سے زیادہ شریف اور کریم ہیں (اصول کافی ص ۲۵۵) اس موقع پر بعض علماء اہلسنت نے لکھا ہے۔ انظروا الی برکۃ العدل حیث جعل اللہ تبارک وتعالیٰ الائمۃ المهدیین من بنت یزدجرد المنتسب الی کسریٰ نوشیروان الملک العادل ودن ساختہ وجہ بہ عدل والصاف کی برکت کا یہ تماشہ دیکھو کہ خدا نے حضرات ائمہ طاہرینؑ کو امام حسینؑ کی انہیں بیوی (شہربانو) سے پیدا کیا جو مشہور نوشیرواں عادل شہنشاہ ایران کی اولاد سے تھیں اور حضرتؑ کی دوسری بیویوں کی اولاد کو یہ شرف نہیں دیا (فصل الخطاب قلمی ورق ۱۲۶ و ینابیع المودۃ ص ۳۱۵ وغیرہ) اور جناب علامہ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے۔ امام حسینؑ کے بیٹوں میں امام زین العابدین بھی ہیں انہیں سے حضرت امام حسینؑ کی نسل بڑھی کیونکہ حضرتؑ کی کئی اولاد ہوئیں۔ مگر روز عاشورا سوائے حضرت زین العابدین کے کوئی لڑکا زندہ نہیں بچا خدا ہی نے آپ کے صلب سے رسول خدا صلعم کی اولاد اس کثرت سے پیدا کی جن کی تعداد کو وہی جان سکتا ہے اور اس نسل میں

خدا نے اتنی برکت دی کہ ان کو پورب سے پچھم تک پھیلا دیا یہاں تک کہ کوئی ملک کوئی شہر ان لوگوں (سادات آل رسولؐ) سے خالی نہیں ہے اس کے خلاف یزید کا انجام ہوا کہ اس کی یا اس کی علاوہ بابا اس کے خاندان والوں کی نسل سے ایک شخص بھی نہیں بچا۔ بلکہ کوئی چراغ جلانے والا یا آگ روشن کرنے والا بھی نہیں خدا نے حضرت رسول خدا صلعم سے کیسا سچا وعدہ فرمایا تھا کہ اے رسولؐ ہم تمہاری نسل کو بہت بڑھائیں گے اور تمہارا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا (قرآن مجید پ۳۰ سورہ کوثر) اسماء رجال مشکوٰۃ قلمی ص۳۶) اور جناب مبین صاحب فرنگی محل لکھتے ہیں امام حسینؑ کی نسل۔ بیٹوں میں صرف امام زین العابدینؑ سے اور بیٹیوں میں بعض جناب فاطمہ سے بڑھی جو جناب حسن مثنیٰ کی بیوی تھیں خدا نے امام زین العابدین کے صلب سے بکثرت اولاد پیدا کی اور آپ کی نسل (سادات اور آل رسولؐ) کو پچھم اور پورب ہر طرف پھیلا دیا یہاں تک دنیا کا کوئی حصہ بلکہ کوئی شہر حضرت کی اولاد سے خالی رہے گا۔ اس کے خلاف یزید اور اس کی اولاد کی نسل سے ایسا بھی کوئی نہیں بچا جو ایک ہی گھر آباد کرتا یا کسی جگہ جھاڑ ہی جھونکتا باوجود اس کے کہ امام حسینؑ شہید ہوئے تو آپ کے صرف ایک بیٹے امام زین العابدینؑ بچے تھے (انہیں کی نسل اس قدر بڑھی) اور جب یزید مرا تو اس کے ۱۵ بیٹے موجود تھے (جن سب کی نسل ہوتی تو کس قدر کرتی) واقعتاً خدا کا قول سب سے زیادہ سچا ہے جس نے حضرت رسول محمد صلعم کو خوشخبری دے دی تھی کہ اے رسول ہم نے تم کو بہت بڑی دی ہے اور تمہارا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔ (وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۳۱۲)

حضرتؑ کا ذاتی شرف

حضرات اہلسنت کے امام زہری و ابن عیینہ وغیرہ کہتے ہیں کہ امام زین العابدین سے افضل ہم نے کسی کو نہیں پایا اور حضرتؑ سے زیادہ علم فقہ کا جاننے والا بھی نہیں اور آپ سے زیادہ ورع و تقویٰ کسی شخص میں نہیں پایا (تاریخ ابن خلکان ص۳۴۳) امام زین العابدینؑ حدیث بیان کرنے میں نہایت معتمد علیہ اور صادق الروایۃ تھے۔ آنحضرتؑ سے کثیر حدیثیں روایت کی ہیں بہت بڑے عالم تھے اور اہلبیتؑ میں ان کا مثل و نظیر کوئی نہیں تھا (حیاۃ الحیوان جلد صد ۱۲۱) آپ کے خوف خدا و مناجات وغیرہ کے واقعات کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں۔

حلیۂ مبارکہ

حضرتؑ کا رنگ گندمی تھا۔ آپ اوسط قد و قامت کے نحیف و زار تھے (نور الابصار ص۱۲۶ و اخبار الدول ص۱۰۹) آنحضرتؑ جمال و جلال و صولت با کمال داشت ہر کہ نظر مبارک می افتاد بجز اعزاز و احترام چارہ نمی دید۔ حضرتؑ کو اعلیٰ درجے کا جمال۔ جلال اور صولت حاصل تھی حضرتؑ کے چہرہ مبارک پر جس شخص کی بھی نظر پڑتی وہ حضرتؑ کے اعزاز و احترام و عزت و اکرام کرنے پر مجبور ہو جاتا (وسیلۃ النجاۃ ص۲۱۹) حضرت کو دیکھ کر حاجیوں کا حجر اسود کے پاس سے ہٹ جانا مشہور واقعہ ہے جو آگے آتا ہے۔

کنیت اور القاب

آپ کی کنیت ابو محمد۔ ابو الحسن اور ابو القاسم تھی اور القاب یہ تھے۔ زین العابدین۔ سید العابدین۔ عابد۔ سجاد۔ سید الساجدین۔ زین الصالحین۔ وارث علم النبیین۔ امام المومنین۔ منار القانتین۔ الخاشع۔ المتہجد۔ الزاہد۔ المعدل۔ البکاء۔ ذو الثفنات۔ امام الائمہ۔ ابو الائمہ۔ الزکی الامین الخالص۔ سید الصابرین۔

حضرتؑ کے عہد طفولیت کی معرفت

حضرت بچپن میں ایک دفعہ بیمار ہوئے تو امام حسینؑ نے فرمایا تم کو جس چیز کی خواہش ہو بیان کرو حضرت نے عرض کی میری خواہش یہ ہے کہ میرا شمار ان لوگوں میں ہو جو خدا کی قضاء و قدر کے خلاف کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے۔ امام حسینؑ نے یہ سن کر فرمایا شاباش تم اپنی اس خواہش میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مشابہ ہو گئے۔ کیوں کہ جب جناب جبریل نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ آپ کی کوئی حاجت ہے؟ تو حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا میں اپنے پروردگار کی مرضی کے خلاف کوئی امر نہیں چاہتا کیوں کہ خدا مجھے کافی اور بہترین کارساز ہے (بحار جلد ۱۱ صفحہ ۲۱)

حضرتؑ کی عبادت

اس حد کی ہوتی کہ آپ کا لقب ہی زین العابدینؑ ہو گیا۔ حضرت رسول خدا صلعم نے اس کی پیشین گوئی بھی فرما دی تھی فرمایا تھا۔ بروز قیامت ایک منادی پکارے گا کہ زین العابدینؑ کہاں ہیں۔ اس پر میرا فرزند علیؑ ابن الحسینؑ صفوں سے جھومتا ہوا نکلے گا اور یہ حالت اس وقت میرے پیش نظر ہے (بحار الانوار جلد ۱۱ ص۲) اور دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ آپ ایک شب کو حسب معمول محراب عبادت میں کھڑے نماز تہجد پڑھ رہے تھے اس اثنا میں ایک اژدہا آپ کے سامنے آیا لیکن حضرتؑ اس سے کچھ بھی نہ ڈرے اس طرح نماز میں مشغول رہے۔ پھر وہ اژدہا حضرت کے قریب آیا اور حضرت کا انگوٹھا اپنے منہ میں لے لیا۔ جب بھی حضرتؑ اسی طرح مشغول رہے پھر اس نے زور سے انگوٹھے میں کاٹا پھر بھی حضرت متوجہ نہیں ہوئے جب فارغ ہوئے تو اس اژدہے کو نکالا۔ اس کے بعد کوئی آواز آتی ہے انت زین العابدین تم ہی عبادت کرنے والوں کی زینت ہو۔ یہ آواز تین مرتبہ آئی مگر کوئی شخص نظر نہیں آیا جس سے معلوم ہوا کہ غیبی آواز تھی (کشف الغمہ ص۱۹۸) حضرت اس کثرت سے سجدہ کیا کرتے کہ آپ کی پیشانی۔ دونوں ہتھیلیوں۔ دونوں گھٹنوں اور دونوں انگوٹھوں پر اتنے اونچے گھٹے پڑ گئے تھے جو سال میں دو مرتبہ ترشوائے جاتے اور ہر مرتبہ گھٹے کی پانچ تہ نکلتی تھی۔ اسی سبب سے لوگ آپ کو ذو الثفنات بھی کہتے (بحار جلد ۱۱ ص۳) مورخ ابن عساکر کا بیان ہے کہ دمشق میں امام زین العابدینؑ کی مسجد مشہور ہے اور آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں مشہد علیؑ بجامع دمشق زبان زد ہے (حیوۃ الحیوان جلد ۱ ص۱۲۱) معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ قیدی ہو کر دمشق تشریف لے گئے تو کسی مسجد میں کثرت سے عبادت کرتے تھے اس سبب سے لوگ اس مسجد کو مشہد علیؑ (امام زین العابدینؑ کی مسجد) کہتے تھے۔

حضرتؑ کا حلم

ایک شامی بیان کرتا تھا کہ میں ایک دفعہ مدینہ گیا تو ایک وجیہ شخص کو دیکھا۔

... ان کے پاس آیا اور
ان کے دادا حضرت علیؑ کو گالیاں دینے لگا وہ کھڑے سنتے رہے۔ جب میرا کلام ختم ہوگیا تو انہوں نے کہا
میں سمجھتا ہوں تم مسافر ہو۔ میں نے کہا ہاں انہوں نے کہا تو آؤ میرے ساتھ چلو اور میرے مکان میں
ٹھہرو۔ اگر تم کو یہاں رہنے کے لیے کسی مکان کی ضرورت ہوگی تو میرا مکان حاضر ہے اور اگر مال ضرورت
ہے تو حسب خواہش مال بھی پیش کروں گا۔ اور اگر کوئی دوسری حاجت ہو تو میں اس کے پوری کرنے میں
بھی مدد کروں گا۔ یہ سن کر میں آپ کے پاس سے واپس آیا لیکن اس طرح کہ آپ سے زیادہ میرے دل
میں کسی شخص کی محبت نہیں تھی" (حیوۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۱۲۱) ایک شخص نے حضرت سے کہا کہ فلاں شخص
میرے سامنے آپ کی غیبت کرتا تھا۔ حضرت نے فرمایا اچھا میرے ساتھ اس کے پاس چلو۔ جب وہاں
پہنچے تو فرمایا اے بھائی تم نے اس شخص کے سامنے میرے متعلق جو کہا ہے اگر صحیح ہے تو خدا مجھے بخش
دے اور اگر تم نے غلط کہا ہے تو میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تم کو بخش دے۔ یہ فرما کر وہاں سے واپس تشریف
لائے" (نور الابصار صفحہ ۱۲۶) ایک شخص نے حضرت سے کہا کہ فلاں شخص آپ کو گمراہ اور بدعتی کہتا ہے حضرتؑ
نے فرمایا بھائی تم نے اس شخص کی ہم نشینی کے حق کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا کہ اس کی بُرائیاں مجھ تک پہنچا
دیں۔ اور نہ میرا حق ادا کیا کیونکہ ایک بھائی کی مجھ تک ایسی شکایت کی بات پہنچائی جس کو میں جانتا نہ تھا۔
موت ہر شخص کو آنے والی ہے اور بروز قیامت ہم سب زندہ ہو کر ایک جگہ جمع ہوں گے اور روزِ
محشر سب کے فیصلہ کے لیے مقرر ہے جب کہ خدا ہم سب لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ دیکھو
پھر کبھی غیبت نہ کرنا۔ کیوں کہ یہ جہنم کے کتوں کی غذا ہے اور جان لو کہ جو شخص لوگوں کی زیادہ غیبت کرتا
ہے وہ خود اپنے عیوب کی گواہی دیتا ہے (احتجاج طبرسیؒ صفحہ ۲۰۰) ایک روز حضرتؑ مسجد سے نکلے
تو آپ کو ایک شخص گالیاں دینے لگا آپ کے غلام وغیرہ اس کی طرف بڑھے لیکن حضرتؑ نے سب کو
روکا اور اس سے فرمایا میرے جو حالات تم سے پوشیدہ ہیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ تمہاری
کوئی حاجت ہے کہ میں اس کے رفع کرنے میں تمہاری مدد کروں! یہ حلم دیکھ کر وہ شخص نہایت شرمندہ
ہوا۔ پھر حضرت نے اس کو چند قیمتی کمل اور پانچ ہزار درہم عطا فرمائے۔ یہ دیکھ کر وہ بول اٹھا اشہد
انّكَ من اولاد المصطفیٰ۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ حضرت رسول خدا صلعم کے خلف
صالح ہیں۔ ایک اور شخص حضرتؑ کو گالیاں دینے لگا تو فرمایا بھائی میرے اور جہنم کے درمیان ایک گھاٹی
ہے اگر میں اس پر سے عبور کر گیا تو مجھے کچھ پرواہ نہیں جو چاہے کہو اور اگر مجھ میں اس گھاٹی سے گزرنے
کی قابلیت نہیں ہے تو پھر جس قدر بھی تم گالی دیتے ہو اس سے زیادہ کا میں مستحق ہوں (نور الابصار صفحہ ۱۲۵)

قصیدہ فرزدق

ایک مرتبہ خاندان بنی امیہ کا خلیفہ ہشام بن عبد الملک (جو سنہ ۱۰۵ ہجری سے
سنہ ۱۲۵ ہجری تک بادشاہ رہا) اپنی شہزادگی کے زمانے میں حج کرنے گیا
خانہ کعبہ کا طواف کر کے چاہا کہ حجر اسود کو بوسہ دے مگر حاجیوں کے ہجوم سے اس تک نہیں پہنچ
سکا۔ مجبوراً ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں حضرت امام زین العابدینؑ تشریف لائے اور جب
حجر اسود کی طرف جانا چاہا تو سب لوگوں نے ہٹ کر آپ کے لیے راستہ چھوڑ دیا اور حضرت نے اطمینان
سے اس کو بوسہ دیا۔ ہشام کے ساتھ شام کے جو لوگ آئے تھے یہ حال دیکھ کر ہشام سے انہوں نے پوچھا
یہ باعظمت شخص کون ہے جس کی ہیبت و جلال سے سب حاجی ہٹ گئے۔ ہشام تو واقف تھا مگر
اس خوف سے کہ حضرتؑ کا اثر شامی لوگوں پر نہ ہو جائے کہا میں اس شخص کو نہیں پہچانتا۔ اتفاقاً اس
زمانے کے مشہور شاعر فرزدق بھی وہاں موجود تھے وہ اس بے ادبی کو برداشت نہ کر سکے اور کھڑے
ہو کر ایک زبردست قصیدہ حضرتؑ کی شان میں پڑھ دیا جو گویا دنیا میں گونج گیا اور آج تک کتابوں
میں نقل ہوتا چلا آتا ہے کہتے ہیں ؎

(۱) هذا الذی تعرف البطحاء وطأته — والبيت يعرفه والحل والحرم
یہ وہ ہے[1] جانتا ہے مکہ جس کے نقش قدم — خدا کا گھر بھی ہے آگاہ اور حل و حرام

(۲) هذا ابن خير عباد الله كلهم — هذا التقی النقی الطاهر العلم
جو بہترین خلائق ہے اس کا ہے فرزند — پاک و زاہد و پاکیزہ و بلند حشم

(۳) اذا رأته قريش قال قائلها — الی مكارم هذا ينتهی الكرم
قریش دیکھتے ہیں جب اُسے تو کہتے ہیں — بزرگیوں پہ ہوئی اس کی انتہائے کرم

(۴) ينمی الی ذروة العز الذی قصرت — عن نيلها عرب الاسلام والعجم
پہنچ گیا ہے یہ عزت کی اس بلندی پر — جہاں پہ جا سکے اسلام کے عرب نہ عجم

(۵) يكاد يمسكه عرفان راحته — ركن الحطيم اذا ما جاء يستلم
یہ چاہتا ہے کہ لے ہاتھوں ہاتھ رکنِ حطیم — جو چومنے حجر الاسود آئے نزدِ حرم

(۶) فی كفه خيزران ريحه عبق — فی كف اروع فی عرنينه شمم
چھڑی ہے ہاتھ میں جس کی مہکتی ہے خوشبو — وہ ہاتھ جو نہیں عزت میں اور شان میں کم

(۷) يغضی حياءً ويغضی من مهابته — فما يكلم الا حين يبتسم
نظر جھکائے ہیں سب یہ حیا سے رعب سے لوگ — جو مسکرائے تو آجائے بات کا کرنے کا دم

(۸) ينشق نور الهدی من نور غرته — كالشمس ينجاب عن اشراقها الظلم
جبیں کے نورِ ہدایت سے کفر گھٹتا ہے یوں — ضیاء مہر سے تاریکیاں ہوں جیسے کم

[1] یہ اردو منظوم ترجمہ رسالہ حقائق لکھنؤ محرم سنہ ۵۲ ہجری سے نقل کیا گیا ہے۔ اگرچہ متعدد اشعار کا ترجمہ شعر کے مطابق نہیں ہے مگر اردو نظم ہونے کی وجہ سے اسی کا درج کر دینا بہتر معلوم ہوا۔ ۱۲ مؤلف عفی عنہ

(۹) من جده دان فضل الانبیاء له ... وفضل امته دانت له الامم
فضیلت اور نبیوں کی اس کی جد سے ہے پست ... تمام اُمتیں امت سے اس کی رُتبہ میں کم

(۱۰) منشقة من رسول الله نبعته ... طابت عناصرہ والخیم والشیم
یہ وہ درخت ہے جس کی ہے جڑ خدا کا رسولؐ ... اسی سے فطرت و عادات بھی ہیں پاک بہم

(۱۱) هذا ابن فاطمة ان کنت جاهله ... بجده انبیاء الله قد ختموا
یہ فاطمہ کا ہے فرزند تو نہیں واقف ... اسی کے جد سے نبیوں کا بڑھ سکا نہ قدم

(۱۲) الله شرفه قدما وعظمه ... جرٰی بذالک له فی لوحه القلم
ازل سے لکھی ہے حق نے شرافت وعزت ... چلا اسی کے لیے لوح پر خدا کا قلم

(۱۳) اللیث اهون منه حین تغضبه ... والموت الیه منه حین یهتضم
جو کوئی غیظ دلا دے تو شیر سے بڑھ جائے ... ستم کرے کوئی اس پر تو موت کا نہیں غم

(۱۴) فلیس قولک من هذا بضائره ... العرب تعرف من انکرت والعجم
ضرر نہ ہوگا اسے تو بنے ہزار انجان ... اسے تو جانتے ہیں سب عرب تمام عجم

(۱۵) کلتا یدیه غیاث عم نفعهما ... یستوکفان ولا یعروهما عدم
برستے ابر ہیں ہاتھ اس کے جن کا فیض ہے عام ... وہ برسا کرتے ہیں یکساں کبھی نہیں ہوتے کم

(۱۶) سهل الخلیقة لا تخشی بوادره ... یزینه اثنان حسن الخلق والشیم
وہ نرم خو ہے کہ ڈر جلد بازیوں کا نہیں ... ہے حسن عادت و خلق اس کی زینت باہم

(۱۷) حمال اثقال اقوام اذا فتدحوا ... حلو الشمائل تحلو عنده لانعم
مصیبتوں میں قبیلوں کے بار اُٹھاتا ہے ... ہیں جتنے خوب شمائل ہیں اتنے خوب کرم

(۱۸) ما قال لا قط الا فی تشهده ... لولا التشهد کانت لاءه نعم
کبھی نہ اس نے کہا لا بجز تشہد کے ... اگر نہ ہوتا تشہد تو ہوتا لا بھی نعم

(۱۹) لا یخلف الوعد میمون نقیبته ... رحب الفناء اریب حین یعتزم
خلاف وعدہ نہیں کرتا یہ مبارک ذات ... ہے میزبان بھی عقل و ارادہ بھی ہے بہم

(۲۰) عم البریة بالاحسان فانقشعت ... عنها الغیاهب والاملاق والعدم
تمام خلق پہ احسان عام ہے اس کا ... اسی سے اُٹھ گیا افلاس و رنج و فقر اک دم

(۲۱) من معشر حبهم دین وبغضهم ... کفر وقربهم منجی ومعتصم
محبت اس کی ہے دین اور عداوت اسکی ہے کفر ... ہے قرب اس کا نجات و پناہ کا عالم

(۲۲) ان عد اهل التقی کانوا ائمتهم ... او قیل من خیر اهل الارض قیل هم
شمار زاہدوں کا ہو تو پیشوا یہ ہو ... کہ بہترین خلائق اسی کو کہتے ہیں

(۲۳) لا یستطیع جواد بعد غایتهم ... ولا یدانیهم قوم وان کرموا
پہنچنا اس کی سخاوت کو غیر ممکن ہے ... سخی ہوں لاکھ نہ پائیں گے اس کی گرد قدم

(۲۴) هم الغیوث اذا ما ازمة ازمت ... والاسد اسد الشری والباس محتدم
جو قحط کی ہو مصیبت یہ ابر باراں ہے ... جو بھڑکے جنگ کی آتش یہ شیر سے نہیں کم

(۲۵) لا ینقص العسر بسطا من اکفهم ... سیان ذلک ان اثروا وان عدموا
نہ مفلسی کا اثر ہے فراخ دستی پر ... کہ اس کو زر کی خوشی ہے نہ بے زری کا الم

(۲۶) یستدفع السوء والبلوی بحبهم ... ویستزاد به الاحسان والنعم
اسی کی چاہ سے جاتی ہے آفت اور بدی ... اسی کی وجہ سے آتی ہے نیکی اور کرم

(۲۷) مقدم بعد ذکر الله ذکرهم ... فی کل بدء ومختوم به الکلم
اسی کا ذکر مقدم ہے بعد ذکر خدا ... اسی کے نام پہ ہر بات ختم کرتے ہیں کم

(۲۸) یابی لهم ان یحل الذم ساحتهم ... خلق کریم وایدٍ بالندی هضم
مذمت آنے سے اس کے قریب بھاگتی ہے ... کریم خلق سے ہوتی نہیں سخاوت کم

(۲۹) ای الخلائق لیست فی رقابهم ... لاولیة هذا اوله نعم
خدا کے بندوں میں ہے کون ایسا جس کا سر ... اسی گھرانے کے احسان سے ہوا ہو نہ خم

(۳۰) من یعرف الله یعرف اولیة ذا ... فالدین من بیت هذا ناله الامم
خدا کو جانتا ہے جو اسے بھی جانتا ہے ... اسی کے گھر سے ملا امتوں کو دین بہم

اسی قصیدے کو سُن کر ہشام غیظ و غضب سے پیچ و تاب کھانے لگا اور فرزدق کو قید کر دیا حضرت امام زین العابدینؑ کو اس کی خبر ہوئی تو حضرتؑ نے بارہ ہزار درہم فرزدق کے پاس بھیج دیئے مگر انہوں نے یہ کہہ کر واپس کیا کہ میں نے یہ قصیدہ کسی صلہ کی طمع میں نہیں کہا ہے اس کے جواب میں حضرتؑ نے کہلایا کہ ہم اہلبیت رسولؐ کا یہ دستور ہے کہ کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر اُسے واپس نہیں لیتے۔ خدا تمہاری نیت سے واقف ہے اور وہی اس (حمایت دین) کا اجر دے گا۔ مجبوراً فرزدق نے وہ درہم قبول کر لیے (نور الابصار صفحہ ۱۴۱ و مجانی الادب جلد ۶ صفحہ ۲۵۴ و صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰ و وسیلۃ النجاہ صفحہ ۲۲ وغیرہ)

حضرتؑ کے علمی کمالات بھی بے حد و حساب ہیں۔ جب آپ دربار یزید میں قید ہو کر تشریف لے گئے تو باوجودیکہ وہاں کی دیوار تک حضرتؑ کی دشمنی تھی مگر حضرتؑ نے اس فصاحت و بلاغت کا خطبہ ارشاد فرمایا جس سے شام والے متحیر ہو گئے اور ایسے مؤثر طریقے سے مقاصد وعظ و پند بیان فرمائے کہ سنگ دلوں کے دل بھی موم کی طرح پگھلنے لگے۔ فرمایا اے اہل شام تم میں سے جو مجھے نہ جانتا ہو وہ جان لے کہ میں فرزند رسول مختار ہوں میں فرزند سردار اخیار

ہوں۔ میں فرزند شہسوار میدان ہل آتے ہوں۔ میں فرزند فاطمہ زہرا ہوں۔ میں سبط رسول حسن مجتبےٰ کا بھتیجا ہوں۔ میں نور دیدہ مصطفےؐ سرور سینہ مرتضیٰ۔ مبتلائے کرب وبلا حسینؑ شہید کربلا کا بیٹا ہوں اتنا سننا تھا کہ اہل مجلس چیخ مار کر رونے لگے۔ یزید نے خائف ہو کر موذن کو اذان کہنے کا اشارہ کیا۔ موذن نے اٹھ کر کہا اللہ اکبر۔ اللہ اکبر حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ یقیناً اللہ سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے پھر موذن نے کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ - حضرت نے فرمایا یہ ہے میرا گوشت اور پوست اس بات کا گواہ ہے پھر موذن نے کہا اشہد ان محمدا رسول اللہ اب تو حضرت زین العابدین نے اپنے سر سے عمامہ اتار پھینک دیا اور فرمایا اے موذن تجھے انہیں حضرت محمدؐ کی قسم ذرہ ٹھہر جا۔ یہ کہہ کر یزید سے فرمایا اے معویہ کے بیٹے سچ بتا یہ محمدؐ رسول اللہ میرے جد ہیں یا تیرے؟ اگر تو اپنا جد بتائے تو صریح جھوٹ ہے اور اگر میرا جد کہے تو بتا تو نے میرے پدر بزرگوار کو جو بہترین آل رسولؐ تھے کیوں قتل کرایا۔ کیوں ان کی مخدرات عصمت وطہارت کو گنہگار قیدیوں کی طرح شہر بشہر پھرایا۔ کیوں مجھے یتیم کیا اور کیوں میرے جد کے دین میں رخنہ ڈال دیا۔ یہ کہہ کر امام زین العابدین نے اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم کو خدا کی قسم سچ بتاؤ کیا میرے سوائے تم میں کوئی ایسا ہے جس کا جد خدا کا رسولؐ اور حبیب ہو۔ حضرت کی یہ تقریر سن کر اہل شام اس قدر روئے کہ ان میں سے اکثر بے ہوش ہو گئے یزید ڈرا اور اس نے موذن کو اقامت کہنے کا حکم دے کر سب کو نماز میں مشغول کر دیا۔ (روضۃ الاحباب)

حضرتؑ کے علمی اور دینی کمالات کے لیے حضرتؑ کی مشہور کتاب صحیفہ کاملہ کافی ہے جس کو زبور آل محمدؐ کہا جاتا ہے اور جس کی ایک ایک دعا انسان کی معرفت کو آسمان پر پہنچاتی ہے اور جس پر اگر انسان عمل کرے تو فرشتوں کے قریب پہنچ جائے اس کتاب کی عربی زبان اور نورانی معنے دونوں ہی اپنی آپ نظیر ہیں۔

حضرتؑ کا خشوع عبادت

حضرتؑ جب وضو کرتے تو آپ کا رنگ مبارک زرد ہو جاتا لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا تم جانتے نہیں کہ میں کس معبود کے سامنے کھڑا ہوتا ہوں (صواعق محرقہ ص۱۱۹)

ایک دفعہ حضرتؑ کے گھر میں آگ لگ گئی اور آپ اس وقت سجدے میں تھے لوگ آگ آگ پکارنے لگے مگر حضرتؑ نے سجدہ سے سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ آگ بجھ گئی تو لوگوں نے عرض کی اے فرزند رسولؐ آپ کو کس چیز نے اس آگ سے غافل کر دیا تھا فرمایا آخرت کی آگ نے (وسیلۃ النجاۃ ص۲۱۲) ایک دفعہ حضرتؑ کھڑے نماز پڑھتے تھے اتنے میں آپ کے صاحبزادے امام محمد باقر علیہ السلام جو ابھی بچے تھے کنوئیں میں گر گئے حضرتؑ کی ماں نے شور کرنا شروع کیا کہ باقر گر گئے۔ اور دوڑ کر خود کنوئیں کے پاس آئیں اور اس میں ڈوری وغیرہ پھینکنے لگیں پھر حضرت سے خطاب کر کے کہا اے فرزند رسولؐ آپ کے فرزند محمدؐ (باقر) کنوئیں میں گر گئے مگر حضرت اب بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور اسی طرح نماز پڑھتے رہے جب اس میں دیر ہو گئی تو حضرت کی بیوی نے کہا اے اہلبیتؑ رسولؐ آپ لوگوں کے دل کس قدر سخت ہو گئے ہیں لیکن اب بھی اسی طرح نماز میں مشغول رہے جب اسے پورے کمال کیساتھ ختم کر چکے تو بیوی کے ساتھ کنوئیں پر تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس کے اندر بڑھا کر حضرت محمدؐ باقر کو نکال لیا۔ اور بیوی سے فرمایا اے خدا پر ضعیف یقین رکھنے والی اپنے بچے کو لو۔ آپ کی بیوی بچے کو صحیح وسالم دیکھ کر خوش تو ہو گئیں مگر حضرتؑ کے قول "خدا پر ضعیف یقین والی" سے رونے لگیں تو حضرتؑ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے اگر تم کو معلوم ہوتا کہ اس جبار کے دربار میں حاضر تھا جس کی طرف سے اگر منہ موڑ لیتا تو وہ بھی میری جانب سے اپنی رحمت پھیر لیتا تو تم اس درجہ مضطرب نہ ہوتیں بتاؤ تو خدا سے بڑھ کر رحم کرنے والا کون ہو سکتا ہے (مناقب جلد ۲ صفحہ ۱۰۹)

حضرتؑ کی فقرا نوازی

اہل مدینہ کہا کرتے تھے جب تک امام زین العابدین زندہ رہے ہم سے پوشیدہ خیرات کم نہیں ہوئی (نور الابصار صفحہ ۱۴۴) ابن عائشہ کہتا تھا کہ میں نے اہل مدینہ کو کہتے سنا کہ ہماری مخفی خیرات حضرت علی ابن الحسینؑ کی وفات سے بند ہو گئی۔ ابن اسحق کہتا تھا کہ مدینہ کے بعض آدمی اپنا کھانا پایا کرتے لیکن ان کو یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کھانا کہاں سے پاتے ہیں اور کون ان کو پہنچاتا ہے جب امام زین العابدین کا انتقال ہو گیا تو رات کو ان فقیروں کو کھانا ان کے مکان پر نہیں آیا تب وہ سمجھے کہ حضرت لاتے تھے۔ سفیان کہتے تھے کہ رات کو حضرتؑ روٹیوں کا بورا یا تھیلا اپنی پیٹھ پر رکھ کر فقراء ومساکین کو خیرات بانٹتے پھرتے تھے۔ جب حضرت کی وفات پر لوگ غسل دینے لگے تو ایک سیاہ داغ حضرت کی پشت مبارک پر نظر آیا پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے تو لوگوں نے بیان کیا کہ حضرتؑ ہر رات کو آٹے کا بورا اٹھا کر فقراء اہل مدینہ کو دیتے پھرتے تھے اس طرح حضرت مدینہ کے کم از کم سو خاندانوں کا خرچ چلایا کرتے تھے (نور الابصار صفحہ ۱۴۰)

حضرتؑ کے رعب کی حالت

سنہ ۶۳ ہجری میں اہل مدینہ نے متفق ہو کر یزید کی بیعت سے علیحدگی اختیار کی یہ سن کر یزید نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار سواروں کے ساتھ مدینہ والوں سے لڑنے کو بھیجا اس نے آکر ہنگامہ قتال برپا کر دیا تین دن تک قتل عام کر کے لوگوں کا مال واسباب لوٹ لیا اور عورتوں کے ساتھ زنا کیا۔ اس واقعہ کے بعد ایک ہزار عورتوں نے حرام زادے بچے جنے۔ مسجد رسول میں گھوڑے پھرائے گئے جنہوں نے وہاں بول وبراز کیا اور جو اہل مدینہ بچ گئے ان سے یزید کی غلامی کی بیعت لی گئی جس نے انکار کیا وہ قتل ہوا۔ سوائے امام زین العابدین کے چنانچہ جب حضرتؑ اس ظالم مسلم بن عقبہ کے پاس لائے گئے تو با وجود سے کہ وہ حضرتؑ

بزرگوں کو بُرا کہہ رہا تھا مگر حضرتؑ اس کے سامنے ہوئے تو وہ کانپنے لگا اور سرو قد تعظیم کر کے حضرتؑ کو اپنے برابر بٹھا لیا۔ اس کے بعد جب حضرتؑ وہاں سے واپس گئے لوگوں نے مسلم بن عقبہ سے پوچھا کہ جس وقت تک حضرت نہیں آئے تھے تو اس وقت تک تو حضرت کے بزرگوں کو بُرا کہہ رہا تھا پھر کیا سبب ہے کہ حضرتؑ کے آنے پر تو نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی؟ مسلم بن عقبہ نے کہا میں نے قصداً ان کی تعظیم و تکریم نہیں کی بلکہ ان کو دیکھتے ہی میرے دل پر ایسا رعب چھا گیا کہ میں ان کی عزت کرنے پر مجبور ہو گیا (مروج الذہب بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۵۰)

اپنے دشمن سے حضرت کا برتاؤ

شروع ۶۴ھ ہجری میں مسلم بن عقبہ نے مدینہ والوں کو قتل و غارت کر کے مکہ کی جانب رُخ کیا مگر بہت بیمار ہو گیا تھا۔ مکہ پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں مر گیا اور اپنا قائم مقام حصین بن نمیر کو کر گیا۔ یہ ظالم حصین بن نمیر ایسا سخت دل تھا کہ بروز عاشورہ جب حضرت امام حسینؑ نہر فرات کے کنارے پہنچے تو اس نے تاک کر ایسا تیر حضرت کی طرف پھینکا تھا جو دہان مبارک میں پیوست ہو گیا اور خون بہنے لگا۔ اور بھی اس نے بڑے بڑے ظلم کیے تھے پھر اس نے مکہ پہنچ کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کر کے آگ لگا دی۔ اور عبداللہ بن زبیر کا محاصرہ کر لیا جب محاصرہ کو چالیس دن گزر گئے تو دفعتہً یزید کے مرنے کی خبر آئی۔ اس کے بعد حصین مدینہ واپس آیا اور رات کو چند سواروں کے ساتھ مدینہ سے باہر گیا تاکہ اپنی فوج کی غذا کا سامان کرے۔ وہاں دیکھا کہ حضرت امام زین العابدینؑ تشریف لاتے ہیں اور حضرتؑ کے ساتھ اونٹ پر غذا کا سامان کافی ہے۔ اس نے حضرتؑ کو نہیں پہچانا اور کہا مجھے اس سامان کی ضرورت ہے میرے ہاتھ بیچ دو۔ حضرتؑ نے اس کو جواب دیا کہ یہ سامان بیچنے کا نہیں ہے ہاں اگر تم کو ضرورت ہو تو یوں ہی سب لے لو۔ اس جود و سخا کو دیکھ کر حصین نے حضرتؑ سے پوچھا تم کون ہو؟ حضرتؑ نے فرمایا میں علی بن الحسینؑ ہوں۔ پھر حضرت نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں حصین بن نمیر ہوں۔ یہ سنتے ہی حضرتؑ اس کو پہچان گئے کہ یہ کربلا میں لشکر یزید کے ساتھ تھا اور بڑے بڑے ظلم کیے تھے مگر حضرتؑ نے ان باتوں کا کوئی خیال نہ کیا اور اس سے پوچھا اب میں جاؤں؟ اس نے کہا نہیں یزید مر گیا اور دنیا بے خلیفہ کے ہو گئی ہے لوگ ایسے شخص کی تلاش میں ہیں جس کی بیعت کریں۔ آپ میرے ساتھ شام تشریف لے چلیے تاکہ پوری دنیا کو آپ کا تابع کر دوں کیونکہ اس وقت روئے زمین پر آپ کے سوائے کوئی امام برحق نہیں ہے۔ آپ ہی مسلمانوں کے بادشاہ ہوں۔ حضرت نے فرمایا میں نے خدائے عزّ و جل سے نذر کی ہے کہ (ظاہری بادشاہت) قبول نہیں کروں گا۔ یہ فرما کر حضرت نے اپنا اونٹ بڑھایا اور حصین بن نمیر کے خیمہ کے دروازے پر وہ کل سامان اتار کر اپنے گھر تشریف لے گئے (تاریخ طبری فارسی مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۲۶۹) غرض اس کو مفت کل سامان دے دیا

حضرات اہلبیتؑ کا ذریعہ معاش کیا تھا اس کا مفصل پتا نہیں ملتا۔ البتہ زراعت یا زمینداری کا سلسلہ ضرور تھا۔ چنانچہ ابن عباس بیان کرتے تھے کہ حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں حضرت علی کے پاس کہلایا کہ مدینہ چھوڑ کر اپنی زمین ینبع کی طرف چلے جائیے کہ آپ کے یہاں رہنے سے مجھے اذیت پہنچتی ہے حضرت نے یہ سُنا تو فرمایا کہ میں تو انکے زخموں کا علاج کر رہا ہوں اور وہ اس خیال میں ہیں۔ غرض حضرتؑ مدینہ چھوڑ کر ینبع چلے گئے مگر بعد کو مخالفین کی اور زیادتی ہوئی تو حضرت عثمان نے حضرت کو بلا بھیجا کہ آپ ہی سے میری یہ مصیبت ٹل سکتی ہے (عقد فرید جلد ۲ صفحہ ۲۱۶) مذکورہ بالا امور سے گمان ہوتا ہے کہ ان حضرات کی طرف سے اس زمین کی آبادی ہوتی اور کھیتی کی جاتی تھی۔ چنانچہ جب واقعہ حرّہ ۶۳ھ ہجری میں پیش آیا تو حضرت امام زین العابدین نے بھی مدینہ چھوڑ کر وہیں اقامت فرمائی تھی (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۵)

حضرت کا اپنے سخت اور خاندانی دشمن پر یہ احسان بھی سونے کے حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے کہ جب ۶۳ھ میں مدینہ والوں نے یزید کے عامل کو مدینہ سے نکال دیا اور کل بنی امیہ کا محاصرہ کر کے ان کے قتل و غارت کا سامان کرنے لگے تو بنی امیہ نہایت پریشان ہوئے۔ خاندان اہلبیتؑ کا مشہور دشمن مروان بن حکم بھی (جو پہلے مدینہ کا حاکم تھا اور جس نے ولید بن عقبہ سے کہا تھا کہ امام حسینؑ کو اسی وقت قتل کر دو ورنہ ہاتھ نہیں آئیں گے) مدینہ میں تھا وہ بھی بہت پریشان ہوا کہ اپنے اہل و عیال کو کیا کرے کیونکہ مدینہ والے اس کے بچوں کو قتل کر دیں گے اور اس کی عورتوں کی ہتک حرمت کریں گے تو اس کا کیا حال ہو گا۔ اس مصیبت میں اس نے حضرت عمر کے بیٹے عبداللہ سے درخواست کی کہ میرے اہل و عیال کو اپنے ہاں پناہ دے دو۔ مگر انہوں نے صاف انکار کیا۔ تب اس نے کریم ابن کریم اور جانشین رحمۃ للعالمین حضرت امام زین العابدینؑ سے درخواست کی کہ آپ میرے اہل و عیال کی زندگی بچا لیں۔ سبحان اللہ (تمام مومنین کی روحیں حضرتؑ پر فدا ہوں) حضرت نے فرمایا ان لی حرما وحرمی یکون مع حرمک (میرے بھی اہل و عیال ہیں تمہارے اہل و عیال میرے اہل و عیال کے ساتھ ہی رہیں گے) مروان نے کہا جیسا آپ مناسب سمجھیں عمل میں لائیں اس کے بعد مروان نے اپنی بیوی عائشہ کو (جو حضرت عثمان خلیفہ سوم کی بیٹی تھیں) اپنے دوسرے اہل و عیال کے ساتھ حضرت امام زین العابدینؑ کے پاس بھیج دیا حضرت زیادہ اطمینان کے خیال سے اپنے کل عیال اور مروان کے سب عیال کو ساتھ لیکر اپنی جائداد ینبع میں چلے گئے اور وہاں ان سب کو نہایت آرام و اطمینان سے رکھا اور پوری حفاظت کرتے رہے (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۴۵)

معویہ بن یزید کا خطبہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ یزید کے فرزند معویہ کے خطبہ کا ترجمہ بھی درج کر دیا جائے۔ اس سے نہایت مفید تاریخی راز منکشف ہوتے ہیں۔

سنہ ۶۴ ہجری میں یزید مرگیا تو اس کا بیٹا معویہ خلیفہ بنایا گیا۔ اس نے ۴۰ روز اور بعض قول کے مطابق ۵ ماہ خلافت کی۔ اسکے بعد خود اپنے کو خلافت سے الگ کرلیا اس طرح کہ ایک روز منبر پر چڑھ کر دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر کہا لوگو! مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش نہیں ہے تم لوگوں کی جس بات (گمراہی اور بے ایمانی) کو ناپسند کرتا ہوں وہ معمولی درجہ کی نہیں بلکہ بہت بڑی ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ بھی مجھ کو ناپسند کرتے ہو اس لیے کہ میں تم لوگوں کی خلافت سے بڑے عذاب میں گرفتار ہوں اور تم لوگ بھی میری حکومت کے سبب سے گمراہی کی سخت مصیبت میں پڑے ہوئے ہو کہ میرے دادا معویہ نے اس خلافت کیلئے اس بزرگ (حضرت علیؑ) سے جنگ و جدال کی جو اس خلافت کے لیے اس سے کہیں زیادہ سزاوار اور مستحق تھے اور وہ (حضرت علیؑ) اس خلافت کے لیے صرف معویہ ہی سے نہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی افضل تھے۔ اس سبب سے کہ حضرتؑ کو حضرت رسول خدا صلعم سے قرابت قریبہ حاصل تھی۔ حضرتؑ کے فضائل بہت تھے۔ خدا کے ہاں حضرت کو سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ حضرتؑ تمام صحابہ مہاجرین سے زیادہ عظیم القدر سب سے زیادہ بہادر سب سے زیادہ صاحب علم سب سے پہلے ایمان لانے والے، سب سے اعلیٰ اور اشرف درجہ رکھنے والے اور سب سے پہلے حضرت رسول خدا صلعم کی صحبت کا فخر حاصل کرنے والے تھے۔ علاوہ ان فضائل و مناقب کے حضرت جناب رسالت مآب صلعم کے چچا زاد بھائی۔ حضرتؐ کے داماد اور حضرتؐ کے (وہ دینی) بھائی تھے۔ (جن سے حضرتؐ نے کئی مرتبہ مواخاۃ فرمائی تھی) آپ کا یہ درجہ تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کی شادی آپ ہی سے کی کہ حضرت صلعم نے آپ ہی کو اپنی پسند سے ان کا شوہر کیا اور اپنی بیٹی فاطمہ کو اپنی پسند سے آپ کی بیوی بنا دیا۔ حضرت رسول خدا صلعم کے دونوں نواسے (حسنؑ و حسینؑ) جو جوانان اہل بہشت کے سردار اور اس امت میں سب سے افضل اور پروردہ رسول اور فاطمہ بتول کے دو لال یعنی پاک و پاکیزہ درخت (رسالت) کے پھول تھے۔ ان کے پدر بزرگوار حضرت علی ہی تھے۔ ایسے بزرگ سے میرا دادا (معویہ) جس طرح سرکشی پر آمادہ ہوا اس کو تم لوگ خوب جانتے ہو اور میرے دادا کی وجہ سے تم لوگ جس گمراہی میں پڑے اس سے بھی تم لوگ بے خبر نہیں ہو یہاں تک کہ میرے دادا کو اسکے ارادے میں کامیابی ہوئی اور اس کی دنیا کے سب کام بن گئے مگر جب اس کی اجل معلوم پہنچ گئی اور موت کے پنجوں نے اس کو اپنے شکنجے میں کس لیا تو وہ اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار ہو کر رہ گیا کہ اپنی قبر میں اکیلا پڑا ہے اور جو جو ظلم کر چکا تھا ان سب کو اب اپنے سامنے پاتا اور جو شیطنت و فرعونیت اس نے اختیار کر رکھی تھی ان سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔

پھر یہ خلافت میرے باپ یزید کے سپرد ہوئی تو جس گمراہی میں میرا دادا تھا اسی ضلالت میں میرا باپ بھی خلیفہ بن بیٹھا اور تم لوگوں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ حالانکہ میرا باپ یزید بھی اپنی اسلام کش باتوں، دین سوز حرکتوں اور اپنی روسیاہیوں کی وجہ سے کسی طرح اسکا اہل نہیں تھا کہ حضرت رسول خدا صلعم کی امت کا خلیفہ اور ان کا سردار بن سکے مگر وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اس گمراہی پر آمادہ ہوگیا اور اپنے غلط کاموں کو اچھا سمجھا جسکے بعد اس نے دنیا میں جو جو اندھیر کیا اس سے زمانہ واقف ہے کہ اللہ سے مقابلہ اور سرکشی کرنے تک آمادہ ہوگیا اور حضرت رسول خدا سے اتنی بغاوت کی کہ حضرتؐ کی اولاد کا خون بہانے پہ کمر باندھ لی مگر اس کی مدت کم رہی اور اسکا ظلم ختم ہوگیا وہ اپنے اعمال کے مزے چکھ رہا ہے اور اپنے گڑھے (قبر) میں لیٹا ہوا اور اپنے گناہوں کی بلاؤں میں پھنسا ہوا پڑا ہے البتہ اس کی سفاکیوں کے نتیجے جاری اور اس کی خونریزیوں کی علامتیں باقی ہیں، اب وہ بھی وہاں پہنچ گیا جہاں کے لیے اپنے کرتوتوں کا ذخیرہ مہیا کیا تھا اور اپنے کیئے پر نادم ہو رہا ہے مگر کب! جب کسی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور وہ اس عذاب میں پڑ گیا کہ ہم لوگ اس کی موت بھول گئے اور اس کی جدائی پر ہمیں افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم ہے کہ اب وہ کس آفت میں گرفتار ہے۔ ہائے کاش معلوم ہو جاتا کہ وہاں اس نے اپنے ظلموں کا کیا عذر تراشا اور پھر اس سے کیا کہا گیا۔ کیا وہ اپنے گناہوں کے عذاب میں ڈال دیا گیا اور اپنے اعمال کی سزا بھگت رہا ہے! میرا گمان تو یہی ہے اس کے بعد گریہ اس کے گلوگیر ہوگیا اور وہ دیر تک روتا اور زور زور سے چیختا رہا۔ پھر بولا اب میں اپنے ظالم خاندان (بنی اُمیہ) کا تیسرا خلیفہ بنایا گیا۔ حالانکہ جو لوگ مجھ پر (میرے دادا اور باپ کے ظلموں کی وجہ سے) غضبناک ہیں ان کی تعداد ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے جو مجھ سے راضی ہیں (یعنی بنی امیہ کے مخالف زیادہ۔ موافق کم ہیں)۔

بھائیو! میں تم لوگوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا اور خداوند بھی مجھے نہ دکھائے کہ میں تمہاری گمراہیوں کا طوق پہنے ہوئے اور تمہاری برائیوں کے بارے لدا ہوا اس کی درگاہ میں پہنچوں۔ اب تم لوگوں کو اپنی حکومت کے بارے میں اختیار ہے اسے مجھ سے لو اور جس کو پسند کرو اپنا بادشاہ بنالو کہ میں نے تم لوگوں کی گردنوں پر سے اپنی بیعت اٹھالی۔ والسلام"۔

جس منبر پر معویہ بن یزید یہ خطبہ بیان کرتا تھا اس کے نیچے مروان بن حکم بھی موجود تھا۔ خطبہ ختم ہونے پر وہ بولا کیوں ابو لیلیٰ (یہ ابو لیلےٰ معویہ بن یزید کی کنیت تھی) کیا حضرت عمر کی سنت جاری کرنے کا ارادہ ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنے بعد خلافت کو شوریٰ کے حوالہ کر دیا تھا۔ تم بھی اسے شوریٰ کے سپرد کرتے ہو اس پر معویہ بولا۔ آپ میرے پاس سے تشریف لے جائیں۔ کیا آپ مجھے بھی میرے دین میں دھوکا دینا چاہتے ہیں! خدا کی قسم میں نے تم لوگوں کی خلافت کا کوئی مزہ نہیں پایا۔ البتہ اس کی تلخیاں برابر چکھ رہا ہوں (عمر کے شوریٰ کی جو مثال تم نے ذکر کی تو جیسے لوگ عمر کے زمانے میں تھے ویسے ہی لوگوں کو میرے پاس بھی لاؤ۔ علاوہ بریں جس تاریخ سے کہ انہوں (عمر) نے اس خلافت کو شوریٰ کے سپرد کیا اور جس بزرگ (حضرت علیؑ) کی عدالت میں کسی قسم کا شک و شبہ کسی کو ہو ہی نہیں سکتا ان کو اس سے ہٹا دیا اس وقت سے وہ (حضرت علی

بھی ایسا کرنے کی وجہ سے کیا ظالم نہیں سمجھے گئے! خدا کی قسم اگر خلافت کوئی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اس سے نقصان ہی نقصان اٹھایا اور گناہ ہی کا ذخیرہ مہیا کیا ہے اور اگر خلافت کوئی بری اور وبال کی چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر برائی حاصل ہوتی وہی کافی ہے۔

یہ کہہ کر معویہ منبر سے اتر آیا پھر اس کی ماں اور دوسرے رشتہ دار اس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہا ہے۔ اس کی ماں نے کہا کاش تو حیض ہی میں ختم ہو گیا ہوتا اور میں نے تیرے پیدا ہونے کی خبر بھی نہیں سنی ہوتی معویہ بولا خدا کی قسم میں بھی یہی تمنا کرتا ہوں۔ پھر کہا اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہیں کیا تو میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی ہے اس کے بعد بنی امیہ اس کے استاد عمر مقصوص سے کہنے لگے کہ تو ہی نے معویہ کو یہ باتیں سکھائی ہیں اور اس کو خلافت سے الگ کیا اور علی اور ان کی اولاد کی محبت اس کے دل میں راسخ کر دی ہے غرض اس نے ہم لوگوں کے جو عیوب و مظالم بیان کئے ان سب کا باعث تو ہی ہے اور تو ہی نے ان بدعتوں کو اس کی نظر میں پسندیدہ قرار دے دیا ہے جس پر اس نے یہ خطبہ بیان کیا اور کہا جو کچھ کہا مگر مقصوص نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ سے اسکو کوئی واسطہ نہیں ہے بلکہ معویہ بن یزید بچپن ہی سے حضرت علیؑ کی محبت پر پیدا ہوا ہے لیکن ان لوگوں نے اس بیچارے کا کوئی عذر نہیں سنا اور قبر کھود کر اس کو زندہ دفن کر دیا (تحریر الشہادتین صفحہ ۱۴۳ صواعق محرقہ صفحہ ۱۳۴ حیواۃ الحیوان جلد ۱ صفحہ ۵۵ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۴۳ وغیرہ)

بروایت حبیب السیر معویہ بن یزید نے یہ بھی کہا کہ "مجھے یہ خلافت مناسب نہیں ہے۔ مجھے واجب ہے کہ تم کو بتا دوں کہ حضرت علی بن الحسینؑ امام زین العابدینؑ مجھ سے اس کے بہت زیادہ مستحق ہیں کیونکہ کوئی ان میں کسی طرح کا عیب نہیں نکال سکتا۔ اگر چاہو ان کو خلیفہ بنا لو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ قبول نہیں کریں گے"

مختار علیہ الرحمہ کی خواہش کہ حضرت کی بیعت کریں

جناب مختار علیہ الرحمہ نے بھی جب وہ قاتلان امام حسینؑ سے انتقام لینے کیلئے آمادہ ہوئے چاہا کہ حضرتؑ کی بیعت کریں اور اس کے لیے حضرت کو لکھا بھی مگر حضرت نے اس سے انکار کیا (مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ...)

حضرتؑ کا اپنے والد کے دین کو ادا کرنا

حضرت امام حسین علیہ السلام ۷۵ ہزار دینار کے مقروض تھے جب حضرت شہید ہو چکے اور حضرت زین العابدینؑ قید سے چھوٹ کر مدینہ میں آئے تو آپ کو حضرتؑ کا قرض ادا کرنے کی بڑی فکر ہوئی مگر کوئی سامان نظر نہیں آتا تھا جس سے حضرت نہایت درجہ محزون و مغموم رہتے تھے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہتا ہے تم اس قرض کی وجہ سے پریشان نہ ہو خدا نے اس کو تحنس کے مال سے ادا کرنے کا سامان کر دیا۔ حضرت بیدار ہوئے تو گھبرا کر اور فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میرے والد ماجد کے مال میں کوئی ایسی چیز تھی جس کو تحنس کا مال کہتے ہوں یہ کیا ہے اور کہاں ہے جب دوسری رات آئی تو پھر ویسا ہی خواب دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو حضرت نے اپنے گھر والوں سے وہ خواب بیان کیا۔ اس پر ایک بیوی نے کہا کہ آپ کے پدر بزرگوار کا ایک رومی غلام تھا جس کا نام تحنس تھا اس نے حضرت کے لیے مقام ذی خشب میں پانی کا ایک چشمہ نکالا تھا۔ تب حضرت نے اس چشمہ کی جستجو شروع کی یہاں تک کہ کچھ دنوں کے بعد اسکا پتا مل گیا۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو ولید بن عقبہ بن ابی سفیان نے حضرت کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کے پدر بزرگوار کا ایک چشمہ مقام ذی خشب میں ہے جو تحنس کے نام سے مشہور ہے اگر آپ اس کو بیچنا چاہیں تو میں خرید سکتا ہوں۔ حضرت نے اسکو جواب بھیجا کہ ہاں میں بیچتا ہوں اسکو میرے والد کے قرض کے عوض لے لو۔ ولید نے کہلا بھیجا کہ ہاں میں نے لے لیا اور اس میں سے جناب سکینہ کیلئے شنبہ کی رات کا پانی کھینچنا مستثنےٰ کر دیا کہ اس رات کو اس چشمہ سے پانی نکالنے کا حق ولید کو نہیں رہے گا بلکہ اس رات میں صرف جناب سکینہؑ کے لیئے پانی نکالا جائے گا اور اس قدر حصہ کی مالک جناب سکینہ خود رہیں گی۔ (بحار الانوار جلد ۱۱ صفحہ ۱۶ و وفاء الوفاء مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۳۴۹)

حضرتؑ کی دعائیں

نہایت معرفت آفرین اور رقت خیز ہوتی تھیں۔ صحیفہ کاملہ اور اعمال سال کی دعائیں خصوصاً دعاء ابو حمزہ ثمالی (جو حضرت ماہ صیام میں سحر کے وقت پڑھتے تھے) وغیرہ اپنی آپ نظیر ہیں۔ حضرت کی وہ دعا بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے بھیجا تھا تو اس سے تاکید کر دی تھی کہ امام زین العابدینؑ سے اچھا برتاؤ کرنا۔ مگر مسلم بن عقبہ مدینہ میں آیا تو حضرتؑ کو بہت اذیت پہنچانے کا ارادہ کیا۔ جب اس نے نہایت غیظ و غضب کی حالت میں حضرتؑ کو اپنے یہاں بلایا تو حضرت وہاں تشریف لے گئے مگر وہ حضرت کو دیکھ کر کانپنے لگا اور بڑی تعظیم کر کے اپنے پاس بٹھایا اور کہا حضور اپنی حاجتیں مجھ سے فرمائیں کہ میں پوری کر دوں مگر حضرت نے اس سے کسی بات کی خواہش نہیں کی۔ البتہ مظلوموں اور بے کسوں کی سفارش اور خونریزی روکنے کی خواہش کی جس کو اس نے منظور کیا۔ پھر حضرت وہاں سے تشریف لائے تو لوگوں نے عرض کی حضور وہاں تشریف لے گئے تو حضور کے دونوں لب ہلتے تھے حضور کیا پڑھتے تھے؟ فرمایا

اللھم رب السماوات السبع وما اظللن ۔ والارضین السبع وما اقللن ۔ رب العرش العظیم ۔ رب محمد وآلہ الطاہرین اعوذ بک من شرہ وادرء بک فی نحرہ اسالک ان تؤتینی خیرہ وتکفینی شرہ ۔ اے وہ خدا جو ساتوں آسمان کا پروردگار ہے اور ان چیزوں کا بھی جن کو یہ سب اٹھائے ہوئے ہیں۔ اے عرش عظیم کے پروردگار اے حضرت محمدؐ اور حضرتؐ کی اولاد طاہرین کے پروردگار میں اس ظالم کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور تیری مدد سے اس کی دگدگی میں دھکا دیتا ہوں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ یہ میرے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور تو مجھے اس کی برائیوں سے محفوظ رکھ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم بن عقبہ کی حالت ہی بدل گئی اور گویا وہ حضرتؑ کا غلام ہو گیا (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ صفحہ ۱۵۱)

عمر بن عبدالعزیز اور حضرت

عمر بن عبدالعزیز جو بعد میں خلیفہ بھی ہوا اس کی گورنری کے زمانہ میں روضہ رسول اللہ صلعم کی دیوار گر گئی اور روضہ کی دوبارہ مرمت ہونے لگی تو اس خیال سے کہ کوئی مقدس بزرگ حضرتؑ کی قبر مبارک پر کی مٹی صاف کر دیں عمر بن عبدالعزیز نے حضرتؑ سے خواہش

کی کہ آپ اس زحمت کو قبول کریں مگر اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے قاسم بن محمدؒ اور سالم بن عبداللہ بھی سنر سے ہو گئے تو عمر بن عبدالعزیز نے سب کو روک دیا۔ (وفاء الوفاء صفحہ ۲۸۶ جلد ۱)

حضرتؑ کے زمانے کے بادشاہ

حضرتؑ کے زمانہ میں بنی اُمیہ کی سلطنت رہی سنہ ہجری سے سنہ ۶۴ ہجری تک مروان بن الحکم پھر سنہ ۶۵ ہجری سے سنہ ہجری تک عبدالملک بن مروان۔ پھر سنہ ہجری سے سنہ ۹۶ ہجری تک ولید بن عبدالملک خلیفہ رہا۔

حضرتؑ کی وفات

خلیفہ ولید بن عبدالملک نے حضرت کو زہر دیا جس سے حضرتؑ نے ۱۲ محرم ۹۵ ہجری (سنہ ۷۱۴ء) کو مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے (صواعق محرقہ)

حضرتؑ کی اولاد وازواج

حضرتؑ کی پہلی بی بی آپ کی چچازاد بہن فاطمہ ام عبداللہ دختر امام حسنؑ تھیں ان سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیدا ہوئے (۲) دوسری بیوی سے عبداللہ و حسنؑ و حسینؑ پیدا ہوئے۔ (۳) تیسری بی بی سے زید و عمر پیدا ہوئے۔ (۴) چوتھی بی بی سے حسین اصغر و عبدالرحمٰن و سلیمان پیدا ہوئے (۵) پانچویں بی بی سے علی و خدیجہ پیدا ہوئیں۔ (۶) چھٹی بی بی سے محمد اصغر ہوئے (۷) ساتویں بی بی سے فاطمہؑ علیہ اور ام کلثوم پیدا ہوئیں۔ اس طرح آپ کے ۱۱ بیٹے اور ۴ بیٹیاں تھیں۔

جناب زید

حضرت امام زین العابدینؑ کے فرزند جلیل القدر تھے۔ آپ کے مناقب بیحد و شمار ہیں آپ کو حلیف القرآن (قرآن مجید کے ساتھی) کہتے تھے۔ چونکہ عراق کا گورنر یوسف بن عمر ثقفی بنی ہاشم پر بڑے بڑے ظلم کرتا تھا اس وجہ سے جناب زید اس زمانہ کے خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے پاس داد خواہی کو گئے۔ مگر وہ بہت بے عنوانی سے پیش آیا آپ نے اس کو سلام کیا تو اس نے کہا خدا تم کو سلامت نہ رکھے اس پر جناب زید نے کہا اتق اللہ اے خلیفہ خدا سے ڈرو۔ ہشام نے فرعونیت سے کہا واہ تمہارا ایسا آدمی بھی میرے ایسے بادشاہ کو خدا سے ڈرنے کیلئے کہتا ہے؟ جناب زید نے فرمایا جو شخص بھی کسی کو خدا سے ڈرنے کیلئے کہتا ہے اس سے بڑا کون شخص ہو سکتا ہے اور اس شخص سے بھی بُرا کون ہوگا جس کو لوگ خدا سے ڈرنے کو کہیں۔ اب تو ہشام جھلا گیا اور کہا تم ہی وہ ہو جو خلافت کی خواہش رکھتے ہو حالانکہ تمہاری ماں لونڈی تھی۔ جناب زید نے کہا ماں کے لونڈی ہونے سے لڑکوں کی عزت و جلالت میں کوئی کمی نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا تو حضرت اسمٰعیل پیغمبر کا درجہ بھی حقیر ہوتا کیونکہ ان کی ماں بھی لونڈی تھیں، اور خدا ان کو پیغمبر نہ بناتا اور سید الاولین والآخرین حضرت رسول خدا صلعم کو ان کی نسل سے پیدا نہیں کرتا پس جب حضرت اسمٰعیل جو حضرت ابراہیم کے فرزند خدا کے پیارے پیغمبر اور حضرت رسول خدا صلعم کے جد اعلیٰ تھے لونڈی زادے ہونے سے کم درجہ کے نہیں ہو سکتے تو میں حضرت رسولؐ خدا کا پوتا جناب سیدہؑ کا جگر بند اور حضرت امام زین العابدینؑ کا فرزند ہو کر صرف لونڈی زادہ ہونے سے کیوں کم درجہ کا ہوں گا، ہشام یہ زبردست استدلال سُن کر کیا جواب دے سکتا تھا۔ پہلو بدل کر بولا۔ تمہاری مجال ہو گئی کہ میری باتوں کا جواب دیتے اور مجھ سے بحث کرتے ہو اس کے بعد حکم دیا کہ ان کو دربار سے نکال دیا جائے۔ چنانچہ جناب زید وہاں سے باہر تشریف لائے۔ اسی وقت لوگوں نے کہا کہ آپ فرماتے تھے صاحب الحیاۃ حد الاذل جس شخص نے بھی دنیا کی زندگی دوست رکھی وہ عزت ذلیل ہوا۔ وہاں سے آپ کوفہ تشریف لائے اور اپنے رشتہ داروں کی صلاح و مشورہ کے برخلاف سنہ ۱۲۱ھ میں عراقیوں کی ایک جماعت کے ساتھ اپنے کو ہشام کی حکومت سے علیٰحدہ ظاہر کیا چالیس ہزار کوفی آپ کے ساتھ ہو گئے۔ مگر کوفہ والوں کی بیوفائی تو مشہور ہے۔ عین موقع جنگ پر ان کوفیوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تو آپ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا یا قوم رفضتمونی۔ اے قوم تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اسی سبب سے کوفہ کے لوگ رافضی کہے جانے لگے جو درحقیقت کوفہ کے بیوفاؤں کا لقب قرار پایا مگر جس طرح حضرت رسول خداؐ کے دشمن حضرت کو ابن کبشہ کہتے تھے اسی طرح اب شیعیان حضرت علیؑ کو ان کے مخالف بھی رافضی کہنے لگے ہیں جو بالکل بے عقلی اور جہالت کی بات ہے، غرض اصفر سنہ ۱۲۱ ہجری (سنہ ۷۳۹ء) کی رات میں جناب زید نکلے اور خلیفہ کی فوجوں کو شکست دینی شروع کی لیکن وہ چونکہ نہایت کثرت سے تھی اور آپ کے ساتھ بہت کم لوگ رہ گئے تھے آپ کی فوج قتل ہونے لگی مگر آپ اسی طرح نہایت شجاعت سے مقابلہ کرتے رہے۔ اسی اثناء میں ایک تیر آیا جو آپ کی پیشانی میں لگ گیا اور آپ گھوڑے سے زمین پر گر گئے تو آپ کا ایک خادم فوراً آپ کو اپنے کندھے پر اٹھا کر میدان سے لے گیا اور ایک شخص کے گھر رکھ کر جراح بلا کر ان کا علاج کرانے لگا مگر زخم کاری لگا تھا آپ نے اس سے انتقال کیا۔ پھر آپ کے خادموں نے مخفی طور پر ایک قبر کھود کر اس میں آپ کو دفن کر دیا اور اس پر پانی جاری کر دیا کہ کسی کو اسکا پتا نہ ملے۔ مگر ہشام کے سردار فوج یوسف بن عمر نے بہت کچھ تلاش کے بعد آپ کی قبر کا پتا پا لیا اور آپ کی نعش مبارک اس سے نکالکر سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیج دیا اور باقی جسم کو سولی پر چڑھا دیا اور چار سال تک اسی طرح سولی پر چڑھا رہا۔ اس کے بعد وہ نعش جلا کر اسکی خاکستر دریائے فرات میں بہا دی گئی جب جناب زید شہید کر کے سولی پر چڑھائے گئے تو ایک شخص نے رات کو خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا اس درخت سے جس پر جناب زید کو سولی دی گئی تھی تکیہ کیے ہوئے فرماتے ہیں انا للہ و انا الیہ راجعون۔ افسوس یہ لوگ میرے بیٹے کے ساتھ یہ ظلم کر رہے ہیں (عمدۃ الطالب ص۲۵۸) اس وقت آپ کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ اس حساب سے آپ کی ولادت سنہ ۷۹ھ میں معلوم ہوتی ہے مورخین نے لکھا ہے کہ جب جناب زید شہید کا بدن دار پر چڑھایا گیا تو مکڑی نے جالا لگا کر ان کی شرم گاہ کو چھپا دیا۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۵۷) آپ کی شہادت پر مضحکہ کرتے ہوئے ایک شخص نے دو شعر کہے جس سے آپ کی مذمت مقصود تھی۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ان شعروں کو سُنا تو دعا فرمائی کہ اے خدا اگر شعر کہنے والا جھوٹا ہے تو اس پر تو اپنے درندے کو مسلط فرما دے اس کے کچھ دنوں بعد وہ شخص کوفہ کی طرف جانے لگا تو راستہ میں ایک شیر آیا اور اس کو پھاڑ ڈالا حضرت امام جعفر صادقؑ نے سُنا تو فرمایا الحمد للہ الذی

بجھ دنیا میں وعدہ تھا ۔ اس خدا کا شکر جس نے وہ بات پوری کردی جس کا مجھ سے وعدہ کیا تھا اور صادق کی

جناب یحییٰ بن زید

جناب زید کے چار بیٹے تھے ۔ ان میں جناب یحییٰ کی شجاعت کا وہ کارنامہ تاریخ کے اوراق میں مذکور ہے جس کی نظیر دنیا کے کسی ملک اور کسی زمانہ میں

ملتی ۔ آپ کی والدہ کا نام ریطہ تھا جو جناب محمد بن الحنفیہ کی پوتی تھیں ۔ جب جناب زید شہید ہو گئے تو آپ کے بھی صاحبزادے یحییٰ ہشام کے خوف سے مدائن کیطرف چلے گئے ۔ ہشام کے سردار فوج یوسف بن عمر ثقفی نے آپ کو گرفتار کرنے کی غرض سے ایک فوج مدائن کیطرف بھیجدی ۔ تب آپ وہاں سے رے کی طرف روانہ ہو گئے ۔ پھر وہاں سے نیشاپور کی طرف کوچ کر گئے ۔ وہاں پہنچے تو وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں میں ٹھہروں لوگ مجھے جگہ دیں گے مگر لوگوں نے جواب دیا کہ یہ وہ شہر ہے جہاں حضرت علیؑ کا کوئی موافق نہیں ملے گا ۔ تب آپ وہاں سے بھی رخصت ہوئے اور سرخس میں جا کر چھ مہینہ تک یزید بن عمر تیمی کے پاس مقیم رہے یہاں تک کہ خلیفہ ہشام مر گیا اور ولید بن یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا اس وقت یوسف بن عمر نے نصر بن سیار کو لکھا کہ یحییٰ بن زید اس طرف چلے گئے ہیں اور اس وقت حریش کے مکان میں ہیں ۔ ان کو گرفتار کرو اور خوب سختی کرو ۔ یہ خط پا کر نصر بن سیار نے عقیل کو لکھا کہ حریش کو گرفتار کر و اور اس سے کہو کہ جب تک وہ یحییٰ بن زید کو حوالہ نہیں کرے گا چھوٹنا نہیں جائے گا عقیل نے حریش کو بلا کر یحییٰ کا پتا پوچھا اس نے کہا میں کیا جانوں ۔ اس پر حریش کو چھ سو کوڑے لگوائے ۔ مگر سبحان اللہ حریش نے اس سزا کے بعد بھی کہا خدا کی قسم اگر یحییٰ بن زید میرے دونوں قدموں کے نیچے بھی چھپے ہوں تو میں اپنے قدم تک نہیں اٹھاؤں گا اور کسی طرح ان کا پتہ نہیں لگنے دوں گا تیرے اختیار میں جو ہو کرے ۔ مگر حریش کے بیٹے نے عقیل سے کہا میرے باپ کو قتل نہ کرو ۔ وہ نہیں بتاتے تو میں یحییٰ کا پتا بتا دیتا ہوں ۔ غرض اس نے ایک مکان کے کمرے کے اندر جو کوٹھری تھی اس کے اندر سے جناب یحییٰ کو گرفتار کرا دیا عقیل نے انہیں نصر بن سیار کے پاس روانہ کر دیا ۔ نصر بن سیار نے ان کو اپنے ہاں قید کر کے یوسف بن عمر کو خبر دی ۔ اس نے خلیفہ ولید کو اطلاع دی کہ یحییٰ بن زید گرفتار ہو گئے ہیں ۔ ولید نے نصر بن سیار کو لکھ بھیجا کہ یحییٰ کو چھوڑ دو ۔ نصر نے چھوڑ دیا تو آپ اس کے پاس سے روانہ ہو کر مقام سرخس میں چلے گئے وہاں کا حاکم عبداللہ بن قیس تھا نصر بن سیار نے اس کو لکھا کہ یحییٰ کو وہاں سے نکال دو اور طوس کے حاکم کو بھی لکھا کہ یحییٰ ادھر سے گزریں تو چھوڑ دو نہیں بلکہ بڑے سپہ سالار فوج عمر بن زرارہ کے حوالہ کر دو ۔ عبداللہ بن قیس نے آپ کو سرخس سے نکال دیا ۔ غرض بیچارے عجیب مصیبت میں تھے بنی امیہ کے کل افسران فوج اور صوبوں کے گورنر ہاتھ دھو کر آپ کے پیچھے پڑ گئے تھے ۔ بیچارے کو کہیں ٹھہرنے نہیں دیتے ۔ جس جگہ پہنچتے وہاں سے نکال دیتے اور گرفتار کر کے دوسری جگہ بھیج دیتے ۔

آخر آپ ۷۰ آدمیوں کے ساتھ مقابلہ پر آمادہ ہو گئے اور اس طرف کے سپہ سالار اعظم عمرو بن زرارہ مقابلہ پہ چلے ۔ عمرو بن زرارہ کو یہ خبر ملی تو اس نے نصر بن سیار کو لکھا ۔ نصر بن سیار نے عبداللہ بن قیس اور حسن

لکھا کہ جلد اپنی فوجوں کو لے کر عمرو بن زرارہ کے پاس جائیں اور یحییٰ کا مقابلہ کریں ۔ غرض ہر طرف سے سرداران اپنا اپنا لشکر لے کر بڑے سپہ سالار عمرو بن زرارہ کے پاس جمع ہو گئے ۔ سب کی فوجوں کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ یحییٰ بن زید سے جنگ کیلئے دس ہزار فوج جمع ہو گئی ہے ان سب کے مقابلہ پر جناب یحییٰ اس بے کسی سے نکلے کہ آپ کے ساتھ صرف ۷۰ آدمی تھے مگر جناب یحییٰ نے اس عظمت سے جنگ کی کہ خلفاء بنی امیہ کے عظیم الشان لشکر کو جس میں دس ہزار سوار پیادے بھی تھے ۔ آلات حرب بھی تھے سامان جنگ بھی کافی تھا ۔ غرض شاہی قوت تھی ۔ باوجود اپنی فقیری ، ناداری اور بے ساز و سامان ہونے کے پوری شکست دیدی سب کے ہوش و حواس جاتے رہے ۔ اس کثرت سے خلیفہ کی فوج ماری گئی کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں ان کی سواری کے جانور جناب یحییٰ کے قبضہ میں آئے ۔ بقیہ فوج بھاگ گئی اور سب کے سردار عمرو بن زرارہ تک کا سر آپ نے کاٹ لیا ۔ اس وقت آپ کی عمر صرف ۱۸ سال کی تھی (تاریخ طبری جلد ۸ صفحہ ۳۰ مطبوعہ مصر) قابل غور امر ہے کہ ایک طرف پوری شہنشاہی صولت و شوکت ۔ دولت و قوت تھی ۔ خزانے کا منہ کھلا ہوا تھا ہر رسد کا کافی سامان تھا ہر قسم کے ہتھیار جنگ کی فراوانی تھی ۔ سوار و پیادے مضبوط مطمئن اور سیر تھے اور دس ہزار کی جماعت تھی جو سب تجربہ کار اور فنون جنگ میں ماہر تھے ۔ ان میں متعدد سپہ سالار اور سردار فوج بھی تھے ۔ دوسری طرف جناب یحییٰ جو صرف ۱۸ سال کے کم سن جوان تھے اور ان کے ساتھ صرف معمولی ۷۰ آدمی تھے وہ بھی غیر تجربہ کار فنون جنگ سے ناواقف اور ان بیچاروں کے پاس کوئی قوت نہیں کسی قسم کی طاقت نہیں ۔ نہ دولت موجود ۔ نہ رسد کا انتظام ۔ نہ آلات جنگ پر اختیار ۔ پھر وہ کون سی قوت تھی جس کی وجہ سے جناب یحییٰ صرف ۷۰ آدمیوں کے ساتھ دس ہزار فوج پر کامیاب ہو گئے اور ایسی زبردست کامیابی کہ سب سے بڑے سردار فوج عمرو بن زرارہ تک کو قتل کر ڈالا ماننا پڑتا ہے کہ کل انسانی فضائل میں خاندان بنی ہاشم دنیا میں بے مثل و نظیر خاندان گزرا ہے جس کا صفت میں کوئی شخص مقابلہ نہیں کر سکتا ۔

مگر جناب یحییٰ کو اب بھی اطمینان نہیں ہوا ۔ آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور ہرات کی طرف آئے تو سلطنت بنی امیہ کے دوسرے گورنر اور سردار فوج آپ کے دشمن ہوئے اور ہر مقام پر آپکو قتل کرنے کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ مقام جوزجان پر پھر سلطنت بنی امیہ کی فوجوں اور جناب یحییٰ سے جنگ ہوئی اور [illegible] کی لڑائی میں آپ قتل کئے گئے آپکا سر کاٹ لیا گیا ۔ پھر آپکے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں کاٹ کر آپکے بدن کو سولی پر لٹکا دیا گیا اور آپ کے تمام لباس لوٹ لیے گئے ۔ جب آپکے قتل ہونیکی خبر ولید کو ملی تو اس نے اپنے نائب یوسف بن عمر کو لکھا کہ عراق کے اس بچھڑے (جناب یحییٰ) کی لاش کو سولی پر سے اتار کر جلا دو ۔ پھر اس کی راکھ کو دریا میں بہا دو ۔ یوسف نے آپ کی نعش سولی پر سے اتار کر آگ میں جلائی پھر اسکو ہتھوڑے وغیرہ سے کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کیا ۔ پھر اسکو ایک تھیلے میں بھر کر ایک کشتی میں رکھوایا اور ایک شخص کو حکم دیا کہ دریائے فرات میں کشتی کو لے جاتے پھر و اور ایک ایک مٹھی راکھ اسمیں سے نکال کر ہر طرف دریا میں پھینکتے جاؤ چنانچہ اسکی پوری تعمیل کی گئی (تاریخ طبری جلد [illegible]

جناب عیسیٰ بن زید

آپ بھی جناب زید کے صاحبزادے اور بڑے بہادر تھے۔ آپ کو موتم الاشبال (شیر کے بچوں کو یتیم کرنے والا) بھی کہتے تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ایک شیرنی کو جس کے کئی بچے تھے مار ڈالا اور اس کے بچوں کو یتیم کر دیا تھا۔ آپ خلفاء جور کے خوف سے ادھر ادھر چھپتے پھرتے تھے ایسے عبادت گزار تھے کہ پیشانی پر سجدے کا گھٹا پڑا ہوا تھا۔ جب چلتے ہر قدم پر خدا کی تکبیر و تسبیح تہلیل و تحمید کرتے تھے۔ کوفہ میں پانی کھینچنے کا کام اختیار کر لیا تھا اور وہیں ایک عورت سے شادی کر لی تھی مگر وہ عورت یا اس کے خاندان والے تک نہیں جانتے تھے کہ آپ کون ہیں۔ کس خاندان سے ہیں اور کس عزت و شرف پر فائز ہیں اس عورت سے آپ کے ایک بیٹی پیدا ہوئی جو بڑی ہو کر شادی کے قابل ہو گئی مگر آپ اس وقت تک اپنی بی بی پر اپنے اس بھید کو ظاہر کر سکے کہ آپ کون ہیں اس وقت آپ ایک خاندانی ذلیل اور کم نسب مگر دنیوی اعتبار سے مالدار خوشحال حبشی کے ہاں ملازم تھے کہ معمولی تنخواہ پاتے اور کسی طرح زندگی کے دن کاٹتے۔ اس حبشی کا ایک لڑکا تھا جو جوان ہوا تو اس حبشی اور اسکی بیوی نے رائے کی کہ اسی مزدور (جناب عیسیٰ) کی لڑکی سے اسکی شادی کی جائے کیونکہ دونوں نے دیکھا تھا کہ جناب عیسیٰ اپنی اصلاح و عبادت و تقویٰ وغیرہ صفات میں ممتاز ہیں۔ مگر دونوں بھی جناب عیسیٰ کو پہچانتے نہیں تھے سمجھتے تھے کوئی معمولی مزدور ہے غرض دونوں نے اپنی خواہش جناب عیسیٰ کی عورت سے بیان کر دی وہ تو اس پر خوشی سے پھولی نہیں سمائی رخیال کیا کہ میری لڑکی کیسی خوش قسمت ہے جس کی شادی میرے مالک کے لڑکے سے ہو گی جب جناب گھر پر آئے تو عورت نے ان سے بھی کہا کہ لو بیٹی کی تقدیر چمک گئی ہم لوگوں کی عزت اس درجہ بڑھ گئی کہ جس مالک کے ہاں تم نوکر ہو اس نے اپنے لڑکے سے تمہاری لڑکی کا پیغام دیا ہے جناب عیسیٰ نے سُنا تو دل میں سے کٹ گئے (کہ ہائے آج خاندان رسول کی مصیبت اور ذلت اس درجہ کو پہنچ گئی کہ میری بیٹی کی شادی ایک حبشی کے لڑکے سے مقرر ہوتی ہے) مگر اس عورت سے کیا کہہ سکتے تھے۔ چپ رہے لیکن تنہائی میں خدا سے دعا کی اے اللہ میری بیٹی کو تو دنیا سے اٹھا لے تاکہ اس حبشی کے لڑکے سے نہ بیاہی جائے اور میں رسول صلعم کی اس پارہ جگر کو اسطرح ذلیل کر کے رسول خدا سے شرمندہ نہ ہوں۔ ان کی دُعا فوراً قبول ہوئی اسی دن لڑکی مرگئی اور اس ذلیل نسبت سے بچ گئی جب وہ مرگئی تو جناب عیسیٰ بہت روئے بہت حزن و ملال اور بہت بے چین رہے آپ کے بعض رازدار احباب وہاں موجود تھے جو آپ کے نام و نسب اور اصل سے باخبر تھے انہوں نے کہا خدا کی قسم اگر ہم سے کوئی پوچھتا کہ زمین پر سب سے زیادہ بہادر کون ہے سوائے کسی کا نام نہیں لیتے مگر تمہاری یہ حالت ہے کہ ایک لڑکی کے مرنے پر اس درجہ روتے ہو جناب نے کہا خدا کی قسم میں اس پر جزع نا کیوجہ سے نہیں روتا بلکہ اس افسوس کیوجہ سے روتا ہوں کہ وہ مرگئی مگر یہ نہ جان سکی کہ وہ حضرت رسول خدا صلعم کے جگر کا ٹکڑا تھی۔ آپ نے یہ اسوجہ سے کہا کہ وہ اپنے کنبہ اور بچی سے بھی چھپائے ہوئے تھے اس خوف سے کہ کہیں آپ کا راز فاش نہ ہو جائے اور سلطنت کے ہو کر آپ کو گرفتار نہ کرے جائیں۔ آپ نے اس گمنامی میں حج بھی کیا۔ اس سفر میں سفیان ثوری بھی

سفیان ثوری کو معلوم ہو گیا کہ آپ عیسیٰ بن زید ہیں تو انہوں نے آپ کے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں آپ کو بٹھایا اور خود آپ کے سامنے مثل شاگرد کے بیٹھے۔ (عمدۃ الطالب صفحہ ۲۷۸)

محمد بن زید

جناب زید کے ایک اور صاحبزادے محمد کا اپنے دشمن زادے پر ایسا عظیم الشان احسان کتابوں میں مرقوم ہے کہ اس کی مثال بھی دنیا میں نہیں ملتی۔ خلیفہ ہشام نے آپ کے والد جناب زید کو جس ظلم سے شہید کیا اوپر بیان کیا گیا۔ پس جناب محمد کو ہشام کی اولاد سے جو فطری دشمنی ہوتی وہ محتاج بیان نہیں ہے مگر انہوں نے کیا کیا۔ مندرجہ ذیل واقعہ سے معلوم ہوگا۔ بنی عباس نے خاندان بنی اُمیہ کے ایک ایک شخص کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا اور شاذ و نادر کوئی بچ سکا مگر خلفاء بنی عباس پھر بھی ان کی فکر میں لگے رہے۔ اسی خاندان بنی عباس کا خلیفہ منصور دوانیقی حج کرنے گیا تو اس کے پاس ایک نہایت قیمتی ہیرا فروخت کیلئے لایا گیا۔ منصور نے اس ہیرے کو پہچان لیا اور کہا یہ تو بنی اُمیہ کے خلیفہ ہشام کا ہے جو اس کے بیٹے محمد کے پاس ہوگا اور اسی نے کسی ذریعے سے اس کو بیچنے کے لیے بھیجا ہے۔ اور بنی اُمیہ سے اس کے سوائے کوئی شخص بچا بھی نہیں ہے ہو نہ ہو محمد بن ہشام یہاں حج کرنے آیا ہے۔ اب اس کو بھی کسی طرح گرفتار کر کے قتل کرنا چاہیئے۔ یہ طے کر کے اُس نے اپنے غلام ربیع سے مخفی طور پر کہا کہ کل جب میں مسجد حرام میں لوگوں کو نماز صبح پڑھا کر فارغ ہوں اور سب لوگ وہاں موجود رہیں تو تم کل دروازوں کو بند کر دینا اور ہر دروازے پر کسی معتبر شخص کو مقرر کر دینا کہ کسی دروازے سے کوئی شخص باہر نہ نکلنے پائے۔ اس کے بعد صرف ایک دروازہ کھول کر وہاں کھڑے ہو جانا اور ایک ایک شخص کو پہچان کر اس میں سے باہر جانے دینا۔ اس طرح جب محمد بن ہشام باہر نکلنے لگے تو اس کو پکڑ کر میرے پاس لانا۔ یہ رائے طے پا گئی۔ اسی کے مطابق صبح کو ربیع مسجد حرام پر کھڑا ہو گیا اور سب دروازے بند کر کے ایک دروازے سے ہر شخص کو پہچان کر باہر نکالنے لگا۔ اس وقت مسجد میں خلیفہ ہشام کا بیٹا محمد بھی تھا جس کی گرفتاری کے لیے منصور نے یہ چال اختیار کی تھی۔ وہ سمجھ گیا ہو کہ نہ ہو میرے قتل ہی کیلئے یہ سامان کیا گیا۔ اب تو وہ نہایت پریشان ہوا کہ کیا کرے۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ بیچارہ موت کا یقین کر کے نہایت شکستہ دل مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اسی تردد و اضطراب میں تھا کہ دفعتہً وہاں محمد بن زید پہنچے۔ آپ نے محمد بن ہشام کو اس پراگندگی کی حالت میں دیکھا تو بہت افسوس ہوا اس کو پہچانتے نہیں تھے مگر اس کی مصیبت زدہ صورت دیکھ کر آپ کو رحم آگیا۔ اس کے پاس گئے اور نہایت مہربانی سے پوچھا کیوں بھائی اس درجہ پریشان کیوں ہو؟ اس نے کہا نہیں کوئی بات نہیں آپ نے فرمایا بتا تو کیا بات ہے اطمینان رکھو تم کو ہر طرح امان ہی ہے۔ اسکو آپ کے وعدہ پر اطمینان ہو گیا تو کہا میں خلیفہ ہشام کا بیٹا ہوں اب آپ بتائیں کون ہیں فرمایا میں محمد ابن زید ابن امام زین العابدین ہوں۔ یہ سننا تھا کہ محمد بن ہشام کا دل اور زیادہ دھڑکنے لگا اس کے ہوش و حواس جاتے رہے اور اس کو موت کا یقین ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے باپ خلیفہ ہشام نے جناب محمد کے والد جناب زید کو کس ظلم سے شہید کیا تھا جناب محمد ابن زید بھی اس کے اس انتشار کو سمجھ گئے تو اس کو تسکین دینے کے لیے کہا تم ڈرو نہیں

میرے باپ اور دادا کو تم نے قتل نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے میں تمہارا دشمن بن جاؤں اور میں ان لوگوں کے خون کا عوض تم سے نہیں لوں گا۔ بلکہ میں کوشش کرتا ہوں کہ تم کسی طرح بچ جاؤ اور اپنے دشمن خلیفہ منصور دوانیقی کے پنجے سے نکل جاؤ البتہ تمہاری جان بچانے کیلئے میں تمہارے ساتھ جو برتاؤ کروں اس کو معاف کرنا کیونکہ بغیر ایسا کئے تم بچ نہیں سکتے۔ اس بیچارے کی تو جان پر آ پڑی تھی۔ کہا جو آپ چاہیں کریں مجھے کسی بات میں عذر نہیں ہوگا۔ تب آپ نے اپنی ردا اس کے چہرے پر ڈالدی۔ جس سے اسکا سر اور منہ چھپ گیا پھر اس کو کھینچتے اور گھسیٹتے ہوئے مسجد سے باہر لے چلے۔ جب منصور کے دربان ربیع کے پاس پہنچے اور ربیع نے ان دونوں کو دیکھا تو جناب محمد بن زید، ربیع کو دکھانے کے لیے محمد بن ہشام پر طمانچہ مارتے ہوئے اس کو ربیع کے پاس لائے اور کہا اے ابو الفضل یہ خبیث کوفہ کا ایک شتربان ہے اس نے مجھ سے معاہدہ کیا تھا کہ مجھے سواری کا اونٹ دے گا۔ مگر جب میں نے اس کو پورا کرایہ دیدیا تو یہ بھاگ گیا اور وہ اونٹ خراسان کے دوسرے لوگوں کو دیدیا۔ اب میں تم سے اتنی مدد چاہتا ہوں کہ کسی شخص کو میرے ساتھ کردو جو ہم دونوں کو قاضی کے پاس پہنچا دے اور اس کے اونٹوں کو روک دے کہ یہ خراسانیوں کو نہ لیجانے دے۔ ربیع نے دو شخص آپ کے حوالے کیئے اور کہا ان لوگوں کو قاضی تک پہنچا آؤ۔ اس وقت بھی جناب محمد بن زید اسی طرح محمد بن ہشام کو پکڑے ہوئے تھے اور وہ اسی طرح اپنا منہ چھپائے ہوئے تھا۔ غرض اس تدبیر سے سب مسجد سے باہر نکل گئے جب ربیع کے پاس سے یہ لوگ دور ہو گئے تو محمد بن ہشام سے محمد بن زید نے کہا ارے کمبخت تو کیوں شرارت پر کمر باندھے ہوئے ہے۔ اب بھی وعدہ کر کہ وہ مجھے اونٹ دے دے گا تو میں تجھکو چھوڑ دوں۔ اس پر وہ بولا اے فرزند رسولؐ میں حق کیطرف رجوع کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ آپکا مال میں نے لیا اور لیکر بھاگ گیا تھا۔ اب توبہ کرتا اور وعدہ کرتا ہوں کہ آپکو ضرور اونٹ دوں گا۔ تب جناب محمد بن زید نے ان دونوں آدمیوں سے (جنہیں ربیع نے ان کے ساتھ کر دیا تھا) کہا آپ یہ شتربان میرے حق کا اقرار کرتا ہے تو قاضی کے ہاں جانے کی کیا ضرورت ہے تم لوگ بھی واپس جاؤ اور غرض وہ دونوں واپس گئے جب وہ دور نکل گئے تو جناب محمد بن زید نے محمد بن ہشام سے کہا لو بھائی اب جہاں تمہارا دل چاہے چلے جاؤ اس پر محمد بن ہشام بڑھکر جناب محمد بن زید کا ہاتھ اور سر چومنے لگا اور بول اٹھا اللّٰہ اعلم حیث یجعل رسالتہ خدا جس خاندان میں اپنی رسالت قرار دیتا ہے اس کی عظمت وجلالت کو وہی سب سے بہتر جانتا ہے (پ۸ ع۲) سے پھر ایک قیمتی ہیرا نکال کر کہا اے فرزند رسولؐ آپ کو خدا کی قسم اس

سے واقعہ مذکورہ سے جہاں جناب محمد بن زید کی انتہا درجہ کی رحمدلی اور بے نفسی ثابت ہوتی ہے وہاں بعض ظاہر بینوں کو قابل اعتراض بھی نظر آئیں گی کہ آپ نے اس کے بچانے کے لیے منصور دوانیقی کو دھوکا دیا اور دربان ربیع کو فریب میں مبتلا کیا۔ سر سے پانک جھوٹ کا انبار لگا دیا یہ ان کے لیے کب زیبا تھا لیکن کہاں ہیں کسی بے خطا شخص پر کوئی شخص ظلم کرے اور بغیر اس قسم کی تدبیریں کیئے ہوئے وہ مظلوم ان مظالم سے

کو قبول فرما کر مجھے شرف عطا فرمایئے۔ مگر جناب محمد بن زید نے کہا بھائی تم اپنی پونجی اپنے پاس رکھو فنحن اھل بیت لا نقبل علی اصطناع المعروف مکافاۃ کیونکہ ہم اہلبیت کسی کے ساتھ بھلائی کر کے اس کا معاوضہ نہیں لیتے۔ دیکھو تم خوب ہوشیار ہو اور تاپنے کو اس شخص منصور دوانیقی، سے اچھی طرح بچا ذکر وہ ہاتھ دھوکر تمہارے پیچھے پڑا ہے (کتاب الاتحاف از علامہ شبراوی شافعی مطبوعہ مصر صفحہ ۹۰) محمد بن ہشام نے اس طرح ان بزرگ کی وجہ سے دوبارہ زندگی پائی جن کے والد کو اس کے باپ نے کس ظلم سے شہید کیا تھا اور جن کی نعش کے ساتھ بھی حد درجہ کی درندگی برتی تھی۔ سبحان اللہ ایسے اخلاق کے نمونے بھی دنیا میں گزرے ہیں مگر وہ سب صرف خاندان بنی ہاشم ہی میں تھے۔ دوسری جگہ نہیں مل سکتے۔

جناب مختار علیہ الرحمہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ممدوح کا حال بھی کچھ لکھ دیا جائے کیونکہ آپ کے کارنامے حضرت امام زین العابدینؑ ہی کے زمانہ میں ہوئے آپ کے والد کا نام ابو عبیدہ ثقفی تھا کوفہ میں رہتے تھے۔ جب حضرت مسلم بن عقیل کوفہ میں آئے تو مختار علیہ الرحمہ نے ان کو اپنے گھر پر رکھکر آپ کی پوری مہمانداری اور خدمت کی تھی۔ جب جناب مسلم ان کے گھر سے ہانی بن عروہ کے گھر میں چلے گئے تو مختار کوفہ کے قریب ایک دیہات میں چلے گئے اور اس واقعہ کے بعد حضرات اہلبیت علیہم السلام کی محبت کے جرم میں ابن زیاد نے آپ کو بھی قید کر لیا تھا بہت دنوں کے بعد بعض دوستوں کی سفارش پر ابن زیاد نے آپ کو قید سے چھوڑا آپ قید سے رہا ہوئے تو قسم کھائی کہ امام حسینؑ کے خون کے عوض معاویہ اور یزید کے ہوا خواہوں سے اتنے لوگوں کو قتل کریں گے کہ ان کی تعداد بے حساب ہوگی۔ مختصر یہ کہ سنہ ۶۶ ہجری ۶۸۵ء میں جناب مختار بن ابو عبیدہ ثقفی علیہ الرحمہ نے خون امام حسینؑ کا قصاص لینے کیلئے خروج کیا اور ایک بڑی جماعت نے ان کا ساتھ دیا یہاں تک کہ کوفہ پر مختار علیہ الرحمہ کا پورا تسلط و قبضہ ہو گیا۔ لوگوں نے ان کی بیعت کتاب و سنت کی پیروی اور خون امام حسینؑ کا انتقام لینے کی اور مختار علیہ الرحمہ نے اپنے عزم کو محض قاتلین امام حسینؑ سے جہاد کرنے تک محدود رکھا۔ چنانچہ شمر ذی الجوشن پر قابو حاصل کر کے اس کو قتل کیا پھر خولی کے گرفتار کرنے کیلئے فوج بھیجی جس نے اس کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ پھر اس کو قتل کر کے اس کو آگ میں جلا دیا۔ پھر یزید کے سردار لشکر عمر بن سعد بن ابی وقاص کو قتل کیا جس کے حکم سے امام حسین کی نعش مبارک گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندی گئی تھی اس کے ساتھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۶: تو خلاف واقع بات کا جاری کر دینا کیا عقلاً برا ہو سکتا ہے؟ جھوٹ اگر بیان حقیقت کی غرض سے ہو تو بیشک دھوکا گمراہ کرنا کہلائے گا اور اگر مصلحت آمیز یا اصلاح بین الناس یا نجات مظلوم کیلئے ہو تو ممدوح ہے بلکہ جان بچانے کیلئے جھوٹ بولنا تو عقلاً اور شرعاً واجب ہے۔ محمد بن ہشام اس وقت بے خطا تھا اور منصور دوانیقی اس کو صرف اس وجہ سے قتل کرنا چاہتا تھا کہ وہ خاندان بنی امیہ سے ہے جو صرف سیاسی دنیوی سبب تھا۔ اس نے خود کوئی فعل ایسا نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے منصور کو اس کا قتل کرنا جائز ہوتا۔ پس منصور اس معاملہ میں یقیناً ظالم اور محمد بن ہشام مظلوم تھا وہ ہرا ایسے بے قصور شخص کو ظالم کے پنجہ سے بچانا عقل کا حکم بھی ہے اور ہر زمانہ کے انصاف پسند حضرات کا فیصلہ بھی قرآن مجید میں بھی ایسی نظیریں موجود ہیں جن میں ظالم سے بچانے کے لیے جھوٹ بولا گیا اور خدا نے اس کو پسند کیا بلکہ قرآن مجید میں اس کی اجازت بھی دی ہے فرمایا ہے الا ان تتقوا منھم تقاۃ۔ مگر جھوٹ بول کر ان کے شر سے کسی کو بچانا ہو تو جائز ہے (پ۳ ع۱۱) ۱۲ مؤلف۔

اس کے لڑکے حفص کو بھی قتل کر ڈالا (ابو الفداء جلد ۱ صفحہ ۱۹۵) غرض مختار علیہ الرحمہ نے عمر بن سعد حفص بن عمر بن سعد اور شمر کو مع دوسرے اشقیاء کے بانواع عقوبات قتل کیا۔ خاصکر شمر کو جو امام حسینؑ پر ظلم کرنے میں امتیازی شان رکھتا تھا شدید عقوبت سے مارا اور اس کی نعش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا اسلئے کہ اسی شمر نے امام حسینؑ کی نعش کو پامال کرایا تھا (وسیلۃ النجات صفحہ ۱۳۱) پھر محرم ۶۷ھ ہجری (۶۸۶ء) میں مختار علیہ الرحمہ نے ایک لشکر عبید اللہ بن زیاد سے قتال کرنے کو بجانب موصل روانہ کیا جہاں کا وہ گورنر تھا۔ اس لشکر کا مقدمۃ الجیش جناب مالک اشتر کے صاحبزادے ابراہیم کو مقرر کیا۔ عبید اللہ ابن زیاد اور لشکر مختار علیہ الرحمہ میں سخت جنگ ہوئی آخر کار ابن زیاد کے لوگ بھاگ گئے۔ ابن زیاد پکڑا گیا اور ابراہیم بن مالک اشتر کے ہاتھ سے وہ قتل کیا گیا۔ ابراہیم نے اسکا سر کاٹ کر دوسروں کے ساتھ مختار علیہ الرحمہ کے پاس روانہ کیا اور ابن زیاد کے باقی بدن کو آگ میں جلا دیا (ابو الفداء جلد ۱ صفحہ ۱۹۵) پھر مختار کے حکم سے قیس ابن اشعث کی گردن ماردی گئی اور بجدل بن سلیم کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے جس نے ایک انگوٹھی کے لالچ میں حضرت امام حسینؑ کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹ لی تھیں۔ پھر مختار کے حکم سے حکیم بن طفیل پر تیر باران کی گئی اور یزید بن مالک و عمران بن خالد و عبد اللہ بجلی و عبد اللہ بن قیس و زرعہ بن شریک و صبیح شامی و سنان بن انس وغیرہ قتل کئے گئے۔ حبیب السیر ا من جملہ قاتلان امام حسینؑ عمر بن الحجاج بھی تھا وہ بھی مختار علیہ الرحمہ کے حکم سے گرفتار کر کے قتل کیا گیا (روضۃ الصفا جلد ۳ صفحہ ۱۰۱) منہال بن عمر کہتے تھے کہ ایک دفعہ میں کوفہ سے مکہ معظمہ حج کیلئے گیا۔ وہاں سے مدینہ منورہ پہنچا اور امام زین العابدینؑ کی قدمبوسی سے مشرف ہوا تو حضرتؑ نے مجھ سے پوچھا کہ حرملہ بن کاہل اسدی کا کیا حال ہے (اسی شقی نے تیر مار کر جناب علی اصغر کو شہید کیا تھا) میں نے عرض کی میں اس کو کوفہ میں زندہ چھوڑ آیا ہوں یہ سن کر حضرت نے دعا کیلئے اپنے ہاتھ بلند کر دیئے اور فرمایا اللّٰھم اذقہ حر الحدید اللّٰھم اذقہ حر النار۔ اے خدا تو اس کو گرمی تیغ کا مزہ چکھا اے اللہ تو اس کو آتش جہنم کا مزہ چکھا۔ جب میں کوفہ میں لوٹ کر آیا تو معلوم ہوا کہ ان دنوں مختار نے خروج کیا ہے۔ چونکہ مجھ سے اور مختار سے پہلے کی دوستی تھی میں ایک روز سوار ہو کر اُن کی ملاقات کو جا رہا تھا جب ان کے مکان کے قریب پہنچا تو وہ کہیں کے قصد سے سوار ہو رہے تھے میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ ایک مقام پر پہنچ کر وہ ٹھہر گئے اور کسی کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے میں لوگ حرملہ بن کاہل کو گرفتار کر کے لائے۔ مختار نے اس کو دیکھ کر کہا کہ خدا کا شکر ہے جس نے مجھ کو تجھ پر غلبہ عطا فرمایا اس کے بعد حکم دیا کہ فوراً حرملہ کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اسکو آگ میں جلا دیں۔ چنانچہ جلاد نے اسی وقت اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے پھر لکڑیوں کے انبار میں ڈالکر جلا دیا (منہال کا بیان ہے کہ) جب میں نے یہ حال دیکھا تو بے اختیار سبحان اللہ کہنے لگا۔ مختار نے تعجب سے میرے سبحان اللہ کہنے کا سبب دریافت کیا۔ میں نے حضرت امام زین العابدینؑ کی ملاقات اور حضرت کی دعا کا مفصل واقعہ بیان کیا۔ مختار نے قسم دیکر مجھ سے دوبارہ دریافت کیا کہ کیا واقعی تم نے امام زین العابدینؑ کی زبان مبارک سے یہ دعا سنی تھی میں نے کہا کہ کیا میں اس امر میں امامؑ پر جھوٹ بول سکتا ہوں یہ سنکر مختار گھوڑے سے اتر پڑے اور دو رکعت نماز پڑھکر سجدہ شکر ادا کیا۔ جب نماز سے فارغ ہو کر واپسی کا انہوں نے

ارادہ کیا تو راستے میں میرا گھر پڑتا تھا جب وہ میرے مکان کے قریب پہنچے تو میں نے ان سے کہا آج آپ میری دعوت قبول کریں اور یہیں کھانا کھائیں۔ مختار نے کہا اے منہال آج تم نے مجھ سے امام کی دعا کا واقعہ بیان کیا ہے خدا کا شکر ہے کہ آج وہ دعا میرے ہاتھوں سے پوری ہوئی۔ مجھ کو چاہیئے کہ آج اس نعمت کے شکریہ میں تمام دن روزہ رکھوں یہ کہہ کر مختار مجھ سے رخصت ہو گئے (روضۃ الاحباب و شواہد النبوت رکن ۶ صفحہ ۱۱۶) مختار علیہ الرحمہ نے چن چن کر قاتلان امام حسینؑ و قاتلان شہدا کربلا کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ منجملہ ان سب کے مرہ بن منقذ بھی تھا جس نے حضرت علی اکبرؑ کو قتل کیا تھا۔ مختار نے لوگوں کو اس کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ انہوں نے جا کر اس کے مکان کا محاصرہ کر لیا اس پر مرہ بن منقذ گھوڑے پر سوار نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے باہر نکلا اور ان لوگوں سے نیزہ بازی کرنے لگا مگر ان کے حملہ کی تاب نہ لا سکا اور بچ کر بصرہ بھاگ گیا جہاں مصعب بن زبیر کے پاس پناہ گزیں ہو گیا۔ پھر مختار علیہ الرحمہ نے اپنے سپاہی محمد بن اشعث کے پکڑنے کو بھیجے جو ایک گاؤں میں تھا لیکن وہ بھی نہ ملا بلکہ مصعب بن زبیر کے پاس بھاگ گیا۔ عبد اللہ بن زبیر نے اس محمد بن اشعث کو موصل کا حاکم مقرر کر دیا تھا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۰۱) غرض مختار علیہ الرحمہ نے قاتلان امام حسینؑ کا انتقام لینے میں وہ کارہائے نمایاں کیئے جو قیامت تک چمکتے رہیں گے۔ آپ نے جس وقت ابن زیاد کا سر جلہ ابراہیم ابن مالک اشتر نے کاٹ کر آپ کے پاس بھیجا تھا دیکھا تو فوراً اس خوشی کی اطلاع حضرت امام زین العابدینؑ کو دی بلکہ ابن زیاد کا سر ہی حضرت کے پاس بھجوا دیا جب یہ سر مدینہ میں امام زین العابدینؑ کے پاس پہنچا تو وہ دوپہر کو پہنچا جب حضرت کھانا نوش فرماتے تھے [1] (عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۵۱) - مگر اپنی غرض و غایت حاصل کرنے کے بعد خون امام حسینؑ کا انتقام لینے والے متفرق ہوتے گئے اور مختار کی جماعت گھٹتی گئی۔ اس وقت مصعب بن زبیر نے جو اپنے بھائی عبد اللہ بن زبیر کی طرف سے بصرہ کا گورنر تھا جناب مختار کے ساتھیوں سے لڑنا اور ان کو قتل کرنا شروع کیا۔ مگر جناب مختار کی جنگ نے بہت طول کھینچا بہت کشت و خون ہوا آخر مختار علیہ الرحمہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ماہ رمضان ۶۷ھ (۶۸۶ء) میں مارے گئے اور عراق عرب و جزیرہ دونوں صوبوں میں جہاں مختار علیہ الرحمہ نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ عبد اللہ ابن زبیر کی خلافت مان لی گئی (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۰۸) قاضی مینبذی نے شرح دیوان مرتضوی میں لکھا ہے کہ جو لوگ جناب مختار علیہ الرحمہ کے ہاتھ سے قتل کیے گئے ان کی تعداد اسی ہزار تین سو تین (۸۰۳۰۳) تھی مختار علیہ الرحمہ نے تھوڑی ہی مدت میں ایسی کامیابی حاصل کی کہ آپ کے نام کا خطبہ اور سکہ کوفہ بصرہ سے رے و خراسان و نہاوند حدود اصفہان و آذربائیجان تک پڑھا گیا (مجالس المومنین مجلس ۸) بعض کتابوں میں مرقوم ہے کہ جب مختار علیہ الرحمہ کے فرزند ابو الحکم حضرت امام محمد باقرؑ کی خدمت میں آئے تو حضرتؑ نے ان کو اس درجہ اپنے قریب بٹھایا کہ گویا گود میں جگہ دے دی

[1] جب ابن زیاد کا سر مختار کے قصر میں لایا گیا تو ایک سانپ آیا اور اس کے منہ میں گھس کر اس کی ناک سے نکل جاتا تھا اسی طرح وہ سانپ دیر تک کرتا رہا (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۰۲)

حضرات اہلبیت کی مخدارات عصمت و طہارت سے امام حسینؑ کے غم میں سرپر لگانا اپنے سر کا جھاڑنا اور اس میں کنگھی کرنی چھوڑ دی تھی اور خضاب لگانا بھی موقوف کر رکھا تھا مگر جب مختار علیہ الرحمہ نے امام حسینؑ کے قاتلوں کے سر مدینہ میں بھیجے ہیں تو ان عورتوں نے کنگھی اور خضاب وغیرہ کرنا شروع کیا (مجالس المومنین مجلس ۸) انتقال کے وقت جناب مختار کی عمر ۶۷ سال کی تھی۔

پانچواں باب

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

آپ حضرت رسول خدا صلعم کے پانچویں خلیفہ۔ مسلمانوں کے امام پنجم۔ اور حضرت امام زین العابدینؑ علیہ السلام کے فرزند تھے۔ ار رجب ۵۷ھ ہجری (۶۷۷ء) کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ۱۵ محرم ۹۵ھ ہجری کو مسلمانوں کے امام ہوئے اور ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ھ ہجری (مطابق ۷۳۲ء) میں مقام مدینہ منورہ زہر سے وفات پائی۔ اس طرح حضرت امام حسینؑ کے ساتھ ساڑھے تین سال اور اپنے والد ماجد کے ساتھ ۳۸ سال زندہ رہے اور ۵۷ سال کی عمر پائی۔

حضرتؑ کے والدین حضرت کے والد امام زین العابدینؑ اور والدہ جناب ام عبداللہ فاطمہ علیہا دختر امام حسن علیہ السلام تھیں۔ آپ وہ ہاشمی ہیں جن کے والد بھی ہاشمی اور ماں بھی ہاشمیہ تھی اور وہ فاطمی ہیں جن کے پدر بزرگوار بھی جناب سیدہ کے پوتے اور جن کی ماں بھی جناب سیدہ کی پوتی تھیں۔ یہ شرف دنیا میں سب سے پہلے آپ ہی کو حاصل ہوا۔ واقعہ کربلا میں بھی آپ تھے مگر خدا نے آپ کو محفوظ رکھا کہ امام ہونے والے تھے۔)

حضرت کا نام والقاب آپ کا اسم گرامی محمدؐ تھا اور القاب باقر، شاکر، ہادی وغیرہ اور کنیت ابوجعفر تھی آپ وہ خوش قسمت بزرگ ہیں کہ حضرت رسول صلعم نے آپ کی پیدائش سے بہت پہلے آپ کے صفات کا ذکر کیا اور آپ کو سلام کہلایا تھا چنانچہ حضرتؐ کے مشہور صحابی جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ میں ایک دن حضرت رسولخدا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت امام حسینؑ آں حضرتؐ کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے آنحضرت صلعم نے مجھے دیکھ کر فرمایا کہ اے جابر اس حسینؑ کا ایک فرزند ہو گا علیؑ جب بروز قیامت منادی ندا کرے گا کہ اٹھو سید العابدین تو میرا وہ فرزند اٹھے گا اور اس کا ایک فرزند ہو گا محمدؐ۔ اے جابر جب تم ان سے ملنا تو ان کو میرا سلام کہنا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۰) چنانچہ جابر نے ایسا ہی کیا۔ خود امام محمد باقرؑ فرماتے تھے کہ ایک دن جابر بن عبداللہ انصاری نے میرے پاس آکر کہا کہ اپنا سینہ کھولیے۔ میں نے کھول دیا تو انہوں نے میرے سینے پر بوسہ دے کر کہا کہ رسول اللہ نے آپ کو سلام کہا ہے (تاریخ طبری جلد ۱۳ صفحہ ۹۶) زیادہ تفصیل یہ ہے کہ امام محمد باقرؑ فرماتے تھے ایک روز جابر بن عبداللہ انصاری کا گزر میرے پاس سے ہوا جب کہ وہ نابینا ہو گئے تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے میرا نام پوچھا۔ میں نے کہا محمد بن علی ابن الحسینؑ جابر نے مجھے اپنے نزدیک بلا کر میرے ہاتھ کو بوسہ دیا اور چاہا کہ پاؤں کو بوسہ دوں تو میں ان سے علیحدہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ جناب رسالت مآب صلعم نے آپ کو سلام کہا۔ میں نے کہا حضرت رسولخدا صلعم پر اور آپ پر بھی میرا سلام اور خدا کی رحمت و برکات ہوں۔ پھر میں نے جابر سے اس کی تفصیل دریافت کی تو انہوں نے کہا ایک دن رسول خدا کی خدمت میں حاضر تھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا اے جابر امید ہے تم اس وقت تک زندہ رہو کہ میرے ایک فرزند کو دیکھو جن کا نام محمد (باقرؑ) ہو گا خدا ان کو نور و حکمت عطا فرمائے گا۔ جب تم ان سے ملنا تو میرا سلام کہنا (روضۃ الاحباب وسیلۃ النجات صفحہ ۳۴۳) ایک اور روایت اس طرح ہے زبیر بن محمد بیان کرتا تھا کہ ہم لوگ جابر بن عبداللہ رضی عنہ کے پاس تھے تو وہاں حضرت امام زین العابدینؑ بھی آئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بیٹے محمد (باقرؑ) بھی تھے وہاں پہنچ کر حضرت امام زین العابدینؑ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ جا کر اپنے چچا (جابر) کے سر پر بوسہ دو۔ وہ بڑھے اور بوسہ دیا تو جابر نے جن کی آنکھ جاتی رہی تھی پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا میرے بیٹے محمد ہیں۔ اس پر جابر نے ان کو اپنے سینے سے لگا کر کہا اے محمدؐ آپ کے پدر بزرگوار حضرت رسول خدا آپ کو سلام کہتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیوں کر۔ کہا میں آنحضرتؐ کے پاس تھا اور امام حسینؑ حضرت کی گود میں تھے تو حضرتؐ نے فرمایا اے جابر میرے اس فرزند کے ایک بیٹے علی ہوں گے۔ جب قیامت کے روز منادی ندا کرے گا کہ سید الساجدین کھڑے ہو جائیں تو وہی علی بن الحسینؑ کھڑے ہو جائیں گے۔ اُن علی بن الحسینؑ کے ایک بیٹے (محمد) باقر) ہوں گے۔ اے جابر جب تم ان سے ملنا تو میرا سلام کہنا (نور الابصار ص ۱۴۳) ایک اور روایت اس طرح ہے حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے تھے کہ مدینہ میں اصحاب رسول صلعم سے جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان سب کے آخر جابر بن عبداللہ انصاری تھے (جامعہ اہلبیتؑ سے متمسک رہے اور آخر میں مسجد رسولؐ میں سیاہ عمامہ باندھے بیٹھے رہتے اور یا باقر العلم یا باقر العلم اے علوم کے پھیلانے والے اے معارف کے شائع کرنے والے) پکارا کرتے اہل مدینہ یہ سن کر کہتے کہ جابر کیا مہملات بکتے ہیں جس کا جواب وہ دیتے کہ خدا کی قسم میں لغو نہیں بکتا بلکہ مجھ سے حضرت رسول خدا نے فرمایا تھا انک ستدرک رجلا من اھل بیتی اسمہ اسمی و شمائلہ شمائلی یبقر العلم بقرا۔ تم میرے اہلبیتؑ کے ایک فرزند سے ملو گے جن کا نام میرا نام اور جن کی صفات میری صفات ہوں گی وہ علوم و معارف کو خوب اچھی طرح پھیلا دے گا

اسی سبب سے میں اس باقر علوم کو پکارا کرتا ہوں۔ اسی انتظار میں جابر ایک روز مدینہ کی گلیوں میں گھومتے تھے کہ دفعۃً ایک مکان میں حضرت محمد باقرؑ کو دیکھا اور حلیہ جناب رسالتمآب صلعم سے مشابہ پایا تو کہا صاحبزادے ذرا میری طرف رُخ تو کیجئے۔ حضرت نے ان کی طرف مُنہ کیا۔ پھر کہا اچھا اب ذرا ادھر پشت کیجئے۔ حضرت پیچھے پھر گئے۔ جب جابر نے رو و پشت اچھی طرح دیکھ لی تو کہا خدا کی قسم ہو نہ ہو یہ رسالتمآب صلعم ہیں صاحبزادے آپ کا اسم گرامی؟ فرمایا میں محمد بن علی الحسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔ یہ سُن کر جابر دوڑ پڑے اور حضرت کی پیشانی پر بوسہ دے کر کہا میرے باپ ماں آپ پر فدا ہوں۔ حضرت رسولؐ خدا صلعم نے آپ کا ذکر کیا تھا اور مجھ سے فرمایا تھا کہ حضرتؐ کا سلام آپ کو پہنچا دوں۔ اس کے بعد جابر نے عادت کر لی کہ ہر روز بلاناغہ صبح و شام حضرت امام محمد باقر کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ جس پر اہل مدینہ تعجب سے گفتگو کرتے کہ جابر کو کیا ہو گیا ہے جو اس بچے کے پاس اس کثرت سے حاضر ہوتے ہیں مگر خدا کی قسم جابر حضرت امام باقر کے پاس جا کر حضرت سے برابر علوم حاصل کیا کرتے تھے اور اس وقت حضرت محمد (باقرؑ) سے یہ بھی جابر نے کہا تھا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ بروز قیامت شفاعت کی ضمانت آپ فرمالیں۔ حضرت نے جواب دیا ہاں میں ضامن ہوتا ہوں (رجال کشی مطبوعہ بمبئی ص ۲۲ و ۲۹) ایک اور روایت اس طرح ہے جابر بن عبداللہ آخر عمر میں ضعیف ہو گئے تو امام محمد باقرؑ ان کی عیادت کو تشریف لے گئے اور مزاج پوچھا جابر نے کہا میں ایسے حال میں ہوں جس میں پیری کو جوانی سے اچھی۔ بیماری کو صحت سے عمدہ اور مرنے کو زندگی سے بہتر جانتا ہوں۔ یہ سُنکر حضرت نے فرمایا اے جابر لیکن ہماری یہ حالت ہے اگر خدا ہمیں پیر کرے تو پیری کو جوانی سے بہتر سمجھیں اور اگر جوان کرے تو جوانی کو۔ اور اگر بیمار کرے تو بیماری کو اگر شفا عطا فرمائے تو شفا ہی کو اور اگر موت دے تو موت کو اور زندہ رکھے تو زندگی ہی کو پسند کریں۔ غرض جس حالت میں خدا ہمیں رکھے اسی کو اپنے لیئے سب سے بہتر۔ مناسب اور نفع بخش سمجھیں گے جابر نے یہ سُنا تو فرط مسرت سے اٹھے اور حضرت کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہا حضرت رسول خدا صلعم نے سچ فرمایا تھا ستدرک ولدا من اولادی اسمہ اسمی یبقر العلم بقرا کما یبقر الثور الارض ۔۔ اے جابر تم میرے ایک ایسے فرزند سے ملو گے جس کا نام میرا نام ہوگا اور وہ علوم و معارف کو اس طرح شگافتہ کر دے گا جس طرح بیل زمین کو زراعت کے لیے شگافتہ کرتا ہے (مجالس المومنین صفحہ ۱۱۷)

حضرت کے علمی فیوض

حضرت رسولخدا صلعم کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ واقعاً آپ نے علوم و معارف حقہ کو اچھی طرح شائع کر دیا۔ علامہ ابن حجر مکی یہ لکھتے ہیں :-

ابو جعفر محمد الباقر سمی بذالک من بقر الارض ای شقہا و اثار مخبأتہا وکامنہا فلذلک ہو اظہر من مخبأت کنوز المعارف وحقائق الاحکام والحکم واللطائف مالا یخفی الا علی منطمس البصیرۃ او فاسد الطویۃ والسریرۃ ومن ثم قیل فیہ ہو باقر العلم وجامعہ وشاہر علمہ ورافعہ صفا قلبہ فزکا علمہ وعملہ وطہرت نفسہ وشرف خلقہ وعمرت اوقاتہ بطاعۃ اللہ ولہ من الرسوم فی مقامات العارفین ما تکل عنہ السنۃ الواصفین ولہ کلمات کثیرۃ فی السلوک والمعارف لا تحتملہا ہذہ العجالۃ۔

حضرت کا لقب باقر اس سبب سے ہوا یہ لفظ بقر کا اسم فاعل ہے جس کا معنی پھاڑنے والا ہے اور بقر الارض کا معنی یہ ہے کہ زمین کو پھاڑ کر اس کی چھپی ہوئی اور اس کے اندر کی دبی ہوئی چیز دل کو نمایاں کر دیا۔ حضرتؑ نے بھی معارف و حقائق احکام و علوم حکمت و لطائف کے وہ سربستہ خزانے ظاہر فرما دیئے جو سب پر ظاہر و ہویدا ہیں اور ان علمی فیوض و کمالات و احسانات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا سوائے اس کے جس کی بصیرت زائل ہو گئی ہو۔ جس کا دل و دماغ خراب ہو گیا ہو اور جس کی طینت و طبیعت فاسد ہو گئی ہو۔ اسی وجہ سے آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ علم کے باقر (پھیلانے والے) اور جامع ہیں اور آپ ہی علوم و معارف کو مشہور اور اس کا درجہ بلند کرنے والے ہیں حضرت کا دل صاف علم و عمل روشن و تابندہ نفس پاک اور خلقت شریف تھی آپ کے کل اوقات خدا کی اطاعت میں بسر ہوتے تھے۔ نیز عارفوں کے مقامات میں آپ کے وہ گہرے نشان اور آثار راسخ ہو گئے جن کے بیان سے وصف کرنے والوں کی زبانیں گنگ اور عاجز ماندہ رہتی ہیں اور زہد تقویٰ علوم و معارف۔ عبادات و ریاضیات میں آپ کے کلمات اس کثرت سے ہیں جو اس مختصر رسالہ میں درج ہو ہی نہیں سکتے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۰)

اور علامہ محقق شیخ مفید علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے :-

ولم یظہر عن احد من ولد الحسن والحسین من علم الدین والاثار والسنۃ وعلم القرآن والسیرۃ وفنون الادب ما ظہر عن ابی جعفر علیہ السلام -

علم دین و احادیث و سنت رسولؐ و تفسیر قرآن و سیرت و فنون ادب کے جسقدر ذخیرے امام محمد باقرؑ سے ظاہر ہوئے اتنے امام حسنؑ و حسینؑ کی اولاد سے کسی شخص سے بھی ظاہر نہیں ہوئے (ارشاد ص ۲۸۶)

اور ابن خلقان نے لکھا ہے کہ حضرت باقرؑ علامہ زماں اور سردار کبیر الشان تھے۔ آپ کو باقر اس وجہ سے کہتے کہ آپ علوم میں بڑے متبحر اور وسیع الاطلاع تھے۔ آپ ہی کے بارے میں شاعر نے کہا ہے ؎

یا باقر العلم لاہل التقی ! وخیر من لبی علی الاجبل !

اے وہ بزرگ جو صاحبان ورع و تقویٰ کے لیے علوم و معارف کے شائع کرنے والے اور ان سب لوگوں سے بہتر ہیں جو پہاڑوں پر خدا کو لبیک کہتے ہیں (وفیات الاعیان جلد ا ص ۴۵۰)

اور علامہ ذہبی نے لکھا ہے امام محمد باقرؑ بنی ہاشم کے سردار اور اپنے تبحر علم کی وجہ سے باقر کے لقب سے مشہور ہوئے کیونکہ آپ علم کو شق کر کے اس کی تہ تک پہنچ گئے اور اس کے دقائق کو خوب سمجھ لیا تھا (تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۱۱۱) اور فاضل شبلنجی نے لکھا ہے کہ حضرتؑ کے علوم کے تذکرے تمام دنیا میں مشہور ہوئے اور آپ

کی مدح و ثنا میں بکثرت اشعار پڑھے گئے۔ مثلاً مالک جہنی نے کہا ہے ؎

اذا طلب الناس علم القرآن — کانت قریش علیہ عیالا
وان قال فیہ ابن بنت النبی — تلقفت بداہ فروعا طوالا
نجوم تہلل للمدلجین — فتہدی بانوارھن الرجالا

لوگ جب قرآن مجید کا علم حاصل کرنا چاہیں تو پورا قبیلہ قریش اس کے بتانے سے عاجز رہے گا کیونکہ وہ خود محتاج ہے اور اگر فرزند رسولؐ (امام محمد باقرؑ) کے منہ سے کوئی بات اس کے متعلق نکل جائے گی تو بے حد و حساب مسائل و تحقیقات کے ذخیرے مہیا کر دیں گے۔ یہ حضرات وہ ستارے ہیں جو اندھیری راتوں کے چلنے والے کے لیے چمکتے ہیں تو ان کے انوار سے لوگوں کو راستہ صاف نظر آنے لگتا ہے (الاتحاف صفحہ ۵۲)

خلیفہ ہشام سے سوال و جواب

ایک دفعہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک حج کرنے گیا۔ جب مسجد حرام میں پہنچا تو اس سے لوگوں نے کہا دیکھو وہ امام محمد باقرؑ اپنے حلقہ میں بیٹھے ہیں اس پر اس نے ایک شخص سے کہا کہ جا کر ان سے کہو خلیفہ آپ سے پوچھتے ہیں جب بروز قیامت لوگ محشر میں جمع ہوں گے تو حساب ختم ہونے کے وقت تک کیا کھائیں پئیں گے۔ جب اس شخص نے پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا خلیفہ سے کہہ دو کہ لوگ ایسی جگہ محشور ہوں گے جہاں میوہ دار درخت بھی ہوں گے اور نہریں بھی رہیں گی انہیں درختوں کے پھل کھائیں اور نہروں کا پانی پئیں گے۔ ہشام نے یہ سنا تو سمجھا کہ حضرتؑ نے غلط جواب دیا ہے اور یہ اچھا موقع ہے کہ ان کی غلطی کو مشہور کر کے انہیں بدنام کر دیا جائے تاکہ اہل عراق آپ سے خوب نفرت کرنے لگیں۔ یہ سوچ کر اس نے کہا ان سے جا کر کہو کہ یہ آپ نے کیا جواب دیا جو لوگ محشر میں جمع ہوں گے کیا ان کے ہوش و حواس بھی درست رہیں گے جو کھانا پانی چاہیں گے وہ تو اپنی سزاؤں کی مصیبت میں پریشان رہیں گے حضرتؑ نے فرمایا جا کر ہشام سے کہہ دو کہ محشر والوں سے زیادہ مصیبت تو ان لوگوں کی ہوگی جو جہنم میں پہنچ جائیں گے مگر وہ جہنم والے بھی ایسے بے ہوش و حواس نہیں ہوں گے کہ کھانا پانی بھول جائیں پھر محشر والے جن کو اپنے انجام کا حال ابھی معلوم نہیں ہوگا کیوں اس کو بھول جائیں گے! کیا ہشام نے قرآن مجید میں خدا کا یہ ارشاد نہیں پڑھا ونادی اصحاب النار اصحاب الجنۃ ان افیضوا علینا من الماء او مما رزقکم اللّٰہ قالوا ان اللّٰہ حرمہما علی الکافرین۔ دوزخ والے اہل بہشت کو پکار کر التجا کریں گے کہ ہم پر تھوڑا سا پانی انڈیل دو (کہ پئیں)، یا جو نعمتیں خدا نے تمہیں دی ہیں ان میں سے کچھ دے دو (کہ کھائیں) تو بہشت والے کہیں گے کہ خدا نے تو جنت کا کھانا پانی کافروں پر حرام کر دیا ہے (پ ۸ ع ۱۳) یہ مسکت جواب سن کر ہشام مبہوت ہو گیا اور جان گیا کہ حضرتؑ بڑے علم و فضل کے مالک ہیں اور علاء بن عمرو نے حضرتؑ سے خدا کے قول اولم یر الذین کفروا ان السموات والارض کانتا رتقا ففتقناھما کا مطلب پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا کافروں نے اس پر غور نہیں کیا کہ آسمان و زمین دونوں بند تھے تو ہم نے دونوں کو کشادہ کیا (پ ۱۷ ع ۳)

مطلب پوچھا تو حضرتؑ نے فرمایا آسمان پہلے بند تھا اس سے پانی کا کوئی قطرہ نہیں برستا تھا اور زمین بھی بستہ تھی کسی قسم کی گھاس وغیرہ نہیں اگتی تھی تو خدا نے دونوں کو کھول دیا کہ اس سے پانی برسنے لگا اور اس سے چیزیں اگنے لگیں۔ یہ سن کر علاء مدخاموش ہو گیا (الاتحاف صفحہ ۵۳ و نورالابصار صفحہ ۱۴۴) محمد بن منکدر کہتا تھا کہ میں سمجھتا تھا حضرت زین العابدینؑ ایسا آپ کا کوئی فرزند نہیں ہوگا حضرت محمد باقرؑ کو دیکھ کر اپنی غلطی مان لی (اتحاف صفحہ ۵۳)

ایک بے مثل وعظ

حضرتؑ نے ایک دن اپنے صاحبزادے امام جعفر صادقؑ سے فرمایا کہ خدا نے تین باتیں تین چیزوں میں چھپا رکھی ہیں۔ اپنی خوشی کو اپنی اطاعت میں چھپایا ہے پس تم اس کی اطاعت سے کسی بات کو حقیر نہ جانو شاید اسی میں اس کی رضا ہو اور اپنے غضب کو اپنی معصیت میں پوشیدہ رکھا ہے اب اس کی نافرمانی کی کسی بات کو معمولی نہ سمجھو ممکن ہے اسی میں اس کا غضب چھپا ہو اور اپنے دوستوں کو اپنی مخلوق میں چھپایا ہے۔ پس اس کے بندوں سے کسی کو حقارت سے نہ دیکھو شاید وہی خدا کا دوست ہو (اتحاف ص ۹۳)

امام ابوحنیفہ کا شاگرد حضرت ہونا

اکثر مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ صاحب حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابوحنیفہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں انہوں نے ابوحنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہاں تمہیں قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو؟ انہوں نے نہایت ادب سے کہا معاذ اللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہے ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں۔ شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے (سیرت النعمان ص ۴۵) اور علامہ ابن القیم نے لکھا ہے ابوحنیفہ کے بارے میں بہت سی روایتیں اس کی موجود ہیں کہ جناب امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرتؑ نے ان کی تعلیم فرمائی اور قیاس سے منع کیا (اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۹۲) مگر حضرتؑ نے ابوحنیفہ صاحب کا جو امتحان لیا اس کو ان لوگوں نے نہیں لکھا علامہ شیرازی شافعی نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ نے ابوحنیفہ صاحب سے پوچھا میں نے سنا ہے تم آسمان سے زمین تک قیاس کرتے ہو انہوں نے کہا ہاں فرمایا تم کو اس کی جرأت کیسے ہوئی کہا میں نے حضرت رسول خدا صلعم کی حدیثیں اور صحابہ کے اخبار یاد کر لیے تو مجھے قیاس کرنا آسان ہو گیا فرمایا اچھا میں چند مسئلے پوچھتا ہوں۔ قیاس کر کے جواب تو دو۔ کہا فرمایئے۔ حضرتؑ نے فرمایا بتاؤ قتل بڑا گناہ ہے یا زنا۔ ابوحنیفہ صاحب نے کہا

قتل - حضرتؑ نے فرمایا پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں دو ہی گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور زنا میں چار گواہوں کی؟ اس پر ابوحنیفہ صاحب چپ ہو گئے۔ حضرتؑ نے پوچھا کیوں بولتے کیوں نہیں۔ کہا اس میں میرا قیاس کام نہیں کرتا۔ فرمایا نماز کی عظمت زیادہ ہے یا روزے کی کہا نماز کی فرمایا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ حیض والی عورت کو حکم ہے کہ روزوں کی قضا کرے اور نماز کی قضا کا حکم نہیں ہوا؟ پھر آپ چپ ہو گئے تو حضرتؑ نے فرمایا کہتے کیوں نہیں؟ جواب دیا اس میں بھی میرا قیاس نہیں چلتا۔ حضرت نے فرمایا اچھا پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی۔ ابوحنیفہ صاحب نے کہا پیشاب۔ حضرتؑ نے فرمایا پھر اس کی کیا وجہ کہ پیشاب کے بعد صرف وضو کا حکم ہوا اور منی کے بعد غسل کا؟ پھر آپ چپ ہو گئے فرمایا اب کیا ہوا؟ کہا اب بھی قیاس نہیں بنتا۔ ابوحنیفہ صاحب کہتے تھے کہ اس کے بعد حضرتؑ مجھے چھوڑ کر دوسرے کاموں لگ گئے تو میں نے کہا اے فرزند رسولؐ ان مسائل میں تشفی فرما دیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا اس شرط پر کہ تم وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی قیاس نہیں کرو گے۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ ہاں اب کبھی قیاس نہیں کروں گا۔ تو حضرتؑ نے فرمایا قتل میں صرف دو گواہ اس لیے کافی ہیں کہ اس کا کرنے والا ایک ہی شخص ہوتا ہے۔ لیکن زنا دو شخص (مرد اور عورت) سے ہوتا ہے اور دونوں کے خلاف گواہی دی جاتی ہے اس وجہ سے ہر ایک کے لیے دو گواہ ضروری قرار دیئے گئے۔ رہی نماز و روزہ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت نماز تو ہمیشہ پڑھا کرتی ہے۔ روزہ کی البتہ سال بھر کے بعد نوبت آتی ہے (یعنی) ایک مہینہ کے حیض کے روزوں کی قضا آسان ہے اور ہر مہینہ کے حیض کی نمازوں کی قضا کرنا بہت دشوار ہے، رہا پیشاب اور منی تو پیشاب مثانہ سے نکلتا ہے اور روز و شب میں کئی مرتبہ ہوتا ہے۔ کہاں تک غسل کر سکتا۔ لیکن منی تمام بدن سے نکلتی ہے اور کبھی کبھی خارج ہوتی ہے اس کے بعد نہانا مشکل نہیں ہے۔ ابوحنیفہ صاحب کہتے تھے کہ اس کے بعد میں نے حضرت کو سلام کیا اور وہاں سے واپس آیا (کتاب الاتحاف مطبوعہ مصر) مگر بعض کتابوں میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے ابوحنیفہ صاحب سے یہ سوالات کئے تھے اور آخر میں تاکید کی تھی کہ خبردار کبھی قیاس نہ کرنا لیکن آپ پر اس تاکید کا جو اثر ہوا وہ محتاج توضیح نہیں ہے۔

اولاد امام حسنؑ پر مکان کا انہدام

حضرت امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ کے زمانہ کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ۹۱ہجری ([illegible]) میں خلیفہ ولید بن عبدالملک نے خانہ کعبہ کا حج ادا کیا۔ جب اس سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ میں آیا تو ایک دن منبر رسولؐ پر خطبہ پڑھتے ہوئے اس کی نظر امام حسنؑ کے صاحبزادے حسن مثنیٰ پر پڑ گئی جو جناب سیدہؑ کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خطبہ سے فارغ ہو کر ولید نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ حسنؑ بن حسنؑ وغیرہ کو کیوں اب تک اس مکان میں رہنے دیا ہے کیوں ان لوگوں کو اس سے باہر نہیں نکالا؟ اسی وقت ان لوگوں کو اس میں سے نکال کر اور یہ مکان خرید کر مسجد میں شامل کر لو۔ میں نہیں پسند کرتا کہ آئندہ ان لوگوں کو اس مکان میں دیکھوں۔ جناب حسن مثنیٰ اور ان کی بیوی فاطمہ بنت امام حسینؑ اور ان کی اولاد اس مکان میں تھیں اور باہر نکلنے سے انکار کیا۔ ولید نے حکم دیا اگر یہ لوگ باہر نہیں نکلتے تو مکان کو ان لوگوں پر گرا دو۔ اس پر اس کے آدمیوں نے بیچاروں کے اسباب زبردستی مکان سے نکال کر باہر پھینک دیئے۔ ان کا گھر ویران کر دیا اور چاہتے تھے کہ اس کو مسمار کر دیں۔ مجبوراً بیچارے گھر سے باہر نکل پڑے اور روز روشن میں مخدرات اہلبیتؑ گھر چھوڑ کر مدینے سے باہر چلی گئیں اور اپنی سکونت ایک جگہ اختیار کر لی کچھ دنوں بعد اسی قسم کا قصہ حضرت حفصہ کے مکان کے متعلق بھی پیش آیا جو حضرت عمر کی اولاد کے قبضہ میں تھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ گھر سے باہر نکلو تو انہوں نے انکار کیا اور اس کو بہ قیمت دینے پر بھی راضی نہیں ہوئے۔ حجاج بن یوسف اس وقت مدینہ میں موجود تھا اس نے چاہا کہ اس مکان کو گرا دے مگر جب اس ارادہ کی خبر ولید بن عبدالملک کو ہوئی تو اس نے عمر بن عبدالعزیز حاکم مدینہ کو لکھا کہ اولاد عمر بن الخطاب کی رضا جوئی میں کمی نہ کرنا بلکہ ان کی پوری عزت و احترام کرو۔ اگر وہ لوگ اپنا مکان بیچنے پر راضی نہ ہوں تو ان کے رہنے کو مکان کا ایک حصہ چھوڑ دو اور ان کی آمد و رفت کے لیے مسجد کی جانب ایک دروازہ بھی رہنے دو (وفاء الوفاء جلد ا صفحہ ۳۶۲ و جذب القلوب صفحہ ۱۷۳) اللہ اکبر حضرت رسول خدا صلعم کی اولاد کے ساتھ وہ برتاؤ اور حضرت عمر کی اولاد کے ساتھ یہ سلوک ع۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

کسب معاش کے متعلق حضرتؑ کی تقریر

ایک شخص محمد بن المنکدر نے ایک روز حضرت امام محمد باقرؑ کو بعض اطراف مدینہ میں دیکھا ایسے وقت میں کہ نہایت گرمی تھی اور حضرتؑ کے بدن مبارک سے پسینہ جاری تھا اور غلام حبشی پر آپ تکیہ کیے ہوئے تھے اس نے اپنے دل میں کہا سبحان اللہ! یہ مرد پیر قریشی اس وقت باوجود ایسی حالت گرمی اور مشقت کے طلب دنیا کر رہے ہیں۔ میں جاتا ہوں کہ ان کو ٹوک دوں پس وہ حضرتؑ کے نزدیک آیا اور سلام کیا۔ حضرتؑ نے جواب سلام دیا اس وقت بھی حضرت کے بدن سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ اس شخص نے کہا آپ قریش کے بزرگوں سے بڑے بزرگ ہو کر ایسے وقت میں باوصف ایسی حالت کے دنیا طلب کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلے ہیں۔ اگر ایسی حالت میں آپ کو موت آجائے تو کیا کیجئے گا۔ حضرت نے فرمایا اگر اس حالت میں موت آئے تو ایسی حالت میں آئے گی کہ میں خدا کی اطاعتوں میں سے ایک اطاعت میں مشغول ہوں اور ایسا کام کر رہا ہوں کہ اپنے اور اپنے عیال کو تجھ سے اور دوسروں سے مستغنی کر دوں تاکہ جو کچھ حاصل کروں خدا سے براہ راست لوں اور کسی سے احتیاج نہ ہو۔ البتہ میں اس وقت موت سے ڈروں گا جب خدا کی معصیت میں مبتلا ہوں گا۔ اس پر اس شخص نے کہا آپ نے سچ فرمایا میں نے چاہا تھا کہ آپ کو نصیحت کر دوں لیکن آپ ہی نے میری نصیحت فرما دی (کتاب ارشاد صفحہ ۲۸۸) اس واقعہ سے ہر شخص کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ محنت مزدوری۔ مشقت کر کے حلال ذریعہ سے کسب مال کرنا ہمارے بزرگان دین کا صرف حکم ہی نہیں بلکہ اس پر ان حضرات کا عمل بھی تھا۔

اسلامی دنیا پر حضرتؑ کا عظیم الشان احسان

علامہ کسائی بیان کرتے تھے کہ ایک روز خلیفہ ہارون الرشید نے مجھ سے پوچھا جانتے ہو سب سے پہلے اسلامی سکہ درہم و دینار کس نے جاری کیا۔ میں نے کہا خلیفہ عبدالملک نے۔ خلیفہ نے پوچھا اس کا سبب کیا ہوا اور کس طرح کی ایجاد ہوئی۔ میں نے کہا یہ نہیں معلوم۔ تب خلیفہ ہارون نے کہا سابق زمانہ میں کاغذ رومیوں کے کارخانہ سے آتا تھا اور اہل مصر چوں کہ اکثر نصرانی تھے قیصر روم کے مذہب پر اس لیے طراز (مارک) سب کاغذ کا اس طرح ہوتا" اب۔ ابن۔ روح" مگر یہ طراز (مارک) رومی زبان اور طغرا میں رہتا کسی کو اس کی خبر نہ ہوتی۔ عبدالملک کو ایک دفعہ شبہ ہوا اس نے مترجم سے کہا اس کا عربی میں ترجمہ کرو۔ اس نے کہا اقانیم ثلثہ (اب۔ ابن۔ روح) کا مارک بنایا گیا ہے اس پر عبدالملک نے گورنر مصر کو لکھا کہ اس عیسائی مارک کو موقوف کر دو۔ کاغذ، پردہ یا اور جو کپڑا وغیرہ تیار ہوں ان سب سے یہ مارک موقوف کردیا جائے۔ چنانچہ اس وقت سے کاغذ پر مارک تیار ہونے لگا شهد الله انه لا اله الا هو جب اس نئے مارک کے کاغذوں نے جس پر کلمہ توحید ثبت تھا رواج پایا تو قیصر روم کو نہایت درجہ ناگوار ہوا اس نے عبدالملک کو لکھا کہ جو کاغذ پہلے جاری تھا اسی کو جاری رکھو۔ اس کے ساتھ بہت کچھ تحفے ہدیے بھی بھیجے مگر عبدالملک نے اس کے سفیر کو مع ہدایا واپس کیا اور قیصر روم کے خط کا جواب بھی نہیں دیا۔ قیصر نے دوبارہ سفیر روانہ کیا اور تحفہ کی مقدار المضاعف کر کے لکھا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے میرے ہدیہ کو کم مقدار سمجھا۔ اب میں دُگنا کر کے روانہ کرتا ہوں۔ بہتر ہے تم سابق طرز کے کاغذ ہی کو رہنے دو۔ پھر عبدالملک نے اس سفیر کو مع تحائف واپس کیا اور خط کا کچھ جواب نہ دیا۔ تب تیسری دفعہ قیصر نے تہدید آمیز خط لکھا کہ تم نے میرے خط کا جواب دیا نہیں نہ بات قبول کی، اب میں مسیح کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تم نے رومی مارک کے رواج کا حکم نہیں دیا اور اپنے توحید کے اس نئے مارک کو بند نہیں کیا تو میں بھی سکہ درہم و دینار کے بارے میں حکم جاری کردوں گا کہ تمہارے رسول اللہ پر گالیاں کھلے لفظوں میں نقش کی جائیں جو تمہارے تمامی مالک میں رواج پائیں گے کیوں کہ تم کو خوب معلوم ہے کہ اسلامی ممالک میں سکہ نہیں ہے ہمارے ملک میں سکوں پر جو نقش ہوتا ہے وہی سکہ تمہارے ملکوں میں جاری کیا جاتا ہے اس لیے کہ خط کو پڑھ کر اپنی پیشانی کا پسینہ پوچھ ڈالو اور میرا ہدیہ قبول کر کے بدستور سابق قدیم مارک کے رواج کا حکم دو جس سے ہماری اور تمہاری محبت سابقہ و بحال و برقرار رہے۔

جس وقت قیصر روم کا یہ خط پہنچا عبدالملک کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہوگئی۔ کوئی بات نہیں بنی اور نہایت پریشانی سے بسر کرنے لگا۔ جس قدر علماء، فضلاء و حکماء و اہل صنعت و حرفت تھے سب کی کمیٹی کر کے دریافت کیا کہ کیا تدبیر کی جائے جو یہ بلا دفع ہو اور پھر اپنی بات بھی رہ جائے۔ سب خاموش رہے کچھ جواب نہ دے سکے۔ تب وزیر اعظم روح بن زنباع نے نہایت آزادی اور جرأت سے کہا کہ سرکار ان بزرگ کو خوب جانتے ہیں جن کی بدولت اس مصیبت سے نجات ہو سکتی ہے مگر عمداً ان کو ترک کرتے ہیں۔ عبدالملک نے پوچھا واقعی ہو تم پر بتاؤ وہ کون بزرگ ہیں؟ روح بن زنباع نے کہا سرکار کو مناسب ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ کی طرف رجوع کریں جو اہل بیت نبیؐ سے ہیں کہ صرف انہیں سے یہ آفت ٹل سکتی ہے۔ عبدالملک نے کہا تم سچ کہتے ہو اس کے بعد گورنر مدینہ کے نام خط لکھا کہ جناب امام محمد باقرؑ کو بہ تعظیم و احترام میرے پاس روانہ کرو اور روانہ کرنے میں بے ادبی نہ کرنا بلکہ بہ ملاطفت و نرمی روانہ کرنا جس کو وہ چاہیں اپنے ہمراہ لائیں اور جس طرح پسند کریں اسی طرح زحمت فرمائیں۔

عبدالملک نے یہ خط بھیج کر قیصر روم کے سفیر کو اپنا مہمان رکھا۔ جب حضرت امام محمد باقرؑ تشریف لائے تو عبدالملک نے پورا واقعہ بیان کیا۔ حضرتؑ نے فرمایا یہ تو ایسی بات نہیں تھی جس سے تم اس درجہ پریشان ہوئے۔ اوّلاً خدا محافظ ہے۔ قیصر روم کو کبھی اس کے ارادہ میں کامیاب نہ ہونے دے گا کہ رسول خداؐ پر سب و شتم جاری ہونے پائے۔ دوسرے تم مجبور بھی نہیں ہو اس کی بخوبی تدبیر کر سکتے ہو۔ عبدالملک نے پوچھا میں کیا کر سکتا ہوں؟ حضرتؑ نے فرمایا اسی وقت کاریگروں کو بلا کر درہم و دینار کا اسلامی سکہ ڈھلوا سکتے ہو کہ ایک طرف کلمہ توحید ثبت ہو اور دوسری جانب حضرت رسول خداؐ کا اسم مبارک اور اس کے حلقہ میں شہر کا نام اور سکہ ضرب ہونے کا سال ثبت کراؤ کہ یہی اسلامی سکہ رواج پائے۔ اس کے بعد حضرتؑ نے اس کے اوزان بتائے کہ درہم کے تین سکے اس وقت جاری ہیں۔ ایک بغلی جو دس مثقال کے دس ہوتے ہیں دوسری سمری خفاف جو ۶ مثقال کے دس ہوتے ہیں اور تیسرا پانچ مثقال کا دس یہ کل ۲۱ مثقال ہوئے۔ اس کو ۳ پر تقسیم کیا ۷ مثقال ہوا۔ اسی سات مثقال کے دس درہم بنوائے اور اسی ۷ مثقال کی قیمت کے سونے کا دینار بنایا جس کا خردہ دس درہم ہوا۔ سکہ درہم کا نقش چوں کہ فارسی میں تھا اس لیے فارسی ہی میں اس کا بھی نقش رہنے دیا اور دینار کا سکہ رومی حرفوں میں کیوں کہ اسی انداز کے سکوں کا رواج تھا۔ اور ڈھالنے کا سانچہ کا بچ کا بنوایا تاکہ زیادتی و نقصان سے محفوظ رہے۔ حضرتؑ نے یہ سب تعلیم دے کر ارشاد فرمایا کہ اس اسلامی سکہ کو تمامی بلاد اسلامیہ میں جاری کردو اور اس مضمون کے فرمان کا اعلان کردو کہ ہر شخص اس سکہ کو استعمال کرے۔ بصورت خلاف ورزی وہ سزا کا مستحق ہوگا کہ اس ذریعے سے رومی سکہ کا استعمال ہی موقوف ہوجائے گا اور یہی اسلامی سکہ ہر جگہ رواج پائے گا۔ عبدالملک نے حضرتؑ کے ارشاد کے مطابق اسلامی سکہ بنوایا اور ہر جگہ اس مضمون کا فرمان بھیج دیا کہ جو شخص اس سکہ کے خلاف دوسرے سکہ کو استعمال کرے گا سزا پائے گا۔ اس کے بعد قیصر روم کے سفیر کو رخصت دی اور وہی جواب جو حضرتؑ نے فرمایا تھا اس سفیر سے کہا کہ اب قیصر روم سے جا کر کہہ دینا کہ جس بات کی تم نے دھمکی دی ہے اُسے کر ڈالو کہ خدا کبھی اس کو چلنے نہیں دے گا۔ میں نے تمہارے سکوں کو اپنے ملکوں میں باطل کر دیا ہے اور اس مضمون کا فرمان جاری کیا کہ جو شخص رومی سکہ یا رومی مارک کی چیزوں کو استعمال کرے گا وہ سزا پائے گا۔ قیصر روم

کے پاس جب یہ جواب پہنچا تو دم بخود ہو کر رہ گیا۔ لوگوں نے اس سے کہا بھی کہ تم نے بادشاہ روم کو جو دھمکی دی تھی کہ رسولِ خدا کو گالیاں دلوا دو گے اب اس کو پورا کیوں نہیں کرتے؟ اس نے کہا جس وقت میں نے دھمکی دی تھی اس وقت البتہ میں اس پر قادر تھا۔ اب تو مجبور ہوں کیونکر اہل اسلام اس سکہ سے لین دین نہیں کریں گے تو پھر اس سے کیا نفع ہوگا۔ غرض حضرتؑ نے جس امر کی خبر دی تھی کہ قیصر اس امر کی اشاعت پر قادر نہیں ہوگا اس کی بخوبی تصدیق ظاہر ہوئی (حیوۃ الحیوان علامہ دمیری مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۶۵) اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ سیاست میں بھی ائمہ طاہرین کا کیا درجہ تھا۔

حضرتؑ کے زمانہ کے بادشاہ

حضرتؑ کی خلافت ۹۵ ہجری سے ۱۱۴ ہجری تک رہی۔ اس درمیان میں دنیائے اسلام کے حسب ذیل بادشاہ بنی امیہ سے ہوتے رہے۔ ولید بن عبدالملک۔ سلیمان بن عبدالملک۔ عمر بن عبدالعزیز[۱]۔ یزید بن عبدالملک اور ہشام بن عبدالملک۔

حضرتؑ کی وفات

حضرتؑ کو بھی خلیفہ ہشام کی طرف سے زہر دیا گیا جس پر آپ نے ۷ ذی الحجہ ۱۱۴ ہجری (۷۳۲ء) کو انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ علمائے محققین نے لکھا ہے مات مسموما کابیہ اپنے پدر بزرگوار کی طرح حضرتؑ نے بھی زہر سے وفات پائی (نور الابصار صفحہ ۱۴۷ وصواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰ وغیرہ)

ازدواج واولاد

حضرتؑ کی چار بیویاں تھیں۔ ام فروہ۔ ام حکیم۔ لیلے اور ایک اور بی بی جن کا نام نہیں ملا۔ اور حضرتؑ کی اولاد سات تھی (۱) پہلی بیوی ام فروہ دختر قاسم بن محمد بن ابی بکر سے دو بیٹے حضرت امام جعفر صادق اور عبداللہ (۲) دوسری بیوی ام حکیم دختر اسد بن مغیرہ ثقفی سے بھی دو بیٹے ابراہیم و عبداللہ (۳) تیسری بیوی سے ایک لڑکا ایک لڑکی علی اور زینب (۴) اور چوتھی سے ایک لڑکی ام سلمہ (ارشاد صفحہ ۲۹۵ وغیرہ)

[۱] خاندان بنی امیہ کا یہ آٹھواں خلیفہ (بادشاہ) عدل و انصاف اور رعایا پروری میں مشہور ہے اور دوسرے خلفاء کے مقابلہ میں زہد۔ اتقا۔ خوف خدا وغیرہ اوصاف حسنہ میں بھی ممتاز تھا باغ فدک حضرت رسول خدا صلعم کی اولاد کو واپس دے دیا تھا۔ معاویہ کے زمانہ سے حضرت امیر المومنینؑ پر لعن (تبرا) ہوتا تھا اور حضرتؑ کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ اس خلیفہ نے اسے موقوف کر کے اس جگہ میں چاروں خلفاء کے نام داخل کرا کے ان کے اور مسلمانوں کے حق میں دعائے خیر کرنے کا حکم جاری کیا۔ غرض حضرات اہلبیتؑ کے متعلق اس کا نیک برتاؤ بہت زیادہ ممدود رہا (۱۲ منہ)

چھٹا باب ۶

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

آپ حضرت رسولِ خدا صلعم کے چھٹے خلیفہ۔ مسلمانوں کے چھٹے امام حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے فرزند تھے۔ ۱۷ ربیع الاول ۸۳ ہجری (۷۰۲ء) روز جمعہ کو مدینہ میں پیدا ہوئے ۱۲ سال کی عمر تک اپنے دادا امام زین العابدینؑ کے ساتھ۔ اور ۳۴ سال کی عمر تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد امام قرار پائے۔ ۱۵ شوال ۱۴۸ ہجری (۷۶۵ء) کو ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور جنۃ البقیع میں دفن کیے گئے۔

حضرتؑ کے والدین

حضرتؑ کے والد امام محمد باقرؑ اور والدہ جناب محمد بن ابی بکر کی پوتی ام فروہ تھیں چوں کہ محمد بن ابی بکر کی ماں نے حضرت امیر المومنینؑ سے عقد کر لیا تھا اس وجہ سے یہ بھی ماں کے ساتھ حضرت امیر المومنینؑ کے پاس آ گئے تھے اور برابر حضرتؑ کی خدمت میں رہتے حضرتؑ کے مشہور شیعوں میں سے تھے اور بڑے کارہائے نمایاں کیے۔

حضرت کا نام۔ کنیت۔ القاب

حضرت کا اسم گرامی جعفر[۱] کنیت ابو عبداللہ۔ ابو اسمٰعیل اور ابو موسیٰ تھی۔ اور القاب صادق۔ صابر۔ فاضل طاہر وغیرہ تھے۔

[۱] جعفر کے معنی کے متعلق جناب مولوی وحیدالزماں خاں صاحب حیدرآبادی نے جو فرقہ اہلحدیث کے محترم عالم اور پیشوا تھے لکھا ہے: جعفر چھوٹی نہر یا بڑا وسیع کشادہ۔ امام جعفر صادقؑ مشہور امام ہیں بارہ اماموں میں سے اور بڑے ثقہ اور فقیہ اور حافظ تھے۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے شیخ ہیں اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں اُن سے روایت نہیں کرتے اور یحیٰی بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی جو کہتے ہیں فی نفسی منہ شئی و مجالد احب الی منہ میرے دل میں امام جعفر صادقؑ سے خلش ہے اور ان سے زیادہ مجالد کو میں دوست رکھتا ہوں) حالاں کہ مجالد کو امام صاحب کے سامنے کیا رتبہ ہے۔ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے تو اہل سنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو ائمہ اہلبیتؑ سے کچھ محبت اور اعتقاد نہیں ہے اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے مروان اور عمران بن حطان اور کئی خوارج سے تو انہوں نے روایت کی اور امام جعفر صادقؑ سے جو ابن رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔ (انوار اللغۃ پ ۵ صفحہ ۴۷)

حضرت کی جلالت قدر

ے بیان تو ایک دفتر چاہیے - آنریبل جسٹس امیر علی صاحب وا
حرہ کے ذکر کے موقع پر لکھتے ہیں "کفر بت پرستی نے پھر غلبہ پایا
ایک فرنگی مورخ لکھتا ہے کہ اس کا دوبارہ جنم لینا اسلام کے لیے سخت خوفناک اور تباہی بخش ثابت ہو
بقیہ تمام مدینہ والوں کو یزید کا غلام بنایا گیا جس نے انکار کیا اس کا سر اتار لیا گیا - اس رسوائی اور بدنامی سے صر
دو آدمی بچے علی ابن الحسینؑ اور علی بن عبداللہ بن عباس - ان سے یزید کی بیعت نہیں لی گئی - مدارس شفا خا
اور دیگر رفاہ عام کی عمارتیں جو خلفاء کے زمانے میں بنائی گئی تھیں یا تو قید کر دی گئیں یا مسمار ہوئیں اور عرب پھ
ایک ویرانہ بن گیا - اس کے کچھ مدت بعد حضرت علی بن الحسینؑ (امام زین العابدینؑ) کے پوتے امام جعفر صادق
نے اپنے جد امجد حضرت علی مرتضیٰؑ کی عظیم الشان تعلیم گاہ پھر مدینہ میں جاری کی مگر یہ صحرا میں ایک ہی سچا
نخلستان تھا - اس کے چاروں طرف ظلمت اور ضلالت چھائی ہوئی تھی (تاریخ اسلام صفحہ ۲۶)

امام مالکؒ و امام ابوحنیفہ صاحب وغیرہ کی شاگردی

شمس العلماء مولوی شبلی صاحب وغیرہ
نے لکھا ہے "ابوحنیفہ ایک مدت
استفادہ کی غرض سے ان (امام محمد باقر علیہ السلام) کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت
نادر باتیں حاصل کیں - شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح
فیض صحبت تھا - امام صاحب نے ان کی فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی صحبت سے بہت
فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے - ابن تیمیہ نے ان سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ
خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت جعفر صادقؑ کے معاصر اور ہمسر تھے اس لیے ان کی شاگردی کیوں کر اختیار
لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہے - امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو
حضرت صادقؑ سے کیا نسبت! حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیتؑ کے گھر سے نکلے وصاحب
البیت ادریٰ بما فیہا - (سیرت النعمان مطبوعہ آگرہ صفحہ ۴۵) اور علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے
کہ اعیان ائمہ میں سے ایک جماعت مثل یحییٰ بن سعید و ابن جریح و امام مالک بن انس و امام سفیان ثوری
و سفیان ابن عیینہ و امام ابوحنیفہ ایوب سجستانی نے آپ سے حدیث کو اخذ کیا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۶۰)
ابو حاتم کا قول ہے کہ جناب امام جعفر ایسے ثقہ ہیں کہ آپ ایسے شخصوں کی نسبت کچھ تحقیق اور استفسار
کی ضرورت ہی نہیں ہوتی - علماء سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت جعفر صادقؑ ریاست کی طلب چھوڑ کر
عبادت میں مشغول رہے - حافظ ابو نعیم حلیۃ الابرار میں عمر ابن المقدام سے ناقل ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے جب
میں امام جعفر صادقؑ کو دیکھتا تو مجھے خیال ہوتا کہ یہ انبیاء کرام کے سلالہ (جوہر) ہیں۔

ابوحنیفہ صاحب کا امتحان

علامہ دمیری نے لکھا ہے کہ ابن شبرمہ کہتے تھے میں اور امام
صاحب ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت

حاضر ہوئے اور حسب ذیل گفتگو ہونے لگی -

میں (ابن شبرمہ) نے حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی (یا حضرت! یہ بزرگ (امام
ابوحنیفہ) عراق کے مرد فقیہ اور مجتہد ہیں -

حضرت جعفر صادقؑ شاید یہی وہ شخص ہیں جو خدا کے دین میں اپنی رائے اور عقل سے قیاس کرتے
ہیں (کیا یہ نعمان بن ثابت ہیں!

ابن شبرمہ کہتے ہیں کہ مجھے ابوحنیفہ صاحب کی طرف یہی کنیت معلوم تھی اور ان کے اصلی نام -
ولدیت نسب وغیرہ کی مطلق خبر نہ تھی - حضرتؑ نے جو اُن کا نام اور ان کے باپ کا نام لے کر مجھ سے
دریافت فرمایا تو کچھ جواب نہ دے سکا - تب ابوحنیفہ صاحب نے خود ہی حضرتؑ سے عرض کی -

امام ابوحنیفہ صاحب - ہاں یا حضرتؑ! میں ہی نعمان بن ثابت ہوں - خدا حضورؑ کا بھلا کرے میں
ہی عراق کا وہ مجتہد ہوں جو دین خدا میں قیاس کرتا ہے

حضرتؑ - اے نعمان دیکھو خدا سے ڈرا کرو اور دین خدا میں اپنے قیاس سے کام نہ لیا کرو - کیا تم نہیں
جانتے سب سے پہلے جس شخص نے اپنے قیاس اور رائے سے کام لیا وہ ابلیس تھا خدا کے حکم
سجدہ آدم پر اس نے جواب دیا کہ انا خیر منہ (میں آدم سے بہتر ہوں) تو اس نے اپنے قیاس میں
غلطی کی اور اسی وجہ سے وہ گمراہ ہو کر رہا - اچھا اے نعمان! کیا تم آدمی کے سر کو اس کے باقی بدن پر قیاس
کر سکتے ہیں کہ دونوں میں کیا نسبت ہے! اور تمام بدن میں سر کو اتنی خصوصیات کیوں دی گئیں کہ آنکھ
کان - ناک - دماغ سب اسی حصہ کو مل گیا اور باقی کل اعضاء ان چیزوں سے محروم رہے -

امام ابوحنیفہ صاحب - نہیں یا حضرت! میں تو اس راز کو حل نہیں کر سکتا -

حضرتؑ - اچھا یہ بتاؤ خدا نے آنکھوں میں نمکینی کانوں میں تلخی - ناک کے نتھنوں میں رطوبت اور
لبوں میں شیرینی کیوں پیدا کی؟ کس مصلحت سے خدا نے ایک ایک عضو میں ایک ایک کیفیت
پیدا کی -!

امام ابوحنیفہ صاحب : یا حضرتؑ مجھے تو معلوم نہیں ہے -

حضرتؑ : اچھا مجھ سے سنو - خدا نے دونوں آنکھوں کو چربی کے ڈھیلے ایسا پیدا کیا ہے اور دونوں
میں نمکینی پیدا کر دی جو حیوانوں پر بڑا احسان کیا ہے - کیوں کہ آنکھوں میں یہ کیفیت نہ پیدا کرتا تو دونوں
پگھل کر بہ جاتیں اور سب اندھے رہتے اور کانوں میں تلخی اس لیے پیدا کی کہ سوتے وقت حشرات الارض
ان میں نہ گھسنے پائیں - یہ بھی حیوانوں پر بڑا احسان ہے کیوں کہ اگر تلخی نہ ہوتی تو چھوٹے کیڑے اندر گھس کر
دماغ کو کھا جاتے اور ناک میں رطوبت اس وجہ سے پیدا کی کہ سانس کی آمد و رفت میں سہولت پیدا ہو اور
خوشبو، بدبو محسوس ہو اور لب و زبان میں شیرینی اس لیے قرار دی کہ حیوانوں کو کھانے پینے کی لذت محسوس ہو

واگر نیبوں کا مزہ بھی تلخ یا نمکین ہوتا تو کھانے پینے کی کل چیزیں بدمزہ معلوم ہوتیں اور سب زندگی دشوار ہو جاتی)

جب اس قدر حضرتؑ فرما چکے تو امام ابو حنیفہ صاحب کا پہلے سے بھی زیادہ آسان اور بالکل ہلکا امتحان لینا چاہا اور اس طرح گفتگو ہونے لگی۔

حضرت۔ اچھا اے نعمان! ذرہ مجھے وہ کلمہ تو بتاؤ جس کا پہلا حصہ کفر اور دوسرا ایمان ہے۔

امام ابو حنیفہ صاحب۔ (گھبرا کر) یا حضرت! وہ کون سا کلمہ ہے! مجھے تو بالکل نہیں معلوم!

حضرتؑ۔ ایں! تم کو ابھی تک یہ نہیں معلوم! سنو وہی کلمہ شہادت لا الٰہ الا اللہ۔ کہ اس کا پہلا جزو کہہ کر کوئی چپ ہو جائے تو کفر ہو جائے گا (کیوں کہ اس سے معلوم ہو گا وہ کسی خدا کو نہیں مانتا) اور جب دوسرا حصہ الا اللہ کہہ دے تو معلوم ہو گا کہ ایک خدا کو مانتا ہے (اور یہی ایمان ہے)

حضرتؑ۔ اچھا یہ بتاؤ قتل کا گناہ بڑا ہے یا زنا کا!

امام ابو حنیفہ صاحب۔ قتل کا گناہ بڑا ہوا ہے۔

حضرتؑ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں دو گواہ کافی ہوتے ہیں اور زنا میں چار ضروری ہیں۔ بتاؤ تمہارا قیاس کہاں گیا! (جب اس کا بھی جواب نہ دے سکے تو فرمایا)

حضرت۔ خیر یہ بتاؤ روزہ کا درجہ بڑا ہے یا نماز کا۔

امام ابو حنیفہ صاحب۔ نماز کا (کیوں کہ روزے سے افضل نماز ہے جس کا تارک کافر کہا گیا ہے)

حضرتؑ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ حالت حیض میں عورت کی جو نماز چھوٹ جاتی ہے پاک ہونے کے بعد اس کی قضا کرنے کا حکم نہیں ہوا مگر جو روزہ چھوٹتا ہے اس کی قضا واجب ہے۔ (امام ابو حنیفہ صاحب اب بھی نہ بول سکے تو فرمایا)۔

حضرتؑ۔ بندہ خدا! مذہب کی باتوں میں اپنی عقل سے قیاس نہ کیا کرو۔ کیوں کہ بروز قیامت ہم تم بلکہ سب خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ہم لوگ کہیں گے کہ اللہ اور رسولؐ نے یہ فرمایا تھا اور تم اور تمہارے مقلدین کہیں گے کہ ہم نے یہ سنا اور ہم نے یہ رائے قائم کی۔ اس وقت خدا ہمارے تمہارے بارے میں جو چاہے گا فیصلہ کر دے گا۔ یہ بھی سن لو قتل میں دو گواہ کافی ہیں اور زنا میں چار گواہ ضروری اس سبب سے سمجھے گئے کہ قتل ایک کھلا ہوا کام ہے جس کی گواہی مقتول کا خون اور اس کا بے جان ہونا بھی دیتا ہے۔ اس لیے صرف دو گواہ سے کام چل جائے گا۔ برخلاف زنا کے کہ اس میں یہ صورت نہیں ہے آسانی سے دو شخص کسی کے زنا کی جھوٹی گواہی دے سکتے ہیں تو اس میں خدا نے لوگوں کی عزت کا پردہ رکھنے کے لیے چار گواہ کی شرط کر دی کہ جب تک یہ تعداد نہ ہو کسی پر یہ جرم ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور زمانہ حیض کی نماز قضا کرنے کا حکم اس وجہ سے نہیں دیا کہ یہ ہر روز پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے اگر اس کی قضا واجب کی جاتی تو عورتوں کے لیے ایک مصیبت ہو جاتی (پاک ہونے کے بعد روزانہ کی پانچ نمازیں بھی پڑھیں اور زمانہ حیض کی قضا بھی ادا کریں) برخلاف روزہ کے کہ وہ سال میں ایک ہی مہینہ واجب کیا گیا ہے (پس اگر ماہ رمضان میں آٹھ نو دن کے روزے حیض کی وجہ سے چھوٹ گئے تو عید کے بعد شوال یا ذیقعدہ میں اتنے روزے رکھ لیے) اور سب سے زیادہ عالم تو خدا ہی ہے فقط (کتاب حیواۃ الحیوان علامہ دمیری مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۸۶ لغت ظبی) حضرت نے امام ابو حنیفہ صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ خدا سے ڈرو اور دین کے معاملات میں اپنی رائے اور قیاس کو دخل نہ دو کیوں کہ اول جس نے ایسا کیا وہ ابلیس ہے چنانچہ اس نے حکم الٰہی کے مقابلہ میں یہ کہا کہ مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے پس اس سے ظاہر ہے کہ وہ قیاس میں خطا کر گیا (حوالہ حیواۃ الحیوان جلد ۲ صفحہ ۸۵) حضرت نے امام ابو حنیفہ صاحب سے یہ بھی سوال کیا کہ تم اس احرام باندھے ہوئے شخص کے بارے میں کیا فتوے دیتے ہو جس نے ہرن کے وہ دانت توڑ ڈالے جن کو رباعی کہتے ہیں ابو حنیفہ صاحب نے کہا اے فرزند رسولؐ مجھے معلوم نہیں کہ اس مسئلہ میں حکم شرع کیا ہے۔ تب حضرتؑ نے فرمایا تم قیاس تو خوب دوڑاتے ہو مگر اتنا نہیں جانتے کہ ہرن کے وہ دانت ہوتے ہی نہیں جن کو رباعی کہتے ہیں (تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۰۵) ان امتحانوں سے معلوم ہو گیا کہ علامہ ابن تیمیہ نے جو خیال کیا کہ امام ابو حنیفہ حضرت جعفر صادقؑ کے معاصر اور ہمسر تھے اس لیے ان کی شاگردی کیوں کر اختیار کرتے "یہ کیسا لغو اور قابل مضحکہ ہے۔ حضرت کی اس علمی جلالت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے آپ کا نام جعفر رکھا (تذکرہ خواص الامہ از سبط ابن الجوزی ... المطالب صفحہ ۳۶۱) اور علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ سادات اہلبیتؑ سے تھے۔ صدق مقال کی وجہ سے ان کا لقب صادق ہوا اور ان کا فضل و کمال محتاج بیان نہیں ہے (وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۱۰۵) اور خود امام ابو حنیفہ صاحب کہتے تھے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے بڑھ کر علم دین کا عالم کسی کو نہیں پایا (تذکرۃ الحفاظ ذہبی مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد ۱ صفحہ ۱۵۰)

ایک مفتری کے جھوٹی قسم کھانے کا انجام

حضرتؑ کے زمانہ میں خلفاء بنی عباس کا دور شروع ہو گیا تھا اس کا خلیفہ منصور دوانیقی جب حج کرنے گئے تو کسی شخص نے اس کے پاس حضرتؑ کے متعلق ایک بہتان بیان کیا حضرتؑ نے فرمایا تو قسم کھا سکتا ہے اس نے کہا ہاں میں کھا سکتا ہوں اور فوراً خدا کی قسم کھا لی۔ حضرت نے منصور سے فرمایا جس طرح میں کہتا ہوں اس طرح اس سے قسم کھلاؤ۔ منصور نے کہا آپ اسی طرح اس سے قسم کھلائیں تب حضرت نے فرمایا اس طرح قسم کھا کہ میں خدا کی قوت سے علیحدہ ہو کر اپنی طاقت و توانائی کی پناہ پکڑ کر کہتا ہوں کہ بے شک جعفر نے ایسا ویسا کیا ہے۔ پہلے

پہلے تو اس مفتری نے اس طرح قسم کھانے سے انکار کیا مگر پھر اس طرح قسم کھالی قسم کھانا تھا کہ وہیں مرکر رہ گیا۔ صواعق محرقہ صفحہ ۲۰۱)

حضرت کی دعا کا اثر

حضرت کے چچا زید ابن امام زین العابدین کا حال پہلے لکھا گیا کہ خلیفہ ہشام سے جنگ کی تھی۔ جب آپ شہید ہوگئے تو ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ حکیم بن عیاش کلبی خاندان رسالت کی توہین اور ہجو کیا کرتا ہے حضرت نے فرمایا اگر تم کو اس کا کچھ یاد ہو تو پڑھو اس نے دو شعر پڑھے۔

صلبنا لکم زیدا علی راس نخلۃ ولم ار مھدیا علی الجذع یصلب

وقستم بعثمان علیا سفاھۃ وعثمان خیر من علی واطیب

خاندان رسالت والو! کیوں تم نے دیکھ لیا کہ ہم نے زید کو درخت خرما کی شاخ پر کس طرح سولی دے دی حالاں کہ ہم نے نہیں دیکھا کہ کوئی مہدی دار پر چڑھایا گیا ہو اور تم نے اپنی بے وقوفی سے علی کو عثمان کے برابر سمجھ لیا حالاں کہ علی سے عثمان بہتر اور پاکیزہ تر ہیں۔ یہ سن کر حضرت امام جعفر صادق نے دعا کی کہ اے اللہ اگر یہ حکیم کلبی جھوٹا ہے تو اس پر اپنی مخلوق سے کسی درندے کو مسلط فرما۔ اس کے کچھ ہی بعد بنو امیہ نے اس شخص کو کوفہ کی طرف بھیجا راہ میں ایک شیر نے اس کو پھاڑ ڈالا۔ جب حضرت کو اس کی خبر ملی تو سجدے میں گر پڑے اور فرمایا اس خدا کا شکر ہے جس نے اس امر کو پورا کیا جس کا اس نے ہم لوگوں سے وعدہ فرمایا تھا (نور الابصار صفحہ ۱۴۷ و صواعق صفحہ ۱۲۱ و اصابہ جلد ۲ صفحہ ۸۰)

حضرتؑ کا رعب و جلال

خلیفہ منصور دوانیقی کا ایک مقرب بارگاہ ناقل ہے کہ میں نے ایک دن منصور کو پریشان دیکھ کر دریافت کیا کہ کس امر کا تردد ہے؟ اس نے کہا میں نے رسولؐ خدا کے خاندانوں والوں سے جماعت کثیرہ کو تو فنا کر دیا لیکن ان کے پیشوا کو اب تک چھوڑ رکھا ہے میں نے پوچھا وہ کون؟ منصور نے کہا حضرت امام جعفر صادق ابن محمد۔ میں نے عرض کی جعفر بن محمد تو ایسے شخص ہیں جو ہمیشہ عبادات اور یاد خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ دنیا سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ منصور نے کہا میں جانتا ہوں کہ تو دل میں ان کی امامت کا اعتقاد رکھتا ہے مگر میں نے قسم کھائی ہے کہ آج رات ہونے سے پہلے ہی ان کو ختم کر کے مطمئن ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر جلاد کو حکم دیا کہ جب (امام) جعفر (صادق) ابن محمد کو لوگ حاضر کریں اور میں اپنے سر پر ہاتھ رکھوں تو فوراً ان کو قتل کر دینا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت امام جعفر صادق لوگوں کے ساتھ تشریف لائے حضرت اس وقت کچھ زبان سے آہستہ آہستہ پڑھتے تھے جب منصور کی نظر حضرت پر پڑی تو وہ کانپنے لگا اور استقبال کر کے حضرت کو اپنی مسند پر بٹھا لیا اس کے بعد پوچھا اے فرزند رسولؐ آپ نے کیوں زحمت فرمائی؟ حضرت نے فرمایا تم نے بلایا اس وجہ سے میں آیا۔ منصور نے کہا اگر آپ کی کوئی حاجت ہو تو بیان کیجیے حضرت نے فرمایا میری حاجت یہی ہے کہ آئندہ میری طلبی نہ ہو

کمر کپڑ وہاں سے واپس تشریف لائے (شواہد النبوت صفحہ ۱۸۸ و وسیلۃ النجات صفحہ ۲۶۱ وغیرہ) دوسری روایت یہ ہے کہ منصور نے اپنے خادم ربیع سے کہا اگر میں اس وقت جعفر صادق کو قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کر دے جب حضرت وہاں تشریف لے گئے تو زبان مبارک کو حرکت تھی۔ جب حضرتؑ اس کے قریب ہوئے تو اس نے کہا اے دشمن خدا تم میرے ملک میں فساد و فتنہ پھیلاتے رہتے ہو! اگر میں تمہیں قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کر دے۔ حضرتؑ نے فرمایا اے بادشاہ وقت! حضرت سلیمان کو بادشاہت ملی تو شکر کیا حضرت ایوب مبتلائے مصائب ہوئے تو صبر کیا حضرت یوسفؑ پر ظلم کیا گیا تو معاف کیا۔ اب تمہارا زمانہ ہے تمہیں مناسب ہے کہ انہیں لوگوں کی پیروی کرو منصور نے یہ سنا تو سر جھکا لیا اور دیر تک اسی طرح جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ پھر سر اٹھا کر کہا اے حضرت ابو عبداللہ آپ میرے پاس تشریف لائیں کہ آپ صاحب قرابت قریبہ ہیں۔ آپ سے میرا خاندانی رشتہ ملا ہوا ہے آپ کی شان۔ لہٰذا آپ کا برتاؤ صلح و امن کا چاہیے پھر حضرت سے مصافحہ اور معانقہ کیا اور اپنی مسند پر بٹھا کر حضرت سے بڑے ادب و احترام کی باتیں شروع کیں پھر اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ جلد حضرت ابو عبداللہ کے لیے جائزہ اور خلعت مہیا کرو۔ جب حضرت کو رخصت کر چکا اور حضرت وہاں سے باہر تشریف لائے تو ربیع نے عرض کی اے حضور ذرا ٹھہر جائیے۔ میں نے دیکھا کہ حضور تشریف لائے تو زبان مبارک کو حرکت تھی جس کے بعد فوراً منصور کا رنگ بدل گیا اور وہ بالکل مسخر ہو گیا۔ میں تو اس بادشاہ کا خادم ہوں، مجھے اس دعا کی اکثر ضرورت پڑتی رہے گی۔ حضور مجھے وہ دعا تعلیم فرما دیں حضرت نے فرمایا ہاں سنو میں نے یہ دعا پڑھی تھی اللھم احرسنی بعینك التی لا تنام واکنفنی بکنفك الذی لا یرام لا اھلك وانت رجائی فکم من نعمۃ انعمتھا علیّ قلّ عندھا شکری فلم تحرمنی۔ وکم من بلیۃ ابتلیتنی بھا قلّ عندھا صبری فلم تخذلنی۔ اللھم بك ادرأ فی نحرہ واعوذ بك من شرہ۔

اے اللہ تو اپنی اس توجہ سے میری حفاظت کرتا رہ جو کبھی غافل نہیں ہوتی اور اپنی اس درگاہ میں مجھے پناہ دے جس سے آگے کوئی بڑھ نہیں سکتا یا جس کے حاصل کرنے کا کوئی قصد نہیں کر سکتا جب تک مجھے تیری امید ہے ہلاک نہیں ہو سکتا۔ مجھ پر تیری کتنی نعمتیں ہیں جن کا شکریہ میں نے بہت کم ادا کیا مگر تو نے مجھے محروم نہیں رکھا اور کتنی مصیبتیں ہیں جن میں مبتلا ہوا تو ان پر کم صبر کرنے کا موقع ملا مگر تو نے مجھے ناامید نہیں کیا۔ اے خدا میں تیری مدد سے (اس بادشاہ) کی دگدگی میں دھکا دیتا ہوں تو اس کے ظلم کو مجھ سے دور کر دے اور اس کے شر سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ربیع بیان کرتا تھا اس کے بعد جب میں کسی پریشانی میں مبتلا ہوا تو اسی دعا کو پڑھا فوراً وہ مصیبت دفع ہو گئی (مجانی الادب جلد ۲ صفحہ ۱۸۴ و نور الابصار صفحہ ۱۴۶)

حضرتؑ کا حلم و عفو

حضرتؑ لوگوں کی بڑی بڑی غلطیوں کو فوراً معاف کر دیتے اور سخت نقصانوں کے موقع پر بھی شفقت و درگزر سے کام لیتے۔ ایک دفعہ حضرت کی کوئی لونڈی

کل تسمے کاٹ دیئے اور بڑی جلدی جوتیاں پھینک کر ننگے پاؤں ہوگئے۔ شہر بھر کے لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے ایک کہرام بپا ہوگیا۔ اس کی خبر مامون کو بھی ہوگئی اسکے وزیر سہل بن سہل نے اس سے کہا کہ اگر امام رضاؑ اسی حالت سے عیدگاہ پہنچ جائیں گے تو معلوم نہیں کیا فتنہ اور ہنگامہ برپا ہو جائے گا۔ سب لوگ ان کی طرف ہو جائیں گے اور ہم یہ نہیں جانتے کہ ہم لوگ کیسے بچیں گے۔ وزیر کی اس تقریر پر متنبہ ہو کر مامون نے اپنے خواص میں سے ایک شخص کو حضرتؑ کی خدمت میں بھیج کر کہلا بھیجا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی جو آپ سے عیدگاہ جانے کو کہا۔ اس سے آپ کو زحمت ہو رہی ہے اور میں آپ کی مشقت کو پسند نہیں کرتا۔ بہتر ہے کہ آپ واپس آئیں اور عیدگاہ جانے کی زحمت نہ اٹھائیں۔ پہلے جو شخص نماز پڑھاتا تھا وہی پڑھائے گا۔ پس حضرت واپس آئے اور نماز عید نہیں پڑھائی۔ (وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۳۸۲)

ابونواس کے اشعار

دربار بنی عباس کا مقبول شاعر ابونواس بہت کامل اور مشہور تھا۔ اس کے دوستوں نے اس سے کہا کہ تم کیسے بیہودے ہو کر ہر چیز کے متعلق کچھ نہ کچھ اشعار تم نے ضرور کہے مگر یہ حضرت امام علی رضاؑ تمہارے زمانہ میں موجود ہیں حضرتؑ کی شان میں تم نے کچھ بھی نہیں کہا۔ ابونواس نے کہا خدا کی قسم حضرتؑ کی عظمت و جلالت ہی کی وجہ سے مجھے جرأت نہیں ہوتی کہ کچھ کہہ سکوں۔ بھلا میرے ایسا شخص حضرتؑ کی مدح میں کوئی شعر کہہ سکتا ہے؟ پھر کچھ دیر کے بعد یہ چند شعر کہے ؎

قیل لی انت احسن الناس طرا　　فی فنون من الکلام النبیہ

لک من جید القریض مدیح　　یثمر الدر فی یدی مجتنیہ

فعلی ما ترکت مدح ابن موسیٰ　　والخصال التی تجمعن فیہ

قلت لا استطیع مدح امام　　کان جبریل خادما لابیہ

لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمدہ کلام کے ہر رنگ اور مذاق کے اشعار سب لوگوں سے اچھے تم ہی کہتے ہو بلکہ اچھے اشعار میں تمہارے مدحیہ قصیدے ایسے ہوتے ہیں جن سے سننے والوں کے سامنے موتی جھڑتے رہتے ہیں پھر تم نے حضرت موسیٰ کاظمؑ کے فرزند (حضرت علی رضاؑ) کی مدح اور حضرت کے فضائل و مناقب میں کوئی قصیدہ کیوں نہیں کہا؟ تو میں نے سب کے جواب میں کہہ دیا کہ بھائیو جس جلیل الشان امام کے آبائے کرام کے خادم جناب جبرئیل ایسے فرشتے ہیں ان کی مدح کرنا مجھ سے ممکن نہیں ہے۔ (ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۳۲۱)

شاعر مذکور ہی نے ان حضراتؑ کی شان میں یہ چند شعر بھی کہے ہیں ؎

مطھرون نقیات جیوبھم　　تجری الصلوٰۃ علیھم این ما ذکروا

من لم یکن علویا حین تنسبہ　　فما لہ فی قدیم الدھر مفتخر

اللہ لما برا خلقا فاتقنہ　　صفاکم واصطفاکم ایھا البشر

فانتم الملاء الاعلیٰ وعندکم　　علم الکتاب وما جاءت بہ السور

یہ حضراتؑ (ائمہ طاہرینؑ) خدا کے پاک و پاکیزہ کئے ہوئے اور ان کے لباس بھی طیب و طاہر ہیں۔ جہاں ان کا ذکر ہوتا وہاں ان پر درود کا نعرہ بلند ہو جاتا ہے۔ جب حسب نسب بیان ہوتے وقت کوئی شخص علوی خاندان کا نہ نکلے تو اس کو ابتدائے زمانہ سے کوئی فخر کی بات نہیں ملے گی۔ جب خدا نے مخلوق کو پیدا کیا پھر اس کو ہر طرح استوار کیا تو اے (خدا کے برگزیدہ) حضرات آپ لوگوں کو خدا نے سب سے زیادہ شریف بھی قرار دیا اور سب پر فضیلت بھی دی۔ پس آپ حضرات ہی ملاء اعلیٰ ہیں اور آپ ہی کے پاس قرآن مجید کا علم اور سوروں کے مطالب ہیں (وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۳۲۲)

حضرتؑ کی وفات

ایک روز مامون نے حضرتؑ کو بلایا اور گلے لگا کر اپنے پاس بٹھایا۔ اس کے پاس ایک طبق میں بہت سے انگور رکھے تھے اور اس کے ہاتھ میں بھی انگور کا ایک خوشہ تھا۔ جس کے چند دانوں میں زہر بھرا تھا۔ ان دانوں کو حضرتؑ کی طرف بڑھا کر مامون نے کہا کہ دیکھئے کیسے اچھے انگور ہیں۔ حضرتؑ نے فرمایا بہشت کے انگور ان سے کہیں زیادہ عمدہ ہیں میں نہیں کھاؤں گا اس نے ضد کی مگر حضرتؑ انکار ہی کرتے رہے۔ آخر وہ بولا کہ میں تو آپ سے عزت و احترام کا برتاؤ کرتا ہوں اور آپ مجھ سے بدگمانی کرتے ہیں۔ مجبوراً حضرتؑ نے وہ خوشہ لیا اور اس سے تین دانے کھا لیے۔ آہ آہ۔ ان دانوں کا کھانا تھا کہ فوراً زہر اثر کرنے لگا۔ حضرتؑ کا حال بدل گیا۔ باقی انگور کو پھینک کر اٹھ کھڑے ہوگئے۔ مامون بولا کہاں چلے! فرمایا جہاں تم نے بھیجا اب وہیں جاتا ہوں۔ یہ فرما کر اپنی منزل میں تشریف لائے اور فرش پر لوٹنے لگے۔ آخر تڑپ کر ۲۳ ذیقعد ۲۰۳ ہجری (۸۱۸ء) کو انتقال فرمایا اور طوس میں دفن کیے گئے جو ملک خراسان کا ایک شہر ہے۔ وہاں حضرتؑ کا نہایت عالی شان روضہ بنا ہے جہاں مومنین برابر زیارت کو جاتے رہتے ہیں۔

حضرتؑ کو کس نے زہر دیا

یہ ایک دلچسپ بحث ہے کہ مامون نے حضرتؑ کو زہر دیا یا نہیں بعض علمائے اہلسنت اس سے انکار کرتے ہیں مگر علمائے شیعہ کا یقین ہے کہ مامون ہی نے حضرتؑ کو زہر دیا۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نعمانی نے لکھا ہے "حضرت علی رضا علیہ السلام کی وفات اخیر صفر ۲۰۳ ہجری۔ اس سفر میں حضرت علی رضا علیہ السلام بھی مامون کے ساتھ تھے۔ طوس پہنچ کر دفعتہً انتقال فرمایا۔ کہتے ہیں کہ انگور میں زہر دیا گیا۔ ہارون رشید کی قبر بھی یہیں ہے۔ مامون نے اسی وجہ سے یہاں قیام کیا تھا۔ حضرت علی رضاؑ نے وفات پائی تو مامون نے حکم دیا کہ ہارون رشید کی قبر اکھڑوا کر حضرت علی رضاؑ بھی اس میں دفن کیے جائیں جس سے مقصود یہ تھا کہ رشید بھی حضرت علی رضاؑ کی برکت سے مستفید ہو مامون کو حضرت علی رضاؑ کی وفات کا نہایت صدمہ ہوا وہ جنازہ کے ساتھ ننگے سر گیا۔ اور رو رو کر کہتا تھا اے ابوالحسن! تیرے بعد میں کہاں جاؤں! تین دن تک قبر پر مجاور رہا اور صرف ایک روٹی و نمک روزانہ اس کی خوراک رہی۔ اس پر دعبل ایک شاعر نے جو اہلبیت کا مداح اور خلفائے بنی العباس کا نہایت دشمن تھا

ما ينفع الرجس من قرب الذکی ولا علی الذی بقرب الرجس من ضرر

یعنی ناپاک آدمی کو پاک کے قرب سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا - اور ناپاک کا اس کے قرب سے کچھ نقصان ہوتا ہے یہ ایک تاریخی سوال ہے کہ حضرت علی رضا کو کس کے ایما سے زہر دیا گیا مگر ایک خاص فرقہ نے اس واقعہ پر مذہبی رنگ چڑھایا ہے ۔ شیعہ بلا استثنا اس پر متفق ہیں کہ خود مامون نے زہر دلوایا - افسوس ہے کہ ہم کو شیعوں کی تاریخی تصنیفات نہیں ملیں کہ ہم اس بحث کو دونوں فریق کی روایتوں کے لحاظ سے فیصل کر سکتے تمام وہ بڑی بڑی تصنیفیں جن کو دنیا نے اسلامی تاریخ کا لقب دیا ہے سُنیوں ہی کی تصنیفیں ہیں اور بظاہر ان میں مذہبی حیثیت کا خاص لحاظ نہیں رکھا گیا ہے تاریخی واقعات کی نسبت ہم کو انہیں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا ۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے کہ ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام کو لگانے کی جرأت نہیں کی ہے بلکہ علامہ ابن اثیر نے صاف لفظوں میں اس غلط خیال پر استعجاب ظاہر کیا ہے مامون الرشید کے زمانہ سے نہایت قریب تر تاریخ جو آج دستیاب ہو سکتی ہے ابن واضح عباسی کی تاریخ ہے ۔ یہ مصنف مامون کے زمانہ کے واقعات ان لوگوں کی زبانی روایت کرتا ہے جو خود مامون کے عہد میں موجود تھے ہم اس کی تاریخ میں شیعیت کا اثر بھی پاتے ہیں تاہم اس نے مامون کی بجائے یہ بدگمانی علی بن ہشام کی نسبت کی ہے ۔ تاریخی اصول تحقیق سے اگر ہم کام لیں تو بھی یہی ماننا پڑے گا ۔ مامون نے حضرت علی رضا کو ولیعہد خلافت مقرر کیا اس سے کوئی سازش مقصود نہ تھی ۔ حضرت علی رضا کوئی ملکی شخص نہ تھے اور نہ ان سے حکومت عباسیہ کو کسی خطرہ کا احتمال تھا جیسا کہ شیعوں کا دعویٰ ہے ۔ مامون کو اہلبیت کیساتھ جو دلی خلوص تھا اس سے کون انکار کر سکتا ہے ۔ حضرت علی رضا کے بعد مامون کا طریق عمل سادات کیساتھ کیا رہا سلہ اس خاص حیثیت سے مامون کے ان تمام حالات اور واقعات کو ترتیب دو جو حضرت علی رضا کی وفات سے پہلے اور پیچھے پیش آئے ۔ یہ مرتب اور نتیجہ خیز سلسلہ خود بتا دیگا کہ مامون پر ایک غلط اتہام ہے ۔ بے شبہ مامون کے خاندان والے حضرت علی رضا کی ولیعہدی سے ناراض تھے انہیں میں سے کسی نے یہ بیہودہ حرکت کی ہوگی ۔ حضرت علی رضا ائمہ اثنا عشریہ میں ہیں اور حضرت موسیٰ کاظم کے خلف الرشید ہیں مدینہ منورہ میں ۱۴۸ھ ہجری میں جمعہ کے دن پیدا ہوئے بہایت بڑے عالم اور اتقیائے روزگار میں سے تھے ملون

سلہ مولوی شبلی صاحب نے اسی کتاب میں ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے مامون کا ایک مشہور مناظرہ جس میں اس کا دعویٰ تھا کہ تمام صحابہ میں حضرت علی افضل تر ہیں بڑے معرکہ کا مناظرہ ہے ۔ قاضی یحییٰ بن اکثم اور چالیس بڑے بڑے فقیہ اس دعویٰ کے مخالف تھے ادھر مامون تنہا سب کا طرف مقابل تھا ۔ مناظرہ کے وقت حاکمی اور محکومی کا پردہ اٹھا دیا گیا تھا اور ہر شخص کو گفتگو میں پوری آزادی حاصل تھی ۔ صبح سے تقریباً دو پہر تک دونوں ۔ فریق نے دادِ سخن دی مگر انصاف یہ ہے کہ میدان مامون کے ہاتھ رہا ۔ یہ پورا مناظرہ کتاب العقد میں مذکور ہے اور حق یہ ہے کہ مامون کی وسعت نظر ۔ جودت ذہن ۔ کثرت معلومات حسن بیان ۔ اور زور تقریر کا ایک حیرت انگیز مرقع ہے " (المامون صفحہ ۱۹۹) یہ پورا مناظرہ کتابی شکل اور ترجمہ کے ساتھ و نثر انصلاح سے کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے

پہلے ہی ایک رسالہ تصنیف کیا تھا - ابو نواس عرب کے مشہور شاعر سے لوگوں نے کہا کہ تو نے ہر مضمون پر شعر لکھے اور حضرت علی رضا جو فخر روزگار ہیں ان کی شان میں دو شعر بھی نہ کہے اس نے جواب دیا کہ ان کا پایہ کمال میری مدح سے بہت اونچا ہے ۔ چونکہ ذوالریاستین اور حضرت علی رضا کی وفات نے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا ۔ مامون نے بغداد کے لوگوں کو ایک خط لکھا کہ اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو مگر مامون کو خلاف توقع اپنی تحریر کا نہایت سخت جواب ملا " (المامون صفحہ ۹۲)

مولوی شبلی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت سے سخت حیرت ہوتی ہے ۔ کیونکہ ممدوح مختلف زمانوں کی تاریخ اسلام سے واقف اور بادشاہوں کے حالات اور سیاسی انتظامات سے باخبر تھے جن کے حالات میں ایسے واقعات کثرت سے ملتے ہیں ۔ کیا ممدوح نہیں جانتے کہ اورنگ زیب نے اپنے بھائیوں کو قتل کرایا اور اپنے باپ کو سلطنت سے محروم کر کے قید کر دیا ۔ بنی امیہ کا بادشاہ مروان جب رات کو اپنے محل میں سونے گیا تو اس کی بیوی نے اس پر بھاری گدا ڈلوا کر اس پر لونڈیوں کو بٹھا دیا اور اس کا گلا گھونٹوا دیا ۔ خود مامون کے باپ دادا نے کیا کیا ۔ مردوں کا کیا ذکر ہے ۔ عورتوں کا طرز عمل دیکھیے کہ خلیفہ ہادی کی ماں خیزران نے جو مامون کی دادی تھی اپنے بیٹے بادشاہ ہادی کو ۲۶ سال کی عمر میں زہر دے کر ختم کر دیا ۔ مامون کے باپ ہارون رشید نے اپنے خاص وزیروں کے خاندان برامکہ کو جس طرح تباہ کر دیا اس کو خود مولوی شبلی صاحب اس طرح لکھتے ہیں " اگر اس کا دامن انصاف برامکہ کے خون سے رنگین نہ ہوتا تو ہم اس کے ہوتے " (المامون صفحہ ۲۰) اب مامون کو دیکھو کہ اپنے بھائی امین کو کس بے دردی سے قتل کیا ۔ پھر اپنے بڑے محسن وزیر جنگ فضل بن سہل کو جس کی کوششوں سے وہ بادشاہ ہوا تھا قتل کرا دیا ۔ ایسے شخص کا حضرت امام علی رضا کو قتل کرانا کیوں باعث حیرت ہو سکتا ہے ! ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم نے لکھا ہے " مامون کو جب باغیوں اور مفسدوں کی کثرت اور اہلبیت کے طلب خلافت میں اٹھنے کی خبر پہنچی تو گھبرا گیا اور یہی مصلحت دیکھی کہ امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بنا لے ۔ چنانچہ ان کو مدینہ سے بلا کر ۲ رمضان ۲۰۱ھ ہجری (۸۱۶ء) کو باوجود ان کے سخت انکار کے اپنا ولی عہد بنا لیا ۔ ان سے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی کر دی اور ان کا نام درہم و دینار میں مسکوک کرایا ۔ شاہی وردی سے عباسیوں کا سیاہ رنگ ترک کر کے بنی فاطمہ کا سبز رنگ اختیار کیا ۔ امام رضا کی ولیعہدی کی خبر سن کر بغداد کے عباسی یہ خیال کر کے کہ خلافت ہمارے خاندان سے نکل چکی کمال سوختہ ہوئے اور انہوں نے ابراہیم بن مہدی کو بغداد کے تخت پر بٹھا دیا ۔ اور محرم ۲۰۲ھ ہجری میں مامون کی معزولی کا اعلان کر دیا بغداد اور اس کے نواح میں بالکل بدنظمی پھیل گئی ۔ لچے ۔ غنڈے دن دہاڑے لوٹ مار کرنے لگے جنوبی عراق اور حجاز میں بھی معاملات کی حالت ایسی ہی خراب ہو رہی تھی ۔ فضل سب خبروں کو بادشاہ سے پوشیدہ رکھتا تھا ۔ مگر امام رضا نے اسے خبردار کر دیا ۔ بادشاہ وزیر کی طرف سے بدظن ہو گیا ۔ مامون کو جب ان شورشوں کی خبر ہوئی تو بغداد کی طرف روانہ ہو گیا ۔ سرخس میں پہنچ کر اس نے فضل کو حمام میں قتل کرا دیا

اور حضرتؑ میں ملاقات ہو گئی تو اس نے پوچھا کیا آپ ہی وہ ہیں جن سے لوگ چھپ چھپ کر بیعت کرتے ہیں؟ حضرتؑ نے فرمایا ہم دلوں کے امام ہیں اور تم جسموں کے (یعنی سب لوگ دل سے ہمیں کو امام جانتے ہیں لیکن اپنے بدن کی ہلاکت کے خوف سے بظاہر تمہاری خلافت کا اقرار کرتے ہیں) لوگوں نے یہ بھی اس سے کہا کہ حضرتؑ نے تیس ہزار دینار کی زمین خریدی ہے۔ رشید نے یہ سب سنا تو اس زمین پر قبضہ کر لیا اور عیسیٰ بن جعفر بن منصور کو حکم بھیجکر حضرتؑ کو قید کر دیا ایک سال تک آپ اس کی قید میں رہے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲)

خلیفہ کے سوال کا بے مثل جواب دینا

خلیفہ ہارون رشید نے حضرتؑ سے پوچھا آپ کس دلیل سے کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا کی ذریت ہیں حالانکہ آپ حضرت علیؑ کی اولاد ہیں اور ہر شخص اپنے دادا کی اولاد کہا جاتا ہے نانا کی اولاد نہیں پکارا جاتا حضرتؑ نے فرمایا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ومن ذریتہ داؤد وسلیمان وایوب الی ان قال وعیسیٰ ولیس لہ اب۔ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی ذریت سے جناب داؤد وسلیمانؑ تھے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ کے نام تک پہنچے۔ تب فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ کے تو کوئی باپ نہ تھے (پھر خدا نے ان کو ابراہیمؑ کی اولاد میں کیوں کہا! ماں ہی کی وجہ سے تو آپ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں قرار پائے) پھر دوسری آیہ مباہلہ پڑھکر فرمایا کہ جب آیہ مباہلہ نازل ہوئی تو مباہلہ کے وقت پیغمبر خدا نے سوائے حضرت علیؑ فاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ کے کسی کو نہیں بلایا اور بفحوائے ابناءنا حضرت حسنؑ وحسینؑ ہی رسولؐ اللہ کے بیٹے قرار پائے۔

ہارون رشید حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ آیا اور زیارت کے لیے روضہ مقدس نبوی پر حاضر ہوا اس وقت اس کے گرد قریش اور دوسرے قبائل عرب جمع تھے۔ حضرتؑ بھی تھے۔ ہارون نے حاضرین پر اپنا فخر ظاہر کرنے کے لیے قبر رسول کی طرف خطاب کر کے کہا السلام علیک یا رسول اللہ یا ابن عم۔ اے رسولؐ اللہ اے میرے چچا کے فرزند آپ پر میرا سلام ہو۔ پھر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا السلام علیک یا ابت۔ اے پدر بزرگوار! آپ پر میرا بھی سلام ہو۔ یہ سن کر ہارون الرشید کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور اس کو ایسی ذلت محسوس ہوئی جس کو برداشت نہ کر سکا اس سبب سے اس نے حضرتؑ کو اپنے ساتھ لے جا کر قید کر دیا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲ و ابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

حضرتؑ کی عفت

جس زمانہ میں آپ ہارون کے قید خانہ میں تھے ہارون نے ایک حسینہ وجمیلہ لونڈی آپ کی خدمت کے لیے بھیجی جس سے مقصود یہ تھا کہ آپ کی عفت کا امتحان لے۔ حضرتؑ کو جب معلوم ہوا تو جناب سلیمانؑ نے ہدیہ بلقیس کو دیکھ کر جو کلمہ فرمایا تھا وہی کلمہ ارشاد فرمایا کہ ہارون سے کہہ دینا بل انتم بہدیتکم تفرحون۔ (بلکہ تم ہی اپنے ہدیہ سے خوش ہو) یہ سنکر ہارون کا غصہ تیز ہو گیا اور اس نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ نہ میں نے آپ کی مرضی سے آپ کو قید کیا نہ آپ کی خوشی مجھے اس جاریہ کے بارے میں منظور ہے اور جس شخص کی معرفت یہ پیام بھیجا تھا اس سے کہا کہ اس

کنیز کو وہیں چھوڑ آنا۔ وہ شخص اسے لے جا کر قید خانہ میں چھوڑ آیا ادھر ہارون نے اپنی نشست برخواست کی اور ایک شخص کو اس عورت کا حال دریافت کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اس نے جا کر دیکھا کہ فیض عبادت امامؑ کا اس کنیز میں بھی اثر کر گیا اور وہ سجدہ میں سر جھکائے ہوئے قدوس قدوس سبحانک سبحانک کہہ رہی ہے۔ یہ حال ہارون کو معلوم ہوا تو کہا موسیٰؑ ابن جعفر نے اس کنیز پر جادو کر دیا ہے اور حکم دیا کہ وہ عورت سامنے حاضر کی جائے۔ جب وہ آئی تو اس پر ایک عجیب حالت طاری تھی۔ سارے جسم میں بید کی طرح رعشہ تھا اور آسمان کی جانب آنکھیں عالم تحیر میں اٹھ کر رہ گئی تھیں۔ ہارون نے کہا یہ کیا حال ہے؟ کہا میرا ایک تعجب خیز حال ہے میں خدمت امامؑ میں کھڑی ہوئی تھی اور وہ جناب شب و روز نماز میں مشغول تھے جب نماز سے فارغ ہوتے تو آپ نے تسبیح و تقدیس الٰہی شروع کی تب میں نے عرض کی کہ اے میرے سید و آقا! آپ کی کوئی حاجت ہو تو میں اس کے بجا لانے کے لیے موجود ہوں۔ اس کے جواب میں حضرتؑ نے فرمایا مجھے تیری حاجت بالکل نہیں ہے میں نے پھر عرض کی کہ میں حضور ہی کی خدمت کے لیے یہاں بھیجی گئی ہوں۔ تب حضرتؑ نے ایک جانب اشارہ کر کے فرمایا پھر یہ لوگ کس لیے ہیں! میں نے جب ادھر نظر کی تو ایک وسیع باغ نظر آیا جس کے پھول اور شگوفے کھلے ہوئے تھے۔ وہ اس قدر وسیع تھا کہ نظر نہ اس کے اوّل سے آخر تک جا سکتی تھی نہ آخر سے اوّل تک آ سکتی تھی اس میں بے مثل نشست گاہیں تھیں جن میں دیبا و حریر کا منقش فرش بچھا ہوا تھا اس میں غلام اور لونڈیاں نہایت حسین و جمیل تھیں جن کا مثل حسن و جمال میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ نہ ان کا سا لباس مجھے کہیں دکھائی دیا یہ حالت دیکھ کر میں سجدہ میں گر پڑی یہاں تک کہ اس خادم نے مجھے اٹھایا تب مجھے محسوس ہوا کہ میں وہیں ہوں جہاں پہلے تھی۔ ہارون نے کہا شاید تو نے سجدہ کیا اور سجدہ ہی میں سو گئی ہو تو تجھے اس طرح کا خواب نظر آیا ہو۔ اس نے کہا نہیں میں نے یہ عجائب دیکھ کر سجدہ کیا تھا۔ رشید نے حکم دیا کہ لوگ اس عورت کی دیکھ بھال کرتے رہیں تاکہ یہ کسی اور سے اس حکایت کو نہ بیان کرنے پائے وہ عورت یہ فضائل بیان کر کے پھر عبادت کی طرف متوجہ ہوئی۔ جب اس سے کوئی نمازوں کے بارے میں پوچھتا تو کہتی تھی کہ میں نے حضرت عبد صالح کو اسی طرح عمل کرتے دیکھا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ یہ لقب عبد صالح تجھے کیونکر معلوم ہوا! اس نے کہا اسی باغ (بہشت) کی کنیزوں (حوروں) نے یہ نام لے کر کہا تھا کہ حضرت عبد صالح کے پاس سے ہٹ جا کیوں کہ ہم لوگ خود حضرتؑ کی خدمت کے لیے حاضر ہیں۔ اس عورت کا حال عبادت برابر اسی طرح رہا یہاں تک کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی رحلت سے کچھ دنوں پہلے ہی وہ انتقال کر گئی (مناقب جلد ۵ صفحہ ۳۰)

غیبت کا عوض انعام

ایک دفعہ حضرت سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص برابر حضور کی غیبت کرتا اور حضور کی برائی کے بیان کرنے میں مشغول رہتا ہے یہ سن کر حضرتؑ نے فوراً ایک ہزار اشرفی اس کے پاس بھیج دی (روائح المصطفیٰ صفحہ ۲۶۴)

حضرتؑ کا علم غیب

خلیفہ ہارون نے اپنے وزیر علی بن یقطین کو بہت سے قیمتی کپڑے بطور خلعت بخشے وہ باطنی طور پر حضرتؑ کے شیعہ تھے۔ انہوں نے وہ سب کپڑے حضرت کے پاس بھیج دیئے۔ حضرتؑ نے وزیر کے پاس واپس کر دیا، اور فرمایا اس کو حفاظت سے رکھنا کہ تم کو کام دے گا۔ اس کے چند دنوں بعد وزیر اپنے ایک غلام پر غضب ناک ہوا اور اس کو نکال دیا اس غلام نے ہارون سے جا کر کہہ دیا کہ وزیر حضرت موسیٰ کاظمؑ کا شیعہ ہے اور ثبوت میں انہیں کپڑوں کا حوالہ دیا۔ ہارون کو بڑا غصہ ہوا فوراً وزیر کو بلا کر پوچھا وہ کپڑا کیا کیا؟ کہا میرے پاس ہے۔ کہا ابھی منگاؤ۔ وزیر نے وہیں ایک آدمی کو بلایا اور کہا میرے گھر جا اور میری لونڈی سے کنجی لیکر اس کا لال صندوق کھول اور مہر کیا ہوا ڈبا نکال لا۔ غلام جا کر اسی طرح لے آیا جب ہارون نے دیکھا کہ وہی کپڑا ہے تو اس کا غضب مٹا۔ اسی طرح ایک شخص نے کسی سے کہا کہ میری سو اشرفیاں لے جا کر حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو دے دینا اس نے لے لیں مگر اشرفیاں گنیں نہیں۔ جب مدینہ پہنچا تو اس شخص کی سو اشرفیاں علیحدہ کیں مگر ان کو گنا تو صرف ننانوے تھیں۔ مجبوراً اس نے اپنے پاس سے ایک اشرفی ملا کر سو کی تعداد پوری کی اور رات کے وقت حضرت کی خدمت میں لے گیا۔ حضرت نے وہ اشرفی جو اس شخص نے اپنے پاس سے ملا دی تھی نکال کر اس کو دے دی اور ۹۹ خود رکھ لیں۔ پھر اس شخص سے فرمایا کہ جس شخص نے یہ اشرفیاں بھیجی ہیں اس نے اتنی ہی دی تھیں مگر اس نے گنی نہیں تھیں بلکہ صرف تول لی تھیں (اس وجہ سے ۹۹ کو ۱۰۰ سمجھا اور یہی کہا (روائح المصطفیٰ صفحہ ۱۶۲ و ۱۶۳)

حضرتؑ کی مصنفات

علامہ چلپی نے لکھا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مشہور تصنیفات سے آپ کی مسند (مسند امام موسیٰ کاظمؑ) ہے جس کو حافظ ابونعیم اصفہانی صاحب حلیۃ الابرار نے آپ سے روایت کی ہے۔ (کشف الظنون صفحہ ۳۳۴)

حضرتؑ کی وفات

ہارون رشید نے حضرتؑ کو اپنے ساتھ مدینہ سے لا کر اپنے والی عیسٰی کے پاس بصرہ روانہ کر دیا۔ وہاں حضرتؑ سال بھر تک قید میں رکھے گئے پھر ہارون نے حاکم بصرہ کو لکھا کہ حضرتؑ کو قتل کر دو۔ اس نے جواب میں لکھا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا بادشاہ مجھے معاف رکھے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ حضرت موسیٰ کاظمؑ تو بادشاہ کے خلاف کسی بات کا دعویٰ نہیں کرتے تب ہارون نے اس کو لکھا کہ حضرتؑ کو سندی بن شاہک کے حوالے کر دو اور سندی کو لکھا کہ حضرتؑ کو قتل کر دے اس نے حضرتؑ کے کھانے میں زہر ملا دیا اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ کھجوروں میں زہر دے دیا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲)

مؤرخ ابوالفدا وغیرہ نے لکھا ہے کہ ۱۸۳ھ ہجری میں امام موسیٰ کاظم نے بمقام بغداد قید خانہ ہارون رشید میں وفات پائی (تاریخ ابوالفدا جلد ۲ صفحہ ۱۵) اور علامہ دیار بکری نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ہارون رشید کے حکم سے امام موسیٰ کاظم کو رطب میں زہر دیا۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۲۰) غرض زہر کھانے کے تیسرے

روز ۲۵ رجب ۱۸۳ ہجری (۷۹۹ء) کو حضرتؑ نے قید خانہ میں وفات پائی۔ اسی طرح حضرتؑ کی لاش نکال کر بغداد کے پل پر رکھ دی گئی۔ ایک منادی ندا کرتا تھا کہ دیکھو یہ موسیٰ بن جعفر ہیں جنہیں رافضی سمجھتے تھے کہ کبھی نہ مریں گے۔ اس کے بعد ایک شخص نے اپنے غلاموں کو تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ اور ایک کفن بُرد یمانی کا نہایت عمدہ دیا جو ڈھائی ہزار کا تھا۔ اس پر پورا قرآن مجید لکھا تھا اور کاظمین میں (جو بغداد سے ملا ہوا ہے) حضرتؑ دفن کر دیئے گئے۔ حضرتؑ سات یا چودہ سال تک قید خانہ میں پڑے رہے اور بعد وفات آپ کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں کٹوا کر نکالی گئیں۔

حضرتؑ کی اولاد

حضرتؑ نے ذکور و اناث سے ۳۷ اولاد چھوڑ کر انتقال فرمایا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲) ۱۹ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں۔ ان کے نام یہ ہیں (۱) امام علی رضا (۲) جناب ابراہیم (۳) جناب عباس (۴) جناب قاسم یہ مختلف ماؤں سے (۵) جناب اسمٰعیل (۶) جناب جعفر (۷) جناب ہارون (۸) جناب حسن یہ سب ایک ماں سے (۹) جناب احمد (۱۰) جناب محمد (۱۱) جناب حمزہ یہ سب بھی ایک ماں سے (۱۲) جناب عبداللہ (۱۳) جناب اسحٰق (۱۴) جناب عبیداللہ (۱۵) جناب زید (۱۶) جناب حسن (۱۷) جناب فضل (۱۸) جناب حسین (۱۹) جناب سلیمان مختلف ماؤں سے صاحبزادیاں حسب ذیل تھیں (۱) جناب فاطمہ کبریٰ (۲) جناب فاطمہ صغریٰ (۳) جناب رقیہ (۴) جناب حکیمہ (۵) جناب رقیہ صغریٰ (۶) جناب کلثوم (۷) جناب ام جعفر (۸) جناب لبابہ (۹) جناب زینب (۱۰) جناب خدیجہ (۱۱) جناب علیہ (۱۲) جناب آمنہ (۱۳) جناب حسنہ (۱۴) جناب بریہۃ (۱۵) جناب ام سلمہ (۱۶) جناب میمونہ (۱۷) جناب ام کلثوم (۱۸) جناب ام ابیہا (ارشاد صفحہ ۳۳۰ و اعلام الوریٰ صفحہ ۱۸۱)

حضرتؑ کا اب تک باب قضاء الحوائج ہونا

حضرتؑ کا لقب باب قضاء الحوائج یعنی حاجتیں پوری ہونے کا دروازہ بھی تھا۔ حضرتؑ کی زندگی میں بھی حضرتؑ سے لوگوں کی حاجتیں پوری ہوتی تھیں اور حضرتؑ کی شہادت کے بعد آپ کا روضہ پر بھی جو کاظمین میں ہے۔ برابر حاجتمندوں کی دعائیں قبول ہوتی رہتی ہیں تھوڑا زمانہ ہوا بعض انگریزی زبان کے معزز اخباروں میں ایک خبر شائع ہوئی تھی جس کا ترجمہ یہ ہے: "امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضہ پر ایک اندھے کو بینائی مل گئی۔ حال ہی میں روضہ کاظمین شریف پر جو شہر بغداد سے باہر ہے ایک معجزہ ظاہر ہوا ہے کہ ایک اندھا اور بوڑھا سید نہایت مفلسی کی حالت روضہ شریف کے اندر داخل ہوا اور جیسے ہی اس نے امام موسیٰ کاظمؑ کے روضہ کے تعویذ کو اپنے ہاتھ سے مس کیا وہ فوراً چلاتا ہوا باہر کی طرف دوڑا کہ مجھے بینائی مل گئی۔ میں دیکھنے لگا ہوں" پر لوگوں کا بڑا ہجوم اس کے گرد جمع ہو اور اکثر لوگ اس کے کپڑے تبرک کے طور پر چھین جھپٹ کر لے گئے اس کو تین دفعہ کپڑے پہنائے گئے اور ہر دفعہ وہ کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچ گئے آخر روضہ شریف کے غلام نے اس خیال سے کہ کہیں اس بوڑھے سید کے بدن کو نقصان نہ پہنچے اس کو اس کے گھر پہنچا دیا جہاں پر سینکڑوں

لوگ اس کی زیارت کے لیے جاتے ہیں اس کا بیان ہے کہ میں بغداد کے اسپتال میں اپنی آنکھ کا علاج کراتا تھا مگر ڈاکٹروں نے کہا کہ میرا مرض لاعلاج ہے۔ تب میں مایوس ہو کر روضہ اقدس پر آیا کہ خدا سے بینائی واپس لانے کی دعا کروں جیسے ہی میں نے حضرت کے تعویذ کو مس کیا میری آنکھوں کے سامنے ایک روشنی نمودار ہوئی۔ میری آنکھیں چوندھیا گئیں اور آواز آئی کہ "جاؤ تمہیں پھر سے آنکھ کی روشنی دیدی گئی۔ یہ سن کر میں بھاگا اور ہر چیز کو دیکھنے لگا۔ تمام لوگ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ بوڑھا سید پورے طور پر اندھا تھا اور اب دیکھنے لگا (اخبار انقلاب لاہور و اخبار اہلحدیث امرتسر مورخہ ۴ ؍ اگست ۱۹۲۸ء و اخبار پائنیر الہ آباد مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۲۸ء)

یعقوب وزیر چونکہ حضرت ہی کے زمانہ میں ایک قابل قدر شیعہ وزیر مصائب میں گرفتار رہے اس وجہ سے ان کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ و امام موسیٰ کاظمؑ کے زمانہ میں منصور دوانیقی بادشاہ تھا۔ اس نے امام حسنؑ کے پرپوتوں جناب ابراہیم و جناب نفس ذکیہ کو بڑے ظلم سے قتل کیا اور جناب ابراہیم کے منشی یعقوب کو جو بڑی عقل و فضل کے مالک تھے قید کر دیا مگر منصور کے مرنے پر اس کے بیٹے مہدی نے یعقوب کے حسن انتظام و اعلیٰ تدبر سے ان کو قید سے نکال کر اپنا وزیر بنا لیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں آپ سفید و سیاہ کے مالک ہو گئے۔ مگر حاسدوں سے ان کی ترقی دیکھی نہ گئی بادشاہ سے چغلیاں کھانی شروع کیں۔ یہ بھی کہا کہ شیعہ اور اولاد حضرت علیؑ کے جاں نثار ہیں۔ یہ جادو چل گیا۔ بادشاہ نے یعقوب کا امتحان لینے کے لیے ان سے کہا میں تم کو اپنا فلاں خاص اعلیٰ درجہ کا باغ اور اپنی فلاں نہایت خوبصورت لونڈی اور ایک لاکھ درہم انعام دیتا ہوں۔ ان سب کے بدلہ تم میری ایک آرزو پوری کر دو۔ انہوں نے بے جانے وعدہ کر دیا بادشاہ نے کہا تین مرتبہ قسم کھاؤ۔ انہوں نے قسم کھالی۔ بادشاہ نے کہا میرے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ۔ یعقوب نے یہ بھی کیا۔ تب بادشاہ نے حضرت علی علیہ السلام کی نسل کے ایک سید کو جو اس کے ہاں قید تھے طلب کر کے یعقوب کے حوالہ کیا کہ ان کو قتل کر کے میری آرزو پوری کرد۔ پھر اس نے انعام کا کل مال اسباب اور وہ لونڈی بھی یعقوب وزیر کے گھر پہنچوا دی۔ یعقوب نے ان سید کو بھی اپنے ہاں لا رکھا۔ اس بیچارے نے کہا اے یعقوب کیا تم دنیا سے اسطرح جانا چاہتے ہو کہ تمہارے دامن پر حضرت رسول خدا صلعم کی بیٹی جناب سیدہ کی اولاد سے ایک سید کے خون کا دھبا لگا ہو؟ یعقوب تو سادات کے جاں نثار تھے وہ ایسا ظلم کیسے کر سکتے تھے۔ انہوں نے اس سید کو قتل کرنے کے عوض وہ سب مال جو بادشاہ نے ان کو بطور انعام دیا تھا دے کر چھوڑ دیا اور کہا جہاں دل چاہے چلے جایئے وہ بیچارے ایک طرف نکل گئے مگر بادشاہ کی اسی لونڈی نے جو یعقوب کو بطور انعام ملی تھی کسی طرح بادشاہ کے ہاں خبر کر دی کہ یعقوب سے آپ نے جس سید کے قتل کا وعدہ کیا تھا اسے انہوں نے چھوڑ دیا اور حضور کا کل مال بھی اسی سید کو دے دیا۔ بادشاہ نے پیادے بھیجکر اس سید کو گرفتار کر منگایا۔ پھر یعقوب سے بازپرس کی یہ بیچارے جواب ہی کیا دیتے۔ بادشاہ نے کہا اب تو تمہارا خون حلال ہو گیا

میں تم کو قتل کر دیتا مگر خیر۔ (پھر پیادوں سے کہا) ان کو قید کر دو۔ بیچارے ایسے اندھیرے کنویں میں قید کئے گئے جس میں آفتاب کی روشنی تک نہیں پہنچتی تھی۔ وقت تک کا پتا نہیں چلتا تھا۔ کیونکہ ان کو اس کنویں میں قید کر کے اس کا منہ بند کر دیا گیا تھا اور صرف ایک سوراخ چھوڑ دیا گیا تھا جس سے ہر روز ایک روٹی اور ایک کوزہ پانی رسی میں باندھ کر لٹکا دیا جاتا۔ اس کو لے کر بیچارے کھا پی لیتے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو ایک شخص اس کنویں پر آکر پکار جاتا کہ نماز کا وقت ہو گیا پڑھ لو۔ تب بیچارے نماز پڑھتے۔ پندرہ برس تک یعقوب اسی طرح اس کنوئیں میں قید رہے۔ آخر بادشاہ ہارون نے ان پر رحم کھا کر اس قید سے نکالا تو اتنی مدت تک اس اندھیرے کنویں میں رہنے کی وجہ سے ان کی آنکھ بھی جاتی رہی تھی اور وہ بالکل اندھے ہو کر اس سے نکلے۔ پھر ہارون کی اجازت سے مکہ معظمہ چلے گئے وہیں رہے یہاں تک کہ ۱۸۶ ہجری میں انتقال کیا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ (مرآۃ الجنان علامہ یافعی مطبوعہ حیدرآباد جلد ۱ صفحہ ۴۱۹)

وفیات حضرتؑ کے زمانہ میں اسلام کے متعدد مشہور لوگوں نے انتقال کیا۔ مثلاً ۱۵۰ ہجری میں مجتہد زمانہ ابوحنیفہ صاحب نے ان کے دادا زوطا تیم اللہ ثعلبی کی موالی میں سے تھے۔ بعد ازاں غلامی سے آزاد کر دیئے گئے۔ ۱۵۸ ہجری میں خلیفہ منصور دوانیقی نے ۱۶۱ ہجری میں سفیان ثوری اور ابراہیم بن ادہم نے۔ ۱۷۰ ہجری میں خلیفہ ہادی نے انتقال کیا اور اس کی جگہ خلیفہ ہارون رشید ہوا جو اپنے باپ کی مدخولہ عورت پر عاشق ہوا اور اس سے اپنی خواہش پوری کی جو عہد اسلام کا نہایت ہی شرمناک اور اس مذہب کا رسوا کرنے والا واقعہ ہے (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۷۲)

آٹھواں باب ۸

حضرت امام رضا علیہ السلام

(حضرت امام علی رضاؑ حضرت رسول خدا صلعم کے آٹھویں خلیفہ اور مسلمانوں کے آٹھویں امام تھے ۱۱ ذیعقدہ ۱۵۳ ہجری (۷۷۰ء) کو مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۲۳ ذیقعدہ ۲۰۳ ہجری (۸۱۸ء) کو شہر طوس (صوبہ خراسان) میں زہر سے شہید ہو کر وہیں دفن ہوئے۔ خراسان میں حضرت کا روضہ نہایت عالی شان اور جلیل القدر ہے۔ ۳۰ سال تک اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہے۔ ۱۸۳ ہجری میں امام مقرر ہوئے اور ۵۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔

والدین حضرتؑ کے والد ماجد کا نام حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور والدہ ماجدہ کا نام نجمہ، تکتم، ام البنین خیزران تھا۔

نام - القاب

حضرتؑ کا اسم گرامی علی، کنیت ابوالحسن اور القاب رضا، صابر، زکی اور ولی تھے (تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۱۹۸)

فضائل

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی ۳۷ اولاد از روئے قدر و مرتبہ حضرت علی رضا سب سے افضل و اعلیٰ تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲) افضل اولاد امام موسیٰ کاظمؑ بلکہ اشرف مخلوق زمانہ حضرت امام علی رضاؑ تھے (حبیب السیر) حضرتؑ کو علم گذشتہ و آئندہ حضرت کے آباؤ اجداد سے وراثت کے طور پر پہنچا تھا (وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۳۷۷) امام علی رضا ہر زبان اور لغت میں فصیح و داناترین مردم تھے اور جو شخص جس زبان میں باتیں کرتا تھا اسی زبان میں حضرتؑ اس کو جواب دیتے (روضۃ الاحباب) ملا مبین صاحب نے جامع الاصول میں ابن اثیر جزری سے نقل کیا ہے کہ دوسری صدی کے آغاز پر مذہب امامیہ کے مجدد حضرت امام علی رضا تھے (وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۳۷۶)

مامون کی ولیعہدی

حضرتؑ کے زمانہ میں خاندان بنی عباس کا مشہور مامون الرشید بادشاہ وقت تھا۔ اس نے ۲۰۱ھ ہجری میں حضرت امام علی رضاؑ کو اپنا ولیعہد قرار دیا جس کے لیے حضرت کو مدینہ سے خراسان میں بلایا تھا۔ شمس العلماء مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں اس زمانہ میں حضرت علی رضاؑ امام ہفتم[۱] موجود تھے جن سے مامون دلی ارادت رکھتا تھا اور چونکہ زہد و تقدس کے علاوہ اُن کا فضل و کمال بھی خلافت کے شایاں تھا۔ مامون نے ان کو ولی عہد سلطنت کرنا چاہا۔ اس سے پہلے ۲۰۰ ہجری میں اس نے فرامین بھیجے کہ تمام ممالک میں جس قدر عباسی خاندان کے لوگ ہیں آستانہ خلافت میں حاضر ہوں۔ عیش و دولت کی تربیت کا اثر دیکھو کہ تین ہی پشت میں حضرت عباس کی نسل سے ۳۳ ہزار مرد دنیا کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ مامون نے بڑی عزت سے اُن کا استقبال کیا اور عباسی نسلیں پورے دس دن حریم خلافت کے مہمان رہیں۔ اس اثنا میں مامون نے اپنے خاندان کے ہر ایک شخص کو تجربہ و امتحان کی نگاہ سے دیکھا اور یہ قطعی رائے قائم کی کہ اس بڑے گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں جو خلافت کا بار گراں سنبھال سکے۔ اب ۲۰۱ھ ہجری میں اس نے ایک دربار (جس میں تمام سلطنت دارا کین دربار موجود تھے) منعقد کیا اور سب سے خطاب کر کے کہا کہ آج دنیا میں جس قدر آل عباس ہیں میں ان کی لیاقت کا صحیح اندازہ کر چکا ہوں۔ نہ ان میں اور نہ آل علیؑ میں آج کوئی ایسا شخص موجود ہے جو استحقاق خلافت میں حضرت علی رضاؑ کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ اس کے بعد اس نے تمام حاضرین سے حضرت علی رضا کیلئے بیعت لی اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا جو خاص سادات کا امتیازی لباس تھا۔ فوج کی وردی بھی بدل دی گئی۔ تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ امیر المومنین مامون کے بعد علی رضاؑ تاج و تخت کے مالک ہیں اور ان کا لقب الرضا من آل محمدؐ ہے۔ حسن بن سہل کے نام بھی فرمان گیا کہ ان کے لیے بیعت عام لی جاوے اور عموماً اہل فوج و عمائد بنی ہاشم سبز رنگ کے پھریرے اور سبز کلاہ و قبائیں استعمال کریں۔ اس اتو کھے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہل چل ڈال دی۔ اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ بعضوں نے یہ جبر اس حکم کی تعمیل کی مگر عام صدا یہی تھی کہ خلافت خاندان عباس کے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتی" (المامون صفحہ ۸۲)

حضرت رسول خداؐ کی تعبیر امام علی رضا

حاکم نے محمد بن عیسیٰ سے اور اس نے ابو حبیب سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے خواب میں حضرت رسول خداؐ صلعم کو اپنے شہر کی اس منزل میں دیکھا جہاں حاجی اترتے ہیں میں نے حضرتؐ کو سلام کیا اور حضرتؐ کے پاس ایک طبق دیکھا جس میں نہایت عمدہ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں۔ میرے سلام پر حضرتؐ نے مجھے ۱۸ دانے اس کھجور کے مرحمت فرمائے۔ میں اس خواب سے بیدار ہوا تو سمجھا کہ اب صرف ۱۸ سال اور زندہ رہوں گا اس خواب کے بیس دن کے بعد حضرت امام علی رضاؑ مدینہ سے تشریف لائے اور اسی مسجد میں اترے جس میں حضرت رسول خداؐ کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ حضرتؑ کے سامنے بھی ایک طبق میں ویسی ہی کھجوریں رکھی تھیں لوگ حضرتؑ کے سلام کو دوڑے۔ میں بھی گیا تو دیکھا کہ حضرت ٹھیک اسی جگہ تشریف فرما ہیں جہاں میں نے خواب میں حضرت رسول خداؐ کو تشریف فرما دیکھا تھا میں نے حضرت کو سلام کیا تو حضرت نے جواب دیا اور اپنے قریب بلا کر ایک مٹھی کھجوریں مرحمت فرمائیں۔ میں نے گنیں تو یہ بھی صرف ۱۸ تھیں اسی قدر جتنی رسول خدا صلعم نے مجھے خواب میں دی تھیں۔ میں نے عرض کی حضور اور کچھ مرحمت ہو۔ تو فرمایا اگر حضرت رسول خداؐ صلعم تم کو خواب میں اس سے زیادہ دیتے ہوتے تو میں بھی زیادہ دیتا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲) قابل غور یہ امر ہے کہ حضرتؑ کو کیسے خبر ہو گئی کہ حضرت رسول خدا صلعم نے خواب میں اس شخص کو ۱۸ کھجوریں دی تھیں۔ بس خدا ہی ان حضرات کو ہر بات کی خبر کر دیتا تھا۔

نیشاپور میں حضرت کا داخلہ

حضرتؑ کی یہ عزت و شان تھی کہ جب مامون نے ولیعہدی کے لیے حضرت کو مدینہ سے ملک خراسان میں بلایا اور حضرتؑ کی سواری نیشاپور میں پہنچی تو زائرین کے اژدہام سے چلنا دشوار تھا۔ بازار کے رستے بند ہو گئے تھے۔ آپ ایک خچر پر سوار تھے اور آپ پر ایک چھاتا لگا ہوا تھا جس کی وجہ سے لوگ آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ اس زمانہ کے مشہور حافظانِ حدیث ابوزرعہ رازی اور محمد بن اسلم طوسی نے آگے بڑھ کر حضرت کی سواری کی باگ تھام لی۔ طلبہ علم اور محدثین کی جماعت کثیرہ ان دونوں کے ہمراہ تھی جو شمار میں نہیں آسکتی تھی۔ دونوں بزرگوں نے نہایت عجز سے عرض کی کہ ہم لوگوں کو حضور اپنے جمال باکمال سے مشرف فرمائیں اور اپنے آباء کرام کی کوئی حدیث سنائیں۔ آپ نے خچر کو کھڑا کر دیا اور غلاموں کو حکم دیا کہ چھتری کو اتار دیں۔ آپ کی طلعت مبارک کو دیکھ کر خلقت کی آنکھ کو ٹھنڈک حاصل ہوئی دو گیسو آپ کے کندھوں پر لٹکے ہوئے تھے۔ لوگ رو رہے تھے

---

[۱] کس قدر تعجب خیز امر ہے کہ مولوی شبلی صاحب ایسے مشہور اسلامی مورخ بھی حضرت امام سے اس درجہ ناواقف تھے کہ امام علی رضا کو جو امام ہشتم تھے امام ہفتم لکھا ہے حالانکہ امام ہفتم تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے افسوس ایں چنیں کسے ان کا تمام آفتاب است ۔۱۲

اور چلاتے اور مٹی میں لوٹتے اور خچر کے پاؤں کو چومتے تھے۔ علماء نے پکار کر کہا اے لوگو خاموش ہو جاؤ۔ تمام لوگ خاموش ہو گئے اور حافظان حدیث کی التماس پر آپ نے فرمایا مجھ سے میرے باپ امام موسیٰ کاظمؑ نے بیان کیا ہے اور ان سے ان کے والد ماجد امام جعفر صادقؑ نے کہا ہے اور ان سے ان کے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ نے روایت کیا ہے اور ان سے ان کے اب مکرم امام زین العابدینؑ نے نقل کیا ہے اور وہ اپنے باپ امام حسینؑ سے ناقل ہیں وہ اپنے والد مہربان جناب علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے میری آنکھوں کی ٹھنڈک ابو القاسم رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مجھے جبرئیل نے آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ میرا حصن ہے اور جو میرے حصن میں داخل ہوا میرے عذاب سے بے خوف ہے یہ کہہ کر جناب امامؑ نے پردہ چھوڑ دیا اور تشریف لے گئے جو لوگ کہ دوات اور قلم لیکر اس حدیث کو لکھ رہے تھے ان کا شمار کیا گیا تو ان کی تعداد بیس ہزار کے قریب پہنچ گئی اور ایک روایت یہ ہے کہ جناب امامؑ نے اس حدیث کو بیان فرمایا تھا کہ ایمان قلب کی معرفت حاصل ہونے اور زبان کے ساتھ اقرار کرنے اور ارکان کے ساتھ عمل کرنے کا نام ہے۔ شاید یہ دونوں واقعات علیحدہ علیحدہ ہوئے ہوں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اگر اس حدیث کو انہیں اسناد کے ساتھ پڑھ کر دیوانہ پر پھونکا جائے تو البتہ اس کی دیوانگی جاتی رہے گی اور تندرست ہو جائے گا۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲) اکثر کتابوں میں ہے کہ جب اس کے بعد حضرت کی سواری چند قدم آگے بڑھی حضرتؑ نے اسے روک کر فرمایا میں نے جو کہا وہ ایک شرط اور پھر کئی شرطوں کیساتھ ہے اور میں بھی انہیں شرطوں سے ایک ہوں (مطلب یہ کہ جو کلمہ کہے اور حضرت رسول خدا صلعم کی نبوت اور ہم بارہ اماموں کی امامت کا بھی اقرار کرے وہ خدا کے عذاب سے محفوظ رہے گا)

ولیعہدی کی تفصیل

پہلے مامون نے ارادہ کیا تھا کہ خود امر خلافت سے معزول ہو کر منصب خلافت حضرت علی رضاؑ کو سپرد کر دے اور جب اس نے اس بات کا اظہار حضرت علی رضاؑ سے کیا تو انہوں نے مامون سے فرمایا کہ اگر تیری خلافت من جانب اللہ ہے تو یہ کب جائز ہو سکتا ہے کہ تو اسے دوسرے کو بخشے اور اگر خلافت تیرا حق نہیں ہے تو تیری تفویض سے کیا ہوتا ہے۔ مامون نے کہا یا ابن رسول اللہ میری درخواست قبول فرمائیں۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ میں اپنی مرضی سے ہرگز قبول نہ کروں گا چنانچہ دو مہینے تک یہی مباحثہ پیش رہا کہ مامون اصرار کرتا تھا اور حضرت علی رضاؑ انکار فرماتے تھے مامون نے کہا اچھا اگر آپ خلافت کو قبول نہیں کرتے تو ولیعہد ہونا منظور کیجئے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار نے خبر دی ہے کہ میں زہر دیا جاؤں گا اور تم سے پہلے اس جہان فانی سے رحلت کر جاؤں گا پھر ولیعہد ہونا کیوں کر منظور کروں آخرکار حضرتؑ نے فرمایا کہ خیر تمہارے اصرار پر میں اس شرط سے ولیعہدی کو قبول کرتا ہوں کہ نہ کسی کو مقرر کروں نہ کسی کو معزول بلکہ بساط حکومت پر دور ہی سے نظر کروں۔ اس کے قریب نہ جاؤں۔ مامون رشید ان شرطوں پر راضی ہو گیا اور حضرتؑ نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا

اے خدا تو جانتا ہے کہ میں اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا ہوں اور بضرورت اس کو منظور کرتا ہوں اے اللہ مجھ سے اس بارے میں کوئی مواخذہ نہ فرمانا جس طرح تو نے اپنے دو پیغمبر بندوں حضرت یوسفؑ و دانیالؑ سے مواخذہ نہیں کیا جب کہ انہوں نے اپنے زمانے کے بادشاہوں کی جانب سے ولیعہد ہونا قبول کیا تھا اے اللہ کوئی عہد نہیں ہے۔ مگر تیرا عہد۔ کوئی ولایت نہیں ہے۔ مگر تیری جانب سے یہ کہہ کر حضرت نے بادل نخواستہ ولیعہد ہونا قبول کیا (وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۳۷۹) علامہ شریف جرجانی نے لکھا ہے کہ قبول ولیعہد کے متعلق جو تحریر حضرت امام علی رضاؑ نے مامون کو لکھی اس کا مضمون یہ تھا کہ چونکہ مامون نے ہمارے ان حقوق کو تسلیم کر لیا ہے جن کو اس کے آباؤ اجداد نے نہیں پہچانا تھا لہذا میں نے اس کی درخواست ولیعہدی کو قبول کیا اگرچہ جفر و جامعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام انجام کو نہ پہنچے گا۔ جفر و جامعہ حضرت علیؑ کی دو کتابیں ہیں جن میں بطریق علم حروف۔ ان تمام حوادث کا ذکر ہے جو دنیا تمام ہونے وقت تک واقع ہونے والے ہیں۔ جو ائمہ حضرت علیؑ کی اولاد سے تھے وہ جفر و جامعہ کو جانتے تھے اور ان دونوں کے موافق حکم دیتے تھے (شرح مواقف قلمی)

نماز عید کے لیے حضرت کا جانا

ایک دفعہ جب عید کا دن آیا تو مامون نے حضرت سے کہلا بھیجا کہ آپ سواری پر جا کر لوگوں کو نماز عید پڑھائیں حضرت نے فرمایا میں نے پہلے ہی تم سے شرط کر لی ہے کہ بادشاہت اور حکومت کے کسی کام میں حصہ نہیں لوں گا اور نہ اس کے قریب جاؤں گا اس وجہ سے تم مجھ کو اس نماز عید سے بھی معاف رکھو۔ مامون نے بہت اصرار و الحاح کیا حضرتؑ نے فرمایا اگر تم معاف کر دو تو بہتر ہے ورنہ میں نماز عید کے لیے اسی طرح جاؤں گا جس طرح میرے جد امجد جناب رسول خدا تشریف لے جاتے تھے۔ مامون نے کہا آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں جائیں اس کے بعد اس نے سواروں اور پیادوں کو حکم دیا کہ حضرت کے دروازے پر حاضر ہوں۔ جب یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی تو لوگ عید کے روز سڑکوں اور چھتوں پر حضرت کی سواری کی شان دیکھنے کو جمع ہو گئے ایک بھیڑ لگ گئی عورتوں اور لڑکوں سب کو آرزو تھی کہ حضرتؑ کی زیارت کریں۔ ادھر آفتاب نکلنے کے بعد حضرتؑ نے غسل کیا اور کپڑے بدلے سفید عمامہ سر پر باندھا عطر لگایا عصا ہاتھ میں لیکر عیدگاہ جانے پر آمادہ ہوئے اسکے بعد نوکروں اور غلاموں کو حکم دیا کہ تم بھی غسل کر کے کپڑے بدل لو اور اسی طرح پیدل چلو۔ اس انتظام کے بعد حضرتؑ گھر سے باہر نکلے۔ پائجامہ آدھی پنڈلی تک اٹھایا۔ کپڑوں کو سمیٹ لیا ننگے پاؤں ہوئے۔ پھر دو تین قدم چل کر کھڑے ہو گئے اور سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہا۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ حضرت کے ساتھ نوکروں غلاموں اور فوج کے سپاہیوں نے بھی تکبیر کہی راوی کا بیان ہے کہ جب امام رضاؑ تکبیر کہتے تھے تو ہم لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار اور زمین و آسمان سے حضرت کی تکبیر کا جواب سنائی دیتا ہے اس ہیبت کو دیکھ کر یہ حالت ہوئی کہ سب لوگ اور خود لشکر والے زمین پر گر پڑے سب کی حالت بدل گئی۔ لوگوں نے چھریوں سے اپنی جوتیوں کے

بتیسے پیالے میں کھانا حضرت کے پاس لانے کی وہاں اور کچھ لوگ بھی جمع تھے ان کو دیکھ کر وہ شرمائی ہوئی بڑھی تو وہ پیالہ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا اور سب کھانا حضرتؑ پر اور حضرتؑ کے اصحاب پر گر پڑا جس سے سب کے بدن اور کپڑے خراب ہو گئے یہ واقعہ دیکھ کر وہ لونڈی تو کانپنے لگی مگر حضرت نے اس سے فرمایا انت حرة لوجه الله تعالیٰ لعله ان یکون کفارة للروع الذی اصابک۔ جا تو خدا کی خوشنودی کے لیے آزاد کر دی گئی۔ شاید تیرا آزاد کر دینا ہی اس رعب و خوف کا کفارہ ہو جائے جو اس وقت تجھ پر طاری ہو گیا ہے (مجانی الادب جلد ۱ صفحہ ۷۷)، اسی طرح حضرتؑ کا کوئی غلام کھڑا ہو کر لوٹے سے حضرتؑ کے ہاتھوں پر پانی گرا رہا تھا دفعۃً لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر طشت میں آ رہا۔ جس سے چھینٹیں اڑ کر حضرت کے منہ پر پڑ گئیں۔ اس پر حضرت اس غلام کا منہ تکنے لگے۔ غلام نے کہا کہ مولا اللہ حکم دیتا ہے کہ غصہ کو پی جانا چاہیے۔ حضرتؑ نے فرمایا میں نے تجھے معاف کیا تب اس نے کہا واللہ یحب المحسنین اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے حضرت نے فرمایا جا میں نے تجھے خدا کی خوشی کے لیے آزاد کر دیا (مجانی الادب جلد ۱ صفحہ ۷۹)

حضرتؑ کی پیشین گوئی

علامہ ابن حجر کی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرتؑ کے مکاشفات [1] سے یہ بھی ہے کہ حکومت بنی اُمیہ کے آخری زمانہ میں جب ان کو ضعف ہو گیا خاندان بنی ہاشم نے محمد ملقب بہ نفس زکیہ ابن حسن کے بھائی ابراہیمؑ کی بیعت کر کے ان کو بادشاہ بنانا چاہا۔ اس مجمع میں امام جعفر صادقؑ کو بھی بلایا گیا مگر حضرت نے اس سے انکار کر کے فرمایا واللہ یہ بادشاہت نہ میرے لیے ہے اور نہ ان دونوں کے لیے بلکہ یہ زرد کپڑے والے شخص کے لیے ہے کہ اسی خاندان (بنی عباس) کے بچے اور لڑکے اس بادشاہت سے کھیلیں گے اس مجمع میں خاندان بنی عباس کا منصور دوانیقی بھی موجود تھا وہی زرد رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے موجود تھا۔ حضرتؑ کا یہ کلمہ منصور کے دل میں اُتر گیا اور وہ برابر اس امید میں رہا کہ بادشاہت اُسی کو ملے گی۔ یہاں تک کہ واقعاً خاندان بنی عباس میں اسلامی حکومت آگئی اور منصور بادشاہ ہو گیا۔ حضرتؑ کے پہلے حضرت کے والد ماجد امام محمد باقرؑ نے بھی منصور کے بادشاہ ہونے کی پیشین گوئی کر دی تھی اور اس کی سلطنت کی شرقی و غربی حدود اور طول مدت بھی بتا دی جس پر منصور نے حضرت سے پوچھا تھا کہ بنو اُمیہ کی مدت سلطنت زیادہ تھی یا ہم لوگوں کی سلطنت کا زمانہ زیادہ ہو گا۔ حضرتؑ نے فرمایا تھا کہ تم لوگوں (بنی عباس) کی بادشاہت کا زمانہ زیادہ ہو گا اور تمہارے بال بچے اس ملک کے ساتھ اس طرح کھیلیں گے کہ جس طرح گیند سے کھیلا جاتا ہے۔ اس کے بعد جب واقعاً سلطنت بنی عباس کو مل گئی اور منصور بادشاہ ہو گیا تو حضرت امام محمد باقرؑ کی پیشین گوئی یاد کر کے وہ برابر تعجب کرتا تھا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱)

حضرت کے بعض مناظرے

حضرت نے دہریوں۔ قدریوں۔ کافروں۔ یہود و نصاریٰ سے بکثرت مناظرے ہوئے ہیں اور سب میں حضرت کو صرف اعلیٰ درجہ کی کامیابی (جو کسی سے ممکن نہیں) ہوئی بلکہ مخالفین کی پوری تشفی بھی ہو گئی اور اپنے خیالات سے باز بھی آگئے۔ مثلاً خلیفہ عبدالملک بن مروان کے پاس قدریہ مذہب کا ایک شخص آیا اور کل علماء شام سے خوب مناظرہ کیا۔ سب اس سے عاجز آگئے۔ تب عبدالملک نے کہا اس کا مقابلہ سوائے محمد بن علیؑ (امام محمد باقرؑ) کے کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ خیال کر کے اس نے حضرت کو مدینہ سے بلا بھیجا۔ حضرت نے فرمایا میں اب بوڑھا ہوں سفر کی طاقت نہیں رکھتا اور حضرت امام جعفر صادقؑ کو بھیج دیا جب حضرت شام میں پہنچے تو عبدالملک نے حضرت کو کمسن دیکھ کر حقیر سمجھا اور مناظرہ کرانا نہیں چاہتا تھا کیوں کہ ڈرتا تھا اگر قدریہ غالب آگیا تو اہل شام پر اور بھی بُرا اثر ہو گا۔ مگر اس کے کل دربار والوں نے مناظرہ کرانے پر اصرار کیا۔ غرض مناظرہ شروع ہوا تو قدریہ نے حضرت سے کہا جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔ حضرتؑ نے فرمایا سورہ الحمد پڑھو اس نے پڑھنا شروع کیا جب ایاک نعبد وایاک نستعین تک پہنچا تو حضرت نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ پھر فرمایا کہ تم کو خدا سے مدد چاہنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ تمہارے اعتقاد کے مطابق ہر چیز تمہارے ہی اختیار میں ہے یہ سنتے ہی قدریہ مبہوت ہو گیا اور کچھ بول نہ سکا (تفسیر برہان جلد ۱ صفحہ ۲۳)، قدریہ کا اعتقاد ہے کہ ہر کام کا اختیار بندوں ہی کو ہے۔ خدا کے حکم اور قضا و قدر و ارادہ کو بندوں کے کسی امر میں نہ تو دخل ہے نہ وہ کچھ کر سکتا ہے اس لیے حضرتؑ نے ایاک نستعین اے خدا میں تجھ سے ہی مدد چاہتا ہوں سے استدلال کیا جس سے وہ لاجواب ہو گیا کیوں کہ قدریہ کے عقیدہ کی بناء پر خدا سے مدد چاہنی غلط ہے کار اور بے وجہ ہے۔

ابو شاکر الدیصانی جو بڑا دہریہ اور معطلہ مذہب تھا حضرت کے پاس آیا اور کہا مجھے معبود برحق کی طرف راستہ دکھائیے فرمایا ذرہ صبر کرو۔ اتنے میں ایک لڑکا ہاتھ میں کوئی انڈا لیے ادھر سے گزرا۔ حضرت نے اس لڑکے سے انڈا لے کر فرمایا دیکھو یہ ایک مستحکم اور سڈول قلعہ ہے اس میں کوئی سوراخ یا راہ نہیں ہے اس کے اوپر ایک سخت جلد اور اس کے اندر ایک باریک نرم جھلی ہے اور دونوں کے نیچے سفیدی اور زردی مثل چاندی سونے کے اس طرح ہیں کہ دونوں بہتی ہوئی اور پھر ایک دوسرے سے الگ ہیں کہ نہ زردی سفیدی میں مخلوط ہوتی ہے نہ سفیدی زردی میں۔ یہ دونوں چیزیں اسی طرح رہتی ہیں نہ کوئی درست کرنے والا اگر اس انڈے کے اندر جاتا ہے نہ کوئی بگاڑنے والا اس سے باہر آتا ہے پہلے سے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے نر پیدا ہو گا یا مادہ پھر چند روز کے بعد دفعتہً یہ شق ہوتا ہے اور ایک طائر خوشنما طاؤس کے رنگ کا اس سے نکل آتا ہے بتاؤ تمہاری کیا عقل اس کو مانتی ہے کہ سب صنعتیں بغیر کسی صانع علیم قدیر و لطیف و خبیر کے آپ سے آپ وجود میں آگئیں۔ دیصانی نے سُن کر سر جھکا لیا اور کچھ دیر غور کرنے کے بعد بول اٹھا میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک اللہ معبود ہے اور محمدؐ اللہ کے رسولؐ برحق آپ حجت خدا نائب رسولؐ ہیں۔ میں اب اپنے باطل عقیدہ سے تائب ہوں۔

---

[1] جناب مولوی وحید الزماں خاں صاحب حیدرآبادی لکھتے ہیں کشف جو اولیاء اللہ اور انبیاء کو ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بعض امور غیبی اور مخفی باتیں جو چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے۔ انوار اللغۃ پ ۱۲ صفحہ ۵۲۔

اسی ابو بصیر سے ایک دفعہ ہشام بن الحکم سے کہا تھا کیا تمہارا خدا ہر بات پر قادر ہے ؟ انہوں نے کہا ہاں ۔ پوچھا کیا اس کی بھی قدرت رکھتا ہے کہ پوری دنیا کو ایک انڈے میں سمو دے اور نہ انڈا بڑھنے پائے نہ دنیا سکڑ کر چھوٹی ہو جائے ؟ ہشام اس کا جواب نہ دے سکے ۔ تو حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ مسئلہ پوچھا ۔ فرمایا بے شک حق تعالیٰ قادر مطلق ہے ۔ اس کے لیے یہ کوئی بڑی بات نہیں ۔ تم دیکھتے نہیں کہ آنکھ کی پتلی مقدار میں مسور کے دانے سے زیادہ نہ ہوگی ۔ باوجود اس کے آسمان زمین ۔ جنگل ۔ پہاڑ ۔ شہر دریا وغیرہ سب پیچ اس کے سامنے پڑتے ہیں محیط ہو جاتی ہے پس جو خدا اس پر قادر ہے کہ اس چھوٹی سی پتلی کے اندر ان تمام اشیاء کو داخل کر دے وہ اگر تمام عالم کو ایک انڈے میں سمو دے تو اس کیلئے کیا مشکل ہے (اصول کافی صفحہ ۴۴)

حضرتؑ کی انجام بینی

حضرتؑ کا زمانہ اسلامی دنیا میں بہت پُر آشوب تھا ۔ بنی اُمیہ کی سلطنت ختم اور بنی عباس کی حکومت شروع ہو رہی تھی ۔ جب بنی عباس اس پر آمادہ ہوئے کہ بنی اُمیہ کو ختم کر دیں تو انہوں نے خیال کیا کہ بغیر آل رسولؐ کی دعوت کا نام لیے ہوئے کام نہیں چلے گا ۔ پس وہ ظاہراً مقام اہلبیت کی دعوت کرتے تھے جس سے عام طور پر آل محمدؐ یعنی بنی فاطمہ کی امانت سمجھی جاتی تھی اسی وجہ سے شیعیان بنی فاطمہؑ کو بھی ان سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی اور وہ ان کے معاون ہو گئے تھے ۔ ابو سلمہ جعفر بن سلیمان کوفی بھی جو کوفہ کے سرکہ فروشوں کے محلہ میں رہنے کے سبب خلال کہلاتا تھا آل محمدؐ کا وزیر تجویز کیا گیا ۔ بظاہر یہ شخص بنی فاطمہ کے گماشتے کے طور پر کام کرتا تھا مگر امام آل محمدؐ کی طرف سے اس کو بنا عدہ منظوری حاصل نہ تھی ۔ اس ابو سلمہ نے بنی اُمیہ کے مقابلہ پر بہت کچھ کامیابی حاصل کر کے ایک ہی مضمون کے دو خط لکھے ایک حضرت امام جعفر صادقؑ کو بھیجا اور دوسرا ابو محمد عبد اللہ بن الحسن کی طرف دونوں کو لکھا تھا کہ آپ فوراً کوفہ تشریف لائیں تاکہ حکومت کو بنی اُمیہ سے نکال کر ہم لوگ آپ کے حوالہ کر دیں ۔ اس نے قاصد سے کہا کہ بہت تیزی سے دونوں خط لے جا کر ان حضرات کو دو ۔ جب وہ قاصد مدینہ پہنچا تو شب کے وقت حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میں ابو سلمہ کا خط لایا ہوں ۔ حضور پڑھ کر اس کا مناسب جواب لکھ دیں کہ میں لے کر چلا جاؤں ۔ یہ سنتے ہی حضرتؑ نے چراغ منگایا اور بغیر پڑھے ہوئے ابو سلمہ کا خط اس پر رکھ کر جلا دیا اور قاصد سے کہا ابو سلمہ سے کہہ دینا کہ اس کے خط کا یہی جواب تھا ۔ ابھی وہ قاصد مدینہ سے واپس جا کر کوفہ پہنچا بھی نہیں تھا کہ وہاں حکومت کا فیصلہ ہو گیا تھا اور سفاح کی بیعت ہو چکی تھی (مروج الذہب بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۸ صفحہ ۲۰) اگر حضرتؑ نے ابو سلمہ کے خط پر اعتماد کیا ہوتا اور حکومت حاصل کرنے کیلئے کوفہ روانہ ہوئے ہوتے تو یا تمام دنیا میں شرمندہ ہوئے ہوتے یا بنی عباس کے خلیفہ سفاح سے آپ کو جنگ کرنے کی نوبت آگئی ہوتی ۔

کتاب جفر و جامعہ

بعض مورخین نے لکھا ہے منجملہ مصنفات کتاب الجفر حضرتؑ کی مصنفات سے کتاب جفر و جامعہ بھی ہے اور علامہ ابن خلکان نے جو بہت مشہور و معتبر محقق ہے لکھا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ایک کتاب کیمیا اور جفر و رمل پر لکھی تھی ۔ حضرتؑ کے شاگرد مشہور و معروف کیمیاگر جابر بن حیان جو یورپ میں جبر کے نام سے مشہور ہیں جابر صوفی کا لقب دیا گیا تھا اور ذوالنون مصری کی طرح وہ بھی علم باطن سے ذوق رکھتے تھے ۔ ان جابر بن حیان نے ہزاروں ورق کی ایک کتاب تالیف کی جس میں حضرت امام جعفر صادقؑ کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا ۔ (تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۰۵) اور علامہ ابن قتیبہ نے کتاب ادب الکاتب میں لکھا ہے کہ کتاب الجفر کو امام جعفر صادقؑ نے تحریر فرمایا ہے اس میں ان کل باتوں کا ذکر ہے جس کے جاننے کی ضرورت ان حضرات کو قیامت تک ہوگی [1] (نور الابصار صفحہ ۱۴۵ مطبوعہ مصر)

[1] علماء اہلسنت کے جلیل القدر بزرگ جناب مولوی وحید الزماں خانصاحب حیدرآبادی نے لکھا ہے "آنحضرت صلعم نے امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کو دو کتابیں لکھوا دیں ایک جفر دوسری جامعہ ۔ ایک کتاب تو بکری کی کھال پر لکھی تھی دوسری بھیڑ کی کھال پر اور اس میں قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی تھیں وہ سب مجملاً لکھوا دی تھیں ۔ سید شریف نے شرح مواقف میں نقل کیا کہ جفر اور جامعہ دو کتابیں تھیں حضرت علیؑ کے پاس ان میں اندوختہ تھا اور علم حروف و تکسیر بڑے بڑے حوادث کا بیان تھا جو قیامت تک ہونے والے تھے اور آپ کی اولاد میں جو امام گزرے وہ انہیں کتابوں کو دیکھ کر اکثر امور کی خبر دیتے اور انہیں کتابوں سے نقل کرتے ۔ امام ابو عبد اللہ نے فرمایا میرے پاس جفر ابیض ہے ۔ زید بن ابی العلاء نے پوچھا اس میں کیا ہے ۔ فرمایا زبور داؤد کی اور توریت موسیٰ کی اور انجیل عیسیٰ اور ابراہیمؑ کے صحیفے اور حلال و حرام اور حضرت فاطمہ کا مصحف اور وہ باتیں جن کی وجہ سے لوگ ہمارے محتاج ہوں ہم ان کے نہ محتاج ہوں ۔ اور میرے پاس احمر بھی ہے اخیر تک ۔ کتاب قبول العہد میں جو امام رضاؑ نے مامون رشید خلیفہ کو لکھی تھی یہ مرقوم ہے کہ تو نے خلافت کے مستحق کو پہچانا اور تیرے باپ دادا نے نہیں پہچانا ۔ میں نے تیری طرف سے یہ التماس قبول کیا ۔ مامون نے امام رضاؑ سے یہ درخواست کی تھی کہ آپ مسند خلافت پر متمکن ہو جایئے میں اپنے تئیں معزول کر دیتا ہوں چونکہ خلافت آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا حق تھا مگر جفر و جامعہ دونوں کتابوں سے یہ نکلتا ہے کہ سادات کی خلافت چلنے والی نہیں ۔ ایک امام صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خلافت اور نبوت دونوں ہمارے خاندان میں جمع کرنے والا نہیں ۔ حضرت علم الہدیٰ سید مرتضیٰ سے خلیفہ وقت نے اٹھلایا اور تعریفاً کہا میں تمہاری انگلیوں سے خلافت کی بو سونگھتا ہوں ۔ انہوں نے کہا خلافت کی نہیں بلکہ نبوت کی خوشبو ہے ۔ مؤلف کہتا ہے اللہ نے بنی فاطمہ کے لیے آخرت کے درجے خاص فرمائے اور دنیا کی حکومت اور سلطنت ان کی قسمت میں نہیں رکھی ۔ امام حسینؑ علیہ السلام کے عہد سے اب تک سادات کو کبھی حکومت عام نصیب نہیں ہوئی اور ایرے غیرے پنچ کلیان ہمیشہ خلافت اور حکومت کے مزے لوٹتے رہے لطیفہ یہ ہے کہ علم جفر اور علم تکسیر ایک ہی ہے یعنی سائل کے سوال کے حروف میں تصرف اور تغیر اور استبدال کر کے اس کے سوال کا جواب نکالنا (انوار اللغتہ پ ۵ صفحہ ۱۲۵)

حضرتؑ کی وفات

حضرتؑ نے ۱۵ شوال ۱۴۸ ہجری (مطابق ۷۶۵ء) کو زہر سے انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۰ و نور الابصار صفحہ ۱۴۲)

حضرتؑ کے زمانہ کے بادشاہ

حضرت کے زمانہ میں خلفا بنی اُمیّہ سے عبدالملک و ولید و سلیمان و عمر بن عبدالعزیز و یزید بن عبدالملک و ہشام و ولید بن یزید بن عبدالملک و یزید الناقص و ابراہیم بن ولید و مروان حمار گزرے پھر جب سلطنت بنی اُمیّہ ختم ہو گئی تو بنی عباس کا دور ہوا جس سے ابوالعباس و منصور دوانیقی بادشاہ ہوئے اور اسی منصور دوانیقی نے حضرت کو زہر دلوا دیا جس سے حضرت شہید ہوئے۔

حضرت کی اولاد ازواج

(۱) پہلی بی بی جناب فاطمہؑ سے جناب اسماعیل و عبداللہ و ام فروہ تھیں (۲) دوسری بی بی سے اسحاق و موسیٰ و کاظمؑ و محمد (۳) اور مختلف بیویوں سے عباس و علی و اسماء و فاطمہ۔ اس طرح حضرت کی کل اولاد دس تھیں۔

حضرتؑ کے اصحاب

بھی بڑے پایہ کے تھے۔ علم و فضل و تحقیق و اشاعت دین میں ان کے کارنامے قابل قدر ہوتے ہیں خصوصاً محمد بن مسلم طائفی۔ ابوبصیر۔ عبداللہ بن ابی یعفور زرارہ بن اعین۔ حمران ابن اعین۔ محمد بن علی بن نعمان معروف بہ مومن الطاق۔ ہشام بن سالم جوالیقی۔ مفضل بن عمر جعفی کمیت بن یزید اسدی۔ سید بن محمد حمیری و ہشام بن الحکم وغیرہ۔

جناب ہشام کا مناظرہ

کل اصحاب کے حالات بیان کرنے میں طول ہوگا۔ صرف جناب ہشام کا ایک واقعہ ذکر کیا جاتا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ حضرت کی خدمت میں جو لوگ رہتے وہ علم و فضل اور تحقیق و استنباط میں کس بلند پایہ پر پہنچ جاتے تھے جناب ہشام بہت کمسن تھے مگر بڑھوں سے زیادہ حدید الذہن واقع ہوئے تھے ایک روز حضرت امام جعفر صادق کی خدمت میں حضرتؑ کے اصحاب مثلاً حمران بن اعین و مومن طاق و طیار ہشام بن سالم و ہشام بن حکم بیٹھے تھے۔ ہشام بن حکم اس وقت ۱۸ یا ۱۹ سال کے نوجوان تھے حضرتؑ سے اور ان سے اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

حضرتؑ اے ہشام! فرقہ معتزلہ کے بڑے پیشوا اور سردار عمرو بن عبید سے تم سے جو مناظرہ ہوا تھا اسے مجھے بھی سناؤ۔

ہشام: حضور مجھے شرم آتی ہے کہ حضرت کی مجلس میں ان باتوں کا ذکر کروں اور حضورؑ کی ہیبت سے میری زبان تک نہیں کھل سکتی۔

حضرت: جب میں خود تم سے کہتا ہوں تو تمہیں عذر نہیں کرنا چاہیے۔

ہشام: حضرتؑ کے حکم سے ان کا دل مطمئن ہو گیا تو عرض کی جب مجھے معلوم ہوا کہ عمرو بن عبید معتزلی بصرہ کی مسجد میں علم و تحقیق پر بیٹھے ہوئے مسئلہ امامت اور دوسرے مسائل اصول کلام میں اپنے بزرگوں (حضرات اہلسنت) کے عقائد کی اشاعت و ترویج کرتے رہتے ہیں تو میں نے بصرہ کا قصد کیا۔ جمعہ کے روز وہاں پہنچا۔ مسجد جامع میں داخل ہوا تو دیکھا کہ عمرو بن عبید سیاہ اُون کا ایک شملہ پہنے ہوئے بیٹھے ہیں اور ایک بڑی جماعت ان کے گرد حلقہ کیے ہوئے ہے۔ لوگ اُن سے علمی مسائل دریافت کرتے اور وہ سب کا جواب دیتے جاتے ہیں۔ میں صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور ان کے سامنے جا کر دو زانو ہو بیٹھا۔ پھر اس طرح میرے ان کے باتیں ہونے لگیں۔

ہشام: اے عالم! میں ایک مسافر شخص ہوں اگر آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں بھی آپ سے کچھ پوچھوں۔

عمرو بن عبید: ہاں ہاں جو پوچھنا ہو دریافت کرو۔

ہشام: میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ کی آنکھیں ہیں؟

عمرو بن عبید: اے فرزند! یہ کیسا مہمل سوال تم مجھ سے کرتے ہو!

ہشام: میرا سوال تو یہی ہے (آپ جواب دیں یا نہ دیں)

عمرو بن عبید: خیر جو چاہو پوچھو اگرچہ پاگل پنے ہی کی باتیں کیوں نہ ہوں (کیا کروں گا) میں جواب دوں گا۔

ہشام: تو میرا سوال وہی ہے کہ بتایئے آپ کی آنکھیں ہیں یا نہیں!

عمرو بن عبید: ہاں میری آنکھیں ہیں۔

ہشام: ان آنکھوں سے کیا کرتے ہیں۔

عمرو بن عبید: ان آنکھوں سے تمام دنیا کی چیزیں دیکھتا ہوں۔ آدمیوں اور رنگوں کو پہچانتا ہوں۔

ہشام: آپ کی ناک بھی ہے!

عمرو بن عبید: ہاں ناک بھی رکھتا ہوں

ہشام: اس سے آپ کیا کام لیتے ہیں!

عمرو بن عبید: اس سے بو سونگھتا ہوں۔ خوشبو بدبو میں تمیز کرتا ہوں۔

ہشام: آپ کے منہ بھی ہے!

عمرو بن عبید: ہاں خدا نے مجھے منہ بھی دیا ہے۔

ہشام: اس سے کون کام لیتے ہیں!

عمرو بن عبید: اس سے غذائیں چکھتا اور کھانے تناول کرتا ہوں۔

ہشام: آپ کے دل بھی ہے!

عمرو بن عبید: ہاں بھائی دل بھی رکھتا ہوں۔

ہشام: اس سے کون ضرورت پوری ہوتی ہے!

عمرو بن عبید: مذکورہ بالا اعضاء (آنکھ۔ کان۔ ناک۔ منہ) پر جو چیزیں وارد ہوتی ہیں ان میں اسی دل سے تمیز کرتا ہوں (ان کے سمجھنے میں) کہ کون شخص دکھائی دیا کس چیز کی بو ہے یا کیسا مزہ جب اختلاف ہوتا ہے تو اسی دل کی طرف توجہ کر کے اس کی مدد سے فیصلہ کرتا ہوں کہ کیا ہے۔

ہشام: تو کیا دوسرے اعضاء دل سے بے نیاز نہیں (بلکہ اس کے محتاج) ہیں!

عمرو بن عبید: ہاں بے نیاز نہیں ہیں

ہشام: کیوں بے نیاز نہیں ہیں، حالاں کہ ہر عضو میں قوت ادراک بھی موجود ہے اور سب صحیح و سالم بھی ہیں۔

عمرو بن عبید: اے فرزند جو چیزیں میں دیکھتا یا چکھتا یا سونگھتا ہوں اس میں جب مجھے کوئی شک ہوتا ہے (کہ کیا چیز دیکھی یا سونگھی) تو دل کی طرف رجوع کرتا ہوں جس سے وہ شک زائل اور یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

ہشام: تو کیا خدا نے دل کو اس لیے پیدا کیا کہ آدمی کے باقی اعضاء میں جو شک پیدا ہو وہ زائل ہوتا اور صحیح و غلط کی تمیز ہوتی رہے۔

عمرو بن عبید: ہاں ہاں بس یہی بات ہے۔

ہشام: تو معلوم ہوا کہ ہر آدمی کے بدن میں ایک دل کا ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ باقی اعضاء کے شکوک و اختلافات کو زائل کر کے صحیح و غلط بتاتا رہے اور اس سے یقین حاصل ہے۔

عمرو بن عبید: ہاں بالکل یہی بات ہے۔

ہشام: آپ کی اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آپ کا اعتقاد ہے کہ خدا نے کسی آدمی کے اعضاء کو بھی بغیر کسی امام (دل) کے نہیں چھوڑا جو ان اعضاء کے شک و یقین اور صحیح و غلط میں تمیز کرتا رہے۔ مگر دنیا بھر کے لوگوں کو بغیر امام کے چھوڑ دیا (یعنی ان لوگوں کا کوئی امام اپنی طرف سے نہیں مقرر کیا) تاکہ سب کے سب حیرت و ضلالت اور شک و اختلاف میں پڑے رہیں اور کسی شخص کو بھی اس غرض سے نہیں مقرر کیا کہ شک و حیرت و اختلاف و ضلالت کے موقع پر لوگ اس کی طرف رجوع کر کے یقین و ہدایت حاصل کریں۔ کیوں کہ آپ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ خدا نے حضرت رسول خدا صلعم کا خلیفہ اور مسلمانوں کا امام کسی کو مقرر نہیں کیا اور امت رسول کو یوں ہی چھوڑ دیا کہ آپس میں اختلاف کر کے گمراہ ہوتے اور ۷۳ فرقوں پر منتشر ہوتے ہیں۔ اگر خدا ہی ان لوگوں کا امام بھی کسی کو مقرر کر دیتا جیسا شیعوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت علیؑ کو خدا نے امام مقرر کر دیا تھا تو امت رسول گمراہی سے بچ جاتی ہے۔

میری یہ تقریر سن کر عمرو بن عبید مبہوت ہو گئے۔ دیر تک غور و فکر کرتے رہے۔ پھر سر اٹھا کر میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

عمرو بن عبید: کیا تم ہی ہشام بن حکم ہو!

ہشام: واہ یہ کون کہتا ہے کہ میں ہشام ہوں!

عمرو بن عبید: اچھا تم ہشام کے پاس بیٹھتے اٹھتے ہو۔

ہشام: میں ان کا ہم نشین نہیں ہوں۔

عمرو بن عبید: خیر بتاؤ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

ہشام: میرا مقرب، خانہ کوفہ ہے۔

عمرو بن عبید: پھر ضرور تم ہشام ہی ہو۔

یہ کہہ کر عمرو بن عبید اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئے اور اپنی جگہ سے جا کر بٹھایا اور پھر کوئی بات نہیں کی۔ کچھ دیر کے بعد میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ جب میں نے یہ سب واقعات بیان کئے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہنس پڑے اور مجھ سے پوچھا کہ ان باتوں کو تم نے کس سے سیکھا تھا! میں نے عرض کی اے فرزند رسولؐ۔ خدا تعالیٰ نے خود ہی میری زبان پر یہ باتیں جاری کر دیں۔ حضرت نے فرمایا خدا کی قسم یہ مضمون حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں کا ہے (کتاب مجالس المومنین صفحہ ۱۴۵)

خلفاء فاطمیین

مولوی احسان اللہ صاحب عباسی لکھتے ہیں "تیسری صدی (ہجری) کے اخیر میں ایک بڑی زبردست سلطنت علویوں کی مغرب میں قائم ہوئی۔ بنو امیہ اور عباسیوں کے بعد حدود ارضی کے اعتبار سے اور نیز اس اعتبار سے کہ عرصہ تک بادشاہت قائم رہی علوی سلطنت تیسرے درجہ میں شمار ہوتی ہے بغداد سے پچھم اندلس تک علویوں کی بادشاہت تھی۔ کچھ دنوں تک شام۔ مکہ۔ اور مدینہ میں بھی علویوں کا زور تھا۔ سال بھر تک خطبہ بغداد میں مستنصر علوی کا نام لیا گیا۔ اندلس ایسی مستقل اور زبردست اسلامی سلطنت عرصہ تک علویوں کا ایک صوبہ رہا۔ جیسا کہ سلاطین اندلس کے حال میں لکھا گیا۔ سلاطین علویہ باعتبار خلفاء عباسیہ کے زیادہ پابند احکام شرعی تھے۔ لہو و لعب سے ان کو پرہیز تھا۔ اس لیے عیسائی مورخوں نے براہ تعصب علویوں کو متعصب لکھا ہے۔ ڈھائی سو برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک یہ خاندان قائم رہا۔ چودھویں بادشاہ عاضد پر ۵۶۷ ہجری میں اس کا خاتمہ ہوا" (تاریخ اسلام صفحہ ۲۲۴) یہی سلاطین علویہ خلفاء فاطمیین کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اس طرح کہ حضرت امام جعفر صادقؑ کے بڑے صاحبزادے جناب اسمٰعیل اپنے والد ماجد کی زندگی میں انتقال فرما گئے تھے مگر آپ کی شادی ہو چکی تھی جن سے آپ کے صاحبزادے محمد

پیدا ہوئے ان کے فرزند عبداللہ الرضی اور ان کے صاحبزادے احمد الوفی اور ان کے بیٹے حسین التقی اور ان کے بیٹے عبداللہ مہدی تھے جو خلفائے فاطمیین کے بزرگ تھے اسی وجہ سے اس خاندان کو اسماعیلیہ بھی کہتے ہیں۔ اثنا عشری فرقہ کے لوگ ان لوگوں کو شش امامی بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ یہ لوگ بارہ اماموں سے صرف پہلے چھ اماموں کو مانتے ہیں اور حضرت امام جعفر صادقؑ کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم کو امام نہیں مانتے۔ بلکہ جناب اسمٰعیل کے بیٹے جناب محمد کو امام جانتے ہیں اور اس امر کے قائل ہیں کہ امامت جناب اسمٰعیل ہی کی اولاد میں قیامت تک رہے گی۔ ہندوستان کے شیعہ بوہروں اور آغاخانی خوجوں کا بھی مذہب ہے۔ ۲۱ ربیع الآخر ۲۹۷ھ ہجری (۹۰۹ء) کو یہ سلطنت قائم ہوئی۔ انتہائے عروج کے زمانہ میں ان کی سلطنت بحر ظلمات سے صحرائے شام تک اور بحیرہ روم سے صحرائے اعظم افریقہ تک پھیل گئی تھی۔ مراکش بلاد الجزائر۔ تونس، طرابلس، برقہ۔ مصر۔ شام۔ حجاز۔ یمن۔ جزیرہ صقلیہ اور بحیرہ روم کے بعض اور جزیرے اس میں شامل تھے۔ بلکہ بغداد و موصل تک میں ایک سال تک ان کے نام خطبہ پڑھا گیا۔ ان بادشاہوں کو علوم و فنون کا بھی کمال شوق تھا۔ خود بھی بڑے عالم اور فاضل تھے۔ انہوں نے مصر میں ہر قسم کی ایسی ترقی۔ رونق اور روشنی پھیلائی جو انہیں کے زمانہ سے مخصوص تھی۔ نہ اُن سے پہلے مصر کو یہ دن نصیب ہوا تھا۔ نہ ان کے بعد ہوا۔ اسٹینلی لین پول لکھتا ہے کہ خاندان فاطمیہ کی دولت و حشمت اور تجارت بحیرہ روم کی خوش حالی کا باعث ثابت ہوئی (تاریخ اسلام جلد ا صفحہ ۱۱۴) ذیل میں اس خاندان کے چودہ بادشاہوں کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

(۱) جناب ابو محمد عبیداللہ المہدی باللہ

۲۶۶ھ ہجری (۸۷۹ء) میں بمقام سلمیہ یا کوفہ پیدا ہوئے اور سلطنت فاطمیین کی بنیاد قائم کی۔ اس طرح کہ آپ نے افریقہ میں کوشش شروع کی۔ بنو عباس کی سلطنت ضعیف ہو گئی تھی۔ کسی سے مہدی کا مقابلہ نہ ہو سکا۔ اور آپ کی کامیابی روز بروز بڑھتی گئی۔ ۳۰۳ھ ہجری سے ۳۰۶ھ ہجری تک قیروان کے قریب ایک مضبوط شہر در مستحکم قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام مہدیہ رکھ کر اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ قیروان اور طرابلس کو فتح کرکے مصر کی فتح کو آئے یہاں خلیفہ مقتدر عباسی کی طرف سے مونس خادم مقابلہ کو آیا لیکن کامیابی جناب عبیداللہ کو ہوئی آپ نے تمام مغرب اقصیٰ (مراکش) مسخر کرکے فاطمی سلطنت میں شامل کر لیا۔ مغرب اقصیٰ کی فتح کے بعد آپ اندلس فتح کرنے کی تدبیریں کر رہے تھے کہ اجل آگئی آپ نے اپنی سلطنت اپنی حیات میں ہی سرحد مصر سے بحر ظلمات اور جزائر خالدات (کنیری) تک اور بحیرہ روم سے صحرائے اعظم افریقہ تک پھیلائی تھی آپ کی خلافت زبردست اور مستعد تھی میر علی نے لکھا ہے کہ آپ نے دادگستری اور فیاضی کیساتھ سلطنت کی۔ لوگ آپ کی طرف جھکے ہوئے تھے۔ آپ کا زمانہ جلوس۔ ربیع الآخر ۲۹۷ھ ہجری۔ مطابق ۹۰۹ء اور تاریخ وفات ۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ھ ہجری (۹۳۴ء) بمقام مہدیہ۔ مدت سلطنت ۲۴ سال چھ ماہ اور مدت عمر ۶۲ سال تھی اپنے آباد کیے ہوئے شہر مہدیہ میں دفن کیے گئے۔

جناب ابوالقاسم محمد نزار قائم بامر اللہ بن مہدی

آپ کی تاریخ ولادت محرم ۲۸۰ھ ہجری (۸۹۳ء) تاریخ جلوس ۱۵ ربیع الاول ۳۲۲ھ ہجری (۹۳۴ء)، مدت سلطنت ۱۲ سال ۷ ماہ اور مدت عمر ۵۴ سال ۹ ماہ تھی۔ بڑے جنگ آزمودہ تھے۔ اکثر جنگوں میں خود فوج لے جایا کرتے۔ مسٹر امیر علی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ پہلے فاطمی خلیفہ ہیں جنہوں نے بحیرہ روم پر حکومت و اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے جہازوں کا ایک زبردست بیڑا تیار کیا۔ ۳۲۴ھ ہجری میں مغرب اقصیٰ کی بغاوت فرو کی اور ریف کے بنو ادریس کو مطیع کیا۔ اٹلی کے ڈاکو فاطمی خلیفہ کے بندرگاہوں پر لوٹ مار کر جایا کرتے تھے تو آپ کا سپہ سالار جنوبی اٹلی کو بمقام گنیا تک تاراج کرتا ہوا شہر جنوا تک جا پہنچا۔ شہر کو فتح اور اٹلی کے بہت سے باشندوں کو گرفتار کر لیا (۳۲۳ھ ہجری) شہر جنوا مدت تک خلفاء فاطمیین کے قبضہ میں رہا۔ اٹکبردہ (لومبرڈی) کا ایک حصہ بھی مطیع کیا گیا۔ اگر آپ کی اپنی سلطنت میں ایک بغاوت نہ شروع ہو جاتی تو یقیناً آپ پورے ملک اٹلی کو فتح کر لیتے۔ آپ کے اس بیڑے نے واپسی کے وقت سارڈینیا پر حملہ کرکے فرنگیوں کو بہت سی شکستیں دیں پھر فرقیسا کا رُخ کیا جو شام کے ساحل پر ہے۔ یہاں اس نے عباسیوں کے جہاز کو جلا دیا اور بہت سا مال غنیمت لے کر مہدیہ کی طرف مراجعت کی۔ (۳۲۳ھ ہجری میں آپ کے خادم زیدان نے اسکندریہ فتح کر لیا۔ پھر اہل صقلیہ نے بغاوت کی اور شاہ قسطنطنیہ کے بیڑے کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا گیا۔ مگر صقلیہ کے فاطمی گورنر نے ابو نور د قلعہ طوط فتح کرکے ریوجنت کا محاصرہ کر لیا اور آپ کے بیڑے نے رومی بیڑے کو تباہ کر ڈالا۔ آپ کے زمانہ میں ابو یزید خارجی نے بغاوت کی جو مدت دراز تک جاری رہی اور نہایت مہتم بالشان ہوئی گویا اس نے فاطمی خلیفہ کو قیروان سے بے دخل کر دیا تھا۔ کبھی اس کی فتح ہوتی اور کبھی جناب قائم بامر اللہ کی۔ اسی اثنا میں جناب قائم نے مقام مہدیہ میں بیمار ہو کر انتقال کیا۔

(۳) جناب ابو طاہر اسمعیل منصور باللہ بن القائم

۳۰۲ھ ہجری (۹۱۴ء) میں بمقام قیروان پیدا ہوئے ۱۳ شوال ۳۳۴ھ ہجری (۹۴۵ء) میں تخت سلطنت پر بیٹھے۔ سلخ شوال ۳۴۱ھ ہجری (۹۵۲ء) میں وفات ہوئی۔ مدت سلطنت ۷ سال ۱۶ یوم اور عمر ۳۹ سال کی ہوئی۔ آپ بڑے بہادر عقلمند۔ مستعد۔ مستقل مزاج۔ خوش خلق ادیب۔ لبیب۔ شاعر۔ مقرر۔ بلیغ اور نہایت منتظم تھے۔ بغیر پہلے سے سوچے فی البدیہہ خطبہ شروع کرتے اور مثل دریا کی روانی کے بیان کرتے جاتے۔ آپ کا ایسی حالت میں بادشاہ ہونا کہ ابو یزید کی بغاوت سے تمام ملک میں غدر مچا ہوا تھا سوائے ساحل بحر کے چند قلعہ بند شہروں اور مہدیہ (دارالتخت) کے کچھ قبضہ میں نہ رہا تھا۔ اندلس کے اموی خلیفہ ناصر نے مغرب اقصیٰ پر قبضہ کر لیا تھا اور پھر سلطنت کو سنبھالنا اور اپنے تمام آبائی ملک پر قابض ہو جانا آپ کی لیاقت و کمال کا بین ثبوت تھا۔ آپ نے بادشاہ ہوتے ہی ابو یزید سے ایسی جنگ کی

کروہ بے حواس ہو کر بھاگا اور مقام فتح پر بادشاہ نے منصوریہ آباد کرکے وہاں سکونت اختیار کی۔ ربیع الاول ۳۳۵ھ ہجری میں بادشاہ اس باغی ابویزید کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور ایسے ویرانے چلے گئے جنگل۔ بیابان پہاڑ۔ وادی۔ اور دلدلوں کی کچھ پرواہ نہ کی۔ یہاں تک کہ اس کے پیچھے بلا دسوان کے ایسے ویرانے میں پہنچے جہاں پانی کی ایک مشک ایک اشرفی کو ملتی تھی۔ بغرض سخت لڑائی کے بعد ابویزید مارا گیا اور بادشاہ سجدہ خالق بجا لائے۔

صاحب حقائق الاخبار لکھتے ہیں کہ ابویزید ملحد تھا۔ خدا نے اس کے شر سے اہل مغرب کو نجات دلا دی اس نے ایسے ظلم کیے تھے جن کے بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے کچھ دنوں بعد شاہ قسطنطنیہ نے سمندر کی راہ سے بہت سی فوج صقلیہ روانہ کی تو آپ نے ایک بیڑا جہازوں کا روانہ کر دیا مگر رومی بغیر لڑے بھاگ گئے اور قسطنطین بادشاہ روم نے مجبور ہو کر صلح کر لی اور آپ کے گورنر حسن نے شہر ریو کے وسط میں نہایت عالی شان مسجد تعمیر کی۔

(جناب ابوتمیم معز لدین اللہ بن المنصور)

آپ خلفاء فاطمیین کے چوتھے بادشاہ تھے۔ ۱۱ رمضان المبارک ۳۱۹ھ ہجری (۹۳۱ء) میں بمقام مہدیہ پیدا ہوئے سلخ شوال ۳۴۱ھ ہجری (۹۵۲ء) میں بادشاہ ہوئے۔ ۱۵ ربیع الآخر ۳۶۵ھ ہجری (۹۷۵ء) کو قاہرہ میں وفات پائی۔ مدت سلطنت ۲۴ سال ۶ ماہ اور مدت زندگی ۴۵ سال ۷ ماہ ہوئی۔ خلفاء فاطمیین کے مخالف مورخین نے بھی آپ کو بادشاہ دانا۔ مستعد۔ بہادر۔ سخی منصف۔ عادل۔ کریم الاخلاق۔ سائنس و فلسفہ میں ماہر علوم و فنون کا بڑا مربی۔ صاحب رائے۔ امور ملک و قوانین ملت سے اچھی طرح آگاہ علوم نجوم و ہیئت کا شائق و ماہر لکھا ہے۔ علوم و فنون کی قدردانی کے لحاظ سے بعض مورخین نے اس خلیفہ کو مغرب کا مامون کہا ہے معز کے عہد حکومت میں شمالی افریقہ نے اعلیٰ درجہ کی تہذیب اور خوشحالی حاصل کی۔ لوگ خوشی اور فارغ البالی میں بسر کرتے تھے۔ بادشاہ نے ملک کے اندرونی فساد اور ہنگامے سختی اور مستعدی سے فرو کیے۔ انتظام اعلیٰ اصول کی بنیاد پر قائم کیا۔ تمام کاموں کے واسطے قواعد و ضوابط مرتب کیے اور ان افسروں کے ماتحت امن قائم رکھنے کے لیے فوج نظام اور فوج ملیشا کا ایک حصہ متعین کیا (ملیشیا سے وہ پیشہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو لڑائی کے وقت فوج کا کام دیتے ہیں) بیڑے اور فوج کو از سر نو ترتیب دیا اور تجارت و حرفت کو فروغ دیا علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے چونکہ معز لدین اللہ نرم مزاج اور رحمدل تھے اور خدا نے ایک عزیب شعور لیاقت ان کو عطا کی تھی وہ سردار بھی جو ان کے آباؤ اجداد کے خون کے پیاسے تھے اگرچہ ان سے دلی محبت نہ کرتے ہوں تاہم ان کے دوست ضرور بن گئے۔ معز ان سے نہایت خلق و مہربانی سے پیش آئے اور اس طرح انہوں نے ان کو دشمن سے اپنا حامی و مددگار بنا لیا (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب ص ۱۱۶) عباسی صاحب لکھتے ہیں "سلطنت نے اس کے زمانہ میں عروج پکڑا۔ مصر۔ اسکندریہ۔ مکہ اور تمام مقامات عباسیوں کے تصرف سے نکل کر اس کی سلطنت میں شامل ہوئے۔ شام پر بھی اس کا دخل

قاہرہ اس کا آباد کیا ہوا شہر اب تک مصر کا دار الخلافت ہے۔ اس بادشاہ نے مصر کو اپنا دار الخلافت قرار دیا اور پھر برابر سلاطین اسماعیلہ کا یہی دار الحکومت رہا۔ (تاریخ اسلام صفحہ ۲۲۴) اندلس کے اموی خلیفہ ناصر لدین اللہ نے ایک ایسا بڑا تجارتی جہاز بنوایا تھا کہ اس وقت تک دنیا کی کسی سلطنت نے اتنا بڑا جہاز نہیں تیار کیا تھا۔ اس جہاز نے معز لدین اللہ کے جہاز کو لوٹ لیا تو آپ نے ایک زبردست بیڑا تیار کرکے اندلس پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ کر دیا۔ اس بیڑے نے مریہ کی لنگر گاہ میں گھس کر تمام جہازوں کو پھونک دیا۔ پہلے جہاز کو گرفتار کیا اور خشکی میں اتر کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور بہت کچھ مال غنیمت لے کر پلٹا۔ اس کے بعد یہ اموی اور فاطمی بادشاہ آپس میں لڑ کر اپنی قوت ضائع کرتے رہے۔ دریں یہ بڑے زبردست تھے اگر ان میں اتحاد ہوتا تو اس وقت تمام یورپ کا فتح کر لینا کوئی بڑی بات نہ تھی ۳۴۸ھ ہجری کے ختم ہوتے ہوتے حدود مصر سے ساحل بحر اوقیانوس تک پھر تمام ممالک پر خلفاء فاطمیین کا قبضہ ہو گیا۔ ۳۵۲ھ ہجری میں رومیوں سے سخت لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں نے فتح پائی اور بہت سے رومی گرفتار کر لیے۔ ۳۵۱ھ ہجری سے ۳۵۴ھ ہجری تک جزیرہ صقلیہ سے رومیوں کی سلطنت بالکل نیست و نابود کر دی۔ ۳۵۹ھ ہجری میں یورپ کی فوجوں نے جنوبی اٹلی کے مسلمانوں پر چڑھائی کی مگر یہ سب کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ ۳۵۷ھ میں اہل مصر کی درخواست پر ان کی فریاد رسی کرنے کے لیے ابوالحسن جوہر کو ایک لاکھ سے زیادہ سوار اور بارہ سو سے زیادہ مال کے صندوق دے کر مصر کی طرف روانہ کر دیا جوہر کو پوری کامیابی ہوئی۔ شہر قاہرہ معزیہ کو آباد کر کے دار الحکومت بنایا۔ مصر سے عباسیوں کا سکہ و خطبہ موقوف کرکے معز لدین اللہ کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کیا اذان میں حی علیٰ خیر العمل پھر سے جاری کیا گیا۔ نماز میں بسم اللہ با آواز بلند پڑھنے لگے اور خطبہ کے بعد اللهم صل علی محمد المصطفیٰ وعلی علی المرتضیٰ وعلی فاطمة البتول وعلی الحسن والحسین سبطی الرسول الذین اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهیرا وصل علی الائمة الطاهرین آباء امیر المومنین پڑھا جانے لگا اور اہلبیت کے فضائل بیان ہونے لگے۔ اس کے بعد جوہر نے جامع ازہر تعمیر کی جو اس وقت اہل اسلام کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔ ۳۶۴ھ ہجری میں عید غدیر مصر میں پہلی دفعہ کمال شان و شوکت سے منائی گئی۔ مصر فتح کرکے جوہر نے ۳۵۹ ہجری میں شام فتح کر لیا اور عباسیوں کا خطبہ موقوف کرکے فاطمی بادشاہ کا خطبہ جاری کر دیا ۳۶۳ھ ہجری (۹۷۴ء) میں مکہ اور مدینہ میں معز کے نام کا خطبہ مستقل طور پر جاری ہو گیا۔ مورخ حبیب البیر نے لکھا ہے کہ معز نے ایسی عدالت اور سخاوت کے ساتھ سلطنت کی کہ اس سے زیادہ خیال میں نہیں آ سکتی۔ ۱۵ ہزار اونٹ اور دس ہزار خچر زر سے لدے ہوئے افریقہ سے قاہرہ لے کر آئے تھے۔ خزانچی کو حکم دے رکھا تھا کہ ہر روز چند صندوق پر زر دربار میں لا کر رکھتا۔ محتاجوں کو اجازت تھی کہ ان میں سے ایک ایک مٹھی بھر کر لے جائیں۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ معز کا خطبہ تمام ممالک۔ مغرب۔ مصر۔ شام۔ حجاز۔ اور بعض اعمال عراق میں پڑھا جاتا تھا۔

(۵) جناب ابو منصور نزار عزیز باللہ بن معز

۱۴ محرم سنہ ۳۴۴ ہجری (سنہ ۹۵۴ء) کو مہدیہ میں پیدا ہوئے ۱۵ ربیع الآخر سنہ ۳۶۵ ہجری (سنہ ۹۷۵ء) کو تخت سلطنت پر بیٹھے۔ ۲۸ ماہ رمضان سنہ ۳۸۶ھ (سنہ ۹۹۶ء) کو رحلت فرمائی مدت سلطنت ۲۱ سال ۵½ ماہ اور عمر ۴۲ سال ۸½ ماہ ہوئی۔ آپ جواد، کریم، شجاع، عقیل، حلیم، صابر، خوش اخلاق اور کثیر العفو تھے۔ مغلوب دشمن پر رحم کرتے بلکہ اس کو مالا مال کر دیتے۔ عالم و فاضل زبردست خصوصاً ادیب و شاعر اعلیٰ درجہ کے تھے۔ عید کے دن آپ کے ایک فرزند کا انتقال ہو گیا تو یہ شعر کہے: ؎

نحن بنو المصطفیٰ ذوو محن — یجرعها فی الحیوٰۃ کاظمنا

عجیبۃ فی الانام محنتنا — اولنا مبتلیٰ وختامنا

یفرح ہذا الوریٰ بعیدهم — طرا واعیادنا ماتمنا

ہم آل محمد ہمیشہ مصائب ہی میں رہتے ہیں۔ ہمارے ضبط کرنے والے تمام عمر رنج و غم کو گھونٹ گھونٹ پیتے رہتے ہیں خلائق میں ہماری مصیبت عجیب ہے کہ ہمارے اول و آخر سب رنج و غم میں مبتلا ہوتے رہے دنیا کے لوگ اپنی عید سے خوش ہوتے ہیں مگر ہماری عیدیں ماتم ہی گزرتی ہیں (تتمۃ الثعالبی) آپ کو عمارتوں کا بہت شوق تھا۔ مصر میں بہت سی عمارتیں آپ کی یادگار ہیں آپ کے عہد میں حمص، حماۃ، شیراز اور حلب بھی فتح ہو کر فاطمی سلطنت میں شامل ہوئے۔ موصل، مدائن، کوفہ، انبار وغیرہ میں آپ کے نام سکہ و خطبہ جاری ہوا یمن میں بھی آپ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ آپ کے عہد میں فاطمی سلطنت دریائے فرات کے کنارے بحر ظلمات تک پھیلی ہوئی تھی اور عرب کا تمام مغربی حصہ منتہائے یمن تک اس میں شامل تھا۔ اندلس کے بنی امیہ نے جو بعض علاقے مغرب اقصیٰ کے دبا لیے تھے آپ نے ان سب کو لڑ کر چھین لیا اور سنہ ۳۷۱ ہجری (سنہ ۹۸۱ء) میں اس ملک سے ان کی حکومت بالکل برطرف کر دی۔ عضد الدولہ بویہی سے آپ کی دوستانہ مراسلت جاری تھی۔ آپ نے سنہ ۳۸۶ ہجری میں وفات پائی جس سے خلیفہ فاطمیین کی عظمت و شوکت کا گویا خاتمہ ہو گیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ خلیفہ عزیز باللہ کے عہد میں خلیفہ کے رحم و کرم کی وجہ سے لوگ دن عید اور رات شب برات کی طرح گزارتے تھے۔ آپ کا عہد خوبی میں ضرب المثل ہو گیا۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے "شام سے اندلس تک ممالک غربی پر اس کا قبضہ تھا" (تاریخ اسلام صفحہ ۴۲۴)

(۶) ابو علی منصور حاکم بامر اللہ بن عزیز

۲۳ ربیع الاول سنہ ۳۷۵ ہجری (مطابق سنہ ۹۸۵ء) کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۸ ماہ رمضان سنہ ۳۸۶ ہجری (سنہ ۹۹۶ء) کو تخت نشین ہوئے۔ ۲۷ شوال سنہ ۴۱۱ ہجری (سنہ ۱۰۲۰ء) کو انتقال فرمایا۔ ۲۵ سال ۲۹ دن مدت سلطنت اور ۳۶ سال ۷ ماہ کی عمر ہوئی۔ آپ بچپن یعنی ۱۱ سال کی عمر میں بادشاہ ہوئے تھے۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے یہ بڑا متشرع بادشاہ تھا اس نے عورتوں کے پردے میں سختی کی، مسکرات کی خرید و فروخت بند کرا دی۔ اس کے وقت میں انتظام شہر بھی اچھا تھا۔ قاہرہ میں مسجد ازہر اسی کی بنوائی ہوئی ہے۔ (تاریخ اسلام صفحہ ۴۲۵)

ابن زولاق نے لکھا ہے کہ خلیفہ حاکم، سخی، شجاع، منصف، عالم، زاہد اور صاحب کرامات تھے۔ صاحب حبیب السیر نے لکھا ہے کہ حاکم عادل اور خدا ترس بادشاہ تھے۔ مدرسے بنائے۔ ان کے لیے جاگیریں وقف کیں اور ان میں عالم وظیفہ مقرر کئے۔ حکم دیا تھا کہ خلیفہ کے واسطے زمین بوسی نہ کی جائے نہ سلام کے وقت ہاتھ چومے جائیں۔ عام اجازت دی تھی کہ جس کا دل چاہے اپنی شکایت خود بادشاہ سے مل کر بیان کرے آپ اعلیٰ درجہ کے ہیئت داں تھے۔ آپ کی زیج حاکمی جو ۴ جلدوں میں ہے اعلیٰ درجہ کی مشہور ہے۔ ۲۷ شوال سنہ ۴۱۱ ہجری ۱۰۲۰ء کو ایک پہاڑ پر تنہا پا کر کسی دشمن نے آپ کو ہلاک کر دیا مسٹر امیر علی نے لکھا ہے کہ حاکم بڑی فیاضی اور تندہی سے علم اور سائنس کی ترقی میں کوشش کرتے تھے شام اور مصر میں انہوں نے بہت سی مسجدیں، کالج اور رصد خانے تعمیر کرائے۔

(۷) جناب ابو الحسن علی ظاہر لاعزاز دین اللہ بن حاکم

۱۰ ماہ رمضان سنہ ۳۹۵ ہجری ۱۰۰۵ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۴ ذیقعدہ (۴۱۱ھ) ۱۰۲۰ء کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۵ شعبان ۴۲۷ ہجری ۱۰۳۵ء کو قاہرہ میں وفات پائی۔ ۱۵ سال ۱۰ ماہ سلطنت کی اور ۳۲ سال عمر پائی۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے "یہ بادشاہ بڑا نیک نام تھا اس کی نیک نامی سن کر حاکم خراسان حج کر کے پھر تے تو مصر ہوتے ہوئے آئے اور وہاں سے خلعت لائے۔ محمود سبکتگین کو اس کی خبر لگی۔ اس نے فوراً خلیفہ بغداد کو مطلع کیا۔ حجاج ابھی مصر سے آ کر ابھی بغداد میں ٹھہرے تھے کہ خلیفہ نے ان سے باز پرس کی اور خلعت نکلے کپڑے جلائے گئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود سبکتگین کو بھی علویوں (خلفاء فاطمیین) سے خوف تھا اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیالمہ، ملوک غزنی، سلجوقی وغیرہ سب خلفاء بغداد کی خاطر اس لیے بھی کرتے تھے کہ سلاطین علویہ (خلفاء فاطمیین) سے دو بدو مقابلہ کرنے کو وہ مصلحت کے خلاف جانتے۔ سلاطین علویہ کو زور بازو کے علاوہ جو عزت خاص و عام نظروں میں حاصل تھی وہ ان غیر قریشی النسل سلاطین کے لیے بہت زیادہ خوف دہ تھی" (تاریخ اسلام صفحہ ۴۲۵) آپ نے اسماعیلی مذہب کو کمال رونق کے ساتھ رواج دیا۔ ۴۱۸ھ میں قیصر روم سے صلح ہوئی اور اس نے اپنے ملک میں جناب طاہر کا خطبہ پڑھنے کی اجازت دیدی۔ پھر قسطنطنیہ میں مسجد بنائی گئی اور اس میں موذن مقرر کیا گیا۔ صاحب حبیب السیر نے لکھا ہے کہ آپ مثل اپنے جد امجد عزیز باللہ منصف اور نیک سیرت تھے۔ صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ جناب طاہر کی فرط سیاست اور کمال کیاست سے فتنے ساکن ہو گئے اور مہم دولت و دین نے استقامت حاصل کی مگر افسوس کہ آپ کے زمانہ سے مصر کی فاطمی سلطنت کا انحطاط شروع ہو گیا۔

(۸) جناب ابو تمیم معد مستنصر باللہ بن ظاہر

جمادی الآخر سنہ ۴۲۰ ہجری ۱۰۲۹ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵ شعبان ۴۲۷ ہجری سنہ ۱۰۳۵ء کو تخت نشین ہوئے ۱۸ ذی الحجہ ۴۸۷ھ ۱۰۹۴ء کو وفات پائی۔ ۶۰ سال ۴ ماہ حکومت کر کے ۶۷ سال کی عمر میں دنیا سے رحلت کی۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے "قائم باللہ عباسی نے والی افریقہ سے سازش کر کے اس کو نقصان پہنچانا چاہا لیکن اس کی حکمت کارگر نہ ہوئی۔ اور اس کے بدلے میں مستنصر کے اشارہ سے بساسیری

نے قائم کو بغداد میں قید کرکے سال بھر تک مستنصر کا نام بغداد کے خطبہ میں قائم رکھا۔ مستنصر کے عہد میں عباسیوں کا خاتمہ ہو جاتا لیکن طغرل بیگ نے آکر بساسیری کو مغلوب کیا اور قائم باللہ کو بڑے اعزاز سے پھر تخت پر بٹھایا اور اسی صلہ میں اپنے بیٹے رکن الدین خطاب حاصل کیا" (تاریخ اسلام ۲۲۶) سنہ ۴۷۹ ہجری میں حسن ابن صباح جو بعد میں قرامطہ اسماعیلیوں کے پیشوا ہوئے تاجروں کے لباس میں مستنصر کے پاس آئے۔ سات سال تک مصر میں رہے پھر مستنصر کی طرف سے خراسان و بلاد عجم میں داعی مقرر ہوئے حسن نے پہلے مخفی طور پر اور پھر علانیہ بلاد عجم میں آکر اسماعیلی دعوت پھیلانی شروع کر دی اور قلعوں پر قبضہ کرکے حکومت قائم کرلی۔ رخصت ہونے وقت انہوں نے مستنصر سے پوچھا تھا کہ آپ کے بعد میرا امام کون ہے۔ مستنصر نے اپنے صاحبزادے نزار کو بتایا تھا جناب مستنصر کے تین بیٹے تھے پہلے جناب نزار دوسرے جناب ابوالقاسم احمد مستعلی جو اپنے والد کے جانشین ہوئے اور چھوٹے محمد جو خود تو خلیفہ نہیں ہوئے مگر بعد میں ان کے بیٹے عبدالمجید میمون حافظ کے لقب سے خلیفہ ہوئے۔

(۹) جناب ابوالقاسم احمد مستعلی باللہ بن مستنصر

۲۰ شعبان سنہ ۴۶۷ ہجری (۱۰۷۵ء) کو پیدا ہوئے ۱۸ ذی الحجہ ۴۸۷ھ (۱۰۹۴ء) کو تخت نشین ہوئے۔ ۱۷ صفر ۴۹۵ ہجری (۱۱۰۱ء) کو ۲۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مدت سلطنت ۷ سال ۲ ماہ تھی۔ جناب مستنصر نے اپنی زندگی بڑے بیٹے جناب نزار کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ مگر وزیر اعظم افضل میں اور ان میں دشمنی تھی۔ اس لیے افضل نے نزار کو خلع کر دیا اور جناب احمد کو مستعلی کے لقب سے خلیفہ بنایا جناب نزار اور افضل میں جنگ چھڑ گئی آخر نزار گرفتار ہو کر مستعلی کے حوالہ کر دیئے گئے۔ نزاری اسماعیلی کہتے ہیں کہ جناب نزار کے فرزند ہادی قید سے نکل کر بلاد عجم میں چلے آئے تھے اور یہاں جناب ہادی سے الموت کے اسماعیلی امام پیدا ہوتے۔ اس وقت سے اسماعیلیوں کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک نزاریہ جو جناب نزار اور آپ کی اولاد کو امام برحق مانتے ہیں۔ وہ حسن بن صباح کے مقلد اور ہندوستان کے آغا خانی خوجے ہیں۔ دوسرے وہ جو مستعلی اور ان کی اولاد کو امام برحق سمجھتے ہیں اور مستعلویہ کہلاتے ہیں وہ ہندوستان کے شیعہ بوہرے ہیں۔

(۱۰) ابوعلی منصور آمر باحکام اللہ بن مستعلی

۱۳ محرم ۴۹۰ ہجری (۱۰۹۶ء) کو پیدا ہوئے ۱۷ صفر ۴۹۵ھ (۱۱۰۱ء) کو تخت نشین ہوئے اور ۲۹ سال ۸ ماہ حکومت کرکے ۳۴ سال کی عمر میں ۳ ذیقعدہ ۵۲۴ ہجری (۱۱۳۰ء) کو وفات پائی۔ عباسی صاحب نے لکھا ہے "آمر باحکام اللہ۔ اس کے وقت میں شمالی عیسائیوں سے بڑی لڑائی ہوئی اور مسلمان غالب رہے۔ ان شمالی عیسائیوں کو مسلمان مورخ اہل فرنگ لکھتے ہیں اس کے وقت میں شام میں ایک خاندان نزاریہ نام صاحب حکومت ہوا اور کچھ ملک علویوں کا اس خاندان کے قبضہ میں آگیا اس کی کوئی اولاد نہ تھی اسلئے اپنے چچا حافظ کو اس نے ولیعہد مقرر کیا" (تاریخ اسلام صفحہ ۲۲۶) آپ نے جوان ہو کر وزیر اعظم افضل کو قتل کرا دیا آپ کریم و جواد تھے آپ کے زمانہ میں آپ کی اور آپ کے متعلقین کی کثرت جود و عطا سے لوگ کمال عیش و اطمینان میں بسر کرتے تھے مصر میں کوئی شخص زمانہ بالافلاس کا شاکی نہیں ملتا تھا۔ آپ حافظ قرآن بھی تھے۔ نزاریہ فرقہ کے لوگ مستعلویوں اور ان کے اماموں سے سخت دشمنی رکھتے اور شدت سے جناب آمر کی تاک میں تھے۔ ایک دن ۵۲۴ ہجری میں آپ کو ہلاک کر دیا۔ مستعلویوں (بوہروں) کا اعتقاد ہے کہ جناب آمر نے دو سال چند ماہ کے ایک صاحبزادے ابوالقاسم طیب کو چھوڑ کر انتقال کیا اور اپنے چچازاد بھائی عبدالمجید میمون بن ابوالقاسم مستنصر کو حافظ لدین اللہ کے لقب سے ان کا نگراں مقرر کیا تھا کہ خلافت ظاہری کا انتظام کریں۔ اور جب طیب لائق ہو جائیں تو خلافت ان کو سپرد کر دیں مگر دو سال کے بعد جناب حافظ خود خلیفہ بن گئے اور جناب طیب نے ستر اختیار کیا۔ اس امر کی خبر پہلے سے امام آمر نے اپنے اکابر دعاۃ کو دے دی تھی اور حکم دیا تھا کہ شمس امامت کے ستر میں جانے کا وقت آگیا ہے جب حافظ کی نیت میں فرق دیکھو اسی وقت میرے فرزند کو لیکر ستر کرنا اور ایسا ہی ہوا اب بوہرے حضرات ان امام طیب کی نسل اور نسل امام کا ہر زمانہ میں موجود ہونا واجب سمجھتے ہیں اور یہی ان کا اعتقاد ہے (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین مرحوم صفحہ ۱۲۶)

(۱۱) جناب عبدالمجید میمون حافظ بن محمد بن مستنصر

محرم ۴۶۷ ہجری ۱۰۷۵ء میں پیدا ہوئے۔ ۳ ذیقعدہ ۵۲۴ھ (۱۱۳۰ء) کو تخت نشین ہوئے اور ۱۹ سال ۷ ماہ حکومت کرکے ۷۷ سال کی عمر میں ۵ جمادی الآخری ۵۴۴ھ (۱۱۴۹ء) کو انتقال کیا۔ آپ نظر بندی میں بسر کرتے تھے۔ آپ کا وزیر احمد کل امور سلطنت پر حاوی تھا وہ بڑا اثنا عشری تھا اور پروابت فرمانی جناب حافظ نے بھی مذہب اثنا عشری کا اظہار کر دیا تھا۔ وزیر احمد نے بارہویں امام حضرت محمد مہدیؑ کے نام کا سکہ و خطبہ بھی جاری کر دیا تھا ۱۵ محرم ۵۲۶ ہجری ۱۱۳۲ء کو وزیر احمد قتل کر دیا گیا اور ۵۴۴ ہجری میں جناب حافظ کا انتقال ہو گیا آپ کی تمام عمر وزیروں کی محکومیت میں گزری جو کچھ وہ چاہتے کرا لیتے۔ مقریزی نے لکھا ہے کہ حافظ مدبر۔ سیاست دان۔ کثیر المداراۃ عارف اور علم نجوم کے شائق تھے۔ آپ پر علم غالب تھا۔ آپ کو قولنج بہت ہوتا تو آپ کے طبیب نے ایک طبل بنایا تھا جس کے بجانے سے ریح خارج ہوتی اور قولنج کو بہت فائدہ کرتا۔ یہ طبل خلفاء فاطمیین کے خزانہ میں رہا یہاں تک کہ صلاح الدین نے اس کو توڑ ڈالا۔ جناب حافظ کے بعد آپ کے حسب وصیت آپ کے بیٹے ابومنصور اسماعیل بادشاہ ہوئے۔

(۱۲) جناب ابومنصور اسماعیل ظاہر بامر اللہ بن حافظ

۱۵ ربیع الآخر ۵۲۷ ہجری (۱۱۳۳ء) کو پیدا ہوئے۔ اور ۴ سال ۷ ماہ حکومت کرکے ۲۱ سال ۹ ماہ کی عمر میں ۱۵ محرم ۵۴۹ ہجری ۱۱۵۴ء کو انتقال کیا۔ آپ زمانہ حکومت میں بے بس تھے۔ وزیر بادشاہی کرتے تھے۔ بغاوتیں، رقابتیں، سازشیں اور فرقہ بندیاں پھیل گئی تھیں محرم ۵۴۹ ہجری میں آپ قتل کر دیئے گئے۔

(۱۳) جناب ابوالقاسم عیسیٰ فائز بنصر اللہ ظافر

۲۱ محرم ۵۴۴ ہجری ۱۱۴۹ء کو پیدا ہوئے ۱۵ محرم ۵۴۹ ہجری ۱۱۵۴ء کو تخت نشین ہوئے

اور ۱۸ سال ۶ ماہ برائے نام حکومت کرکے ۱۱ سال ۶ ماہ کی عمر میں ۱۵ رجب ۵۵۵ ہجری (۱۱۶۰ء) کو انتقال کیا۔
عباسی صاحب لکھتے ہیں:
"اہل فرنگ سے اس کے وقت میں بھی لڑائی رہی۔ بلاد مغربی پر اہل فرنگ کا جو قبضہ ہو چکا تھا وہ مستحکم ہوا اور کچھ حصہ ملک اس نے ان سے واپس بھی لے لیا" تاریخ اسلام صفحہ ۴۷۲) آپ تمام عمر مرض صرع میں مبتلا رہے صالح بن زریک [1] جو اس عہد میں دراصل بادشاہی کر رہا تھا۔ فاضل یحییٰ اہل علم و فضل سے محبت کرنے والا، کاتب ادیب اور اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا۔ از روئے فضل و عقل و سیاست و تدبیر اپنے زمانہ کا سب سے بڑا شخص تھا۔ شکل میں رعب دار۔ اور سطوت میں عظیم بڑا پکا اثنا عشری تھا۔ خلافت جناب امیر میں زبردست کتاب لکھی لوگوں سے مناظرے کیئے۔ وزیر ہوتے ہی شیعہ مذہب کا اظہار کیا۔ نہایت خوبی سے حکومت کی آخر عمر تک فرنگیوں سے لڑتا رہا تمام ممالک سے اہل علم اس کے پاس آتے اور سب کی حاجت پوری کرتا۔

(۱۴) ابو محمد عبداللہ عاضد لدین اللہ بن یوسف بن حافظ

۲۰ محرم ۵۴۶ ہجری (۱۱۵۱ء) کو پیدا ہوئے ۱۷ رجب ۵۵۵ھ (۱۱۶۰ء) کو تخت نشین ہوئے اور ۱۱ سال ۶ ماہ برائے نام حکومت کرکے ۲۱ سال کی عمر میں ۱۰ محرم ۵۶۷ ہجری (۱۱۷۱ء) کو انتقال کر گئے۔ عباسی صاحب لکھتے ہیں اس کے وقت میں اہل فرنگ ساحل شرقی و مغربی سے آتے آتے مصر تک پہنچ گئے اور مصر پر قابض ہو گئے غیر مذہب والوں کا مصر پر قابض ہونا نور الدین محمود والی شام کو بہت برا معلوم ہوا اس نے مصریوں کی مدد کو فوج بھیجی جو اہل فرنگ پر غالب آئی اور شامیوں نے اہل فرنگ کو مصر سے نکال دیا بعد میں خطبہ میں بجائے عاضد کے مستضئ باللہ عباسی کا نام داخل کیا گیا۔ اسی زمانہ میں عاضد بھی مرگیا اور اس کے ساتھ ہی سلاطین علویہ اسمٰعیلیہ کا خاتمہ ہو گیا اور بنو مہدی کا نام مٹ گیا۔" تاریخ اسلام صفحہ ۴۷۲) آپ ۱۰ سال کی عمر میں خلیفہ ہوئے۔ صالح نے اپنی بیٹی ان سے بیاہ دی اور صالح تمام امور سلطنت پر حاوی رہا مگر ۱۹ ماہ رمضان ۵۵۶ھ کو بیچارا قتل کر دیا گیا خلیفہ عاضد نے اہلسنت سے ایک شخص صلاح الدین یوسف کو وزیر بنا لیا مگر اس نے تمام امور سلطنت پر حاوی ہو کر خلیفہ کو بیدخل کر دیا اور شیعہ قاضیوں کو معزول کرکے تمام ملک میں شافعی قاضی مقرر کیئے اسوقت سے ملک مصر سے مذہب شیعہ ختم ہونے اور مذہبی مالکی و شافعی زور پکڑنے لگا۔ محرم ۵۶۷ ہجری میں صلاح الدین نے خلیفہ عاضد کا خطبہ بھی مصر سے بند کرکے مستضئ عباسی کا خطبہ جاری کر دیا خلیفہ عاضد عاشور محرم ۵۶۷ ہجری کو انتقال کیا۔ آپ کی وفات پر سلطنت فاطمیین کا ستارا جو ممالک افریقیہ و مصر پر ۲۷۰ سال سے چمک رہا تھا بالکل غروب ہو گیا جو برکتیں ان کے عہد میں مصر کو حاصل ہوئیں کسی بادشاہ

---

[1] ارمنی قوم اثنا عشری مذہب کا ایک فقیر تھا زیارت جناب امیر المومنینؑ کے لئے نجف گیا اسی رات روضہ مقدس کے سید ابن معصوم نے حضرت امیر المومنینؑ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں طلائع بن زریک ہمارے محبوس سے ہے اس سے کہو کہ مصر جائے۔ ہم نے اسے مصر کا والی بنایا ہے۔ سید نے طلائع کو بلا کر خواب بیان کیا۔ طلائع فوراً مصر آکر سلطنت کا حاکم اور آخر کار مصر کا مالک ہو گیا (کتاب الخطط مقریزی جلد ۴ صفحہ ۸۱) اس کا اصلی نام طلائع تھا۔ حکومت مصر میں کارہائے نمایاں کرنے سے ملک صالح خطاب ہوا اور پوری سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک ہو گیا تھا۔ ۱۲

کے زمانہ میں نہیں ہوئیں۔ علوم و فنون تجارت و حرفت سب کو کمال ترقی ہوئی۔ شفاخانے۔ مدرسے۔ مسجدیں اور رفاہ عام کی دوسری بے شمار عمارتیں اور اوقاف مدتوں ان کی یادگار رہیں۔ ان کے خزانے میں ایسی عجیب و غریب چیزیں تھیں جو کبھی دیکھی یا سنی نہیں گئیں۔ دنیا ان سے خالی ہے۔ ایسے جواہر جو کسی کو میسر نہیں کثرت سے تھے۔ سونے کا ڈیور۔ چاندی سونے کے برتن۔ طاس۔ آفتابے پتیلیاں۔ رکابیاں۔ خوان۔ فتیل سوز۔ آبخورے۔ کٹوروں وغیرہ سب سونے کے۔ ایک لاکھ ۳۰ ہزار قسم کی ۱۶ لاکھ کتابیں نہایت اعلیٰ درجہ کے خوشنویسوں کی لکھی ہوئی اور نہایت نفیس جلدیں بندھی ہوئی۔ یہ کتب خانہ دنیا کے عجائبات سے تھا۔ تمام بلاد اسلام میں اس سے بڑا کوئی کتب خانہ نہ تھا۔ اس میں فقہ۔ نحو۔ لغت۔ حدیث۔ تواریخ۔ نجوم۔ روحانیات۔ کیمیا اور ہر فرقہ کی مذہبی کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ ابن مقلہ اور ابن البواب کے لکھے ہوئے قطعے اور قرآن شریف جو سب سے بلند جگہ رکھے جاتے تھے۔ معز لدین اللہ نے ایک توشہ خانہ بنوایا تھا۔ جس میں سے مردوں۔ عورتوں بچوں اور ان کے متعلقین سب کو جاڑے گرمی کے کپڑے عمامے سے کر پائے جامہ اور رومال تک تقسیم ہوا کرتے تھے۔ ۶ لاکھ دینار سے زیادہ کپڑا گرمی جاڑے میں تقسیم ہوتا تھا۔ یہی حالت ختم سلطنت تک قائم رہی۔ ان کے خزانے میں جو عجائبات تھے ان میں سونے کا ایک مور مرصع بجواہر نفیسہ بھی تھا جس کی آنکھیں یاقوت احمر کی اور پر بالکل مور کے پروں جیسے زجاج۔ مینا اور سونے سے بنائے تھے اور سونے کا ایک مرغ جس کا بڑا سا تاج یاقوت احمر کا اور جو پورا دُرّ و جواہر سے مرصع تھا۔ ایک ہرن جو نفیس دُرّ و جواہر سے مرصع اور اس کا سفید پیٹ بلور اور عمدہ موتیوں سے بنایا گیا تھا۔ ایک سونے کا کھجور کا درخت جو جواہر اور موتیوں سے آراستہ تھا سونے کے گملے میں رکھا ہوا تھا۔ اس کے شگوفے اور کچی پکی کھجوریں اپنے اصلی رنگ و وضع میں مختلف جواہرات کی بنائی گئی تھیں۔ ۲ ایسے جواہرات جن کی کوئی قیمت نہیں لگا سکتا تھا۔ کا ذور کا ایک ترلوز جس کا وزن ۱۶ ہزار مثقال تھا۔ ستر ستر مثقال کے یاقوت ازرق کے قطعے اسی اسی درہم کے زمرد کے ٹکڑے تین تین چار چار سو دینار کا ایک ایک بلوری برتن کئی صندوق دواتوں کے بھرے ہوئے جن میں سے ہر ایک ہزار ہزار دینار سے زیادہ کی تھی۔ متعدد چینی کی گولیں کافور قیصوری کی بھری ہوئی متعدد پیالے عنبر شجری کے بے شمار نافے مشک تبتی کے اور بہت سا عود۔

ان کا دار السلطنت قاہرہ تھا جو نہایت عالی شان عمارتوں سے مزین تھا اور جس میں سڑکیں اور بازار کثرت سے تھے۔ خلیفہ کا خاص محل جو ۱۲ قبہ دار عمارتوں پر مشتمل تھا قاہرہ کے مشرقی حصہ میں واقع تھا اور قصر الکبیر المشرقی قصر المعزی کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے دس دروازے تھے جن پر پانچ سو سواروں اور پانچ سو پیادوں کا پہرا رہتا تھا۔ ساکنان محل کی ضروریات بہم پہنچانے کے لیے ۱۲ ہزار خدمتگار تھے۔ ایک سرنگ سے دوسرے عالی شان محل کا راستہ تھا جو شہر کے مغربی حصہ میں

[illegible] شہر کے اندر اور باہر خلیفہ کے اور بھی مکان اور تفریح محل تھے جن کو اس زمانہ کے سب سے اعلیٰ صناعوں اور کاریگروں نے کمال آراستہ و پیراستہ کر رکھا تھا امیروں کے محل بھی شاہی محلوں کی ہمسری کرتے تھے۔ امیروں کے مکانوں کے گرد خوبصورت باغ لگے ہوتے تھے۔ ان باغوں کی عمدگی اور کثرت کو دیکھ کر یورپ کے سیاح دنگ رہ جاتے تھے۔ چار جامع مسجدیں۔ جامع ازہر۔ جامع معتیہ۔ جامع نور اور جامع حاکم خصوصاً بہت بڑی اور عالی شان و خوبصورت تھیں۔ خلفاء فاطمین کے عہد میں قاہرہ کی خاص عمارت حسینہ [1] (امام باڑہ) تھی۔ اس میں ایام محرم میں مجالس عزائے امام حسینؑ برپا ہوتی تھیں۔ بادشاہ۔ وزیر۔ امیر سب شریک ہوتے تھے مردوں اور عورتوں کے واسطے جُدا جُدا شہر کے ہر حصہ میں خوبصورت عالی شان حمام بنے ہوئے تھے بازار جن میں ۲۰ ہزار دکانیں تھیں نہایت بارونق اور عالی شان تھے اور دنیا کی پیداوار سے بھرپور رہتے تھے۔ شہر کے گرد مضبوط و مستحکم فصیل تھی جس کے بعض مشہور دروازوں کے یہ نام تھے۔ باب الفرنیل کی طرف۔ باب الفتوح۔ باب النصرہ۔ باب الزویلہ اور باب الخلیج جو جزیرہ کی طرف کھلتا تھا۔

خلفاء فاطمین علم و سائنس کے بھی بڑے مربی تھے۔ انہوں نے کالج۔ کتب خانے اور دار الحکمۃ قائم کئے۔ ان کو کتابوں اور آلات ریاضی سے مہیا کیا۔ کالجوں میں [2] بکثرت اعلیٰ درجہ کے پروفیسر مقرر کئے ان علمی خزانوں تک ہر شخص کی رسائی تھی۔ ہر شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ لکھنے کا سامان بھی مفت ملتا تھا۔ خلیفہ اکثر علمی مجلسیں کرتے تھے جن میں دار العلوم کے پروفیسر یعنی ہر علم کے جُداجُدا عالم منطقی۔ ریاضی دان فقیہ۔ طبیب وغیرہ اپنی اپنی خلعتیں [3] پہنے ہوئے حاضر ہوتے تھے۔ دو لاکھ ستاون ہزار دینار کالجوں کی سالانہ آمدنی تھی یہ آمدنی پروفیسروں اور عہدیداروں کی تنخواہوں۔ ضروریات تعلیم اور سائنس سے متعلق دوسری چیزوں کے مہیا کرنے میں صرف ہوتی تھی۔ ان تعلیم گاہوں میں انسانی علم کے ہر شاخ کی تعلیم ہوتی تھی۔ علم ہیئت کو ترقی دینے کی غرض سے مختلف مقامات میں رصدگاہیں بنائی گئیں اور علم و ادب و سائنس کے بڑے بڑے ماہر و کامل استاد ایشیا و اندلس سے بلائے گئے کہ فاطمی بادشاہوں کے عہد حکومت کو مثل ستارہ کے چمکا دیں۔ اپنی رعایا میں عام طور پر علم پھیلانے کی خواہش میں انہوں نے اس پولیٹیکل فائدہ کو جو غیر قوموں کے لوگوں کو اپنے فرقے کا مرید بنا لینے سے مرتب ہو سکتا تھا۔ نظر انداز نہیں کر دیا تھا۔ بڑے دار الحکمۃ سے متعلق دار المجالس (گرانڈ لاج) تھا جس میں اسماعیلی مذہب کے مخفی اور باطنی اصول سے واقف ہونے کے خواہشمندوں کو اس مذہب کے عقائد کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہفتہ میں دو دفعہ دوشنبہ اور چہارشنبہ کو دار المجالس کا سب سے اعلیٰ افسر جو داعی الدعاۃ کہلاتا تھا اور جو عموماً بادشاہ کا وزیر قاضی القضاۃ ہوا کرتا تھا۔ جلسہ منعقد کرتا تھا۔ اس جلسہ میں مرد عورت دونوں سفید لباس پہنے ہوئے شریک ہوتے عورتیں مردوں سے جُدا بیٹھتیں۔ ان جلسوں کو مجالس الحکمۃ کہتے تھے۔ تعلیمی کاروائی شروع کرنے سے داعی الدعاۃ امام یعنی خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور جو کچھ لکچر نے ممبروں کو سُنانا ہوتا پہلے خلیفہ کو پڑھ کر سُنانا ہوتا تھا خلیفہ اس کی پشت پر دستخط کر دیتا تھا۔ پھر بعد مرید یا شاگرد داعی الدعاۃ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے اور خلیفہ کے دست کو تعظیماً ماتھے سے لگاتے تھے۔ مقریزی نے جو اس دار المجالس کے مختلف درجوں کا ذکر لکھا ہے گویا فراش (فری میسن) تعلیم کا بیش بہا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ اصل بھی یہی ہے کہ عیسائی دنیا میں تمام قسم کے دار المجالس (فراماشن وغیرہ) بعد میں قاہرہ ہی کے دار المجالس کے دیکھا دیکھی بنائے گئے۔ دار الحکمۃ کے پولیٹیکل نشان تو اس کے بانیوں کے ساتھ ہی رخصت ہو گئے۔ مگر اس کے علم و سائنس کا شوق مصر کے شہروں کو منور کرتا رہا یہاں تک کہ پچھلے ملوکوں کی افراتفری کے زمانہ میں اس کا بھی خاتمہ ہو گیا مگر اس کی تعلیم کا باطنی اثر باوجود استداد زمانہ کے اب تک برابر چلا آتا ہے اور مختلف مذہب و ملت کے ممالک ہیں اور ایسے مختلف لوگوں میں جن کی خو خصلت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اپنا جلوہ دکھا رہا ہے (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب مرحوم دہلوی جلد ا صفحہ ۳۴۳)

[1] جو عمارتیں ہندوستان میں امام باڑہ کہلاتی ہیں۔ مصر میں مشہد کہلاتی تھیں۔ خلفاء فاطمین کے عہد میں ساحل شام کے تمام شہروں میں مشہد بنے ہوئے تھے۔ وہاں ایک عظیم الشان روضہ بھی ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امام حسینؑ کا سر مبارک اس میں مدفون ہے۔ ۱۲

[2] مسٹر امیر علی نے بحامی آف مڈطیہ سے نقل کیا ہے کہ فاطمیوں کے عہد میں صرف اسکندریہ میں طلبہ کی تعلیم کے واسطے اس سنہ ۲۰۰ سے زیادہ کالج دیکھے تھے۔ قاہرہ میں بے شمار کالج تھے۔ اسی طرح قیروان فاس اور شمالی افریقہ کے بڑے بڑے شہروں میں علم کی ترقی اور رعایا کی تعلیم کے لیے عالی شان مدرسے اور کالج تھے اور ان کے قیمتی کتب خانوں میں بیش بہا کتابیں تھیں۔ اس بات کے ثبوت میں کہ عرب یونانی اور رومی مصنفوں کی تصنیفات سے ہرگز بے خبر نہ تھے یہی بیان کر دینا کافی ہے کہ فاس کے بڑے کتب خانے میں لاسوی کی تصنیف کا کامل نسخہ عربی زبان میں موجود تھا۔

[3] انگریزی یونیورسٹیوں میں جو گون گریجوایٹوں کو دیئے جاتے ہیں وہ اب تک اسی طرز کے ہیں جیسے کہ عربی خلع (چوغے) ہوا کرتے تھے (امیر علی)

ساتواں باب

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کے صاحبزادے۔ حضرت رسول خدا صلعم کے ساتویں خلیفہ اور مسلمانوں کے ساتویں امام تھے۔ ۷ر صفر ۱۲۸ھ ہجری (۷۴۵ء) کو بمقام ابوا (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) پیدا ہوئے۔ ۲۰ سال کی عمر میں امام مقرر ہوئے۔ ۳۵ سال تک ہدایت و ارشاد فرماتے رہے۔ ۵۵ سال کی عمر میں ۲۵ر رجب ۱۸۳ھ (۷۹۹ء) کو قید خانہ میں وفات پائی اور مقام کاظمین میں (جو بغداد سے ایک میل پر واقع ہے) دفن ہوئے۔

والدین حضرت کے والد ماجد جناب امام جعفر صادقؑ اور والدہ ماجدہ جناب حمیدہ تھیں جن کو حمیدہ مصفات بھی کہتے تھے۔ جناب حمیدہ ملک بربر کے ایک بزرگ صاعد کی صاحبزادی تھیں اور جناب حمیدہ کو لوگ لؤلؤۃ زرقی بھی کہتے تھے (مناقب جلد ۵ صفحہ ۷۶)

نام۔ کنیت۔ القاب حضرتؑ کا اسم گرامی موسیٰ۔ کنیت ابوالحسن۔ ابو ابراہیم۔ ابوعلی۔ ابوعبداللہ۔ اور القاب کاظم۔ عبد صالح۔ نفس زکیہ۔ وفی۔ صابر۔ امین۔ زاہر۔ زین المجتہدین۔ باب قضاء الحوائج عند اللہ (خدا کے نزدیک حاجت برلانے کے در) تھے۔ مگر زیادہ مشہور کاظم ہے۔ آپ نہایت جلیل القدر اور صاحب خیر کثیر امام تھے۔ شب بھر عبادت میں مصروف رہتے اور دن بھر روزہ رکھتے۔ آپ کو کاظم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ نہایت حلیم تھے اور جو لوگ آپ پر ظلم کرتے ان کو ہمیشہ معاف فرما دیتے تھے (صواعق محرقہ ص ۱۲۱ و تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲۰ و بحار جلد ۱۱ ص ۲۲۳)

بچپن کے کچھ حالات ایک روز حضرتؑ کسی مقام سے گھر پر تشریف لائے تو حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا بیٹا لکھو تو تنح عن القبیح ولا ترده (بری باتوں سے ہمیشہ الگ رہو اور کبھی ان کا ارادہ بھی نہ کرنا)۔ آپ نے لکھا تو فرمایا اس پر دوسرا مصرع لگا دو۔ حضرتؑ نے فوراً یہ مصرع لگا دیا ومن اولیته حسنا فزده (جس سے بھلائی کرو اس کو زیادہ کرو) پھر حضرتؑ نے فرمایا اس پر مصرع لگاؤ ستلقی من عدوک کل کید (تمہارا دشمن تم سے ہر قسم کا مکر و فریب کرے گا) آپ نے لکھ دیا اذا کاد العدو فلا تکده (جب دشمن مکر و فریب کرے تب بھی تم مکر و فریب کے پاس نہ جاؤ) (بحار جلد ۱۱ ص ۲۶۶)

آپ تین سال کی عمر میں ایک بکری کے بچے سے (بطور مزاح) فرماتے تھے خدا کو سجدہ کر لیکن وہ سجدہ کرتا تو حضرتؑ کے ایک دوست نے کہا اس سے کہئے کہ مر جائے۔ حضرتؑ نے فرمایا وائے ہو تم پر کیا

ہی حیات و موت دیتا ہوں؟ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھا آپ کے بعد امام کون ہوگا۔ فرمایا وہ لڑکا جو کھیل کود میں مشغول نہ ہو۔ اتنے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بکری کا بچہ لیئے نظر پڑے جس سے کہتے تھے اپنے خدا کو سجدہ کر۔ یہ دیکھ کر حضرت نے آپ کو سینہ سے لگا کر فرمایا بیشک یہ لہو و لعب میں نہیں رہتا (بحار جلد ۱۱ صفحہ ۲۶۶)

حضرتؑ کے فضائل حضرتؑ اپنے زمانہ میں سب سے بڑھ کر عابد۔ عالم اور سخی تھے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۱) حضرتؑ بلحاظ عبادت و ریاضت عبد صالح کے لقب سے مشہور تھے (وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۱۳۱) کثرت عبادت و ریاضت اور خاص کر شب بھر عبادت میں کھڑے رہنے کی وجہ سے آپ کو عبد صالح کہتے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوتا کہ کوئی شخص آپ کی ایذا رسانی کے درپے ہے تو آپ کچھ مال اس کے پاس بھیج دیتے (طبقات الحفاظ ذہبی) حضرتؑ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ علم والے اور سب سے زیادہ سخی ہاتھ اور بزرگ نفس والے تھے۔ آپ فقرا اہل مدینہ کے حال پر مہربانی فرماتے اور ان کے گھروں میں بکثرت درہم دینار۔ کھانے کپڑے اور دوسری ضروریات زندگی پہنچایا کرتے مگر ان کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ کہاں سے آتا ہے۔ جب حضرتؑ نے وفات پائی۔ تب لوگوں پر یہ راز کھلا کہ حضرت ہی اس طرح ان لوگوں کی خدمت کرتے تھے (فصول مہمہ قلمی)

ابوحنیفہ صاحب کے جوابات ابوحنیفہ صاحب نے ایک دفعہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے کہا کہ میں نے آپ کے صاحبزادے کو دیکھا کہ لوگ ان کے آگے سے گزر رہے ہیں اور وہ کھڑے نماز پڑھتے ہیں۔ حضرتؑ نے امام موسیٰ کاظمؑ کو جو بالکل بچے تھے بلا کر فرمایا کہ دیکھو ابوحنیفہ کیا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا جس کی نماز پڑھتا تھا وہ مجھ سے بہ نسبت ان لوگوں کے جو میرے آگےؑ سے گزر رہے تھے۔ بہت زیادہ قریب ہے جس پر خود اسی کا کلام شاہد ہے کہ فرمایا نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ (میں تم لوگوں کی رگ گردن سے بھی زیادہ تم لوگوں سے نزدیک ہوں) یہ جواب سن کر حضرت امام جعفر صادقؑ نے آپ کو سینہ سے لگا کر فرمایا یہ وہ بچہ ہے جس کو تمام اسرار شریعت عطا ہو چکے ہیں (مناقب صفحہ ۶۹) اس سے زیادہ لطف کا واقعہ یہ ہے ایک دفعہ امام ابوحنیفہ صاحب اور عبداللہ بن مسلم ساتھ ہی مدینہ میں وارد ہوئے تو عبداللہ نے ان سے کہا "ابوحنیفہ! اس شہر میں خاندان آل رسولؐ کے علماء سے حضرت امام جعفر صادقؑ تشریف رکھتے ہیں۔ آؤ حضرتؑ کی خدمت میں چلیں تاکہ حضرت کے علوم سے کچھ فیض حاصل کیا جائے" وہ راضی ہو گئے۔ جب در دولت پر پہنچے تو دیکھا کہ حضرتؑ کے شیعوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی ہے اور سب کے سب حضرتؑ کے منتظر ہیں۔ اتنے میں نہایت کم سن صاحبزادے اندر سے باہر تشریف لائے۔ جن کی ہیبت و جلالت قدر سے کل حاضرین سرو قد تعظیم کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس پر ابوحنیفہ صاحب نے متحیر ہو کر عبداللہ سے پوچھا یہ لڑکا کون ہے! انہوں

نے کہا "امام جعفر صادقؑ کے صاحبزادے موسیٰؑ"۔ ابوحنیفہ صاحب نے کہا "ہاں! خدا کی قسم دیکھو تو میں ان کو ان کے شیعوں کے سامنے کیسا فضیحت اور ذلیل کرتا ہوں" عبداللہ نے کہا "چپ رہو تمہارا منہ نہیے کہ ایسا کر سکو" انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم میں ضرور ان کو رسوا کروں گا" پھر حضرت موسیٰ کاظمؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہا "صاحبزادے! بتاؤ اگر تمہارے شہر میں کوئی مسافر وارد ہو اور قضائے حاجت کرنی چاہیے تو اس کے لیے کون سی جگہ مناسب ہوگی؟ حضرت نے برجستہ فرمایا مسافر کو چاہیئے کہ مکانوں کی دیواروں کے پیچھے پیچھے ہمسایوں کی نگاہ سے بچے۔ نہروں کے کناروں سے پرہیز کرے۔ جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہیں ان سے حذر کرے۔ مکانوں کے صحن سے علیحدہ شاہراہوں اور راستوں سے الگ مسجدوں میں چھوڑ کر۔ نہ قبلہ کی جانب منہ کرے نہ پُشت۔ پھر اپنے کپڑوں کو بچا کر جہاں چاہے اپنی رفع حاجت کرے" ابوحنیفہ صاحب کہتے ہیں کہ "جب میں نے بچے سے یہ جواب باصواب سُنا تو میری نظروں میں ان کی عظمت وجلالت ثابت ہو گئی اور میں نے کہا میں آپ پر فدا ہوں" اور عبداللہ کا بیان ہے کہ امام موسیٰ کاظمؑ کا جواب سُن کر ابوحنیفہ صاحب ایسے مبہوت ہو گئے کہ معلوم ہوتا تھا ان کے منہ میں پتھر بھر دیئے گئے ہیں۔ میں نے کہا کیوں! میں نہ کہتا تھا کہ خاندان رسولؐ کے بچوں کو نہ چھیڑو!"

یہ واقعہ بھی بہت دلچسپ ہے ابوحنیفہ صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ بعض مسائل دریافت کروں۔ وہاں معلوم ہوا کہ حضرتؑ آرام فرما رہے ہیں۔ میں آپ کے بیدار ہونے کے انتظار میں وہیں بیٹھ گیا۔ اتنے میں آپ کے پانچ چھ سال کے صاحبزادے موسیٰؑ باہر آئے۔ میں نے انہیں سلام کر کے کہا "اے فرزند رسولؐ انسان کے افعال کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے! ان کا فاعل خود انسان ہے یا خدا! یہ سُن کر صاحبزادے دو زانو ہو بیٹھے اور فرمایا "ابوحنیفہ! جو پوچھا اس کا جواب سنو اور اسے یاد بھی کر لینا اور اس کے مطابق عمل بھی کرنا۔ بندوں کے افعال تین صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتے یا ان کو صرف خدا کرتا ہے اور بندے بالکل مجبور ہیں یا دونوں کرتے ہیں یا صرف بندے کرتے ہیں اور خدا کی مطلق شرکت نہیں ہوتی۔ اگر پہلی صورت ہو تو یہ کیسا خدا ہے جو باوجود عادل، رحیم اور حکیم ہونے کے اپنے بندوں کو ان اعمال کا عذاب دے گا جن کو انہوں نے بالکل نہیں کیا بلکہ خود خدا نے کیا ہے۔ اور اگر خدا اور بندوں کی شرکت سے ہوتے ہیں تب بھی یہ کیسا خدا ہے کہ باوجودیکہ وہ بندوں کے افعال میں شریک قوی ہے اور بندے ضعیف ہیں لیکن انہیں بندوں کو ان اعمال کے عوض عذاب کرے گا۔ جن میں خود شریک ہے اور بندوں کی اعانت کی ہے۔ تو یہ دونوں صورتیں محال ہوئیں یا نہیں! میں نے (ابوحنیفہ) نے کہا بے شک یہ دونوں صورتیں محال ہیں۔ تب حضرتؑ نے فرمایا۔ بس اب تیسری صورت کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہی کہ بندوں کے افعال کا فاعل تنہا بندے ہی ہیں اسکے بعد حضرتؑ نے یہ چند اشعار ارشاد فرمائے۔

لم تخل افعالنا اللاتی نذم بها ۔۔۔ احدے ثلث معان حین نأتیها

اما تفرد بارینا بصنعتها ۔۔۔ فیسقط اللوم عنا حین نأتیها

او کان یشرکنا فیها فیلحقه ۔۔۔ ما کان یلحقنا من لائم فیها

او لم یکن لالهی فی جنایتها ۔۔۔ ذنب فما الذنب الا ذنب جانیها

جن افعال کی وجہ سے ہم لوگوں کی مذمت کی جاتی ہے وہ واقع ہوتے وقت تین صورتوں سے خالی نہیں ہو سکتے یا صرف خدا نے ان کو کیا ہے۔ ایسی حالت میں جو کچھ بھی فسق و فجور ہم کریں۔ ہمیں کوئی ملامت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ نہ ہو اور خدا بھی ہمارے بُرے کاموں میں شریک قرار دیا جائے تو جو ملامت خلق کی طرف سے ہماری کی جاتی ہے وہ ملامت خدا کی بھی ہوتی۔ اور اگر یہ صورت بھی نہ ہو اور ان بُرے اعمال کے بجا لانے میں خدا کا کوئی گناہ اور جُرم نہ سمجھا جائے نہ کسی قسم کی شرکت ہو تو پھر وہ گناہ بندوں ہی کا ہے بندے ہی اس کے فاعل ہیں" (بحار جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۵ و احتجاج طبرسی و مناقب وغیرہ)

حضرتؑ کی مناجات

علامہ خطیب نے اپنی تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو لوگ آپ کی کثرت عبادت و زیادتی ریاضت و شدت تعب فی طاعۃ اللہ کے سبب سے العبد الصالح کہتے تھے۔ ایک دفعہ حضرتؑ مسجد نبوی میں داخل ہوئے اور نماز مغربین سے فارغ ہو کر سجدہ میں تشریف لے گئے اور مناجات کرنی شروع کی۔ لوگوں نے کان لگا کر سُنا تو معلوم ہوا کہ فرماتے ہیں اے خدا میں اپنے کو تیرا بڑا گنہگار بندہ سمجھتا ہوں لہذا تیری مغفرت بھی بڑی ہی ہونی چاہیئے کیونکہ تو اہل تقویٰ اور تو ہی اہل مغفرت ہے۔ صبح تک آپ اسی طرح سجدے میں پڑے فرماتے رہے (وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

علامہ شبلنجی نے لکھا ہے حضرت موسیٰ کاظمؑ امام جلیل القدر۔ اپنے زمانہ کے بے مثل و نظیر محبت خدا اور علامہ دہر تھے۔ ہمیشہ شب بھر بیدار رہ کر عبادت خدا میں مشغول رہتے اور دنوں کو برابر روزہ رکھتے (نور الابصار صفحہ ۱۳۵)

حضرتؑ کے زمانے کے بادشاہ

حضرتؑ کے زمانہ میں خلفاء بنی عباس کی سلطنت شباب پر تھی۔ ابو منصور دوانیقی پھر اس کا فرزند مہدی۔ پھر اسکا فرزند ہادی۔ پھر اس کا بھائی ہارون الرشید خلیفہ ہوتا رہا۔ اسی ہارون کے زمانہ میں آپ شہید کیے گئے۔

خلیفہ ہادی کا حضرت کو قید کر کے چھوڑنا

خلیفہ ہادی نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کو ایک دفعہ قید کیا۔ پھر حضرتؑ کو رہا کر دیا۔ کیونکہ اس نے خواب میں حضرت علیؑ کو دیکھا کہ اس سے فرماتے ہیں کیا تم لوگ اسی لیے خلافت چاہتے تھے کہ زمین میں فساد پھیلاؤ اور قطع رحم کرو! خلیفہ ہادی خواب سے بیدار ہوا تو سمجھا کہ حضرت علیؑ کا اشارہ امام موسیٰ کاظمؑ کی طرف ہے بس اس نے حضرتؑ کو رات ہی کے وقت آزاد کر دیا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۲)

خلیفہ ہارون کا حضرت کو قید کرنا

۱۷۹ھ ہجری میں خلیفہ ہارون الرشید نے حج کیا۔ جب وہ مکہ معظمہ میں پہنچا تو لوگوں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے بارے میں چغلی کھائی کہ ان کے پاس ہر طرف سے مال آیا کرتا ہے۔ اتفاق سے ایک روز خانہ کعبہ کے پاس ہارون الرشید

۲۰۳ ہجری)۔ پھر جب طوس میں پہنچا تو امام رضاؑ کو بھی جن کو ولیعہد کرنے کے سبب بغداد میں بغاوت ہوئی تھی انگوروں میں زہر دے کر شہید کر دیا (۲۰۳ ہجری مطابق ۸۱۸ء) (مولوی امیر علی اور ابن خلدون مامون کو امام رضاؑ کو زہر دینے کے الزام سے بری کرتے ہیں مگر یہ اُن کا مامون کے ساتھ صرف حسنِ ظن ہے کیونکہ بڑے بڑے مورخین نے اس واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ دیکھو کامل ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ مروج الذہب مسعودی جلد ۹ صفحہ ۳۳ ۔کتاب الفخری صفحہ ۱۱۹ نورالابصار صفحہ ۱۴۴۔ مطالب السئول صفحہ ۲۸۸ حبیب السیر جلد ۲ جزو اول صفحہ ۱۵ روضۃ الصفاء جلد سوم صفحہ ۱۶، شواہد النبوۃ صفحہ ۲۰۲ تاریخ آل محمد رواتح المصطفٰی ﷺ) مامون نے ظاہر میں ماتم کیا۔ وہیں دفن کر کے مقبرہ تعمیر کرایا۔ مامون نے امامؑ کی وفات کا حال بغداد لکھ بھیجا جس سے وہاں امن و امان قائم ہو گیا (تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۱۶۱) غرض مشہور مثل ہے الملک عقیم مولوی وحید الزماں خاں صاحب لکھتے ہیں "الملک عقیم۔ بادشاہت بانجھ ہے یعنی بادشاہت حاصل کرنے کے لیے باپ بیٹے کی پروا نہیں کرتا۔ نہ بیٹا باپ کی۔ بلکہ بیٹا باپ کو مار کر خود بادشاہ بنتا ہے (انوار اللغۃ پ۱۵ صفحہ ۳۷)" پس جب باپ بیٹے میں بلکہ ماں بیٹے میں یہ باتیں موجب حیرت نہیں بلکہ واقع ہوئیں تو مامون کے متعلق انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ مامون نے دیکھا کہ حضرت امام علی رضاؑ کی وجہ سے اس کو اطمینان نہیں ہو سکتا۔ اس کی بادشاہت بے خوف نہیں ہو سکتی۔ وہ آرام کی زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ اس وجہ سے اس نے بھی حضرتؑ کے ساتھ وہی کیا جو اس کے باپ ہارون نے امام موسیٰ کاظمؑ کے ساتھ اور جو اس کے بزرگ منصور دوانیقی نے حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ کیا تھا (کہ دونوں بادشاہوں نے دونوں بزرگوں کو شہید کر دیا) رہا یہ خیال کہ مامون حضرت امام رضاؑ کی محبت کا دم بھرتا تھا وہ کیسے شہید کرتا تو بادشاہت کے لیے یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ ہجری کو غدیر خم میں حضرت عمرؓ نے حضرت علیؑ کو خلیفہ رسولؐ ملنے پر کس جوش سے مبارک دی تھی کہا تھا "بخٍ بخٍ لک یا ابن ابی طالب فقد اصبحت مولای ومولیٰ کل مومن ومومنۃ۔ اے فرزند ابوطالب مبارک ہو مبارک ہو کہ آپ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔ باوجود اس کے خلافت کے لیے حضرتؑ پر جو جو سختیاں کیں وہ آج تک تاریخی اوراق پر خون کے حرفوں سے موجود ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید کو ہر مسلمان کا ماننا اور اس کی عزت کرنا فرض ہے مگر خلیفہ ولید بن یزید بن عبدالملک نے ایک روز قرآن مجید بطور فال دیکھنے کے جو کھولا تو پہلی ہی یہ آیت نکلی واستفتحوا وخاب کل جبار عنید۔ لوگوں نے کھولنا چاہا اور ہر جبار سرکش خائب و خاسر رہا (پ ۱۳ ع ۱۵) یہ دیکھتے ہی ولید غصہ میں آ کر بولا کیا تو مجھے ڈراتا ہے؟ یہ کہہ کر قرآن کو بند کر دیا اور اس پر تیر کی ضرب لگانے لگا یہاں تک کہ اس کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۵۷، مختصر یہ کہ بادشاہوں کا ہر اس بزرگ کے ساتھ جو ان کی خواہش کے خلاف ہو۔ یا جن کا وجود ان کی عیش کے خلاف ظاہر ہو دشمنی کرنا اور ان کو معدوم کرنے کی کوشش کرنا بدیہیات سے ہے اس سے نہ ہارون بچا نہ مامون۔ خود مولوی صاحب کے قلم سے

وہ جملہ نکل گیا ہے جس پر اگر وہ غور کرتے تو آسانی سے مامون کو امامؑ کا قاتل تسلیم کر لیتے ممدوح نے لکھا ہے "چونکہ ذوالریاستین اور حضرت علی رضاؑ کی وفات نے اہل بغداد کی کل شکایتوں کا فیصلہ کر دیا۔ مامون نے بغداد کے لوگوں کو خط لکھا کہ اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو" (المامون صفحہ ۹۲) معلوم ہوا کہ اہل بغداد کی بغاوت کا اصلی باعث ذوالریاستین (فضل بن سہل) کا تسلط اور امام رضاؑ کا ولیعہد ہونا تھا۔ اور مامون ان کی بغاوت سے بدحواس ہو کر اس کے رفع کرنے کی کوشش کرنے لگا تو اس نے اس بغاوت کے رفع کرنے کا علاج اسی میں دیکھا کہ فضل بن سہل کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسے قابل قدر وزیر کو اس نے قتل کرا دیا پس دوسرے جزو یعنی امام رضاؑ کے وجود کا دنیا سے اٹھانا بھی اس کے سوائے کسی کا فعل نہیں ہو سکتا جب دونوں کو اس نے قتل کر دیا تو اب اہل بغداد کو لکھا کہ "اب کیا چیز ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو" اس کا کھلا ہوا مطلب یہی ہے کہ دو شخصوں کی وجہ سے تمہاری بغاوت تھی اور دونوں کو میں نے قتل کر دیا۔ اب کیا چیز ہے جس کی شکایت کر سکتے ہو۔ مامون کو ایک عجیب و غریب بہادر طاہر مل گیا تھا جو چند آدمیوں کے ساتھ بڑے بڑے لشکروں کو شکست دے دیتا تھا اور اسی کی بہادری سے مامون بادشاہ ہو سکا کہ یہ مثل طوفان کے ہر جگہ کو فتح کرتا ہوا بغداد تک پہنچ گیا اور مامون کے بھائی امین کو شکست دے کر اس سے سلطنت چھین لی اور مامون کو کل سلطنت بنی عباس کا تنہا مالک بنا دیا۔ جب اس کے ذریعہ سے مامون ہر طرح بادشاہ تسلیم کر لیا گیا اور اب اس کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی تھی تو اس نے اپنے اس محسن کو بھی زہر دلوا کر ختم کرا دیا (المامون صفحہ ۹۹) ایسے شخص سے کس کو امید خیر ہو سکتی تھی! پھر وہ امام علی رضاؑ کو کیوں چھوڑتا!

ازواج و اولاد

مامون نے حضرتؑ کی شادی اپنی بیٹی ام حبیب سے کر دی تھی، آپ کی ایک اور بیوی کا نام سبیکہ یا درہ تھا جن کا دوسرا نام حضرتؑ نے خیزران رکھا تھا (اعلام الوریٰ صفحہ ۹۹) اس کے علاوہ بھی آپ کی چند بیبیاں تھیں جن کے نام نہیں ملتے۔ ام حبیب سے کسی اولاد کا پتہ نہیں ملتا۔ دوسری بیبیوں سے تعداد اولاد میں اختلاف ہے بعض کتابوں میں یہ نام ہیں امام محمد تقیؑ۔ محمد قانع۔ جعفر۔ حسن۔ ابراہیم۔ حسن اور ایک بیٹی (کتاب موالید اہل البیت و نورالابصار مصر صفحہ ۱۶۰) اور بعض کتابوں میں صرف ایک فرزند امام محمد تقیؑ کا ذکر ہے (عمدۃ الطالب صفحہ ۱۸۶) علامہ طبرسی علیہ الرحمہ نے بتصریح لکھا ہے کہ حضرتؑ کے صرف ایک بیٹے محمد تقیؑ تھے۔ دوسرا کوئی نہیں تھا (اعلام الوریٰ صفحہ ۱۹۹) اور علامہ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے لکھا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ حضرتؑ نے اپنے ایک فرزند محمد تقیؑ کے علاوہ کسی لڑکے کو چھوڑا ہو (ارشاد صفحہ ۳۴۵) علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے دونوں قول لکھا ہے بلکہ یہ قول بھی لکھا ہے کہ حضرتؑ کے دو بیٹے تھے امام محمد تقیؑ اور موسیٰؑ ان دونوں کے سوائے حضرتؑ نے کسی لڑکے کو نہیں چھوڑا۔ (بحار جلد ۱۲ صفحہ ۲۶) ان وجوہ سے اس کی تحقیق مشکل ہے کہ واقعاً حضرتؑ نے کتنے لڑکے چھوڑے۔

نواں باب ۹

حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام

(حضرت امام محمد تقیؑ حضرت رسولؐ خدا صلعم کے نویں خلیفہ اور مسلمانوں کے نویں امام تھے۔ ۱۰رجب ۱۹۵ھ (۸۱۱ء) کو مدینہ میں پیدا ہوئے اور حضرت ۲۵ سال زندہ رہ کر ۲۹ یا ۳۰ ذیلقعدہ ۲۲۰ ہجری (۸۳۵ء) کو زہر سے شہید ہو کر کاظمین میں دفن کئے گئے)

والدین آپ کے والد حضرت امام علی رضاؑ اور والدہ ماجدہ ایک نوبیہ بیوی تھیں جن کے نام میں اختلاف ہے کہ سبیکہ تھا یا خیزران یا ریحانہ

نام وکنیت والقاب حضرتؑ کا اسم گرامی محمد۔ کنیت ابو جعفر اور القاب تقی۔ جواد۔ قانع اور مرتضیٰ تھے۔

فضائل علامہ شبلنجی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت اگرچہ صغیر السن تھے۔ مگر آپ کی قدر بہت بڑی۔ آپ کی عزت بلند اور آپ کے فضائل کثرت سے تھے (نور الابصار صفحہ ۱۶۱) محدث جمال الدین نے لکھا ہے کہ امام علی رضاؑ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ محمد تقی۔ حسنؑ۔ جعفر۔ ابراہیم۔ حسین۔ روضۃ الاحباب) اور ان سب میں اجل اور افضل حضرت امام محمد تقیؑ تھے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳)

مامون کی سواری اور حضرت کا اطمینان حضرت امام رضاؑ کی وفات سے ایک سال بعد (۲۰۴ ہجری مطابق ۸۱۹ء) کا ذکر ہے کہ جب حضرت امام محمد تقیؑ بغداد کے کسی گزرگاہ میں کھڑے ہوئے تھے اور چند لڑکے بھی وہاں کھیل رہے تھے ناگہاں خلیفہ مامون کی سواری دکھائی دی۔ سب لڑکے بھاگ گئے مگر حضرت محمد تقیؑ اسی طرح پورے اطمینان کے ساتھ کھڑے رہے حضرت کی عمر اس وقت ۹ سال کی تھی۔ جب مامون کی سواری وہاں پہنچی تو اس نے حضرتؑ سے مخاطب ہو کر کہا اے بچے تم کیوں نہیں بھاگے؟ حضرتؑ نے بے ساختہ جواب دیا کہ میرے کھڑے رہنے سے یہ راستہ تنگ نہ تھا جو ہٹ جانے سے وسیع ہو جاتا اور میں نے تمہارا کوئی جرم نہیں کیا تھا کہ اس سے ڈرتا۔ نیز میرا حسن ظن ہے کہ تم بے گناہ کو ضرر نہیں پہنچاتے۔ مامون کو حضرتؑ کا انداز بیان بہت پسند آیا اور اس نے پوچھا کہ صاحبزادے تمہارا کیا نام ہے؟ حضرت نے فرمایا۔ محمد بن علی الرضاؑ۔ اس کے بعد مامون وہاں سے آگے بڑھا۔ اس کے ساتھ شکاری باز بھی تھے جب وہ شہر سے باہر نکل گیا تو اس نے باز کو ایک چکور پر چھوڑا۔ باز غائب ہو گیا اور جب واپس آیا تو اس کی چونچ میں ایک چھوٹی مچھلی تھی جس کو دیکھ کر مامون

اسی طرف سے لوٹا تو اس شخص نے حضرت محمد تقیؑ کو دوسرے لڑکوں کے ساتھ وہیں دیکھا جہاں وہ پہلے تھے۔ لڑکے مامون کی سواری دیکھ کر بھاگ گئے۔ لیکن حضرت محمد تقیؑ بدستور سابق کھڑے رہے۔ جب مامون حضرتؑ کے قریب آیا تو (مٹھی بند کر کے) حضرتؑ سے کہا صاحبزادے بتاؤ میرے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ حضرتؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے دریائے قدرت میں چھوٹی مچھلیاں پیدا کی ہیں اور سلاطین اپنے بازوں سے ان مچھلیوں کا شکار کر کے اہلبیتؑ رسالت کے علم کا امتحان لیتے ہیں۔ یہ سن کر مامون بولا کہ بیشک تم علی بن موسیٰ الرضاؑ کے فرزند ہو۔ پھر حضرتؑ کو اپنے ساتھ لیتا گیا اور نہایت عزت سے پیش آیا۔ جس قدر اس پر آپ کے علم وفضل اور کمال عقل اور ظہور برہان کی حقیقت کھلتی گئی اسی قدر وہ آپ کی تعظیم وتکریم میں مبالغہ کرتا گیا۔ آخر اس نے حضرتؑ سے اپنی بیٹی ام الفضل کے نکاح کرنے کا قصد کیا۔ بنی عباس اس خوف سے مانع ہوئے کہ حضرتؑ کے باپ کی طرح کہیں حضرت کو بھی ولیعہد نہ بنائے۔ مامون نے عباسیوں سے کہا میں نے باوجود اس صغر سنی کے تمام اہل فضل پر علم وفضل اور حلم میں ان کے ممتاز ہونے کی وجہ سے ان کو اس غرض کے لیے منتخب کیا ہے۔ بنی عباس آپ کے ان اوصاف میں اختلاف ونزاع کرنے لگے اور ان لوگوں نے تجویز کی کہ ہم ایک ایسے آدمی کو لائیں گے جو ان چیزوں میں حضرتؑ کا امتحان لیں اس امر کے لیے انہوں نے اس زمانے کے زبردست عالم اور بے نظیر مناظر علامہ یحییٰ بن اکثم پیش کیا اور اس کی رشوت مقرر کی کہ اسے قاضی اگر آپ اس لڑکے کو قائل کر دیں تو ہم لوگ آپ کو بڑی دولت دیں گے۔ پھر سب ارکین دولت جمع ہوئے خلیفہ نے حضرت کے لیے ایک پر تکلف مسند بچھانے کا حکم دیا۔ حضرتؑ اس پر تشریف فرما ہوئے تو یحییٰ نے حضرت سے چند مسائل پوچھے۔ حضرت نے دلائل واضح سے جواب دیا۔ امتحان شروع ہونے پر قاضی صاحب نے پوچھا اے صاحبزادے آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس نے حج کا احرام باندھنے کے بعد ایک شکار کیا۔ حضرت نے برجستہ پوچھا کہ اس شخص نے وہ شکار حل میں کیا ہے یا حرم میں۔ عالم تھا یا جاہل۔ جان کر کیا یا غلطی سے۔ آزاد ہے یا غلام۔ کمسن ہے یا بڑا۔ پہلے ہی قتل کیا ہے یا دوبارہ۔ وہ شکار پرندہ ہے یا اور کوئی جانور۔ چھوٹا شکار ہے یا بڑا شکار کرنے والا اپنے اس فعل پر نادم ہے یا اس پر اصرار کر رہا ہے رات کو شکار کیا یا دن کو۔ ان جرحوں کو سن کر قاضی یحییٰ مبہوت ہو گئے معلوم ہوتا تھا ان کے منہ میں پتھر بھر دیئے گئے۔ کسی بات کا جواب نہیں چلا۔ بالکل چپ ہو گئے اور بت بن کر حضرتؑ کی صورت دیکھتے رہ گئے جب سب لوگوں نے دیکھا کہ حضرت نے قاضی ہی کو بالکل جاہل ثابت کر دیا۔ تو مامون بہت خوش ہوا اور چیخ اٹھا احسنت احسنت یا ابا جعفر! اے امام محمد تقیؑ! شاباش۔ واہ۔ واہ۔ آپ کا کیا کہنا۔ پھر مامون نے حضرت سے کہا آپ بھی قاضی یحییٰ سے کوئی بات پوچھیں کہ دیکھا جائے وہ جواب دیتے ہیں یا نہیں۔ قاضی نے کہا ہاں آپ مجھ سے بھی پوچھیں اگر معلوم ہو گا تو میں جواب دوں گا ورنہ آپ ہی سے اس کا جواب بھی سیکھوں گا۔ حضرتؑ نے پوچھا اے قاضی بتاؤ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے صبح کو ایک عورت کی طرف نظر کی تو

وہ اس پر حرام تھی۔ دن چڑھے حلال ہوگئی پھر ظہر کے وقت حرام ہوگئی۔ عصر کے وقت پھر حلال ہوگئی۔ غروب آفتاب پر حرام ہوگئی۔ عشا کے وقت پھر حلال ہوگئی۔ آدھی رات کو حرام ہوگئی۔ صبح کے وقت پھر حلال ہوگئی تبا ؤ ایک ہی دن میں اتنی دفعہ وہ عورت اس شخص پر کس طرح حرام اور حلال ہوتی رہی۔

قاضی کی حالت اس سوال پر اور بری ہوگئی۔ سخت پریشان ہوئے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی مجبوراً کہہ دیا کہ یا حضرتؑ میری سمجھ میں نہیں آتا حضور ہی فرمادیں حضرتؑ نے فرمایا کہ وہ عورت کسی کی لونڈی تھی۔ اس کی طرف صبح کے وقت ایک اجنبی شخص نے نظر کی تو وہ حرام تھی۔ دن چڑھنے پر اس نے وہ لونڈی خریدلی حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت اس کو آزاد کردیا حرام ہوگئی اور صبح کے وقت اس طلاق سے رجوع کرلیا حلال ہوگئی یہ تفصیل سن کر قاضی کی حیرت اور بڑھ گئی اور کچھ نہ بول سکے۔ تمام مجمع پر ان کی عاجزی اور بے بسی کھل گئی۔ مامون کی خوشی کا کیا پوچھنا ہے وہ پھولے نہیں سماتا۔ اس کے بعد اپنے خاندان والوں اور درباریوں سے پوچھا کہ اب بھی تم لوگ حضرتؑ کو مانو گے؟ وہ کیا جواب دیتے۔ غرض بادشاہ نے اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی حضرتؑ کے ساتھ کردی (روائح المصطفٰے صفحہ ۱۹۱ و صواعق صفحہ ۱۲۳ و نورالابصار صفحہ ۱۶۱)

قاضی کے سوال پر حضرتؑ نے جو جرحیں کیں اور قاضی جواب نہ دے سکے ان کا جواب بھی مامون نے حضرتؑ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا اگر احرام باندھنے کے بعد حل میں شکار کرے اور وہ شکار پرندہ اور بڑا بھی ہو تو اس کا کفارہ ایک بکری ہے اور اگر ایسا شکار حرم میں کیا ہے تو دو بکریاں ہیں اور اگر کسی چھوٹے پرندے کو حل میں شکار کیا تو دُنبے کا ایک بچہ جو اپنی ماں کا دودھ چھوڑ چکا ہو کفارہ دے گا اور اگر حرم میں شکار کیا ہو تو اس پرندے کی قیمت اور ایک دُنبہ کفارہ دے گا۔ اور اگر وہ شکار چوپایہ ہو تو اس کی کئی قسمیں ہیں اگر وہ وحشی گدھا ہے تو ایک گائے اور اگر شتر مرغ ہے تو ایک اونٹ اور اگر ہرن ہے تو ایک بکری کفارہ دے گا۔ یہ کفارہ تو جب ہے کہ حل میں شکار کیا ہو لیکن اگر حرم میں کیا ہو تو یہی کفارے دُگنے دینے ہوں گے۔ اور ان جانوروں کو جنہیں کفارے میں دے گا اگر احرام عمرہ کا تھا تو خانہ کعبہ تک پہنچائے گا اور مکہ میں قربانی کرے گا اگر احرام حج کا تھا تو منیٰ میں قربانی کرے گا۔ اور ان کفاروں میں عالم و جاہل دونوں برابر ہیں اور ارادے سے شکار کرنے میں کفارہ دینے کے علاوہ گنہگار بھی ہوگا۔ ہاں بھولے سے شکار کرنے میں گناہ نہیں ہے اور آزاد اپنا کفارہ خود دے گا۔ اور غلام کا کفارہ اس کا مالک دے گا۔ اور چھوٹے بچے پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور بالغ پر کفارہ دینا واجب ہے اور جو شخص اپنے اس فعل پر نادم ہو آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا لیکن اگر اس فعل پر اصرار کرے گا تو آخرت میں بھی اس پر عذاب ہوگا۔ حضرتؑ کا یہ کلام سن کر سب آپ کی مدح کرنے لگے۔ جب مامون نے ام الفضل کی شادی حضرتؑ سے کردی اس کے کچھ دنوں بعد حضرتؑ اپنی بیوی کے ساتھ لے کر مدینہ چلے گئے وہاں سے ام الفضل نے مامون کے پاس شکایت بھیجی کہ امام محمد تقیؑ کنیزیں بھی رکھتے ہیں۔ اس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ ہم نے تیرا نکاح ان سے اس لیئے نہیں کیا کہ تو ان پر خدا کے حلال کو حرام کرے۔ ہرگز ایسی باتیں پھر نہ کرنا (صواعق صفحہ ۱۲۳)

حضرتؑ کی وفات

جب مامون کے بعد اس کا بھائی معتصم باللہ بادشاہ ہوا اور اس نے امام محمد تقیؑ کے فضائل کا آوازہ سُنا تو برابر بغض و عناد حضرتؑ کو مدینہ منورہ سے بمقام بغداد طلب کیا۔ حضرت جب مدینہ سے چلنے لگے تو اپنے فرزند حضرت علی نقیؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ قرار دے کر کتب الہٰی کے علوم جناب رسالتمآبؐ کے آثار سپرد فرمائے۔ بعد ازاں مدینہ سے روانہ ہوکر ۹ محرم ۲۲۰ھ ہجری کو بغداد میں پہنچے اور معتصم نے اسی سال حضرت کو شہید کردیا گیا اور حضرت کاظمین میں اپنے جد امام موسیٰ کاظمؑ کے روضہ میں دفن کیئے گئے (وسیلۃ النجاہ صفحہ ۳۹۷ و نورالابصار صفحہ ۱۶۲ و صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳) حضرتؑ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی بی بی ام الفضل نے زہر دیا تھا (نورالابصار

بادشاہ وقت

حضرت کے زمانے میں مامون بادشاہ وقت تھا۔ اس کے بعد اس کا بھائی، معتصم بادشاہ ہوا جس کے زمانے میں حضرت شہید ہوئے۔

ازواج واولاد

حضرت نے چار اولاد چھوڑی۔ امام علی نقیؑ۔ جناب موسیٰؑ اور دو بیٹیاں فاطمہ اور امامہ (ارشاد صفحہ ۳۵۷) ازواج میں ایک ام الفضل شاہزادی اور چند دوسری بیبیاں تھیں۔

دسواں باب

حضرت امام علی نقی علیہ السلام

(حضرت امام علی نقی علیہ السلام حضرت رسول خدا صلعم کے دسویں خلیفہ اور مسلمانوں کے دسویں امام تھے۔ ۵ رجب ۲۱۴ھ ہجری (۸۲۹ء) کو مدینہ میں پیدا ہوئے ۔۳ رجب ۲۵۴ھ مطابق ۸۶۸ء کو زہر سے شہید ہوئے اور بمقام سر من رائے دفن کیئے گئے۔ آپ کی عمر صرف ۴۰ سال تھی (نورالابصار صفحہ ۱۶۶ وغیرہ)

والدین

حضرتؑ کے والد حضرت امام محمد تقیؑ تھے۔ اور والدہ کا اسم گرامی سمانہ مغربیہ یا سوسن یا دردہ تھا۔ (ارشاد صفحہ ۳۵۸)

نام۔ کنیت والقاب

حضرتؑ کا اسم گرامی علی۔ کنیت ابوالحسن اور القاب ہادی۔ متوکل ناصح۔ مرتضیٰ۔ فقیہ۔ امین۔ طیب۔ نقی اور عسکری تھے۔

فضائل

حضرت امام علی نقیؑ اپنے زمانے میں سب سے اجل و افضل تھے جو از روئے علم و فضل اپنے

والد کے وارث ہوئے۔ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴)

سرمن رائے میں جانا

سنہ ۲۴۳ ہجری میں آپ کے زمانے کے بادشاہ متوکل عباسی نے حضرتؑ کو مدینہ سے شہر سرمن رائے میں بلا کر قید کر دیا (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳)

حضرتؑ کا زہد و عبادت

جب حضرتؑ سرمن رائے میں بحالت قید بسر کرتے تھے بعض لوگوں نے متوکل سے چغلی کھائی کہ حضرت علی نقیؑ کے گھر میں ہتھیار اور کتابیں وغیرہ جمع ہیں جوان کو ان کے ہوا خواہ پہنچایا کرتے ہیں اور متوکل کو یہ بھی وہم دلایا گیا کہ حضرت علی نقیؑ اپنے لیے امر خلافت کے طالب ہیں۔ متوکل نے چند سپاہی مقرر کئے کہ رات کے وقت حضرت کو گرفتار کر لائیں سپاہیوں نے شب کو اچانک حضرت علی نقی کے گھر میں پہنچ کر دیکھا کہ بالوں کا کرتہ پہنے اور صوف کی چادر اوڑھے تنہا اپنے حجرے میں ایک اور سنگریزوں کے فرش پر رو بقبلہ بیٹھے ہوئے آہستہ آہستہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے سپاہیوں نے حضرتؑ کو اسی حالت میں لے جا کر متوکل کے روبرو پیش کیا۔ متوکل اس وقت ہاتھ میں جام شراب لیے ہوئے مے نوشی کر رہا تھا۔ حضرت کو دیکھ کر تعظیم دی اور اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ سپاہیوں نے بیان کیا کہ حضرتؑ پر شک یا الزام قائم ہو یہ سن کر متوکل نے وہ جام شراب جو اس کے ہاتھ میں تھا حضرتؑ کی طرف بڑھایا۔ حضرت نے فرمایا میرا گوشت اور خون کبھی شراب سے آلودہ نہیں ہوا۔ مجھے اس سے معاف رکھو۔ اس پر

حضرتؑ کے ناصحانہ اشعار

متوکل نے کہا اچھا اگر شراب نہیں پیتے تو کچھ اشعار پڑھیئے۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ مجھے شعر گوئی میں چنداں مداخلت نہیں ہے۔ متوکل نے حضرتؑ کا عذر قبول نہیں کیا۔ اور کہا ضرور کچھ سنائیے۔ حضرت نے مجبور ہو کر چند شعر پڑھے جن میں سے یہ ہیں ع

باتوا على قلل الاجبال تحرسهم — غلب الرجال فما اغنتهم القلل

واستنزلوا بعد عز من معاقلهم — فاودعوا حفرا یا بئس ما نزلوا

ناداهم صارخ من بعد ما قبروا — این الاسرة والتیجان والحلل

این الوجوه التی کانت منعمة — من دونها تضرب الاستار والکلل

فافصح القبر عنهم حین ساءلهم — تلک الوجوه علیها الدود تنتقل

قد طال ما اکلوا دهرا وما شربوا — فاصبحوا بعد طول الاکل قد اکلوا

(دنیا کے بڑے زبردست بادشاہ) پہاڑ کی اونچی چوٹیوں پر شاندار محلوں میں عیش و نشاط کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اس اہتمام سے کہ قوی ہیکل دربان ان کے قصروں پر پہرے دیتے رہتے مگر افسوس (جب موت آئی تو) وہ عالیشان محل اور اونچے پہاڑ ان بادشاہوں کو کچھ بھی نفع نہ پہنچا سکے بلکہ وہ اپنے پورے غلبہ اور حکومت کے بعد اپنے قلعوں سے نیچے نکال پھینکے گئے۔ ان کو بھی موت نے نہ چھوڑا۔ اور عزت کی بلندی سے خاک مذلت میں گرا کر کشاں کشاں قبروں میں پہنچا دیا۔ ہائے افسوس وہ زمین کے گڑھوں میں کیسی بری جگہ ڈال دیئے گئے تو (گویا بزبان حال) ایک ہاتف نے ان سے پکار کر پوچھا کہ اے قبر والو وہ تمہارے تخت و تاج اور زریں حلے کیا ہوئے۔ تمہارے وہ چہرے کہاں گئے جو ہر وقت ناز و نعم میں ہی رہتے تھے اور جن کی حفاظت کیلئے پردے اور مسہریاں آراستہ کی جاتی تھیں۔ ہاتف کی اس صدا اور سوال پر (گویا زبان حال سے) قبر بولی کہ ان چہروں پر تو اب کیڑے بھر گئے اور وہی چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا میں خوب ہی کھانے پینے میں اڑتے رہے مگر ان سب کے بعد اب انکی حالت یہ ہو گئی کہ کیڑے خود انہیں کو کھا رہے ہیں اور انہیں کے بدن نوچتے پھرتے ہیں۔

یہ اشعار سن کر تمام مجمع پر سناٹا چھا گیا اور سب نے گمان کیا کہ متوکل حضرت کو ستائے گا مگر اس پر ایسا اثر ہوا کہ ہچکیاں لے کر روتا تھا آنسوؤں سے اس کی پوری داڑھی تر ہو گئی۔ اس کے دربار کے سب لوگ بھی رو رہے تھے متوکل نے فوراً شراب ہٹوا دی اور دوسری باتیں کرنے لگا۔ (وفیات الاعیان جلد ا صفحہ ۳۲۲)

مومنین کی حاجت روائی کیلئے اپنی عزت کی پروا نہ کرنا

حضرت کو دوسرے لوگوں سے اتنی ہمدردی تھی کہ ان کی حاجت روائی کیلئے اپنی بے عزتی کی بھی پروا نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت سرمن رائے میں قید کی زندگی بسر کرتے اس وقت بھی دور دور سے لوگ حضرت کے پاس اپنی حاجتیں لیکر پہنچتے تھے۔ ایکدفعہ کوفہ کا ایک اعرابی بھی حضرتؑ کو تلاش کرتا وہاں آیا تو معلوم ہوا کہ حضرت قریب ہی ایک دیہات میں تشریف لے گئے اعرابی وہاں پہنچا حضرتؑ نے پوچھا کیا حاجت ہے۔ عرض کی میں بہت پریشان حال ہوں۔ مجھ پر اتنا قرض ہو گیا ہے کہ میری کمر ٹوٹی جاتی ہے اور حضور کے سوا کوئی نظر نہیں آتا جس سے اس مصیبت کو رفع کراؤں۔ حضرت نے پوچھا کتنا قرض ہے؟ کہا دس ہزار فرمایا گھبراؤ نہیں خدا سامان کر دے گا۔ دیکھو جو میں کہتا ہوں بالکل ایسا ہی کرنا۔ خبردار اس کے خلاف نہ کرنا۔ پھر ایک رقعہ لکھ کر اس کو دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے اس اعرابی کو دس ہزار دینا ہے جس کو میں عند الطلب ادا کروں گا یہ رقعہ اسے دے کر فرمایا کہ کل جب سرمن رائے میں اپنے مکان کے اندر ہوں تم آکر یہ رقعہ دکھا کر مجھ پر سخت تقاضے کرنا۔ اس نے پہلے عذر کیا یہ بڑی بے ادبی ہے اور اس سے حضور کی ذلت ہو گی مگر حضور نے تاکید کی کہ تم ایسا ہی کرنا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور جب حضرت سرمن رائے میں آئے اور لوگوں کا مجمع تھا تو وہ اعرابی آیا اور حضرت کی تعلیم کے مطابق حضرت سے روپے کا تقاضا کیا۔ حضرت نے تین دن کی مہلت لی۔ یہ خبر متوکل کو پہنچی کہ ایک اعرابی کا اتنا قرض حضرت پر ہے جس کا تقاضا کر کے وہ حضرت کو تنگ کرتا ہے۔ متوکل اس سے بہت شرمندہ ہوا اور تیس ہزار درہم حضرت کے پاس بھیج دیئے۔ حضرت نے وہ پوری رقم اس اعرابی کو دے دی اس نے عرض کی یا حضرتؑ میں نے تو صرف دس ہزار کی ضرورت بیان کی تھی اسی سے میرا قرض ادا ہو جائے گا۔ باقی حضور لے لیں۔ مگر حضرت نے انکار کیا اور ایک درہم بھی اس سے نہیں لیا۔ اعرابی یہ کہتا ہوا روانہ ہو گیا اَللّٰہُ اَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۳)

خلیفہ متوکل کا علاج

جب حضرت شہر سرمن راستے (جس کا دوسرا نام سامرہ بھی ہے) خلیفہ متوکل کے ہاں قید میں تھے۔ متوکل کے ایسا زہریلا زخم نکلا جس کے علاج سے کل حکیم اور جراح عاجز آگئے وہ قریب بہ ہلاکت پہنچ گیا۔ اس کی ماں نے نذر کی کہ اگر متوکل اچھا ہو جائے گا تو بہت مال بطور نذرانہ امام علی نقیؑ کی خدمت میں بھیجے گی۔ پھر وزیروں نے حضرت سے کہا کہ حضور کوئی دعا بتائیں تو لگا دی جائے تو حضرت نے فلاں دوا لگاؤ اس سے انشاءاللہ نفع ہوگا۔ اس دعا کو دیکھ کر دربار کے لوگ ہنس دیئے کہ اس سے کیا ہوگا مگر وہ دوا لگائی تو فوراً زخم پھٹ گیا اور چند دنوں میں متوکل اچھا ہوگیا۔ اس کی ماں نے اپنی نذر کے مطابق دس ہزار اشرفیاں تھیلی میں بند اس پر مہر کر کے حضرت کے پاس بھیج دیں۔ کچھ دنوں بعد لوگوں نے متوکل سے چغلی کھائی کہ حضرتؑ کے گھر میں مال اور ہتھیار بھرے ہوئے ہیں۔ متوکل نے اپنے دربان سعید کو حکم دیا کہ نصف شب میں حضرتؑ کے مکان میں گھس کر کل مال اور ہتھیار اٹھا لاؤ۔ سعید ایک سیڑھی لے کر گیا اور حضرت کے مکان کی چھت پر چڑھ گیا وہاں سے نیچے اتر کر حضرت کی کوٹھری یا کمرا تلاش کرنے لگا۔ رات بہت اندھیری تھی کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا تو حضرتؑ ہی نے آواز دی اے سعید ٹھہر میں شمع بھیجتا ہوں شمع کی روشنی میں سعید حضرتؑ کے پاس پہنچا تو دیکھا حضرت موٹے بالوں کا ایک کپڑا پہنے اور بالوں ہی کی ایک ٹوپی سر پر رکھے بوریئے پر قبلہ رُخ بیٹھے ہیں سعید نے ہر جگہ تلاش کی مگر نہ کوئی مال ملا نہ ہتھیار۔ وہی مادر متوکل کی تھیلی ملی جس کی مہر تک نہیں توڑی گئی تھی۔ خلیفہ نے وہ تھیلی دیکھ کر اس کی اصلیت پوچھی۔ جب سنا کہ اس کی ماں ہی نے نذر کی رقم بھیجی ہے تو اس نے اتنی ہی اشرفیوں کی ایک اور تھیلی اس کے ساتھ کر کے حضرتؑ کے ہاں واپس کر دی (روائح المصطفیٰ صفحہ ۱۹۹)

حضرتؑ کا رُعب

ایک دفعہ پھر لوگوں نے حضرت کی چغلی کھائی تو متوکل نے غضبناک ہو کر جلادوں کو حکم دیا کہ جب وہ میرے پاس آئیں تو قتل کر دینا یہ کہہ کر حضرت کو بلایا۔ حضرتؑ آہستہ آہستہ کوئی دعا پڑھتے پہنچے مگر حضرتؑ کا ایسا رُعب چھا گیا کہ متوکل کا سب غیظ و غضب غائب ہوگیا۔ حضرتؑ کی تعظیم کیلئے تخت سے اتر گیا۔ حضرت کا استقبال کیا۔ مصافحہ کر کے ہاتھ چومے۔ پیشانی پر بوسہ دیا اور نہایت عزت و تعظیم سے پیش آیا۔ پھر پوچھا اے میرے آقا۔ اے فرزند رسولؐ۔ اے بہترین مخلوق خدا۔ اے مولا۔ اے میرے پیشوا و ہادی کیوں زحمت فرمائی۔ فرمایا تمہارا قاصد پہنچا تو میں آیا۔ اس نے کہا قاصد نے غلط کہا ہے حضور تشریف لے جائیں (روائح المصطفےٰ صفحہ ۲۰۰)

حضرتؑ کے زمانے کے بادشاہ

خلیفہ معتصم باللہ اسکے بعد واثق باللہ اسکے بعد متوکل علی اللہ اسکے بعد منتصر اسکے بعد معتز باللہ ہوتے رہے اور اسی کے زمانے میں حضرت شہید ہوئے

ابن سکیت شاعر کا واقعہ

خلیفہ متوکل کو حضرت امیرالمومنین اور اہلبیت طاہرین سے شدید عداوت تھی ایک روز اس نے یعقوب ابن سکیت شاعر سے جو اسکے بیٹوں کو پڑھاتا تھا اور علوم عربیہ کا امام تھا پوچھا کہ تم کو میرے دونوں بیٹے معتز اور مؤید زیادہ محبوب ہیں یا حضرت علیؑ کے فرزند (امام) حسنؑ (امام) حسینؑ؟ ابن سکیت نے کہا خدا کی قسم میرے نزدیک حضرت علیؑ کے غلام قنبر بھی آپ کے دونوں

شاہزادوں سے (لاکھ درجہ) اچھے تھے۔ یہ سُن کر متوکل نے ابن سکیت کی زبان گُدی سے کھنچوالی اور وہ اسی وقت مر گئے (تاریخ ابوالفدا جلد ۲ صفحہ ۴۱)

روضہ امام حسینؑ کے مٹانے کی کوشش

صاحب حبیب السیر وغیرہ لکھتے ہیں کہ ۲۳۶ ہجری (۸۵۱ء) میں متوکل نے حکم دیا کہ کوئی شخص مزار حیدر کرار اور ان کی اولاد و بزرگوار کی زیارت کو نہ جایا کرے اور حکم دیا کہ امام حسینؑ اور شہداء کربلا کے روضہ ہموار کر کے ان پر زراعت کے لیے پانی چھوڑ دیں اور تاریخ گزیدہ میں ہے کہ ہر چند فرمان بردوں نے کوشش کی مگر پانی امام اور تمام شہداء عترت طاہرہ کی قبروں پر جاری نہ ہوا جس سے خلقت کو سخت حیرت ہوئی اور اس وقت سے اور اس سبب سے اس مشہد مقدس کو حائر کہنے لگے۔ متوکل کی اس حرکت کرنے سے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اہل بغداد نے مسجدوں اور گھروں کی دیواروں پر اسے گالیاں لکھیں اور ہجویں کیں (تاریخ اسلام صفحہ ۶۰ و تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۳) اور علامہ ابن اثیر جزری نے لکھا ہے کہ ۲۳۶ ہجری میں متوکل عباسی نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کا مزار اور اس کے گرد مکانات وغیرہ منہدم کر کے وہاں زراعت کی جائے اور لوگوں کو اس مقام میں جانے کی ممانعت کر کے یہ منادی کرائی کہ جو شخص وہاں دکھائی دے گا وہ قید کیا جائے گا۔ چنانچہ اس منادی سے لوگ اس قدر خائف ہوئے کہ انہوں نے قبر امام حسینؑ کی زیارت ترک کر دی (تاریخ کامل جلد ۷ صفحہ ۱۸) متوکل کے اس فعل پر شاعروں نے خوب ہجویں کیں ایک شخص نے کہا

بالله ان كانت امية قد اتت ۔۔۔ قتل ابن بنت نبيها مظلوما

فلقد اتاه بنو ابيه بمثله ۔۔۔ هذا لعمرى قبره مهدوما

اسفوا على ان لا يكونوا شاركوا ۔۔۔ فى قتله فتتبعوه رميما

خدا کی قسم اگر بنی امیہ نے اپنے رسولؐ کے نواسہ کو ظلم و غداری سے قتل کر دیا تو بنی عباس نے بھی حضرت کی قبر منہدم کرا کے ویسا ہی ظلم کیا۔ ان کو اس بات کا افسوس ہوا کہ وہ بھی امام حسینؑ کے قتل میں شریک کیوں نہیں ہوئے اس وجہ سے انہوں نے حضرت کی ہڈیوں پر ہی دھاوا بول دیا۔ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴۷)

درندوں کا مطیع ہونا

بعض حافظانِ اخبار بیان کرتے ہیں کہ متوکل کے سامنے ایک عورت نے سیدانی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ متوکل نے دریافت کیا کہ کوئی ایسی صورت ہے جس سے اس عورت کی اس دعوے میں آزمائش کی جائے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت امام علی نقیؑ سے دریافت کیا جائے اس پر متوکل نے حضرت کو بلوا کر اپنے تخت پر بٹھایا اور اس عورت کے دعوئے سیادت میں امتحان کرنے کی صورت پوچھی۔ حضرت نے فرمایا خدا نے درندوں پر حضرت امام حسینؑ کی اولاد کا گوشت حرام کیا ہے تم درندوں کو اس کے پیچھے ڈال دو۔ یہ سُن کر عورت نے اپنے جھوٹ کا اقرار کر لیا۔ تب لوگوں نے متوکل سے کہا کہ تم خود حضرتؑ کا امتحان بھی اسی طرح کیوں نہیں کرتے؟ متوکل نے تین درندے شیر وغیرہ قصر کے صحن میں چھڑوا دیئے۔ پھر حضرتؑ کو بلوایا اور اسی قصر میں داخل کر کے دروازہ بند کرا دیا اور خود چھت

پر چڑھ کر تماشہ دیکھنے لگا۔ جب درندوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو خاموش ہوگئے اور جب آپ صحن میں پہنچ کر سیڑھی پر چڑھنے لگے تو درندے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔ متوکل چھت پر تھا اور حضرت نیچے صحن میں تھے۔ متوکل اوپر ہی سے حضرتؑ سے باتیں کرتا رہا اس کے بعد اتر آیا۔ پھر حضرتؑ صحن سے باہر تشریف لائے اس کے بعد لوگوں نے متوکل سے کہا تم بھی ایسا کر کے دکھاؤ۔ متوکل نے جواب دیا واہ اس طرح تم لوگ مجھے ہلاک کرانا چاہتے ہو! (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴)

حضرتؑ کی وفات

حضرت امام علی نقیؑ ۳ رجب ۲۵۴ھ ہجری میں خلیفہ معتز باللہ کے زمانہ میں زہر سے شہید کئے گئے (تذکرۃ خواص الائمہ) حضرتؑ کی عمر ۴۰ سال کی تھی۔ آپ بھی زہر سے شہید کئے گئے (۲۴۳ھ ہجری میں متوکل نے آپ کو مدینہ سے بلا کر سامرہ میں قید کیا تھا۔ ۱۱ سال کے بعد حضرتؑ کی شہادت ہوئی اور سامرہ ہی میں حضرت دفن کئے گئے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴)

حضرتؑ کی ازواج و اولاد

آپ کی کئی بیبیاں تھیں جن سے ۴ بیٹے اور ایک بیٹی ہوئیں (۱) حضرت امام حسن عسکریؑ (۲) حسین (۳) محمد (۴) جعفر (۵) دختر (ارشاد صفحہ ۳۶۵)

گیارھواں باب ۱۱

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

آپ حضرت رسول خدا صلعم کے گیارھویں خلیفہ اور مسلمانوں کے گیارھویں امام تھے۔ جمعہ ۸ یا ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ ہجری (۸۴۶ء) کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۳ سال کی عمر تک اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں رہے اور جب ۲۵۴ھ ہجری میں حضرتؑ کا انتقال ہو گیا تو مسلمانوں کے امام قرار پائے اور صرف ۶ سال امام رہنے کے بعد ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ ہجری (۸۸۴ء) کو ۲۸ سال کی عمر میں بمقام سامرہ وفات پائی اور وہیں دفن کئے گئے۔

نام۔ کنیت اور القاب

حضرتؑ کا اسم گرامی حسن۔ کنیت ابو محمد۔ اور القاب مخصوص خالص ہادی صامت۔ رفیق۔ زکی۔ سراج معنی۔ شافی۔ مرضی عسکری اور ابن رضا تھے حضرت عسکریؑ اس سبب سے مشہور ہوئے کہ شہر سر من رائے (سامرہ)، کے جس محلہ میں حضرت امام علی نقیؑ اور حضرت امام حسن عسکریؑ مقیم تھے اس کا نام عسکر تھا۔ اسی کی طرف منسوب ہو کر دونوں بزرگ عسکری مشہور ہوئے (بحار جلد ۱۲ صفحہ ۱۵۴)، یا اس سبب سے کہ آپ سر من رائے کی طرف منسوب ہیں کیوں کہ جب خلیفہ معتصم باللہ نے شہر سر من رائے کو آباد کیا اور اپنے لشکر کے ہمراہ اس میں اقامت کی تو اس شہر کو عسکر (لشکر) کہنے لگے۔ امام حسن عسکریؑ اسی شہر کی طرف منسوب ہیں اس لیے کہ خلیفہ متوکل نے حضرتؑ کے پدر بزرگوار امام علی نقیؑ کو وہیں بھیج دیا تھا۔ جہاں حضرتؑ ۲۰ سال ۹ ماہ مقیم رہے ؎ پس حضرت اور آپ کے صاحبزادے اس شہر کی طرف منسوب ہونے سے عسکری مشہور ہو گئے۔ (وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۱۳۵)

والدین

حضرتؑ کے والد امام علی نقیؑ تھے اور والدہ ماجدہ کے نام میں اختلاف ہے کہ حدیث یا حدثیہ یا سوسن۔ یا حریبہ یا ام حبیب یا سبیل تھا۔

حضرت کے فضائل

علامہ قرمانی نے لکھا ہے حضرتؑ کے فضائل و مناقب کیا ذکر کیا جائے۔ آپ دنیا میں اتنے دنوں رہے ہی نہیں جس سے آپ کے فضائل و مناقب اور علوم و حکم لوگوں پر ظاہر ہوتے (اخبار الدول صفحہ ۱۱۷)

حضرت کے زمانہ کے بادشاہ

آپ کی ولادت کے وقت واثق باللہ بادشاہ تھا۔ اس کے بعد متوکل ہوا جس نے حضرت کو بھی کمسنی میں قید خانہ میں رکھا۔ پھر منتصر باللہ کا زمانہ دیکھا۔ اس کے بعد مستعین باللہ خلیفہ ہوا۔ اس کے بعد معتز باللہ کا عہد آیا۔ اس کے بعد مہدی باللہ کی سلطنت قائم ہوئی۔ اس کے بعد معتمد علی اللہ کا تسلط ہوا جس کے زمانہ میں زہر سے حضرتؑ کا خاتمہ ہوا۔ اس طرح سات خلفاء عباسیہ کے جور و ظلم سے آپ کو سامنا رہا۔

بچپن کی معرفت

حضرتؑ ایک روز بچپن میں چند لڑکوں کے قریب کھڑے رو رہے تھے اور سب لڑکے کھیل میں مشغول تھے۔ اتفاقاً ادھر سے بہلول کا گزر ہوا۔ انہوں نے حضرتؑ کو روتا دیکھ کر کہا آپ افسوس نہ کریں میں آپ کے کھیلنے کیلئے بھی کوئی کھلونا خرید لاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا اے کم عقل ہم کھیلنے کے لیے نہیں پیدا کئے گئے ہیں۔ بہلول نے پوچھا پھر کس لیے پیدا کئے گئے؟ فرمایا علم و عبادت کے لیے۔ بہلول نے کہا۔ یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا؟ فرمایا خدائے عزوجل سے جس نے فرمایا ہے افحسبتم انما خلقناکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون۔ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو کھیل کود کے لیے پیدا کیا اور تمہاری بازگشت ہماری طرف نہ ہوگی (پ ۱۸ ع ۶) اس جواب سے بہلول نے یہ سمجھ کر یہ کوئی معمولی بچہ نہیں بلکہ ہادی خلق ہے۔ عرض کی مجھے کچھ وعظ فرمایئے۔ حضرتؑ نے چند اشعار وعظ و پند سے بھرے ہوئے بیان فرمائے جس کے بعد خود غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ جب افاقہ ہوا تو بہلول نے عرض کی یہ وعظ فرمانے کے بعد آپ کو کیا ہو گیا تھا جو غش کھا کر گر گئے۔ خوف خدا کا اثر تو ہو نہیں سکتا اس لیے کہ ابھی آپ بالکل بچہ ہیں گناہ کا نام تک نہیں جانتے۔ حضرتؑ نے فرمایا "بہلول کیا کہتے ہو۔ میں والدہ کو دیکھتا ہوں کہ چولہا جلاتی ہیں تو بڑی لکڑیاں بغیر چھوٹی لکڑیوں کے روشن نہیں ہوتیں۔ اسی طرح میں ڈرتا ہوں کہ جہنم کے بڑے ایندھن کو روشن کرنے کیلئے چھوٹی چیزیں ایندھن نہیں گی ان میں میرا شمار بھی نہ ہو۔ (صواعق محرقہ ۱۲۴ و نور الابصار ۱۵۱)

کنویں میں گر جانا

امام حسن عسکریؑ جب بچہ تھے دفعتاً کنویں میں گر گئے۔ اس وقت آپ کے پدر بزرگوار امام علی نقی علیہ السلام نماز میں مشغول تھے۔ عورتیں چیخنے لگیں مگر حضرتؑ نے نماز قطع نہیں کی۔

؎ اوپر صواعق محرقہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرتؑ سامرہ میں ۱۱ سال رہے۔ ۱۲

... کوئی بات نہیں ہے۔ اس کے بعد لوگوں نے حضرت حسن عسکری علیہ السلام کی طرف کنوئیں میں نظر کی تو دیکھا قدرت خدا سے آپ پانی میں کھیل رہے ہیں (خرائج)

حفاظت قرآن

اسحاق کندی اپنے زمانہ میں عراق کا سب سے بڑا فلسفی شخص تھا اس نے کلام مجید میں تناقض (ایک آیت کے خلاف دوسری آیت ایک مضمون کے عکس دوسرے مضمون کا ہونا) ثابت کرنا چاہا جس کے لیے کتاب تناقض القرآن لکھنی شروع کی۔ اس میں وہ ہمہ تن مشغول ہوگیا حتیٰ کہ اپنے مکان سے نکلنا یا دوسروں سے ملنا ترک کر دیا۔ اس اثنا میں اسکا ایک شاگرد امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے اس سے فرمایا کیا تمہاری جماعت میں کوئی ایسا سمجھدار شخص نہیں ہے جو اپنے استاد کندی کو اس کام (کتاب تناقض القرآن لکھنے) سے روک سکے؟ اس شاگرد نے کہا میں تو اس کا شاگرد ہوں کیونکر اس پر اعتراض کر سکتا ہوں؟ حضرت نے فرمایا تو کیا یہ ہو سکتا ہے کہ میں جو کہوں اسے اس تک پہنچا دو۔ اس نے کہا ہاں یہ ہو سکتا ہے فرمایا تو جاؤ پہلے اس کے ہمراہ نہایت نرمی اور سہولت کے ساتھ بسر کر کے موانست پیدا کرو اور اس کے کام میں اس کی مدد کرو اس طرح جب وہ مانوس ہو جائے اور تم پر اس کا پورا اعتماد ہو جائے تو اس سے کہو کہ یہاں مجھے شبہ پیدا ہوتا ہے اس کا جواب بتا دو۔ اس پر وہ دریافت کرے گا تو کہنا کہ صاحب قرآن (خدا) اگر اس کتاب کو تمہارے پاس لائے تو کیا ہو سکتا ہے کہ اس کلام سے جو مطلب اس کا ہو وہ تمہارے سمجھے ہوئے مطلب و معانی کے خلاف ہو جب وہ اس سوال کو سنے گا تو چونکہ ذہین شخص ہے فوراً کہہ دیگا کہ ہاں ضرور ہو سکتا ہے جب وہ یہ کہے تو تم اس سے کہنا کہ پھر اس کتاب کے لکھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ ممکن ہے تم اس کا جو معنے سمجھ کر اس پر اعتراض کرتے ہو وہ خدائی مقصود معنی کے خلاف ہو اس صورت میں تمہاری محنت ضائع جائے گی۔ کیوں کہ تناقض تو جب ثابت ہوتا کہ تمہارا سمجھا ہوا مطلب صحیح اور مقصود خدا کے مطابق ہوتا۔ اور جب ایسا نہیں تو تناقض کہاں؟ غرض وہ شاگرد۔ اسحاق کندی کے پاس گیا اور کچھ دنوں موانست پیدا کرنے کے بعد اس اعتراض کو پیش کیا جسے سن کر وہ متحیر ہوگیا اور کہا پھر سے بیان کرو۔ شاگرد نے دوبارہ بیان کیا۔ اب کچھ دیر تک کندی نے غور و فکر کی اور سمجھا کہ بیشک اس قسم کا احتمال باعتبار لغت اور فکر کے ہو سکتا ہے۔ پھر شاگرد کی طرف متوجہ ہو کر کہا میں تم کو قسم دیتا ہوں بتاؤ کہ یہ اعتراض تم کو کس نے سکھایا؟ اس نے کہا میرے ہی ذہن میں خطور کیا۔ کندی نے کہا ہرگز نہیں۔ تمہارے ایسے علم والے تو کبھی بھی ایسا دقیق اعتراض نہیں پیدا کر سکتے۔ سچ بتاؤ یہ بات کس نے سکھائی اس نے کہا امام حسن عسکریؑ نے مجھ سے فرمایا تھا۔ اس پر اسحاق کندی بول اٹھا الآن جئت بہ ما کان لیخرج مثل ھذا الامن ذلک البیت۔ ہاں اب تم نے صحیح بات بتائی۔ اسلئے کہ ایسے دقیق اور مشکل مسئلے تو اس خاندان رسالت کے سوائے اور کہیں سے پیدا ہو ہی نہیں سکتے۔ پھر اس نے آگ منگائی اور تناقض القرآن کا پورا مسوّدہ جلا دیا۔ (بحار جلد ۱۲ صفحہ ۱۷۲ و مناقب صفحہ ۱۲۷)

اسلام کی زبردست حمایت

ایک دفعہ سامرہ میں سخت قحط پڑا تو خلیفہ وقت معتمد نے لوگوں کو حکم دیا کہ تین دن تک باہر نکل کر نماز استسقاء پڑھیں۔ چنانچہ سب نے ایسا کیا مگر پانی نہیں برسا۔ چوتھے روز بغداد کے نصاریٰ کی جماعت صحرا میں آئی اور ان میں سے ایک راہب نے

آسمان کی جانب اپنا ہاتھ بلند کیا۔ اس کا ہاتھ بلند ہونا تھا کہ بادل چھا گئے اور پانی برسنا شروع ہوا اسی طرح اس راہب نے دوسرے دن بھی عمل کیا اور بدستور اس دن بھی باران رحمت کا نزول ہوا۔ یہ حالت دیکھکر سب کو نہایت تعجب ہوا یہاں تک کہ اکثر اشخاص کے دلوں میں شک پیدا ہوگیا بلکہ بعض ان میں سے اسی وقت مرتد ہو گئے یہ واقعہ خلیفہ پر بہت شاق گزرا اور اس نے حضرت امام حسن عسکریؑ کو طلب کر کے کہا اے ابو محمد اپنے جد کے کلمہ کی خبر لیجیئے اور ان کو اس مصیبت عظمیٰ سے بچا لیجئے۔ حضرتؑ نے واقعہ دریافت کر کے فرمایا کہ اچھا راہبوں کو حکم دیا جائے کہ کل وہ پھر میدان میں آکر دعائے باران کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں لوگوں کے شکوک زائل کر دونگا۔ پس جب دوسرے دن وہ لوگ میدان میں طلب باران کیلئے جمع ہوئے تو اس راہب نے معمول کے مطابق آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا۔ ناگہاں آسمان پر ابر نمودار ہوا اور مینہ برسنے لگا یہ دیکھکر حضرت امام حسن عسکریؑ نے ایک شخص سے فرمایا کہ راہب کا ہاتھ پکڑ کر جو چیز اسکے ہاتھ میں ہو لے لو۔ اس شخص نے راہب کے ہاتھ میں ایک ہڈی دبی ہوئی پائی اس سے لیکر حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں پیش کی حضرت نے راہب سے فرمایا کہ اب تم ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا کرو اس نے ہاتھ اٹھایا تو بجائے بارش ہونے کے مطلع صاف ہوگیا اور دھوپ نکل آئی تو لوگ متحیر ہو گئے اور خلیفہ معتمد نے حضرت سے پوچھا کہ اے ابو محمد اس میں کیا راز ہے فرمایا یہ کسی نبی کی ہڈی ہے جس کی وجہ سے راہب اپنے مدعا میں کامیاب ہوتا رہا کیونکہ نبی کی ہڈی کا اثر ہے کہ جب وہ زیر آسمان کھولی جائیگی تو باران رحمت ضرور نازل ہوگا۔ یہ سنکر لوگوں نے اس ہڈی کا امتحان کیا تو اس کی وہی تاثیر دیکھی جو حضرت نے بیان کی تھی اس طرح لوگوں کے دلوں میں جو شکوک پیدا ہو گئے تھے مطلقاً زائل ہو گئے اور حضرت اس ہڈی کو لیکر اپنے قیام گاہ پر واپس آئے (صواعق محرقہ صفحہ ۱۲۴) پھر حضرت نے اس متبرک ہڈی کو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا (اخبار الدول صفحہ ۱۱۷)

حضرتؑ کی وفات

حضرتؑ کو خلیفہ معتمد علی اللہ نے زہر دلوا دیا جس سے حضرت نے ۸ ربیع الاوّل ۲۶۰ ہجری (۸۷۳ء) کو صرف ۲۸ سال کی عمر میں بمقام سامرہ انتقال فرمایا اور وہیں اپنے والد ماجد حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے روضہ میں دفن کئے گئے۔ جب حضرتؑ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی پورا شہر سامرہ چلنے لگا رونے پیٹنے کا شور برپا ہوگیا سب بازار معطل ہو گئے دکانیں بند کر دی گئیں لوگوں نے اپنے کاروبار چھوڑ دیئے۔ کل بنی ہاشم اور قصاص کا حکم دینے والے منشی قاضی، ارکان عدالت، اعیان حکومت اور عامہ خلائق حضرتؑ کے جنازے میں شرکت کیلئے دوڑے۔ شہر سامرہ اس روز قیامت کا نمونہ ہو گیا تھا۔ جب لوگ حضرتؑ کی تجہیز سے فارغ ہوئے تو حضرت حجۃ خدا امام عصر علیہ السلام نے حضرت کے جنازے کی نماز پڑھی اور اسی گھر میں دفن کیا جس میں حضرت کے والد ماجد مدفون تھے (فصول مہمہ تحفہ نور الابصار صفحہ ۱۴۸)

ازواج و اولاد

حضرتؑ کی بیبیاں کئی تھیں مگر سوائے جناب نرجس خاتون یا سوسن یا ریحانہ یا مریم کے کسی کا نام معلوم نہیں تھا۔ اور حضرتؑ کی اولاد میں صرف حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام کا نام ملتا ہے۔

بارہواں باب ۱۲

حضرت صاحب العصر والزمان علیہ السلام

اسم گرامی و کنیت والقاب

حضرت کا اسم گرامی محمد۔ کنیت ابو القاسم اور القاب حجۃ اللہ، مہدی، خلف صالح

قائم منتظر اور صاحب الزمان ہیں۔

تاریخ ولادت ۱۵ شعبان ۲۵۶ ہجری (۸۶۹ء) کو حضرت شہر سر من رائے میں پیدا ہوئے۔

والدین حضرت کے والد ماجد امام حسن عسکری علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ کا نام نرجس تھا جنہیں سوسن یا ریحانہ یا مریم بھی کہا جاتا ہے۔

بادشاہ وقت حضرت کی ولادت کے وقت بنی عباس کا خلیفہ معتز علی اللہ بن متوکل بادشاہ تھا۔

حضرتؑ کا فضل و کمال علامہ ابن حجر مکی وغیرہ نے لکھا ہے لبی القاسم محمد الحجۃ عمرہ عند وفاۃ ابیہ خمس سنین لکن آتاہ اللہ فیہا الحکمۃ ویسمی القائم المنتظر قیل لانہ ستر بالمدینۃ وغاب فلم یعرف این ذہب وتول الرافضۃ فیہ انہ المہدی حضرتؑ کی عمر آپ کے والد کے انتقال کے وقت پانچ سال کی تھی لیکن اسی عمر میں خدا نے حضرت کو کمال علم و حکمت مرحمت فرمایا تھا آپ کا نام قائم اور منتظر بھی ہے اسلئے آپکا نام قائم اور منتظر رکھا گیا کہ آپ غائب ہوگئے اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کہاں تشریف لے گئے۔ شیعوں کا قول ہے کہ وہی مہدی موعود ہیں (صواعق محرقہ صفحہ ۱۰۰)

حضرتؑ کا موجود ہونا مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت پیدا ہوچکے ہیں۔ اور کوئی قول ایسا نہیں ملا کہ حضرتؑ نے دنیا سے انتقال کیا۔ پس جب تک کسی شخص کا مرنا معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کو زندہ ماننا ضروری ہے۔ حضرت کی پیدائش کو کل علما تسلیم کرتے ہیں اور موت کا ایک شخص بھی دعویٰ نہیں کرتا۔ اس سبب سے عقل کا فیصلہ ہے کہ حضرت موجود ہیں۔ علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ شیعوں کے اعتقاد کے مطابق آپ ہی بارہ امام کے بارہویں بزرگ ہیں اور آپ حجت کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں شیعہ کہتے ہیں کہ منتظر، قائم اور مہدی ہیں اور آپ ہی صاحب سرداب ہیں۔ شیعہ حضرتؑ کے ظاہر ہونے کا انتظار آخر وقت تک کرتے رہیں گے حضرت روز جمعہ ۱۵ شعبان ۲۵۵ ہجری کو پیدا ہوچکے ہیں اور جب حضرتؑ کے والد کا انتقال ہوا تو آپ ۵ سال کے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام خمط یا نرجس تھا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرتؑ جب ۹ سال کے تھے سنہ ۲۶۵ ہجری میں سرداب میں تشریف لے گئے اس سے اب تک نہیں نکلے (وفیات الاعیان جلد ۲ صفحہ ۴۵۱) اور علامہ محمد بن طلحہ شافعی نے لکھا ہے حضرت امام حسن عسکری کے حد ادراک شرف کے لیے یہ بات کفایت کرتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے امام مہدیؑ کو ان کے نسب سے قرار دیا اور ان کے صلب سے پیدا کیا اور ان کی اولاد سے کردانا اور امام حسن عسکریؑ سوائے حضرت محمد مہدی کے اولاد ذکور میں سے کوئی فرزند نہیں رکھتے ہیں قطع نظر دیگر مناقب کے ایک یہی امر حضرت حسن عسکریؑ کی منقبت کو کافی ہے (مطالب السئول صفحہ ۳۹۸) اور علامہ سبط ابن الجوزی نے لکھا ہے محمد بن حسن عسکری آپ کی کنیت ابو عبد اللہ و ابو القاسم ہے اور آپ کے القاب یہ ہیں الخلف الحجۃ صاحب الزمان القائم المنتظر۔ الباقی (تذکرہ خواص الامہ صفحہ ۲۰۴) اور علامہ قطب ربانی شیخ عبد الوہاب شعرانی بسلسلہ ذکر ظہور امام مہدی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدی آخر الزمان حضرت امام حسن عسکریؑ کے فرزند ہیں۔

جو کہ شب ۱۵ شعبان المعظم ۲۵۵ ہجری کو پیدا ہوئے اور وہ قائم رہیں گے تاآنکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقی ہوں پس اس حساب سے ہمارے وقت یعنی ۹۵۸ ہجری تک آپ کی عمر شریف ۷۰۶ برس کی ہوتی۔ (کتاب الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۰۸) اور علامہ محمد بن یوسف گنجی شافعی نے خاص اسی باب میں ایک کتاب تصنیف کی ہے چنانچہ علامہ چلپی نے لکھا ہے کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان ابو عبد اللہ محمد بن یوسف گنجی شافعی (المتوفی ۶۵۸ھ) کی تالیف ہے (کشف الظنون صفحہ ۲۰۸) کتاب مذکور یعنی البیان فی اخبار صاحب الزمان میں موصوف نے اس مقام پر جہاں انہوں نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے غائب ہونے کے بعد اب تک زندہ اور باقی رہنے کے دلائل لکھے ہیں ایک دلیل یہ بھی بیان کی ہے کہ مثل عیسیٰ بن مریم اور خضرؑ اور الیاس کے جو خدا کے اولیاء ہیں اور اعور دجال اور ابلیس لعین کی بقا کے جو دشمنان خدا میں سے ہیں۔ جناب مہدیؑ کے بقاء میں بھی کوئی مانع نہیں اور ان لوگوں کا باقی ہونا کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ (ارجح المطالب صفحہ ۳۷۷) اور علامہ شیخ سلیمان قندوزی نے لکھا ہے کہ شیخ محدث فقیہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن محمد گنجی شافعی اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں فرماتے ہیں کہ امام مہدی خلف امام حسن عسکری اپنے زمانہ غیبت سے اب تک زندہ و قائم موجود ہیں (ینابیع المودۃ صفحہ ۴۹۳) اور علامہ ابن خشاب نے لکھا ہے شیخ محمد بن یوسف گنجی شافعی اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں فرماتے ہیں کہ امام مہدی کے زمانہ غیبت سے اب تک زندہ اور قائم ہونے پر بھی ایک دلیل ہے کہ ممتنع نہیں ہے ان کی بقا مثل بقائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کتاب موالید اہلبیت) اور علامہ شیخ شبلنجی نے لکھا ہے کہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن محمد گنجی اپنی کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان میں فرماتے ہیں کہ امام مہدی کے زمانہ غیبت سے اس وقت تک حی اور قائم ہونے پر دیگر دلائل کے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی بقا ممتنع نہیں ہے مثل بقائے عیسیٰ بن مریم و خضر و الیاس علیہم السلام کے (نور الابصار صفحہ ۱۵۶) بعض مسلمان کہتے ہیں کہ حضرتؑ ابھی پیدا نہیں ہوئے آخر زمانہ میں پیدا ہوں گے۔ مگر خدا دنیا کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی اپنی حجت یعنی امام اور خلیفہ سے خالی نہیں چھوڑ سکتا معتبر حدیث میں ہے کہ زمین کبھی خدا کی حجت قائم سے خالی نہیں ہوسکتی سا ب وہ حجت خدا مشہور و معروف ہو کر سب لوگ اس کو پہچانتے ہوں یا لوگوں کی نظروں سے مخفی ہو۔ غرض اس کا وجود ہر زمانہ کیلئے ضروری ہے تاکہ اللہ کی حجتیں اور اس کی نشانیاں مٹنے نہ پائیں۔ (منتخب کنز العمال جلد ۴ صفحہ ۴۰۷) مختصر یہ کہ حضرت یقیناً موجود ہیں اور جب تک ظاہر ہو کر دنیا کو عدل و انصاف سے نہیں بھر دیں گے قیامت نہیں آسکتی اسلیئے کہ حضرت رسول خدا کا قول غلط نہیں ہوسکتا۔ حضرت نے فرمایا اگر دنیا کا پورا زمانہ ختم ہوجائے اور صرف ایک دن باقی رہ جائے جب بھی خدا اسی روز کو اتنا بڑھا دے گا کہ اس میں میرے خاندان کے اس شخص (حضرت مہدیؑ) کو ضرور بھیجے گا جس کا نام بھی میرے نام پر (محمد) ہوگا وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی (ترمذی) حضرت رسول خدا صلعم کی یہ بھی مشہور حدیث ہے من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاھلیۃ۔ جو شخص مر جائے مگر اپنے زمانے کے امام کی معرفت نہ رکھتا ہو وہ کافروں کی موت

موت مرے گا (کنز العمال و شرح عقائد و شرح فقہ اکبر وغیرہ) اس قول کے مطابق ضروری ہے کہ ہر زمانہ میں خدا کا مقرر کیا ہوا ایک امام رہے جس کی معرفت لوگ حاصل کرتے رہیں اور وہی امام حضرت محمد مہدی علیہ السلام ہیں جو حضرت رسول خدا صلعم کی مسلم بین الفریقین حدیث (کہ میرے بعد خلیفہ قریش سے ہوں گے) کے مطابق بارہویں خلیفہ ہیں اور حضرت رسول خدا صلعم کی اولاد سے ہیں آپ ظلم و جور کو دنیا سے دور کر کے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے شرک و کفر کو دنیا سے نابود کر دیں گے حضرت عیسیٰ آسمان سے اتر کر آپ کی مدد کریں گے اور آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔ ملا جامی نے شواہد النبوۃ میں۔ امام عبدالوہاب شعرانی نے لواقح الانوار میں شیخ محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں۔ خواجہ پارسا نے فصل الخطاب میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ ائمہ اطہار میں۔ جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں ابن صباغ مالکی نے فصول مہمہ میں شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے فضل مبین میں اور دوسرے بکثرت علماء نے بھی یہی لکھا ہے کہ حضرت امام مہدی پیدا ہو کر غائب ہو چکے اور اب تک زندہ ہیں اور جو لوگ حضرت کے اتنے دنوں تک غائب اور زندہ رہنے میں شک کرتے ہیں ان کا جواب دیتے ہیں کہ خدا جس کو زندہ رکھے اس کو موت کسی طرح نہیں آ سکتی اور جس کو وہ موت دے اس کو کوئی شخص زندگی نہیں بخش سکتا۔ خدا نے حضرت آدم کو بغیر ماں باپ کے اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ حضرت خضر و الیاس و ادریس و عیسیٰ کو اب تک زندہ رکھا ہے وہی خدا اگر حضرت امام مہدی کو بھی دنیا میں حجت قائم رکھنے کے لیے زندہ رکھے تو کیوں تعجب کیا جائے۔

تیرھواں باب ۱۳

حضرات آئمہ اثنا عشر کے مختصر فضائل اور اُن کے آئمہ حق ہونے کے مختصر دلائل

اس باب میں فضائل و دلائل مذکورہ کی طرف مختصر اشارہ کیا جاتا ہے۔ تفصیل دوسری کتابوں میں دیکھیے حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے (۱) جب تک اس دین اسلام میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے یہ دین اور مستحکم ہی رہے گا (۲) جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے اسلام غالب ہی رہیگا (۳) اس امت کے سردار بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جسطرح بنی اسرائیل کے نقیب بھی بارہ ہوتے تھے (۴) اس اُمت کے بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو شخص ان کا ساتھ چھوڑے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ وہ بارہ خلیفہ سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے (۵) میرے بعد میرے خلفاء اسی عدد کے مطابق (بارہ) ہوں گے جو حضرت موسیٰ کے نقیبوں کا (تھا) کہ ہمیشہ دین اسلام قائم رہے گا جب تک اس میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں کے جو سب قریش ہی سے ہوں گے۔ پھر جب سب ہلاک ہو جائیں گے۔ تو زمین مع زلزلہ پیدا ہو جائیگا

قیامت آجائیگی یہ سب حدیثیں کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۹۸ میں ہیں (۷) ہمیشہ دین قائم رہیگا۔ جب تک قیامت نہ آ جائے یا جب تک اس میں بارہ خلیفہ نہ گزر جائیں جو سب کے سب قریش ہی سے ہوں گے۔ اس حدیث پر اتفاق ہے مشکوٰۃ باب مناقب قریش جلد ۸ صفحہ ۹۳ (۸) جب تک تم لوگوں پر میرے بارہ خلیفہ امامت کرتے رہیں گے یہ دین قائم ہی رہے گا (سنن ابی داؤد صفحہ ۵۸۸) (۹) میرے بعد بارہ سردار اور پیشوا ہوں گے۔ وہ سب قریش ہی سے ہوں گے (جامع ترمذی صفحہ ۲۲۹) (۱۰) جابر بن سمرہ روایت کرتے تھے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سُنا کہ حضرت فرماتے ہیں اس دین اسلام میں جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے یہ مٹ نہیں سکتا۔ وہ سب قریش ہی سے ہوں گے (جامع ترمذی صفحہ ۲۲۹) (۱۱) جابر بن سمرہ روایت کرتے تھے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت رسول خدا صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو سُنا کہ حضرت فرماتے ہیں اس دین اسلام میں جب تک بارہ خلیفہ رہیں گے یہ مٹ نہیں سکتا وہ سب قریش ہی سے ہوں گے (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۹) فرماتے ہیں (۱۱) حضرت رسول خدا صلعم نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد اسلام کے بارہ سردار اور حاکم ہوں گے اور وہ سب قریش ہی سے ہوں گے (صحیح بخاری کتاب الفتن باب الاستخلاف پ ۲۹ صفحہ ۶۲۸) (۱۲) جب تک ان مسلمانوں کے مولا اور پیشوا بارہ رہیں گے اس وقت تک ان لوگوں کا ایمان قائم رہے گا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری پ ۲۹ صفحہ ۶۲۹) (۱۳) مسلمانوں کے بارہ امام ہوں گے۔ جو سب ہدایت یافتہ ہوں گے۔ اُسی وقت روح اللہ نازل ہوں گے تو دجال قتل کیا جائے گا۔ اور بعض محدثین نے کہا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی پوری مدت میں قیامت تک بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو حق کے مطابق عمل کریں گے۔ اگرچہ ان کے زمانے یکے بعد دیگرے آتے رہیں اور اس مطلب کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو مسدد نے اپنی مسند کبیر میں ابو بکر کے طریقے سے درج کی ہے وہ یہ کہ ابو الجلد نے ان سے حدیث بیان کی کہ جب تک اس امت اسلام میں بارہ خلیفہ ہوتے رہیں گے جو سب ہدایت اور دین حق کے مطابق عمل کریں گے اسوقت تک یہ ہلاک نہیں ہو سکتی عمدۃ القاری جلد ۱۱ صفحہ ۴۳۵ ان حدیثوں سے واضح ہوا کہ حضرت رسول خدا نے اپنے بعد مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ صرف بارہ امام یا بارہ خلیفہ کی پیروی قرار دی ہے اور جو لوگ ان حضرات کی پیروی کریں گے وہ ضرور ہدایت یافتہ ہو جائیں گے

بارہ اماموں کے نام کی تصریح

آنحضرتؐ نے اُن حضراتؑ کے نام کی تصریح بھی فرما دی ہے (۱) حضرت رسول خدا صلعم جناب امام حسینؑ سے فرماتے تھے تم امام ابن امام حجۃ فرزند حجۃ اور ۹ حجتوں کے باپ ہو جنکے نویں بزرگ قائم ہوں گے (مودۃ القربیٰ صفحہ ۹۴) (۲) حضرتؐ نے فرمایا میرے کل وصی بارہ ہوں گے۔ پہلے علیؑ اور آخر قائم مہدی ہوں گے (ینابیع المودۃ صفحہ ۴۴۵) (۳) جناب جابر بن عبداللہ انصاری نے رسول خدا صلعم سے اولی الامر کی تفصیل پوچھی تو فرمایا وہ میرے بارہ خلیفہ ہیں جو میرے بعد ہونگے۔ اسطرح پہلے علیؑ پھر حسنؑ۔ پھر حسینؑ۔ پھر علی بن الحسینؑ۔ پھر محمد باقرؑ۔ پھر جعفر صادقؑ پھر موسیٰ کاظمؑ پھر علی بن موسیٰ پھر محمد بن علیؑ۔ پھر علی بن محمدؑ۔ پھر حسن بن علیؑ۔ پھر محمد مہدیؑ۔ (روضۃ الاحباب ۳ نسخہ تطہیر و ینابیع المودہ صفحہ ۳۷۶ و ۲۷۲)

چودھواں باب ۱۴

فرقہ اثنا عشریہ کے ناجی اور برحق ہونیکے دلائل قاطعہ

(۱) دلائل مذکورہ بھی کثرت سے ہیں۔ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں منقسم ہوگی ان سے صرف ایک فرقہ نجات پائیگا باقی سب گمراہ ہوں گے (مشکوٰۃ شریف جلد ۱ صفحہ ۵) اب ہر مسلمان کا فرض ہے کہ تحقیق کرے وہ ناجی فرقہ کون ہے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو سوائے فرقہ اثنا عشریہ کے کوئی فرقہ ناجی نہ نکلا سیلئے کہ حضرت رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے میرے بعد ۱۲ خلیفہ ہونگے۔ پس جو فرقہ آنحضرتؐ کے بعد صرف ۱۲ حضرات کو رسول خدا صلعم کا خلیفہ مانے اور یقین رکھے کہ حضرتؐ کے خلفاء نہ بارہ سے کم تھے نہ زیادہ وہی ناجی فرقہ ہے۔ اور ایسا اعتقاد رکھنے والے صرف اثنا عشری شیعہ ہیں کہ حضرت علیؑ سے حضرت مہدیؑ تک کو آنحضرتؐ کا خلیفہ برحق مانتے ہیں۔ اس فرقہ کے علاوہ جسقدر فرقے ہیں ان کے یہاں رسول کے خلفا کسی طرح بارہ نہیں ثابت ہوتے مثلاً سواد اعظم کہتا ہے کہ حضرت صلعم کے خلفاء راشدین ۴ تھے یہ یقیناً ارشاد رسول خدا صلعم کے خلاف ہے پھر وہ لوگ بادشاہ بنی امیہ کو خلیفہ رسول مانتے ہیں جن کی مجموعی تعداد ۱۴ تھی پھر بادشاہان بنی عباس کو مانتے ہیں ان کی مجموعی تعداد ۳۶ تھی۔ اس طرح خلفاء بنی عباس تک تعداد ۵۴ تک پہنچ جاتی ہے۔ حالانکہ رسول خدا صلعم نے فرما دیا تھا کہ آپ کے خلفاء ۱۲ ہونگے۔ پس یقیناً ناجی فرقہ وہی ہوسکتا ہے جو صرف ۱۲ اماموں کو مانتا ہے۔ اسی وجہ سے خاص خاص موقع پر خواب کے ذریعہ حضرت رسول خدا صلعم نے بھی مسلمانوں کو اسی مذہب کے اختیار کرنے کی تاکید کی مثلاً ایک تاریخی واقعہ ہے کہ برہان نظام شاہ والی احمد نگر کا پیارا بیٹا عبد القادر سخت بیمار ہوا بادشاہ نے کل حکیموں کے علاج کر ڈالے۔ برہمنوں کے بتخانے میں صدقے بھجوائے۔ ہندو مسلمان سب نے دعا کرائی مگر سب بے سود۔ اسوقت مذہب شیعہ اثنا عشری کے زبردست عالم شاہ طاہر تھے جو ایران سے آئے اور دکن میں بسر کرتے تھے بادشاہ سے عرض کی کہ حضور نذر کریں کہ اگر شاہزادے کو آج شفا ہوجائے تو دہ خطیر حضرات ائمہ معصومینؑ کی اولاد سادات کو پہنچائیں گے اور خطبہ آئمہ اثنا عشر پڑھواکر ان کے مذہب (شیعہ اثنا عشری) کی ترویج میں کوشش کریں گے۔ بادشاہ خوش ہوا اور اُسی وقت شاہ طاہر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہد و پیمان بجالایا۔ پھر بادشاہ اس رات کو شاہزادے کے پلنگ کی پٹی سے لگا بیٹھا رہا۔ ہر چند شاہزادہ۔ سرکو لحاف اٹھانے سے منع کردیا اور کہا اسی رات کا مہمان معلوم ہوتا ہے اب اور تھوڑی دیر دنیا کی ہوا کھا لینے دو۔ صبح ہوتے بادشاہ پٹی پر سر رکھ کر سوگیا خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک بزرگ نورانی صورت اس کے سامنے آئے اور ان کے داہنے بائیں ۱۲ دوسرے بزرگ بھی ہیں۔ برہان نظام شاہ سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ یہ حضرت محمد مصطفےٰ اور حضرتؐ کے داہنے بائیں ۱۲ امام ہیں پھر آنحضرتؐ نے بادشاہ سے فرمایا کہ خدا نے علی ابن ابیطالب کے فرزندوں کی برکت سے عبد القادر کو شفا بخشی اب تم پر لازم ہے کہ میرے فرزند طاہر کے کہنے سے تجاوز نہ کرنا۔ برہان نظام شاہ بیدار ہوا تو بیٹا شہزادے کو بالکل اچھا پایا۔ پس فوراً مذہب اثنا عشری اختیار کرکے اس کو خوب پھیلایا (تاریخ فرشتہ صفحہ ۱۱۵ و فتاویٰ عزیزی جلد ۱ صفحہ ۴۷ وغیرہ)

تمت

بفضلہ تعالیٰ